حدیثِ دل

حضور و سرور و نور و وجود

ظفراللہ خان

حدیثِ دل
ظفراللہ خان

حدیث دل

حضور و سرور و نور و وجود

ظفر اللہ خان

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ۔ اُردو بازار، لاہور

مصنف	:	**ظفراللہ خان**
ایڈیشن	:	اول، 2025
اشاعت	:	ستمبر، 2025ء
تعداد	:	۱۰۰۰
آئی ایس بی این	:	.000-000-00-0
قیمت	:	....

مشتاق بک کارنر کی مطبوعات کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رابطہ:
ویب سائٹ :https://mushtaqbookcorner.com/ فون : 042-37241382
+923454061241

ای میل : mushtaqbookcorner@gmail.com

۲۹۷.۴ خان، ظفر اللہ
خ ا ن حدیث دل: حضور و سرور و نور و وجود/ظفر اللہ خان۔
لاہور: مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ، ۲۰۲۵
xii، 594ص۔
آئی ایس بی این:.000-000-00-0

۱۔اسلام ۲۔تصوف ۳۔ سلوک ۴۔احسان ۵۔عنوان ٦۔ مصنف

حدیث دل کسی درویش بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

نظر حیات پہ رکھتا ہے مردِ دانش مند
حیات کیا ہے، حضور و سُرور و نُور و وجود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت:

رحمت اللعالمینؐ

بطریق:

بایزیدؒ و جنیدؒ امامین

خواجه من! نگاه دار آبروئے گدائے خویش
آنکه زجوئے دیگراں پر نکند پیاله را

(میرے آقا! اپنے گدا کی آبرو کی حفاظت فرما)
(جو دوسرں کی ندی سے اپنا پیالہ نہیں بھرتا)

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰؓ، سوز صدیقؓ دے

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

(آسمان کے نیچے ادب کی ایک ایسی جگہ ہے جو عرش سے بھی نازک ہے)
(جہاں جنید اور بایزید جیسے بزرگ بھی سانس روک کر حاضر ہوتے ہیں)

فہرست مضامین

حصہ سوئم: تصوف کے اعمال

حصہ چہارم: متفرقات

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۃ البقرۃ، آیت:38)

(ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

آداب عرض

تصوف، جو اسلام کی روحانی روایت کا ایک عظیم مظہر ہے، اپنے اندر ایسی گہرائی، وسعت اور ہمہ گیری رکھتا ہے کہ اس پر کی جانے والی ہر سنجیدہ تحقیق نئے زاویے، نئی بصیرت اور نئی معنویت کو اجاگر کرتی ہے۔ موجودہ کتاب اسی روایت کی ایک ایسی نئی کوشش ہے جو تصوف کے فکری اور عملی ارتقا کو بیان کرتی ہے۔ کتاب کو چار بنیادی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

حصہ اوّل: 'تصوف کا پس منظر'، میں ان عناصر کو اجاگر کیا گیا ہے جو تصوف کے ظہور اور اس کی ابتدائی تشکیل میں مؤثر رہے۔ دیگر مذاہب میں روحانیت کا تصور، اسلام کا مطلوب انسان اور قرآنی ونبوی تعلیمات کی روشنی میں تصوف کی بنیادوں کو پیش کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں باطنی رجحانات کی جھلک، دنیا کے حصول اور ترک دنیا کے مابین اسلامی نقطۂ نظر کو اس حصے میں بیان کیا گیا ہے۔

حصہ دوم: 'تصوف کی فکر'، تصوف کے نظریاتی وفکری ڈھانچے پر محیط ہے۔ تصوف کی تعریف، اس کا تناظر، تاریخی ارتقا، سنہری دور اور صوفیانہ فکر کے مختلف گوشے زیر بحث آئے ہیں۔ اللہ اور رسولؐ سے محبت، شریعت وطریقت کا ربط اور نبوت وولایت کا تعلق بیان کیا گیا ہے۔ تصوف میں در آنے والے غیر اسلامی نظریات کا علمی جائزہ بھی شامل ہے۔

حصہ سوم: 'تصوف کے اعمال'، تصوف کی عملی جہات اور روحانی اعمال پر مرکوز ہے۔ مقامات، احوال، رذائل، فضائل، دعا، مناجات، کرامات، خواب، سماع اور شطحات جیسے موضوعات شامل ہیں، نظام تربیت، پیری مریدی، سلاسل اور صوفیانہ شاعری کے ذریعے تصوف کے جمالیاتی اور اداره جاتی پہلو بھی سامنے لائے گئے ہیں۔

حصہ چہارم: 'متفرقات'، میں تصوف پر لکھی گئی اہم کتب کا تعارف اور ایک تجزیاتی مضمون شامل ہے جو تصوف کے فکری وسماجی اثرات کے مثبت اور منفی پہلو بیان کرتا ہے جن کو اس پوری کتاب میں متوازن طریقے سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک باب خاتمہ کے طور پر ہے جس

میں ان ذہنی، نفسی و روحانی کیفیات کو بیان کیا گیا ہے جن میں صوفی سرشار رہتا ہے۔

یہ کتاب علمی حلقوں کے لیے ایک قیمتی حوالہ بن سکتی ہے اور ان قارئین کے لیے بھی مفید ہے جو تصوف کو اس کی اصل روح کے ساتھ سمجھنا چاہتے ہیں۔ اس میں ہر باب کو تحقیق اور تنقید کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے، تاکہ قاری کو معلومات کے ساتھ ایک فکری جہت بھی نصیب ہو۔ مجھے امید ہے کہ یہ کاوش اہل علم اور سالکین کے لیے اسلامی روحانیت کو صحیح تناظر میں سمجھنے کے لیے ایک مضبوط علمی بنیاد بنے گی۔

کتاب کا نام اقبالؒ کے شعر سے لیا گیا ہے۔ جس میں وہ اصلی صوفیوں سے حدیث دل سیکھنے کی بات کرتے ہیں۔ جن کے ہاں تصوف اصل میں حضور، سرور اور نور ہے جس سے خودی کا وجود پختہ تر ہوتا ہے۔ اسی کلاسیکی تصوف کو اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں دوستوں کی معاونت کا مشکور ہوں۔ سیف اللہ بخاری اور شفیق منصور کی تحقیقی مدد حاصل رہی۔ احمد جاوید اور خورشید ندیم کی علمی مشاورت شامل حال رہی۔ قاری حنیف جالندھری کی زیر سرپرستی علما نے متن کی اصلاح فرمائی اور سید نعمان الحق نے کتاب کا مکمل نام منتخب کرنے میں رہنمائی فرمائی۔ خالد سلمان بٹ میری اس کاوش کو کتابی شکل میں لائے۔

اس ادنیٰ کاوش میں جو بھی اچھائی ہے وہ محض اللہ کا کرم ہے اور جو بھی نقص ہے اس کا میں اور صرف میں ہی ذمہ دار ہوں۔

اے خداوند کریم! میں نے اپنی یہ حقیر کوشش تیری بارگاہ میں پیش کر دی ہے۔ تو اس کو قبول فرما اور میری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

(میں نے اپنا سرمایہ تیرے سپرد کر دیا ہے)
(تو ہی حساب کی کمی اور زیادتی کو جانتا ہے)

ظفراللہ خان

آدمیہ
اسلام آباد
ستمبر 2025

سرود ازلی

اس غیر معمولی کائنات میں رہنے والے ہر ذی شعور انسان کے ذہن میں اس طرح کے سوالات کا پیدا ہونا فطری بات ہے:

چیست عالم، چیست آدم، چیست حق

(کائنات کیا ہے؟ انسان کیا ہے؟ حق کیا ہے؟)

مذہب، فلسفہ اور ادب عالیہ ان سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔ مذہب ان سوالات کو اللہ کے حوالے سے بیان کرتا ہے۔قرآن میں ارشاد ہے:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۃ البقرۃ، آیت:38)

(ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا)

الہامی مذہب کی روایت سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام تک آئی تو تین بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام نے جنم لیا۔ ایسے ہی دنیا میں دیگر مذاہب، ہندومت، بدھ مت وغیرہ اور فلسفیوں اور ادیبوں نے اپنے اعتبار سے ان سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی۔ ان سب میں قانونی روایات بھی ہیں لیکن انھوں نے زیادہ تر داخلی اور عرفانی کیفیات پر زور دیا۔

اسلام نے عرب کے ایک قبائلی سے بنیادی معاشرے میں (جہاں سماجی اور اقتصادی ترقی نہ تھی) ظہور کیا۔ جذبہ ایمانی، سادہ تعلیمات اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کردار کی وجہ سے یہ مذہب پھیلتے پھیلتے ایک دو سو سال میں بہت بڑی تہذیب بن گیا۔ ایک ایسی تہذیب جس نے موجود علاقائی عظیم تہذیبوں خاص طور پر مصری، ایرانی اور رومی تہذیب کی جگہ لے لی۔

اسلام کی پیدا کردہ ایک بہت بڑی علمی اور ادبی تحریک نے انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

جونہی یہ علم وادب آگے بڑھے تو اس کی کئی داخلی روایات سامنے آئیں۔قرآن مجید کی تفسیر کے لیے جو روایت بنی وہ علم تفسیر کہلائی، حدیث کو پڑھنے، پڑھانے اور پرکھنے کا جو نظام بنا وہ علم الحدیث کہلایا اور انسانی زندگی کے معاملات (کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، کیسے کرنا ہے، اس کی کیا درجہ بندی ہے) کے لیے جو علم بنا وہ علم الفقہ کہلایا۔ جب معاشرے میں مادی ترقی بہت بڑھ گئی اور فقیہانہ روایت کی ظاہر پرستی کے ردعمل میں داخلی کیفیات کا ذکر بڑھنے لگا تو ایک نئے علم نے جنم لیا جو علم تصوف کہلایا۔اس کا تعلق انسان کی باطنی تعمیر اور روحانی کیفیات سے ہے۔

قرآن کی بعض آیات، احادیث اور خاص شخصی رجحانات کے سبب تصوف کے آثار تو بعض صحابہ کرامؓ میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کی عظیم فتوحات کے سبب عوام کا رجحان جب مادیت کی طرف بڑھنے لگا تو اس کے ردعمل میں دنیا سے بے رغبتی اور تقویٰ پر زور دیا جانے لگا۔فقہیانہ موشگافیوں کے ردعمل میں داخلی رجحانات پر زور بڑھ گیا جو تصوف کی شکل میں منظم ہوا۔

دین اسلام، اللہ سے ایک خاص طرح کا فکری، جذباتی اور عملی تعلق چاہتا ہے جس سے علم کلام، تصوف اور فقہ نے جنم لیا ہے۔ جہاں علم کلام فکر کی آبیاری کرتا ہے اور فقہ انسان کی جسمانی اطاعت کو منظم کرتا ہے وہیں تصوف انسان کی داخلی ذوق وشوق اور سرشاری کو تشکیل دیتا ہے اور اس طرح کی ترتیب تقریباً تمام بڑے مذاہب میں پائی جاتی ہے۔

ہندومت، عیسائیت اور فلسفہ یونان سے رابطے سے فکری چیلنجز پیدا ہوئے جو داخلی تجربات کو ایک خاص فکری اور عملی شکل دینے لگے جس سے تصوف کی بعض تعلیمات اور اعمال متاثر ہوئے۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اس عمل نے ایک ظاہری اور باطنی تنظیم اختیار کر لی جس میں چوتھی صدی ہجری میں اضافہ ہوا اور اسے عوامیت حاصل ہوئی۔

ظاہری علوم کے علما نے اس خاص طرح کے صوفیانہ طرز فکر وعمل پر اعتراض کیا اور پھر کچھ علما اور صوفیا کی کوششوں سے ان دونوں مکتبہ ہائے فکر وعمل میں ہم آہنگی پیدا ہونے لگی جس کی تکمیل امام غزالیؒ (1111ء) نے فرمائی۔ یہ تصوف کا کلاسیکل دور تھا۔ خارجی نظریات کے زیر اثرات تصوف میں فلسفیانہ مسائل داخل ہو گئے۔ پھر سلاسل بنے اور تصوف کی فکر وعمل نے ایک خاص شکل اختیار کرنا شروع کر دی جس کے خلاف ظاہری علما کی طرف سے شدید ردعمل ہوا۔ اس ردعمل کے امام ابن تیمیہؒ (1328ء) ہیں جو میری رائے میں خود ایک عظیم صوفی ہیں۔

عہد حاضر کے تصوف میں سنجیدہ مسائل ہیں۔تصوف بندے کو اللہ کی حضوری میں لے جانے کا ایک عرفانی راستہ ہے۔تزکیہ نفس اس کا اہم ذریعہ ہے جس سے حسن معاشرت پیدا ہوتی ہے۔مگر اس سے ترک دنیا، علم سے دوری، بے عملی، عجیب وغریب دعوے پیدا ہونے لگے ہیں۔شخصیت پرستی اور بدعات وغیرہ نے جنم لے لیا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ تصوف اصل میں تزکیہ و احسان ہے۔اس کی اصلاح اور احیا وقت کا اہم تقاضا ہے۔تصوف دین کی ایک باطنی تعبیر ہے جس میں ایک کیف پایا جاتا ہے۔سرور پایا جاتا ہے۔یہ ایک غیاب کو حضور میں لانے کی کوشش ہے۔عہد الست کی وجہ سے انسان کی روح کے اندر تلاش حقیقت کا جو ایک فطری جذبہ پایا جاتا ہے، اس کے اظہار کی ایک کوشش ہے۔یہ ایک سرور ازلی ہے۔یہ روح کا ایک نغمہ ہے جو ہر روح میں مچلتا رہتا ہے۔عہد حاضر کا انسان مادی دنیا میں گم ہے اس کا باطنی قوت سے تعلق اس کو بامعنی سرشاری عطا کرسکتا ہے۔

عہد حاضر میں جدید مسلمان ذہن تصوف کی مروجہ شکل کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔جدید ذہن کا سانچہ ہی مختلف ہے۔مثال کے طور پر صوفیا کے ہاں لطائف کی مشق کو بہت اہمیت دی جاتی ہے لیکن اس میں جو مقامات ہیں، جو اس میں رنگ ہیں، جو اس میں سوچ و بچار کا ایک خاص طریقہ ہے وہ جدید علم نفسیات اور حیاتیات کا طالب علم نہیں سمجھ سکتا اور اگر وہ قبول کرے گا تو اس کے دل و دماغ میں اختلاف ہوگا، ایک طرح کا اس میں نفاق پیدا ہوگا، اس کی شخصیت دو حصوں میں بٹ جائے گی اور اس سے ایک روحانی شیزوفیرینیا کی سی کیفیت پیدا ہوگی جو شدید نفسیاتی اور اخلاقی مسائل کی شکل میں سامنے آئیں گے، جن کا ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں۔اس طرح اذکار کے پرانے طریقہ کار کو کوئی بھی جدید ذہن قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ویرانوں میں جا کر بیٹھنا اور چلہ کشی کرنا بھی جدید ذہن قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔دنیاوی ترقی کے نتیجے میں انسان اس مقام زہد کو لینے کو بھی تیار نہیں جو صوفیا بتاتے ہیں۔یہ وہ پہلو ہیں جو جدید ذہن قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔اس کی اصلاح کی ضرورت ہے تا کہ ہماری اتنی بڑی علمی و روحانی روایت سے آج کا انسان اور نوجوان کہیں مکمل طور پر کٹ نہ جائے۔

پھر عہد حاضر میں تجدید و احیا کے نام پر دین کی ظاہری تعبیر کی جا رہی ہے جو بالکل بے جان ہے۔فقیہانہ تعبیرات پر زیادہ زور دیا جانے لگا ہے، جس کے ردعمل میں بھی ہماری نوجوان نسل میں ایک خاص قسم کا اضطراب پایا جاتا ہے اور وہ اس کے خلاف ردعمل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔تصوف کی داخلی کیفیات اس کا علاج ہیں۔

دنیا میں مذہب کا زوال ہو رہا ہے اور خاص طور پر جو منظم مذہب ہے اس سے لوگ دور جا رہے ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ اس میں کس کا قصور ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ لوگوں میں خاص طور پر پڑھے لکھے نوجوانوں میں ایک روحانی خلا ہے۔تصوف ایک ذاتی قسم کا تجرباتی علم ہے جو اس خلا کو پورا کر سکتا ہے۔ مادی دنیا کے اندر جو ایک خشکی ہے، جو سوز و جذب سے دوری ہے۔ مادیت کی وجہ سے ذہن میں غیر مادی/ ماورائی چیزیں نہیں ہیں، اس کے لیے بھی مذہب کو اگر لانا ہے تو پھر تصوف کے حضور، سرور کو پیش کیا جائے۔

دین کے احیا کی ہماری اپنی ایک خاص روایت ہے۔ فقہ ہو، حدیث ہو، علم کلام ہو یا تصوف، ان تمام روایات میں بہت بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے ہیں اور جنہوں نے ان علوم کی اصلاح بھی کی اور تجدید بھی۔ عہد حاضر میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ تصوف کی روایت کے اندر اصلاح کا عمل شروع کیا جائے۔ اس کے اندر جو غلط چیزیں بلکہ خرافات آئی ہیں انہیں ختم کیا جائے اور کلاسیکی تصوف کی خوبصورت روایت کو آگے بڑھایا جائے اور تجدید کی جائے۔ جدید ذہن کو قابل قبول بنانے کے لیے اپنا علمی سرمایہ اور روحانی عمل قابل قبول صورت میں پیش کیے جائیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یونان کے قدیم ادب (ہومر) اور انگریزی ادب (شکسپیئر) کو عہد حاضر کے مغربی علما نے اس طرح سہل زبان میں پیش کیا ہے کہ آج کا نوجوان اسے پڑھ لیتا ہے۔ہمیں بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے اس عظیم علمی سرمائے کو ایک جدید زبان میں پیش کریں تا کہ لوگ اسے سمجھ سکیں۔

اس کوشش کا پس منظر یہ ہے کہ میں نے ایک کتاب 'اجتہاد' لکھی جس میں دین اسلام کی عصری تعبیر کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں ایک باب 'تزکیہ و احسان' کا ہے جس میں ایک تجزیہ پیش کیا ہے کہ تصوف کے کیا فائدے اور نقصانات ہیں اور عہد حاضر میں تصوف نے کیا مسائل پیدا کیے ہیں؟ اس وجہ سے خیال آیا کہ تصوف کی ایک نئی تعبیر پیش کرنی چاہیے تا کہ یہ روایت خالص شکل میں آگے بڑھے۔

میں نے سوچا کہ ہم پہلے طے کر لیں کہ اسلام (قرآن اور احادیث) کا مطلوب انسان کیسا ہے تا کہ ہماری تصوف کی جو تجدید و اصلاح ہو وہ ویسا ہی انسان بنانے کے لیے ہو جو قرآن و حدیث کا مطلوب ہے۔ اس لیے ہم نے یہ کوشش کی کہ تصوف کا جو بھی موضوع لیں اس کے لیے پہلے اسلام (قران وسنت) سے استدلال لائیں۔ کلاسیکل تصوف کے اماموں کی تعلیمات لائیں اور ان میں اگر کوئی افراط و تفریط ہوئی ہے تو اس کو ختم کر کے درمیانی راستہ لیں لیکن کسی پر تنقید نہ کریں اور صرف ان کی مثبت باتیں پیش کریں اور اختلافی موضوعات میں دونوں مکاتب فکر کی آرا دے کر درمیانی راہ اختیار کریں۔ اس پس منظر میں کئی کتب ترتیب دینے کا منصوبہ بنایا۔

اس وقت مسلمان دنیا اور زہد کے بارے میں اپنے نقطہ نظر میں افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ جو روایتی مذہبی طبقہ ہے وہ زہد کی ایسی تعبیر کرتا ہے کہ اس دنیا میں زندہ رہنا ممکن نہ ہے اور دنیا کی مادی ترقی ممکن نہیں ہے۔ مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے کہ جو مادیت میں اتنا گم ہے کہ وہ زہد کی لازمی دینی روایت کو چھوڑ گیا ہے۔ میرے خیال میں مسلمانوں کا یہ فکر وعمل بہت بڑا مسئلہ ہے کہ انہیں یہ سمجھایا جائے کہ اصل میں زہد کیا ہے؟ اس لیے میں نے سب سے پہلے کچھ اہل علم کے مشورے سے 'کتاب الزہد' ترتیب دی۔ احادیث کی کتب میں زہد اور رقائق کے جو ابواب پائے جاتے ہیں ان کو اکٹھا کیا اور مختلف موضوعات بنا کر ان احادیث کو پیش کیا اور ایک طویل مقدمہ لکھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ متوازن سوچ کیا ہے اور زہد پر عمل کرتے ہوئے دنیا میں کیسے رہا جا سکتا ہے اور کیسے دنیا میں مادی ترقی کی جا سکتی ہے؟

دین اسلام کی تعلیمات ظاہری ہوں یا باطنی، ان سب میں سب سے زیادہ زور اخلاقیات پر دیا جاتا ہے اور عہد حاضر کے مسلمان اس سلسلے میں بہت کمزور ہیں۔ اس لیے 'کتاب الاخلاق' ترتیب دی۔ جس میں صحیح احادیث اکٹھی کیں تاکہ مستند اخلاقی مواد ہمارے لوگوں کے سامنے آ جائے، جس کے مطابق وہ اپنی عملی زندگی ترتیب دیں۔

تصوف میں دعا و مناجات پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ دعا اللہ سے تعلق بنانے کا آسان اور موثر ترین ذریعہ ہے۔ اس سے انسان، اللہ سے براہ راست منسلک ہو جاتا ہے اور روحانی فیض پاتا ہے۔ اس لیے کتاب 'اللھم' (کتاب الدعا) ترتیب دی، جس میں قرآن وحدیث سے انبیائے کرام علیہم السلام کی عمومی اور خصوصی دعائیں اکٹھی کیں۔

تصوف میں بہت اہم موضوع 'مقامات' ہے۔ مسلمان اس میں بھی افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ جب اس بارے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ مقامات پر کوئی بھی الگ سے کتاب موجود نہیں۔ تصوف کی امہات کتب میں اس بارے میں کچھ پیرا گراف پائے جاتے ہیں۔ مقامات کی تعداد بھی مختلف کتب میں مختلف ہے۔ ہم نے بارہ مقامات منتخب کیے، قرآن اور سنت سے ان کی بنیادیں ڈھونڈیں، کلاسیکل تصوف کے علما کے اقوال لیے، ان کے علمی مباحث لائے اور کبائر صوفیا کے عملی واقعات لائے۔ کچھ احباب کی خواہش تھی کہ 'مقامات' طویل علمی کام ہے، اس کا خلاصہ تیار کیا جائے۔ اس لیے 'مقامات' کا خلاصہ بھی تیار کیا جو 'ذوق بندگی' کے نام سے ہے۔

مقامات وہ مستقل کیفیات ہیں جو سالک کو اللہ کے راستے میں چلتے ہوئے حاصل ہوتی ہیں جبکہ احوال وہ کیفیات ہیں جو بدلتی رہتی ہیں۔ احوال پر بھی کوئی علمی کام نہیں ہوا ہے۔ اللہ کے فضل سے ہم

نے چالیس احوال کوقرآن وحدیث اور کلاسیکل صوفیا کے اقوال کی روشنی لکھا ہے۔ یہ علمی کاوش 'احوال' کے نام سے شائع ہوئی۔

میں نے محسوس کیا کہ ایک ایسی کتاب کی بھی ضرورت ہے جس میں تصوف کا پس منظر، عقائد، ارتقاء، مقامی وزمانی وسعت کو بیان کیا جائے۔ اس کی خاص فکر کو بیان کیا جائے، اس کے خاص اعمال کو بیان کیا جائے۔ سب سے بڑھ کر قرآن وحدیث کی روشنی میں اور ایسی زبان میں بیان کیا جائے جو جدید ذہن کے لیے قابل قبول ہوتا کہ یہ ایک بنیادی کتاب کی حیثیت سے لوگوں کو ایک جامع تصوف کے علم و عمل تعارف کروائے۔ ہم نے یہ کتاب: 'حدیث دل'، اس سلسلے میں مرتب کی ہے۔ اس میں صرف ایک موضوع 'وحدۃ الوجود' سے گریز کیا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف کے تمام مباحث اس میں آ گئے ہیں۔ نظریہ وحدۃ الوجود کو نہ لانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ میری رائے میں کلاسیکل تصوف کا یہ موضوع ہی نہیں ہے۔ تصوف کی امہات کتب میں کسی میں بھی اس پر بحث نہیں ہے۔ نہ ہی روحانی وصوفی سلاسل کے بانی بزرگوں نے اس موضوع کو چھیڑا ہے۔ یہ غیر ضروری ہے اور اس کا تصوف کے فکر وعمل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک علمی کام ہے جو صرف علما کے درمیان ہی رہنا چاہیے۔

تصوف ایک سرورازلی ہے، یہ کیف ہے، یہ دل کی ایک خوبصورت طلب ہے اور یہ انسان کا اللہ کو اپنے حضور میں لانے کا ایک عمل ہے۔ تصوف میں انسان غیاب سے نکل کر حضورالٰہی میں پہنچ جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس کے اندر ایک خاص طرح کا سرور پیدا ہوتا ہے۔ سرشاری ووارفتگی پیدا ہوتی ہے۔ رفعت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ اس عمل میں انسان جب آگے بڑھتا ہے تو اس کو اپنی ذات کا نور نظر آتا ہے۔ اللہ پاک کے نور اور حضور نبی پاک ﷺ کے نور کا فیضان ملتا ہے۔ جب انسان یہ حضور، سرور اور نور حاصل کر لیتا ہے تو اس کا وجود اپنی ذات اور انسانیت کے لیے مفید بن جاتا ہے۔ خودی پختہ ہو جاتی ہے۔ اس کے وجود میں وہ افکار واعمال پختہ ہو جاتے ہیں جو اللہ پاک کو انسان میں مطلوب ہیں۔ یہ پورا عمل تصوف کا مقصود ہے، اس کا منتہا ہے۔

ہم نے یہی کوشش کی ہے کہ جو آدمی اس کتاب کو پڑھے وہ تصوف کی ان تمام مباحث سے واقف ہو جائے، اعمال سے واقف ہو جائے بلکہ اسے حضوری ملے، سرور ملے، نور ملے اور صحیح وجود ملے۔ اگرچہ یہ داستان طویل ہے ہم نے زمانی ومکانی مجبوریوں کے سبب اس کو نہایت مختصر کرنے کی کوشش کی ہے۔

شب رفت و حدیث ما به پایان نرسید
شب را چه گنه حدیث ما بود دراز

(شب چلی گئی اور ہماری بات مکمل نہ ہو سکی)
(رات کا کیا قصور؟ ہماری بات ہی طویل تھی)

اصل میں حقیقت تو یہ ہے کہ خدا کی تلاش کے اس حسین عمل کو لکھنا ہی محال ہے۔اس کے لیے یہ کائنات نا کافی ہے بلکہ اس کی تو ایک جہت کے بیان کے لیے بھی یہ جہان رنگ و بونا کافی ہیں۔

افسانہ خیال بہ پایاں نمی رسد
عالم تمام یک سخن ناتمام اوست

(خیال کا یہ افسانہ کہیں انجام ہی نہیں ہو رہا)
(تمام عالم اس کا ایک ناتمام سخن ہے)

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ.

(سورۃ فصلت، آیات: 30-31)

(جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر ثابت قدم رہے یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو، بلکہ اس جنت کے بارے میں خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں جو چاہو گے تمہیں ملے گا اور جس چیز کی تمنا کرو گے، اسے پاؤ گے)

حصہ اول

تصوف کا پس منظر

دیر و حرم آئینۂ تکرار تمنا
واماندگی شوق تراشے ہے پناہیں

1۔ دیگر مذاہب میں تصوف

روحانیت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ مذاہب کی تاریخ ہے۔ روحانیت کی کوئی حتمی اور متعین تعریف کرنا تو بہت مشکل ہے مگر عام طور پر اس سے مراد مقدس ہستیوں یا تصورات سے وابستگی، عقل اور حواس سے ماوریٰ روحانی تجربات و مشاہدات، مراقبہ، ترکِ دنیا، زہد و ریاضت اور ضبطِ نفس پر مبنی زندگی رہی ہے۔

زمانہ قدیم میں روحانیت مذہب اور تصوف کے ملاپ سے وجود میں آتی تھی۔ تصوف کسی نہ کسی شکل میں ہر مذہب میں اپنا وجود رکھتا ہے چاہے وہ یہودیوں کا قبالہ ہو، مسیحیوں کے سینٹ ہوں، مسلمانوں کا تصوف ہو، ہندوؤں کا جوگ ہو یا بدھوں کا نروان ہو۔ دنیا میں مختلف مذاہب آتے رہے مگر ان تعلیمات نے کسی نہ کسی صورت میں اپنا وجود برقرار رکھا۔ ان مذاہب کے روحانی لوگوں کی مشترکہ اقدار بھی رہی ہیں، البتہ اپنے اپنے مذاہب کے زیر اثر مقدس شخصیات، زہد و عبادت کے طریقے اور روحانی تجربات کی نوعیت میں کچھ تبدیلی بھی ہوتی رہتی تھی۔ مگر ہر ایک کا مقصود مذہب کے قانونی پہلوؤں اور ظاہری مراسم سے بلند ہو کر اپنی ذات میں ڈوب کر دل کا سکون تلاش کرنا ہوتا تھا۔ ذیل میں اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں تصوف کے رجحانات و تاریخ پر اختصار کے ساتھ بات کی جاتی ہے:

1۔ ہندومت میں تصوف

1500 سال قبل مسیح، آرین اقوام وسط ایشیاء سے آ کر سندھ کے علاقے ہڑپہ اور موہنجوداڑو میں آباد ہوئیں۔ یہ علاقے اس وقت برصغیر کی تہذیب و تمدن کا سر چشمہ سمجھے جاتے تھے۔ ہندوؤں کی پہلی مقدس کتاب 'رگ وید' انہی آرین اقوام کے مفکرین نے لکھی جو ان کی دیوی دیوتاؤں کی عظمت کے گیتوں پر مشتمل ہے۔ یہیں سے ہندو مذہب کی ابتدا ہوئی۔ (مقدمہ ارتھ شاستر)

ہندو مذہب کے ویدوں میں عبادات، مختلف رسوم و آداب کے معانی و مطالب، مقدس گیتوں اور

دعاؤں کے علاوہ فلسفہ وعرفان پر بھی بہت کچھ ہے جن کے مضامین بہت دقیق اور عمیق ہیں۔ ہندو مذہب کے رہنماؤں نے ان ویدوں کی شروحات بھی لکھی ہیں جنہیں اپنشد کہا گیا۔ ان میں ہندو مت کے مذہبی احکام وعبادات کا عکس ملتا ہے اور اس کی بہت سی عبارتوں سے وحدت الوجود کا فلسفہ عیاں ہوتا ہے۔ ان میں تخلیقِ کائنات، عالمِ بالا اور عالم سفلی بارے میں نظریات موجود ہیں۔ بعض اقوال سے مراقبے کی اہمیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اپنشدوں کا پیش کردہ تصوف برہم سوتر کہلاتا ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ اپنشد قدیم تصانیف ہیں جن میں متصوفانہ مزاج کے خصائص بیان کردیے گئے ہیں۔ ہندو صوفیانہ عقائد کی داستان ان کتابوں میں ملتی ہے۔

اپنشد کا زمانہ تصنیف آٹھویں صدی قبل مسیح ہے۔ ان سارے اپنشدوں میں جو ایک موضوع خاص طور پر نمایاں ملتا ہے وہ وحدت الوجود کا ہے۔ اپنشدوں کے مجموعے عرفانی ہیں اور ان کے مضامین ویدوں پر مبنی ہیں لیکن یہ ہندوستان کے تمام فکری دھاروں کے منبع بھی شمار ہوتے ہیں۔ اپنشدوں میں بیان ہوا ہے کہ تمام چیزیں خواہ مادی ہوں یا روحانی، بشری ہوں یا حیوانی، نباتی ہوں یا اجرامِ علوی یا ارواحِ مجرد ہوں، سبھی حق اور حقیقت کے دریا میں غرق ہیں اور مادی دنیا کی انتہا میں ایک لامحدود اور قائم بالذات وجود ہے، وہی حق ہے اور بس۔ وہ فنا پذیر نہیں ہے۔ ازلی وابدی ہے۔ دانا، قوی اور کائنات کا نگہبان ہے۔

اپنشدوں کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو وہ خالصتاً صوفیانہ نوعیت کی معلوم ہوتی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے: (i) حقیقت واحد ہے اور یہ کائنات اس ذات یکتا و یگانہ کا مظہر ہے، (ii) وہ حقیقت سیتم (حق، سچ) ہے، (iii) وہ حقیقت مختارِ کل ہے، (iv) عرفان ذات حق اس کے فضل وکرم پر موقوف ہے، (v) دنیا میں رہو مگر اس سے دل مت لگاؤ، (vi) انسان کا حقیقی دشمن باہر نہیں اندر ہے، (vii) جب تک ان دشمنوں کو مغلوب نہیں کروگے برھم گیان (عرفان) حاصل نہیں ہوسکتا اور (viii) جسے برھم گیان حاصل ہوجاتا ہے اس میں اطمینان، ہمت، جذبہ اور خدمت خلق جیسی صفات پیدا ہوجاتی ہیں۔

ہندوؤں کی مقدس کتاب 'گیتا' میں بھی روحانیت اور تصوف کا رجحان ملتا ہے۔ گیتا میں فلسفہ بھی ہے اور 'یوگ شاستر' بھی ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ حقیقت (خدا) کیا ہے اور یہ بھی کہ انسان اس تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ گیتا کے اسرار ورموز کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص یوگ اختیار کر کے شرائط کی پابندی کرتا ہے اور ریاضت کرتا ہے تو اسے خدا کا دیدار نصیب ہوتا ہے جسے 'برھم استتھ' سے تعبیر کیا گیا۔ گیتا کہتی ہے

کہ یہ عارف ہی انسانِ کامل کا مصداق ہے، عارف کو ابدی مسرت اور سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔

(تاریخ تصوف، ص:31)

ہندو مذہب کا عقیدہ ہے کہ انسانی نفس میں داخلی گہرائیاں ہیں جس کو موت بیتی کہتے ہیں اور وہ حقیقی ہے اور یہ کہ انسانی روح، انسانی جسم سے الگ ہے اور روح زیادہ اہم ہے۔ بہت سے ہندو صوفیوں کے نزدیک خدا سے وصال علم کے حصول کے بجائے وجد کے عالم میں (اپنے حواس سے نکل کر) ہوتا ہے، جس کے لیے بہت سخت ارتکاز، تفکر اور مراقبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض کے نزدیک وجد ایک ابتدائی شکل ہے جس میں کھو جانا نقصان دہ ہے اور یوگا اسی لیے کرایا جاتا ہے کہ ایسے مسائل سے بچا جا سکے۔

ان کے نزدیک انسان میں دو طرح کی سوچیں اور صلاحیتیں ہیں، غیر محدود کی طرف کشش اور رر محدود (دنیا) کی طرف میلان۔ انسان اصل میں دوسری دنیا کا ہے۔ خدا کے بغیر دنیا 'مایا' ہے، لیکن زندگی کا بھی ایک مقصد ہے۔ 'مایا' سے نکل کر انسان انسانیت کی خدمت کر سکتا ہے۔ خدا کی محبت اسی راستے سے ملتی ہے۔ روح کو دنیا سے الگ کرنا ہے مگر دنیا کو چھوڑنا نہیں ہے۔

ہندوؤں کی مقدس سمجھی جانے والی کتب میں توحید، ریاضت، خیر و شر، روح اور خدا کے ساتھ تعلق کا ذکر جگہ جگہ موجود ہے۔ ان کتب میں بتایا گیا ہے کہ زمین پر سے شر اور فساد کو ختم کیا جائے اور خیر کو پھیلا دیا جائے۔ انسان کا خالق سے ایک رشتہ ہے اور وہ رشتہ یہ ہے کہ انسان مجبور ہے اور اللہ تعالیٰ کی کفالت میں رہنے کے لیے ہے۔ خالق اور مخلوق کی صفات جداگانہ ہیں۔ روح اور روحانیت سے دوری شر اور فساد کو جنم دیتی ہے اور روح و روحانیت سے قربت انسان کی قوت میں ایسے اضافے کرتی ہے جس سے انسان عالم بالا کی سیر کرتا ہے اور ریاضت و مشقت کے نتیجہ میں خالق ارض و سما سے متعارف ہو جاتا ہے۔ ہندومت کے ویدانت میں معرفت حاصل کرنے کے لیے گیان اور دھیان ضروری ہیں۔

وحدت الوجود کا فلسفہ ہندومت کے تصوف کی اساس ہے، جس کی تفہیم وہ اپنے طریقے اور اپنے عقائد کے مطابق کرتے ہیں۔ ان کی کتب میں بتایا گیا ہے کہ زندگی کی ساری قوتیں ایک اصل میں ضم ہوتی ہیں جس کو وہ آتما کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ہر چیز کی پیدائش کو اسی سے منسوب کرتے ہیں۔

آتما تمام چیزوں کے خمیر میں پانی میں نمک کی طرح داخل ہے۔آب شور کا کوئی قطرہ نمک سے خالی نہیں ہے لیکن پانی اپنا کوئی مستقل وجود نہیں رکھتا ہے۔تمام چیزیں آتما سے وجود میں آتی ہیں جس طرح چنگاری آگ سے نکلتی ہے۔روح کلی اور روح جزئی کے درمیان ایک مشترک حقیقت موجود ہوتی ہے اور تمام نفوس اپنے سارے مظاہر میں خواہ نفس حیوانی ہوں یا نباتی، حقیقت میں اسی برھما یا آتما کا عکس ہیں، غیر نہیں۔اس لحاظ سے تمام دنیا کے نفوس جزئیہ نفس کلی سے متحد اور ایک ہیں جنہیں پرماتما کہتے ہیں۔

انسانی روحانی فلاح کے متعلق ہندو تصوف میں منزل یہ بتائی گئی ہے کہ روح کے ارتقا و تکمیل کے لیے فنا کے مرحلے 'نروان' میں داخل ہونا چاہیے۔یعنی جس وقت روح انسانی دنیا کی روح کلی کے ساتھ اپنی یگانگت اور اتحاد سے واقف ہوگئی اور آتما برھما میں منتقل ہوگئی۔یہ واقفیت اس میں ایسا جذبہ اور شوق پیدا کرتی ہے کہ یہ (روح انسانی) اشتعال کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے اور عین الیقین کی منزل کو پالیتی ہے۔جب اس مرحلے میں پہنچتی ہے تو روح کو ایسی سعادت اور لذت پہنچتی ہے کہ تعریف نہیں کی جاسکتی۔جو کچھ وہم وخیال میں بھی نہیں آتا، وہ ہوتا ہے۔

ہندو مذہب میں روحانیت کے طالب سادھو یا سنت کہلاتے ہیں جو نجات حاصل کرنے کے لیے جنگلوں اور غاروں میں رہتے ہیں۔اپنے جسم کو ریاضتوں سے تکالیف پہنچاتے ہیں۔گرمی، سردی، بارش اور ریتلی زمین پر ننگے بدن رہنا اپنی ریاضتوں کا مقدس ترین عمل سمجھتے ہیں۔جسمانی ریاضتوں کے ساتھ ہندومت میں دماغی اور روحانی مشقتوں کو بھی نجات کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، چنانچہ یہ لوگ تنہا شہر سے باہر غور وفکر میں مصروف رہتے ہیں۔ہندو معاشرے میں ان کی بہت زیادہ عزت کی جاتی ہے یہاں تک کہ کئی فرقے ان کی باقاعدہ پوجا بھی کرتے ہیں۔ہندومت میں یوگا کو مذہبی نوعیت کی اہمیت حاصل ہے۔

جس طرح کئی دیگر مذاہب کے صوفی ادب میں کئی ایسی شخصیات کا تصور موجود ہوتا ہے جو مافوق الفطرت ہوتی ہیں اور عام لوگوں سے ممتاز اور بلند درجہ ہوتی ہیں، اسی طرح ہندوؤں میں رشی، منی، مہاتما، اوتار، سادھو، سنیاسی، یوگی، گیانی، شاستری اور چتھرویدی وغیرہ مختلف مراتب اور مناصب کے بزرگ سمجھے جاتے ہیں جنہیں مافوق الفطرت قوت اور اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

ہندوؤں کا روحانی وصوفی فلسفہ ان کے تمام بڑے سلاسل وفرقوں میں موجود ہے اور اس حوالے سے وقت کے ساتھ اصلاحات بھی ہوتی رہی ہیں۔ہندومت کے صوفی مصلحین میں سری شنکر، سری

رامانج، بھگت کبیر، رام دیو، تکارام، بدھا اور نانک جیسے لوگ شامل ہیں۔خود جین مت کے مہاویر، بدھ مت کے سدھارتھ اور سکھ مت کے گرو نانک جیسی شخصیات ہندومت کے دینیاتی اتار چڑھاؤ اور نظریاتی پیچ وتاب کے نتیجے میں سامنے آئیں، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودی سماج کے ایک فرد کی حیثیت ہی سے پیدا ہوئے تھے لیکن انہوں نے یہودی سماج میں اصلاحات کا بیڑا اٹھایا جو انجام کار عالمگیر مسیحیت پر منتج ہوا۔ ہندومت کے صوفی مصلحین نے اپنے زمانوں میں ہندومت کے تصوف کو دینیاتی اور فلسفیانہ رنگ دیا اور تصوف میں ادراک، حصولِ وجدان اور سمادھی کے لیے ایک دوسرے سے نسبتاً مختلف اعمال کا پرچار کیا جو بعد میں ہندومت کے اندر روحانی فلسفے کے سلاسل بن گئے۔

وقت کے ساتھ ہندومت کے ماننے والوں میں کہانیوں کا غلبہ ہوتا گیا اور دینی ڈھانچے میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ روحانی اور صوفیانہ تعلیمات میں بھی تبدیلیاں آتی گئیں۔ بعد میں ان تعلیمات میں اصلاحات کی بھی کئی کوششیں ہوئیں، جن میں سب سے معروف 'بھگتی تحریک' ہے۔ پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں اس کا آغاز ہوتا ہے۔مروج ہندو ڈھانچے میں تصوف کے لیے گھر بار چھوڑنا، بیوی بچوں سے علیحدگی اختیار کرنا، جنگلوں میں بھٹکنا ضروری ہے۔ ہندومت میں تصوف کی اعلیٰ منزل 'موکچھ' اور 'مکتی' حاصل کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کا دنیا و مافیہا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے لیے ان کے یہاں ایک باقاعدہ اصطلاح موجود ہے جس کو 'سنیاس' کہا جاتا ہے۔ روحانی تعلیمات اور خدا سے تعلق کے منہج میں اصلاحات کی بھکتی جیسی تحریکوں میں انسان کو سماج سے کاٹنے پر تنقید کی گئی ہے اور زور دیا گیا ہے کہ انسان ترک دنیا کی بجائے ایک میل جول والی زندگی کے ساتھ خالق کے ساتھ تعلق قائم کرسکتا ہے۔ ہندو مذہب میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اصلاحی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں۔

2۔ یہودیت میں تصوف

بعض تاریخی مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی پہلی تباہی کے بعد جب یہود اپنے ضعف وانحطاط کو پہنچ گئے تھے، تب ان کے اندر تصوف کے رجحانات پیدا ہوئے اور باطنیت کی طرف میلان نظر آیا۔ یہودیت میں باقاعدہ نظری تصوف کی روح تب پیدا ہوئی جب بعد میں ان کے مذہبی پیشواؤں نے یونانی تہذیب کا مطالعہ کیا۔بعض مفکرین کے مطابق یہودیت کے اندر عہد نامہ عتیق[1]

[1] ۔ مذہبی صحیفہ جو بنی اسرائیل کی تاریخ، شریعت، انبیاءؑ اور دینی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ یہودیت میں یہ مکمل کتاب Tanakh کہلاتی ہے اور دین یہود کی بنیاد ہے۔

(Old Testament) میں صوفیانہ خیالات موجود نہیں تھے، لیکن یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، اس لیے کہ عہد عتیق کی تحریروں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی مذہب اور عقیدہ انسانی کی داخلی واردات اور صوفیانہ کیفیات سے خالی نہیں رہا۔ عہد عتیق کے نوشتوں میں اسرائیلی انبیاء کی ایسی داخلی واردات کا ذکر موجود ہے جن کی بنیاد پر یہودیوں کے ہاں تصوف کی روایت قائم ہوئی۔

زبور اور عہد نامہ قدیم یا توریت کا ظہور جب ہوا، اس زمانے میں توحید کے صوفیانہ مباحث کا ویسا رواج تو نہیں تھا جیسا کہ بعد میں نظر آیا جب تصوف کی روایت با قاعدہ منظم ہوئی۔ اس لیے تشریحاتی طور پر تصوف کے وہ زیادہ تر رجحانات اس عہد میں مفقود تھے جب زبور یا توریت نازل ہوئیں۔ البتہ ان کتب میں ایسے اذکار و آیات موجود ہیں جن کا روحانیت سے براہ راست تعلق ہے۔ چونکہ یہودیت ایک قانونی دین رہا ہے، اس لیے شروع کے ادوار میں تو تعبیراتی سطح پر تصوف کا رجحان اس طرح نہیں ملتا، مگر ان کتب میں ایسی تحریریں ضرور موجود ہیں جو روحانیت سے تعلق رکھتی ہیں اور بعد میں اس مذہب میں تصوف کی بنیاد بنیں اور ان کی باطنی شروحات کی گئیں، مثلاً تعلق باللہ کے ضمن میں زبور کے یہ اذکار ملاحظہ ہوں:

اے خدا! مجھ سے انصاف کر کیوں کہ میں راستی سے چلتا رہا ہوں۔

اور میں نے خداوند پر بے لغزش توکل کیا ہے۔

اے خداوند! مجھے جانچ اور آزما، میرے دل و دماغ کو پرکھ۔

کیونکہ تیری شفقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

اور میں تیری سچائی کی راہ پر چلتا رہا ہوں۔

میں تیرے نافرمان لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھا۔

میں ریاکاروں کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔

بدکرداروں کی جماعت سے مجھے نفرت ہے۔

میں شریروں کے ساتھ نہیں بیٹھوں گا۔

میں بے گناہی میں اپنے ہاتھ دھوؤں گا۔

اور اے خداوند! میں تیرے گھر کا طواف کروں گا تا کہ شکر گزاری کی آواز بلند کروں۔

اے خداوند! میں تیری سکونت گاہ اور تیرے جلال کے خیمہ کو عزیز رکھتا ہوں۔

میری جان کو گنہگاروں کے ساتھ اور میری زندگی کو خونی آدمیوں کے ساتھ نہ ملا۔ (زبور، مزامیر داؤد، ص:26)

یہودیت میں تصوف کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ تصوف ایک ایسی کوشش ہے کہ جس میں انسان خدا کے ساتھ حسی اور ذہنی ذرائع کے بغیر براہ راست تعلق پیدا کر سکے۔ ظاہر ہے کہ ایسی روایت ہر مذہب میں موجود ہے۔ یہودیت کے اندر ابتدا میں تصوف کا تصور نہیں تھا۔ ایک خدا کو مان کر تورات پر عمل کر کے نجات حاصل کرنے کا تصور تھا، لیکن آہستہ آہستہ تورات کی صوفیانہ تشریح کی جانے لگی۔

یہودیت میں تصوف کے تین طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں:

(i) **وجدانی:** اس رجحان میں خدا کی وجدانی طریقے سے تلاش کی جاتی ہے۔

(ii) **ذہنی:** اس رجحان میں مابعد الطبیعیاتی مراقبے کیے جاتے ہیں۔

(iii) **باطنی:** اس رجحان میں الوہی حقیقت کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ عرفان کی شکل ہے اور یہ تصوف 'قبالہ' میں پایا جاتا ہے۔ 'قبالہ' وہ اصطلاح ہے جس کا اطلاق یہودی مذہب کے ماننے والے اپنے حلقے کے روحانی شعبے کی نمائندگی کرنے والی ایک مخصوص تحریک پر کرتے ہیں۔ قبالہ کی تعریف یہ کی گئی ہے: 'ایسا علم جو دین کی لطیف اصطلاحات و موضوعات کی باطنی تعبیرات کرتا ہے۔ یہ شعبہ دعویٰ کرتا ہے کہ دین میں استعمال کی گئی ہر نص کا ایک مخفی اور باطنی پہلو بھی ہوتا ہے'۔

یہودیت میں پہلی صدی سے بارہویں صدی تک یہودیت کے اندر صرف وجدانی اور ذہنی تصوف کی شکلیں موجود تھیں، جب کہ باطنی تصوف یہودیت میں بعد میں ظاہر ہوا۔ ابتدائی دور میں ان کا زیادہ زور خدا کی صفات، فرشتوں اور شیطانوں کے احوال، آخرت کی کیفیات اور آسمان سے متعلق علوم واحوال پر تھا، یہ رجحان زیادہ تر مافوق الفطرتی تھا۔ یہ معاملات عمومی طور پر کتاب Sefer Yetzirah میں موجود ہیں۔

ان کے علما میں صوفیانہ مباحث زیادہ تر یونانی علم کے زیر اثر شروع ہوئیں۔ ساتویں/آٹھویں

صدی عیسوی میں جب اسلام کا غلبہ ہوا تو اس وقت زیادہ تر یہودی مسلم علاقوں میں رہتے تھے۔ اسلام کے زیر اثر یہودیوں میں بھی توحید کا عنصر خالص ہونے لگا، باطنی اور روحانی زندگی گزارنے کے بارے میں تاکید شروع ہوئی اور دنیا سے دل موڑ کر خدا کی طرف جانے کا رجحان پیدا ہوا۔

سولہویں صدی عیسوی میں حاسدیت کی تحریک نے جنم لیا۔ اس کو اسرائیل بن ایلیزر (Israel ben Eliezer) نے خوب پھیلایا۔ اس فکر نے پوری انسانی زندگی کو روحانیت کے تابع لانے کی تعلیم دی۔

یہودی صوفیا نے یونانی علم سے متأثر ہونے کے بعد مختلف علاقوں میں اپنے اپنے حلقے اور سلسلے قائم کیے جہاں مخصوص لوگوں کو خفیہ طور پر تصوف کی تعلیم دی جاتی تھی۔ البتہ یہودی تصوف نے عمومی حیثیت میں اخلاقی اقدار کی ترویج میں زیادہ حصہ نہیں لیا۔ اس لیے کہ تصوف میں ان کا محور انسان نہیں رہا، ان کا تصوف زیادہ تر دینی اصطلاحات کی تشریحات اور ذاتِ الٰہی تک محدود رہا۔ انسان اور کائنات ان کی دلچسپی کا موضوع نہیں تھا۔ تصوف میں یہودیت کی اہم کتاب 'زوھار' سمجھی جاتی ہے جو اصل میں تورات کی صوفیانہ تفسیر ہے۔

مسیحیت کے ظہور سے ایک صدی قبل یہودیت میں تصوف کے باقاعدہ منظم انداز میں رجحانات سامنے آنے لگے تھے۔ یہودی عالم فیلو (Philo) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک صدی قبل میں تورات اور اس کے احکام کی جو تفسیریں اور تعبیریں کی تھیں، انہیں یہودیت میں بہت مقام حاصل ہے۔ یہود کے راہبوں نے نفسی علوم میں غیر معمولی مہارت حاصل کی اور انہیں اپنے لوگوں میں خوب مقبولیت ملی تھی۔ ان کی کامیابیوں کے پیش نظر بہت سے دنیا پرست بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان جعلی صوفیوں کا مقصد لوگوں کو اپنا مرید بنا کر انہیں لوٹنا تھا۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس طرح کے صوفیا کا بہت غلبہ تھا۔ آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد بہت مشہور ہے: 'اے شریعت کے عالمو اور فریسیو، اے ریاکارو، تم پر افسوس، کیونکہ تم کسی کو اپنا مرید بنانے کے لیے تو تری اور خشکی کا سفر کر لیتے ہو اور جب بنا لیتے ہو تو اسے اپنے سے دوگنا جہنمی بنا دیتے ہو' (اپنے سے دوگنا بے عمل بنا دیتے ہو)۔ (متیٰ، 15:23)

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہودیت میں تصوف کا علم صرف سینہ با سینہ زبانی منتقل کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں ان کے ہاں بھی تصوف کا باقاعدہ ادب موجود ہے۔ اس سلسلے کی مشہور کتابیں تلمودی عہد میں لکھی گئیں اور آج بھی یہودی سلسلۂ تصوف 'قبالہ' کی رہنما تصانیف مانی جاتی ہیں۔ 'قبالہ' محض قدیم

یہودی تاریخی تحریک نہیں ہے جو ختم ہوگئی ہو، بلکہ عصر حاضر میں بھی بعض یہودی اس کی طرف رجحانات رکھتے ہیں اور یہ زندہ ہے اور آرتھوڈوکس یہودیوں میں روحانیت کی طرف جھکاؤ اب بھی باقی ہے۔

یہودی تصوف کے خصائص کا غور سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اسلام اور مسیحیت وغیرہ میں انسانی ذات کے روحانی پہلوؤں، زہد، ترک دنیا اور نفسی امور پر توجہ دی جاتی ہے، یہودی تصوف میں ویسا نہیں ہے۔ اگرچہ ایک حد تک اس میں بھی عبادات واذکار اور تعلق باللہ کی سطح پر ریاضت کا پہلو موجود ہے، البتہ یہ دیگر پہلوؤں کو اتنا جامع نہیں ہے۔ اس کے اندر فلسفہ اشراقیہ کا عمل دخل زیادہ ہے۔ بعد میں تو بعض یہودی صوفی حلقوں میں جادو وغیرہ کی طرف بھی میلان ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ تعلق باللہ میں یہ حلولی نظریے کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خود کو 'اللہ کے برگزیدہ ترین' اور باقی دنیا کے لوگوں سے ممتاز سمجھنے لگے تھے اور اپنی امت پر 'امت روح' کا اطلاق بھی کرنے لگے تھے۔

3۔ عیسائیت میں تصوف

تصوف، بطور روحانی تعلیمات کے مسیحیت کے ظہور کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا تھا۔ مسیحی تعلیمات اور دینی نصوص میں روحانی پہلو بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ اس میں انسانوں کو جھکے رہنے، اپنے نفس کو مارنے اور دنیا کی لذات سے بے رغبتی کی تلقین بہت زیادہ ملتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا 'پہاڑی کا وعظ' بہت زیادہ مشہور ہے اور مسیحی تعلیمات میں اس سے زیادہ دل پذیر اور مؤثر کوئی وعظ نہیں ہے۔ یہ مفصل وعظ متیٰ کی انجیل کے پانچویں باب سے شروع ہوتا ہے۔ اس وعظ کے چند ابتدائی جملے یہ ہیں جن سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس میں روحانیت وتصوف کا غلبہ کس قدر ہے:

'مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی ان ہی کی ہے۔

مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔

مبارک ہیں وہ جو بردبار ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔

مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ رہیں گے۔

مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔

مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے‘۔

عیسائیت میں سب سے بڑا اصول، محبت کا اصول ہے، جیسا کہ انجیل میں وارد ہوا ہے: ’میں تم سننے والوں سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمن سے محبت رکھو۔ جو تم سے عداوت رکھے ان کا بھلا کرو، جو تم پر لعنت کریں ان کے لیے برکت چاہو، جو تمہاری تحقیر کریں ان کے لیے دعا مانگو۔ اگر چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کریں تو تم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی کرو۔ اگر تم محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارا کیا احسان ہے، کیونکہ گناہ گار بھی اپنے محبت رکھنے والوں سے محبت رکھتے ہیں‘۔ (لوقا:6،27-32)

مسیحیت میں چونکہ مذہبی عنصر کی بنیاد ہی زیادہ تر روحانیت پر تھی، اس لیے بطور مذہب اس میں تصوف لوگوں کی زندگیوں میں شروع سے ہی عام نظر آنے لگا۔ خانقاہیں قائم ہو گئیں، نفس کشی کی زندگی بسر کرنے کے طریقے مقرر ہوئے، روحانی پیشواؤں نے جگہ جگہ اپنے مراکز قائم کر لیے تھے جہاں الگ الگ ریاضتیں کرائی جاتھیں۔

تصوف کا مسیحیت کی تاریخ میں بہت اثر ہے اور آج تک قائم ہے۔ مسیحیت میں تصوف سے مراد ماوراسے براہِ راست رابطہ، خدا سے وصال اور مذہبی معاملات میں وجد میں رہنا ہے۔ مسیحیت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا سے براہِ راست رابطہ تھا۔ تصوف کا سب سے زیادہ اثر عیسیائیت کے چرچ کیتھولک پر ہے۔ عیسائیت کے مطابق یہ ایک روح کا مذہب ہے جس سے انسانی شعور بڑھتا بھی ہے اور گہرا بھی ہوتا ہے۔ انجیل مقدس واضح طور پر بتاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا خدا سے خصوصی رابطہ تھا۔

(متیٰ، 11:25،27)

تصوف کے بارے میں اشارات خاص طور پہ یوحنا کی کتاب مقدس (باب:14) اور سینٹ پال کے خطوط میں زیادہ کھل کر سامنے آتے ہیں۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اندر رہنے کا تصور ملتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک روح ہیں اور ان سے وصال کرنا ہے۔ اسی طرح مسیحیت میں خدا کو دیکھنے کا تصور بھی عام ہوا اور اس کی ابتدا حضرت متیٰ کی انجیل سے ہوئی جب آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ نیک پاک لوگ خدا کو دیکھیں گے۔ (متیٰ، 5:8)

دوسری صدی ہجری میں یونانی فلسفی افلاطون اور بعد میں پلوٹینس (Plotinus) کی تعلیمات کے زیر اثر تصوف آگے بڑھا اور خدا کے بارے میں بہت سے تصورات یونانی فلسفہ کی تعلیمات کی روشنی میں واضح ہونے لگے۔ کلیمنٹ آف الیگزینڈریا (Clement of Alexandria) اور اورگن آف الیگزینڈرا (Origen of Alexandria) کے عہد سے اس فکر کو باقاعدہ تفصیل سے لکھنا شروع کیا گیا۔

جب چوتھی صدی عیسوی میں نیک لوگوں نے صحراؤں اور پہاڑوں میں جا کر رہنا شروع کیا تا کہ عبادت اور مراقبے سے خدا کا وصال حاصل کیا جا سکے تو اس وقت رہبانیت کی باقاعدہ ایک تحریک شروع ہوئی۔ صحرا کے ان عیسائی راہبوں کی تعلیمات اور نظریات کو ایوگریس پونٹیکس (EvagriusPonticus) نے بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ ایسے ہی اس عہد میں دانیوسیس دی ایروپیگٹ (Dionysius Areopagite) نے رہبانیت کے حوالے سے کافی کام کیا۔ آپ کے بقول: 'مادی دنیا سے ایک تدریجی عمل ومشقت کے بعد انسان آہستہ آہستہ روحانی حقائق تک پہنچ جاتا ہے جس سے تمام لاعلمی دور ہو جاتی ہے اور انسان بالآخر خدا سے وصال پا لیتا ہے'۔ ان کے بقول روحانی تجربے کی تین منازل ہوتی ہیں: (i) پہلی منزل میں باطنی صفائی ہوتی ہے، (ii) دوسری منزل میں باطنی روشنی حاصل ہوتی ہے، اور (iii) تیسری منزل وصال کی منزل ہے۔

اس عہد میں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات الگ ہیں۔ اس کی صفات دنیا کی ہر شے میں ظہور کرتی ہیں۔

متأخرین عیسائی صوفیا یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی ذات اور صفات میں فرق ہے اور یہ کہ خدائی صفات کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں اور کائنات کی تخلیق بھی دراصل خدا کی ذات کا اظہار ہے جس سے خدا اپنی ذات سے باہر نکل کر تمام چیزوں کے دل میں آبستا ہے۔ اسی عمل میں انسان کے اندر بھی الوہی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے لیے انسان کو فکری دعا کے عمل سے گزرنا چاہیے جس کے لیے بے حرکتی (Hesychasm) کے اصول کو اپنایا گیا۔ اس پر عمل کے دوران راہب خدا کی ذات کا مراقبہ کرتا ہے اور صرف ایک خاص دعا پڑھتا ہے جس سے خدا کا نور انسان کے اندر آ جاتا ہے۔

عیسائی تصوف میں سب سے بڑا نام آگسٹائن (Augustine Bishop of Hippo) کا ہے۔ آپ کے نزدیک خدا کو تین طریقوں سے دیکھا جاتا ہے: مادی نقطہ نظر سے، روحانی تناظر میں اور ذہنی طور

پر۔ آپ کی تعلیمات کو پوپ گریگری اول (Pope Gregory I) نے چھٹی صدی عیسوی میں عام کیا۔ آہستہ آہستہ اس پر زور دیا جانے لگا کہ انسان کچھ طریقے اپنا کر خدا سے وصال حاصل کر سکتا ہے۔ عیسائی صوفیا نے خدا سے وصال کے کئی طریقے بتائے ہیں جیسا کہ (i) دعا اور زہد کے ذریعے اپنی ذات کو آہستہ آہستہ عظیم خدا کے خیال کے زیر اثر لاتے ہوئے اس کا وصال ممکن ہے، (ii) اچانک وجدانی اور روحانی تجربے کی روشنی میں ذہنی صلاحیتوں کی معطلی اور خدا کے وجدانی ظہور کے ذریعے اس سے وصال ممکن ہے اور (iii) ایک غیر محسوس اور فوری احساس کے تحت روح کا مخلوقات سے رابطہ اور خدا سے وصال۔

عیسائی تصوف میں خدا کا وصال پانے کے لیے نفس کی موت لازم ہے۔ اس عمل میں انسان اپنی ان تمام خواہشات اور رویوں کو جو خدا سے دور کرتے ہیں، کنارہ کشی اختیار کرنی ہوتی ہے۔ ان نفسانی خواہشات و برائیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد ہی انسان روح اور خدا کے حضور رسائی اور پھر وصال کے قابل بنتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو انسان خدا مکان بن جاتا ہے۔ اس راہ میں بعض مسیحی صوفیا نے دنیا سے مکمل کنارہ کشی ہی اختیار کر لی جب کہ بعض نے کہا کہ یہ منزل صرف تخلیہ کرنے، خانقاہوں میں رہنے یا زیارات پر جانے سے نہیں ملے گی بلکہ دلی طور پر خدا کی رضا و جزا کو تسلیم کرنا اور اپنی نفسی ذات کو تج دینا ہوگا۔

پاکیزگی کے اس عمل میں مراقبہ اور دعا لازم ہے جس سے وجد پیدا ہوتا ہے اور انسان باطنی طور پر پاک ہو جاتا ہے اور یوں ان کا باطن تیار ہو جاتا ہے کہ خدا اس کے اندر جلوہ گر ہو سکے بلکہ انسان خدا کے نور کی گہرائیوں میں چلا جاتا ہے۔ اس عمل میں انسانی روح خدا میں گم ہو سکتی ہے اور اپنی الگ شناخت کھو دیتی ہے۔ بعض نے اس منزل کو روح کی خدا سے شادی کا نام بھی دیا ہے۔

مسیحی تصوف کے اس روحانی عمل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود لازمی ہے۔ خدا کا وصال آپ کے وجود کے بغیر ناممکن ہے۔ انسان آپ کے جسم اور روح کے واسطے سے خدا تک پہنچ جاتا ہے۔

چونکہ مسیحیت میں تصوف کا ظہور ایک جزوی شعبے کے طور پر نہیں ہوا تھا بلکہ پادریوں اور شارحین کی طرف سے خود سارا مذہب ہی اسی تعبیر پر کھڑا کیا گیا۔ یوں 'مسیحی تصوف' یا 'مسیحی روحانیت' کے عنوان کے تحت الگ سے کوئی مواد شروع کی کئی صدیوں تک موجود نہیں تھا۔ مذہبی تعلیمات کو ہی اس طور بیان کیا جاتا تھا کہ وہ روحانیت و تصوف کی طرف زیادہ غالب ہوتی تھیں۔ عہد وسطی میں جرمن صوفی خاتون سینٹ 'ہلڈ گارڈ آف بنگن' (Hildegard of Bingen) نے سب سے پہلے مسیحی تصوف کے خدوخال پر

تحریریں لکھیں۔اسی زمانے میں کچھ مزید کتب بھی تصنیف کی گئیں جن میں روحانیت اور تصوف کو مسیحی نقطہ نظر سے موضوع بنایا گیا۔اس کے بعد مغربی احیائی ادوار میں کچھ مزید کتب سامنے آئیں اوراس کے بعد مسیحیت میں تصوف کو با قاعدہ الگ موضوع کے طور پر پڑھا سمجھا جانے لگا۔

یوحنا کی انجیل صوفیانہ تصورات پر مشتمل نظر آتی ہے۔بعد میں انجیل یوحنا کوان کے پادریوں نے خاص توجہ دی۔اس مذہب کا بنیادی وصف ہی زہد،ترک دنیااور رہبانیت بن گیا تھا۔اس میں کچھ ایسی تعلیمات موجود ہیں جوترک دنیااور تجرد وغیرہ پر آمادہ کرتی ہیں اور کچھ بعد میں پادریوں نے تحریفات کرکےاس دین میں کئی ایسےافکار داخل کردیے تھے جواصل دین میں نہیں تھے۔

عیسائیت کا کلیسا شروع سے ہی رہبانیت کا داعی نہیں تھاالبتہ اس مذہب میں ایسےافکارضرورموجود تھے جن میں رہبانیت کا رنگ نظر آتا ہے اورانجام کار دوصدیوں بعد کلیسا مکمل طور پر رہبانیت کی طرف متوجہ ہوگیا۔دوسری صدی عیسوی سے یہ سلسلہ شام وفلسطین اورافریقہ ویورپ میں پھیلتا چلا گیا۔ترکِ دنیا، تجرد،نفس کشی،مجاہدے اورمراقبے پر مبنی اس تحریک کی ابتدا میں کلیسا سے جو رسم چلی،چھٹی صدی عیسوی میں اسے چرچ کے نظام میں با قاعدہ داخل کردیا گیا۔کہا جاسکتا ہے کہ آج کی عیسائیت کا وجود ہی رہبانیت کے سہارے قائم ہے کیونکہ اب تمام تر عیسائی مذہبی پیشوار ہبانیت کے ادارے سے ہی آتے ہیں۔

اس تحریک کے مطابق عیسائی تعلیمات کی رو سے اگر بندے کوقربِ خداوندی درکار ہےتو شادی سے پرہیزضروری ہے۔عیسائی پادری اورراہبائیں شادی نہیں کرتی ہیں۔ان کا ماننا ہے کہ غیرشادی شدہ لوگ رضائے الٰہی اچھے طریقے سے حاصل کرسکتے ہیں، جب کہ شادی شدہ لوگ اپنی بیویوں کی رضامندی کے زیادہ خواہش مند ہوتے ہیں۔عیسائی تعلیمات میں سے ایک تعلیم مال ودولت سے دوری اختیار کرنا ہے۔دنیا سے قطع تعلق،بھوکے پیاسے رہنااوردنیا کی لذتوں سے اپنے آپ کودوررکھنا پسندیدہ ہے۔عیسائیت میں رہبانیت کی تعلیم دی گئی،جس میں جسمانی تکالیف کو برداشت کرنا،عورتوں سے دوری اختیار کرناوغیرہ شامل ہیں کیونکہ جب انسان خدا کے بجائے دنیا (زن،زر،زمین) کواپنا مطلوب بنالیتا ہےتوقلب اورنظر کی قوتیں کمزورہوجاتی ہیں۔چنانچہ رہبانیت کے طریقے کوعیسائیت میں قرب خداوندی اورنجات کا راستہ قرار دیا گیا ہے۔

قدیم مشرک سماج میں شہوانیت،بدکرداری اوردنیا پرستی جس شدت کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی،اس

کا توڑ کرنے کے لیے عیسائی علما نے اعتدال کی راہ اختیار کرنے کے بجائے انتہا پسندی کی راہ اختیار کی۔ انہوں نے عفت پر اتنا زور دیا کہ عورت اور مرد کا تعلق بذات خود نجس قرار پا گیا، خواہ وہ نکاح ہی کی صورت میں ہو۔ انہوں نے دنیا پرستی کے خلاف اتنی شدت برتی کہ آخر کار ایک دین دار آدمی کے لیے سرے سے کسی قسم کی املاک رکھنا ہی گناہ بن گیا اور اخلاق کا معیار یہ ہو گیا کہ آدمی بالکل مفلس اور ہر لحاظ سے تارک الدنیا ہو۔ اسی طرح مشرک سماج کی لذت پرستی کے جواب میں وہ اس انتہا پر جا پہنچے کہ ترک ذات، نفس کو مارنا اور خواہشات کا قلع قمع کر دینا اخلاق کا مقصود بن گیا اور طرح طرح کی ریاضتوں سے جسم کو اذیتیں دینا آدمی کی روحانیت کا کمال اور اس کا ثبوت سمجھا جانے لگا۔

دوسرا یہ کہ عیسائیوں کے پاس دین کی سرحدیں متعین کرنے کے لیے کوئی مفصل شریعت اور کوئی واضح سنت موجود نہ تھی۔ شریعت موسوی کو وہ چھوڑ چکے تھے اور تنہا انجیل کے اندر کوئی مکمل ہدایت نامہ نہ پایا جاتا تھا۔ اس لیے مسیحی علما کچھ باہر کے فلسفوں اور طور طریقوں سے متاثر ہو کر اور کچھ خود اپنے رجحانات کی بنا پر طرح طرح کی بدعتیں دین میں داخل کرتے چلے گئے۔ رہبانیت بھی انہی بدعتوں میں سے ایک تھی۔

مسیحیت میں چونکہ سارا مذہب ہی روحانی و اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ تھا اور قانونی امور موجود نہیں تھے، اس لیے اس کے پیروکار روحانیت کے پہلو کو رہبانیت کی حدود تک لے گئے اور اس میں کوئی تحدید نہیں تھی کہ ریاضت کی حدود کیا ہیں۔ اس لیے یہ ایک انفرادی نوعیت کا عمل بھی بن گیا اور ہر شخص اپنی سمجھ بوجھ اور تفہیم کے مطابق آگے بڑھتا گیا۔

دیکھا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مسیحیت میں تصوف کا شعبہ کئی صدیوں تک نہایت افراط و تفریط کا شکار رہا ہے۔ مسیحی رہبانیت کو سامنے رکھا جائے تو محسوس یہی ہوتا ہے کہ رہبانیت تصوف سے الگ چیز ہے۔ دونوں میں اگرچہ مقاصد یا اقدار کے اعتبار سے کچھ مشترکات موجود ہیں لیکن مسیحی رہبانیت انتہائی نوعیت کا عمل ہے اور نتائج کے اعتبار سے بھی اس کے خدوخال متعین نہیں رہے۔ البتہ پچھلے ایک ہزار سال سے مسیحی روحانیت پر جو کام شروع ہوا، وہ اپنے خدوخال میں کافی واضح اور خصائص میں بھی متعین ہے اور اس میں حدود کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔

2۔ اسلام کا مطلوب انسان

دنیا میں ہر مذہب اور فلسفے کا ایک تصور انسان ہوتا ہے جس میں تعلیمات کے ایک مجموعے کے ساتھ یہ کوشش کی جاتی ہے کہ سماج میں انسان خود کو اس قالب میں ڈھال لیں۔ اسی طرح دین اسلام کا بھی ایک تصورِ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اسلام نے تعلیمات دی ہیں اور خود حضور نبی پاک ﷺ نے سب سے پہلے ان تعلیمات پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ اسی طرح بزرگان دین نے بھی اسلام کے مطلوب انسان کی عملی تشکیل کے لیے ایسے طریقے وضع کیے جو لوگوں کو اس منزل تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

تصوف کا اصل مقصود انسان کو اس طرح بنانا ہے جیسا کہ اللہ پاک چاہتا ہے۔ ذیل میں قرآن کریم، احادیث مبارکہ، علمائے کرامؒ اور صوفیائے عظامؒ کی تعلیمات کی روشنی میں اسلام کے مطلوب انسان سے متعلق جو نمایاں اوصاف بیان کیے گئے، ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1۔ قرآن میں مومن کی صفات

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں مؤمنین کی سات خوبیاں بیان کی ہیں۔ جن لوگوں میں یہ ہوں گی، قرآن کریم انہیں جنت الفردوس کی بشارت سناتا ہے۔ یہ اوصاف گویا کسی بھی بندے کے روحانی ارتقا کے لیے ناگزیر ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (سورۃ المؤمنون، آیات: 1-11)

(یقیناً وہ مومنین فلاح (کامیابی) پا گئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں، جو فضولیات سے دور رہتے ہیں، جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (تزکیہ کرتے ہیں)، جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے، ان کے بارے میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں، البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں، وہ زیادتی کرنے والے ہیں۔ جو لوگ اپنی امانتوں اور عہد و پیماں کا پاس رکھنے والے ہیں، جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہی لوگ وارث ہیں اور وراثت میں جنتِ فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے)

(1) نماز میں خشوع: نماز میں خشوع (خضوع) سے مراد وہ کیفیت ہے کہ دل خوف اور شوق الٰہی میں تڑپ رہا ہو اور اس میں اللہ پاک کے سوا کچھ باقی نہ رہے، اعضا پرسکون ہوں، پوری نماز میں جسم کعبہ کی طرف اور دل کعبہ کے رب کی طرف متوجہ ہو۔

(2) فضولیات سے بچنا: مؤمنین لغو (فضول) کاموں سے دور رہتے ہیں۔ وہ اپنے وقت کی قدر کرتے اور اسے قیمتی بناتے ہیں اور اسے بامقصد امور میں خرچ کرتے ہیں۔ بعض علما نے لغو کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے: 'لغو ہر اس بات اور کام کو کہتے ہیں جو فضول، لایعنی اور لاحاصل ہو، جن باتوں یا کاموں کا کوئی فائدہ نہ ہو، جن سے کوئی مفید نتیجہ نہ نکلتا ہو، جن کی کوئی حقیقی ضرورت نہ ہو'۔

(تفہیم القرآن، ج:3، ص:262)

(3) تزکیہ کرنا: مؤمنین اپنا تزکیہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس آیت میں اگرچہ زکوٰۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ سورۃ مکی ہے، اس لیے مفسرین کی ایک جماعت اس سے مراد تزکیہ نفس لیتی ہے۔ قرآن کریم میں انسان کے تزکیہ نفس کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ تزکیہ نفس دراصل فرد کے ایمانیات اور اعمال کو مزید نکھارتا ہے۔

(4) بدکاری سے بچنا: مؤمنین بدکاری سے خود کو محفوظ رکھتے ہیں اور بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی نہیں جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اپنی خواہش پوری کرنے کے جو طریقے بتائے ہیں، وہ ان کے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

(5) امانت داری: مومنین کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو وہ اس میں خیانت نہیں کرتے اور کسی سے وعدہ کریں تو اسے پورا کرتے ہیں۔ یہ حکم تمام امانتوں کے لیے عام ہے خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق

ہوں یا حقوق العباد سے۔

(6) نماز ادا کرنا: مؤمنین نماز کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی نماز کو ضائع نہیں ہونے دیتے اور وقت پر ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں تقریباً سات سو مقامات پر نماز کا ذکر آیا ہے۔

ان کے علاوہ قرآن کریم میں دیگر مقامات پر بھی کچھ اوصاف کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے چند نمایاں یہ ہیں:

(7) اطاعت: مؤمنین سے جو سب سے بڑا مطالبہ کیا گیا ہے وہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ.

(سورۃ الانفال، آیت:20)

(اے ایمان والو! اللہ پاک کی اطاعت کرو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو سن کر اس سے روگردانی نہ کرو)

(8) رضائے الٰہی کی تلاش: مؤمن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خود کو وقف کر دیتا ہے اور وہ دنیا کا مال، نمود و نمائش اور لوگوں کی طرف سے کوئی رتبہ نہیں چاہتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ. (سورۃ البقرۃ، آیت:207)

(اور بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان کھپا دیتے ہیں)

(9) ذکر الٰہی کرنا: مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان پاتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. (سورۃ الرعد، آیت:28)

(سن لو! اللہ پاک ہی کی یاد سے دل اطمینان پاتے ہیں)

(10) لقائے الٰہی کی خواہش: ایک سچے مؤمن کے لیے اپنے رب سے ملاقات بہت بڑی خواہش ہوتی

ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی ایک صورت تو وہ ہے جو عام فہم ہے کہ روز آخرت میں اس ذات کے سامنے پیش ہونا ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا .(سورۃ الکھف، آیت:110)

(جو اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے)

البتہ مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس لقا کا معنی ایک قسم کا شہودِ قلبی بھی ہے کیونکہ انسان بعض اوقات ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔
(روح المعانی، ج:1، ص:128)

(11) تکبر نہ کرنا: حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں، ان میں یہ بھی ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ .
(سورۃ لقمان، آیت:18)

(اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ پاک کسی متکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا)

(12) مشکل میں صبر: اللہ تعالیٰ سے حقیقی محبت رکھنے والے لوگ تمام مصائب میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ جب اللہ پاک نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک تکلیف دہ بیماری کی آزمائش میں مبتلا کیا تو آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے رہے:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ .(سورۃ الانبیاء، آیت:83)

(اور جب ایوب علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ تکلیف لگ گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے)

(13) حلم و بردباری: حلم لازمی انسانی وصف ہے۔ اللہ پاک قدرت کے باوجود اپنی مخلوق سے چشم پوشی کرتا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ .(سورۃ ھود، آیت:75)

(بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے حلیم، نرم دل اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے)

(14) عاجزانہ چال: ایک مؤمن کی خوبی یہ ہے کہ اس کی چال ڈھال میں عاجزی ہوتی ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ۔ (سورۃ الفرقان، آیت: 63)

(اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں)

(15) قیام اللیل: مؤمنین راتوں کو اپنی استطاعت کے مطابق عبادت میں مشغول رہتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۔ (سورۃ الفرقان، آیت: 64)

(اور جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں)

(16) خرچ میں میانہ روی: مومن مال خرچ کرنے میں میانہ روی کرتا ہے اور فضول خرچی نہیں کرتا:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا ۔ (سورۃ الفرقان، آیت: 67)

(اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے)

(17) جہنم کے عذاب سے پناہ مانگنا: جہنم کے عذاب سے پناہ مانگنا مؤمن کی صفت ہے:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۔ (سورۃ الفرقان، آیت: 65)

(اور جو یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا لے)

(18) شرک سے دوری: شرک کو قرآن کریم نے ظلم عظیم قرار دیا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کی ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۔ (سورۃ الفرقان، آیت: 68)

(اور جو اللہ پاک کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے)

(19) والدین کے حقوق ادا کرنا: اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد سب سے پہلے والدین کے ساتھ احسان والا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا‌ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا۔ (سورۃ الاسراء، آیت:23)

(اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو بلکہ ان سے عزت کے ساتھ بات کرو)

(20) دعا کرنا: دعا بندے اور اس کے رب کے درمیان ایک لطیف واسطہ ہے۔ اس لیے مومنین کو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادۡعُوۡنِىۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَـكُمۡ۔ (سورۃ غافر، آیت:60)

(اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا)

(21) پڑوسیوں سے حسن سلوک: ہمسائے سے حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

وَالۡجَـارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَـارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ۔ (سورۃ النساء، آیت:36)

(اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسائے سے، ہم مجلس ساتھی اور مسافر سے اور ان خادموں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں (احسان کا معاملہ رکھو))

(22) خوش کلامی: مؤمنین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ سب سے نرمی سے بات کیا کریں:

وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ۔ (سورۃ النحل، آیت:125)

(اور ان سے پسندیدہ طریقے سے بحث کیجیے)

(23) پاک رہنا: اللہ تعالیٰ صاف رہنے والے مسلمانوں کو پسند کرتا ہے:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِيۡنَ ۔ (سورۃ التوبہ، آیت:108)

(اوراللہ تعالیٰ، پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے)

(24) جھگڑے سے اجتناب: مؤمن صلح جواور امن والا ہوتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ.

(سورۃ الحجرات، آیت:10)

(مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو اور اللہ پاک سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے)

(25) عفوودرگزر: ایمان والوں کی نشانی بتاتے ہوئے اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

الْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ. (سورۃ آل عمران، آیت:134)

(لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں)

(26) تزکیہ: قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا. (سورۃ الشمس، آیات:9-10)

(یقیناً کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ بنایا۔ یقیناً نامراد ہو گیا وہ جس نے اسے گناہوں سے آلودہ کرلیا)

(27) یتیموں کا خیال رکھنا: قرآن حکیم میں 23 مختلف مواقع پر یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔ ان پر زیادتی اور ان کے مال غصب کرنے والوں کے لیے وعید بیان کی گئی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ. (سورۃ النساء، آیت:10)

(جولوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں، درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں)

(28) حیا: اسلام میں شرم وحیا اور عفت و پاکیزگی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا

يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ .(سورۃ النور، آیات:30-31)

((اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) مومن مردوں سے فرما دیں کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ پاک اس سے باخبر ہے۔ مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (زینت کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں)

(29) جھوٹ سے گریز: جھوٹ بولنا انسان کو اللہ پاک کی رحمت سے محروم کر دیتا ہے:

اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ .(سورۃ النور، آیت:7)

(بے شک اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے)

(30) حسد: مؤمنین کو حسد سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ .(سورۃ الفلق، آیت:5)

((میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے)

(31) غیبت: غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کے برے وصف کو اس کی عدم موجودگی میں اس طرح بیان کیا جانے کہ اگر وہ سن لے تو اسے برا لگے۔ اگر وہ عیب اس میں موجود نہیں تو یہ بہتان ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ .
(سورۃ الحجرات، آیت:12)

(اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں کوئی ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم اسے برا سمجھتے ہو)

(32) بدگمانی: مؤمنین کو حکم دیا گیا کہ وہ بدگمانی سے بچیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۔(سورۃ الحجرات،آیت:12)

(اے ایمان والو! بدگمانی سے بچتے رہو کیونکہ بہت سی بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں)

(33) ریاکاری: انسان کے اعمال کا دارومدار نیت پر ہے:

كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۔(سورۃ البقرۃ،آیت:264)

(جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ پاک اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چکنی چٹان پر مٹی جمی ہو، پھر اس پر زور کی بارش پڑے اور وہ اسے بالکل صاف کر دے، ایسے ہی ریاکاروں کو اپنی کمائی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا)

(34) خشیت الٰہی: مؤمن کے سامنے جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو جلال و ہیبت سے اس کا دل ڈر جاتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ۔(سورۃ الانفال،آیت:2)

(مومن تو وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ پاک کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں)

(35) بحث سے اجتناب: مومنین بے کار بحث نہیں کرتے بلکہ سلام کہہ کر انھیں نظر انداز کر دیتے ہیں:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۔(سورۃ القصص،آیت:55)

(اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اسے ٹال جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ ہم تمہیں سلام کرتے ہیں، ہم نادان لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے)

(36) قتل سے بیزاری: انسان کی جان کی حفاظت کرنی ہے:

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا

فَكَاَنَّمَآ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا .(سورۃ المائدہ، آیت:32)

(جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی، اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی)

(37) بدکاری سے بچنا: بدکاری یا زنا بہت بڑا گناہ ہے۔ دنیا میں اس کی سزا حد جاری کرنا ہے، جب کہ آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے۔ مؤمنین کی یہ صفت بیان فرمائی ہے:

وَلَا يَزۡنُوۡنَ .(سورۃ الفرقان، آیت:68)

(اور وہ بدکاری نہیں کرتے)

(38) جھوٹی گواہی نہ دینا: جھوٹی گواہی نہ دینا، کامل ایمان والوں کا وصف ہے:

وَالَّذِيۡنَ لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ .(سورۃ الفرقان، آیت:72)

(اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے)

(39) آیات کو توجہ سے سننا: مؤمنین کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کی جائے تو وہ ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں:

وَالَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِّرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ لَمۡ يَخِرُّوۡا عَلَيۡهَا صُمًّا وَّعُمۡيَانًا .(سورۃ الفرقان، آیت:73)

(اور جب انہیں اپنے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے)

(40) نیک بیوی بچوں کی خواہش: مؤمنین نیک بیوی بچوں کی دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡيُنٍ .(سورۃ الفرقان، آیت:74)

(اے ہمارے پروردگار! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا)

(41) حسن معاشرت: قرآن کریم میں مؤمن کو مؤمن کا دوست کہا گیا ہے:

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ۘ۔(سورۃ التوبہ، آیت:71)

(اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں)

سورۃ التوبہ کی آیت میں بھی مؤمنین کی کچھ خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو یہ ہیں:

اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰكِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ‌ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۔(آیت:112)

(توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، شکر کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، اچھے کاموں کا حکم دینے والے اور بری باتوں سے روکنے والے، اللہ پاک کی حدوں کی حفاظت کرنے والے اور ایسے مومنوں کو خوش خبری سنا دے)

(42) توبہ: تزکیہ نفس کا اولین مرتبہ توبہ اور انابت ہے۔ یہ روحانی سفر کا پہلا زینہ ہے۔

(43) بندگی بجالانا: ایک سچے مؤمن کا سر صرف ذات باری تعالیٰ کے آگے جھکتا ہے۔اس کے بغیر سب شرک ہے۔

(44) حمد وثنا: مؤمن کا یہ وصف ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا (تعریف) کرتا ہے کیونکہ وہی اس کا مستحق ہے۔

(45) اچھے مقصد کے لیے سفر: مؤمن حسبِ ضرورت اپنے گھر اور وطن کو ترک کر کے نکل پڑتا ہے اور اس میں ہر طرح کی تکلیف برداشت کرتا ہے۔

(46) رکوع وسجود: مومن نماز ادا کرتا ہے جو فرائض اور نوافل کی صورت میں ہوتی ہے اور جس کا حکم ہے۔

(47) امر بالمعروف: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لیے اسے نیکی کی دعوت دیتا ہے۔

(48) نہی عن المنکر: مؤمن کا فریضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ ہدایات سے ہٹ کر کوئی عمل ہوتا دیکھے

تو وہ اس سے منع بھی کرے۔

(49) حدود اللہ کی پابندی: اس سے مراد مجموعی طور پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے تمام احکام کا لحاظ رکھنا ہے۔

2۔ حدیث میں مؤمنین کے اوصاف

احادیثِ مبارکہ میں بھی کچھ ایسے خصائص پر زور دیا گیا ہے جن کی پاسداری کرنا ایک حقیقی مؤمن سے مطلوب ہے جیسا کہ

(1) خدمت خلق: حضور نبی کریم ﷺ نے انسانیت کی خدمت کی تلقین کی ہے:

خیر الناس أنفعهم للناس۔ (کنز العمال، ج:8، رقم الحدیث: 3261)

(سب سے بہترین انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کو نفع پہنچاتا ہے)

(2) سخاوت و ایثار: دوسروں کا خیال رکھنے کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث: 12)

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل/حقیقی مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے بھی وہی نہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے)

(3) حیوانات پر رحم: حضور نبی کریم ﷺ نے جانوروں سے اچھا سلوک کرنے اور ان پر ظلم نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو نیکی کا کام کہا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے اونٹ کو پانی پلانے کے لیے حوض میں پانی بھرتا ہوں تو کیا مجھے اس پر ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں اور سنو، ہر زندہ جانور کو (کھلانے اور پلانے پر) ثواب ملے گا۔ (سنن ابن ماجہ، ج: 3، رقم الحدیث: 566)

(4) موت کی یاد: حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ کون سے مؤمن زیادہ عقل مند ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو موت کو بہت یاد کرتا ہے اور موت کے بعد کے لیے اچھی تیاری کرتا

ہے، وہی عقل مند ہے۔(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1139)

(5) امانتوں کی حفاظت: جب حضور نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اجازت مل گئی، اس وقت لوگوں کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس تھیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرتے وقت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کرکے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کریں۔(سیرت ابن ہشام، ج:1، ص:242)

3۔ صوفیا کے ہاں مؤمنین کے خصائص

تصوف کے مطلوب انسان میں بھی وہی اوصاف ہوتے ہیں جو قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ البتہ تصوف میں چونکہ زیادہ زور باطنی کیفیات پر ہوتا ہے، اس لیے بعض اوصاف ایسے ہیں جن پر صوفیا کے ہاں زیادہ توجہ دی جاتی ہے، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(1) خود احتسابی: صوفیا انسان کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ اپنی ذات میں موجود خامیوں کو تلاش کرے اور انہیں ٹھیک کرنے کی کوشش کرے۔ حضرت ابوبکر واسطیؒ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا کام افضل ہے؟ آپؒ نے جواب دیا: ظاہر کا محاسبہ کرنا اور باطن کی نگہداشت کرنا۔(عوارف المعارف، ج:2، ص:225)

(2) اخلاق حسنہ: امام محمد باقرؒ بن علیؒ (امام زین العابدینؒ) کا قول ہے: تصوف، اخلاق کا نام ہے جو شخص اخلاق میں جتنا اچھا ہوگا، وہ تصوف میں بھی اتنا آگے ہوگا۔(کشف المحجوب، ص:34)

(3) توکل: صوفیا کے ہاں توکل تصوف کی بنیاد ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ اگر تمہارے دائیں اور بائیں درندے ہوں تو بھی دل میں خوف نہ پیدا ہو۔

(4) رضا: تصوف میں رضا کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ہر کام اللہ پاک کی رضا کے لیے کرے۔ کسی کام کو شہرت اور کسی دوسرے ذاتی نفع کے لیے نہ کرے، جو خوشی اور تکلیف نازل ہو اس پر راضی رہے کہ اللہ پاک کی طرف ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گُفتار میں، کردار میں، اللہ کی برُہان!

قہاّری و غفاّری و قدّوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ہمسایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قُرآن!

قُدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دُنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان

جس سے جگَرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دِل جس سے دہَل جائیں، وہ طوفان

فطرت کا سرودِ اَزلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفَتِ سورۂ رحمٰن

3۔ تصوف اور قرآن

اسلامی تصوف کا ماخذ اصل میں قرآن و سنت ہے۔تصوف اور صوفی کی اصطلاحات حضور نبی پاک ﷺ کے وصال کے کم وبیش سو سال بعد دوسری صدی ہجری میں رواج پذیر ہوئیں، اور یہ شعبہ ایک باقاعدہ روایت کی صورت بعد میں مرتب ہوا، جب کہ درحقیقت تصوف کی تعلیمات، اس کی بعض اصطلاحات اور تربیتی اصول قرآن وحدیث میں پہلے سے مذکور تھے۔شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھلائی اور اصلاح والے گروہوں کا تذکرہ کیا ہے۔کسی کو ابرار (نیک) کہا،کسی کو مقرّبین (قریبی) کہا،کسی کو صادقین (سچا) کہا اور کسی کو ذاکرین اور محبیّن (محبت کرنے والا) کے لقب سے نوازا۔لفظ صوفی ان تمام گروہوں پر لاگو ہوتا ہے۔(عوارف المعارف،ص:204)

قرآن کریم میں جابجا ایسی آیات ملتی ہیں جو ہمیں تزکیہ اور احسان کی تعلیم دیتی ہیں یا جن میں ان تعلیمات کا ذکر ہے جو صوفیائے کرامؒ کے ہاں مروج ہیں اور صوفی علما ان آیات سے اپنی فکر اور عمل کو جوڑتے ہیں۔ان میں بعض مشہور امور یہ ہیں۔

(1) تقویٰ

تصوف کا حقیقی مقصود تقویٰ ہے۔یہ ایک انتہائی جامع لفظ ہے اور اپنے مفہوم کے اعتبار سے بہت وسیع ہے۔اللہ پاک کے ہمہ وقت شعور کو تقویٰ کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے خوف اور عظمت کو دل میں اتارتے ہوئے اس کی عبادت کی طرف زیادہ سے زیادہ رغبت اور گناہوں سے کنارہ کش ہونا تقویٰ کی حقیقت ہے۔جب کوئی بندہ نیکی میں خوشی محسوس کرے اور برائی سے اسے وحشت ہونے لگے تو اس نے گویا تقویٰ اختیار کرلیا۔قرآن کریم میں تقویٰ کو بہترین سامانِ سفر قرار دیا گیا ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ. (سورۃ البقرۃ،آیت:197)

(اور سفر کا خرچ ساتھ لے لیا کرو، بے شک سب سے بہترین سامانِ سفر تقویٰ ہے اور اے عقل والو، میرا

تقویٰ اختیار کرو)

(2) اخلاص

تصوف کا مقصود اخلاص ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت گزاری کا نام ہے اور وہ اس طرح کہ عبادت سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہو اور کوئی مقصد نہ ہو۔ مثلاً لوگوں سے تعریف کی خواہش کرنا یا اللہ تعالیٰ کے قرب کے سوا کوئی اور خیال دل میں لانا۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مخلوق کی نگاہ سے اپنے عمل کو پاک رکھنے کا نام اخلاص ہے۔ اخلاص کی اصل قرآن کریم کی آیات ہیں:

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (سورۃ غافر، آیت:14)

(لہٰذا (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ کو اس طرح پکارو کہ تمہاری تابع داری خالص اسی کے لیے ہو)

(3) حب الٰہی

اہلِ سلوک کے ہاں عشق اور محبت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ شیخ فرید الدین عطارؒ (متوفی 618 ہجری)، مولانا رومیؒ (متوفی 672 ہجری) اور حضرت جامیؒ (متوفی 898 ہجری) کے ہاں عشق کی تعلیمات بہت معروف ہیں۔ محبت دراصل ایک ایسا حال ہے کہ اس کا سالک جس رستے پر بھی گامزن ہو، آخرکار وہ اپنے محبوب تک پہنچ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ. (سورۃ البقرۃ، آیت:165)

(اور ایمان والوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے)

(4) دنیا میں توازن

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا.

(سورۃ الکہف، آیت:46)

(مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں، تمہارے رب کے ہاں جو باقی رہنے والا ہے، وہ نیک اعمال ہیں جو امید کے لحاظ سے زیادہ اچھے ہیں)

دنیا کی زندگی عارضی اور آخرت کی زندگی ابدی ہے۔قرآن میں دینوی زندگی کو لہوولعب کہا گیا ہے اور اس کی مذمت کی گئی ہے۔اس سے مراد دنیا کی زندگی کے وہ لمحات ہیں جو اللہ کے ذکر اور فکر سے غفلت میں گزریں ورنہ جو وقت اللہ کی طاعت میں گزرتا ہے اس کے برابر دنیا کی کوئی نعمت نہیں اور یہی زہد کہلاتا ہے۔

(5) عبدیت

صوفی مقامِ عبدیت چاہتا ہے جو بندے اور خدا کے مابین تعلق کا آخری زینہ ہے۔حقیقی اسلام یہ ہے کہ اپنے اغراض اور خواہشات سے بالکل خالی ہو کر انسان کو اس کی تلاش ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کس کام میں ہے۔وہ ایک فرمان بردار غلام کی طرح سنتا رہے کہ کس کام کا حکم ہوتا ہے اور اس کام کو کس انداز سے کیا جائے، اسی کا نام عبادت ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ. (سورۃ الانعام، آیت:162)

(کہہ دو بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ پاک ہی کے لیے ہے)

(6) فنا

صوفیائے کرامؒ کے ہاں فنا سے مراد مذموم اوصاف کا ختم ہونا ہے۔صوفی جب اپنی ذات کو اضافی جان کر وجود باری تعالیٰ کو مقدم خیال کرتا ہے تو وہ فنا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔اس صوفی اصطلاح کا براہ راست تعلق تو قرآن کریم کی متعلقہ آیات سے نہیں ہے، مگر یہ لفظ وارد ہوا ہے اور اس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اگر کوئی باقی رہنے والی ہے تو وہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے:

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۝ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ. (سورۃ الرحمٰن، آیات:26-27)

(جو کوئی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہے۔تمہارے پروردگار کی ذات باقی رہے گی جو بڑی شان اور عظمت والا ہے)

(7) حزن

جب اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جائیں گے تو پھر ان کا غم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا کہ وہ اب منزل پر پہنچ گئے ہیں:

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ. (سورۃ الزخرف، آیت:68)

(اے میرے بندو! آج تمہارے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ تمہیں کوئی پریشانی ہوگی)

صوفیا کی اصطلاح میں شوقِ الٰہی میں جو تفکرات لاحق ہوتے ہیں اسے 'حزن' کہا جاتا ہے۔ حزن ایک ایسی حالت ہے جو دل پر قابو پا کر اسے غفلت کی وادیوں میں پریشان پھرنے سے روکتی ہے۔ یہ اہلِ سلوک کے اوصاف میں سے ہے۔ حضرت ابو علی دقاقؒ کا قول ہے:

'حزن والا انسان اللہ تعالیٰ کی راہ کو ایک ماہ میں اتنا طے کر لیتا ہے کہ جسے بغیر حزن والے کئی سال میں بھی طے نہیں کر سکتے'۔ (رسالہ قشیریہ، ص:175)

(8) اللہ کا رنگ

جو سالک اپنی خواہشات کو چھوڑ دے، اس پر اللہ کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اس سے زیادہ حسین اور کوئی رنگ نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی عبادت کرنے والوں کا یہی طریق ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ. (سورۃ البقرۃ، آیت:138)

(ہم پر تو اللہ پاک نے اپنا رنگ چڑھا دیا ہے اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے بہتر رنگ چڑھائے؟ اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں)

(9) ولایت

بندہ ہونے کے اعتبار سے تمام انسان اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ مگر کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو خاص ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں۔ تصوف اسی مقامِ ولایت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی اور قرب کے تعلق کو قرآن کریم میں بہت بیان کیا گیا ہے اور اس کے لیے مختلف

مواقع پر ولی اور اولیا کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے:

اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ. (سورۃ الانفال، آیت:34)

(اس کے دوست تو وہ ہیں جو تقوی اختیار کرتے ہیں مگر اکثر لوگ نہیں جانتے)

(10) ذکر الٰہی

صوفیا کے ہاں ذکر کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ذکر مریدین کی تلوار ہے جس سے وہ دشمنوں سے لڑتے اور ان آفتوں کو دور کرتے ہیں جو ان پر آ پڑتی ہیں۔ ذکر سے ان کے دل کو طاقت ملتی ہے۔ ذکر کی اصل بھی قرآن کریم سے ملتی ہے:

اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا وَّخُفۡيَةً ؕ. (سورۃ الاعراف، آیت:55)

(اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے پکارا کرو)

اس آیات میں اپنی تمام حاجات اور مشکلات میں بارگاہ الٰہی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جارہا ہے اور ساتھ ہی دعا کی قبولیت کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان کا ذکر بھی فرما دیا کہ انسان غرور کو دل سے نکال کر، غفلت سے خود کو پاک کر کے اور عاجز بن کر اپنے رب سے دعا مانگے۔

(11) ریاضت

ریاضت کو پاکیزگی اور گناہوں کے کفارہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اِنَّكُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ بِاتِّخَاذِكُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰى بَارِئِكُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ عِنۡدَ بَارِئِكُمۡ ؕ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ. (سورۃ البقرۃ، آیت:54)

(اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اب تم اپنے رب کے حضور توبہ کرو اور خود کو قتل کرو، تمہارے رب کے نزدیک اسی میں بہتری ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے)

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ قتلِ نفس سے مراد ریاضت اور مجاہدہ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور سے واپس آنے پر بچھڑے کے پجاریوں کو احساس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی قبولیت کی شرط یہ بیان فرمائی کہ وہ ریاضت اور مجاہدہ کریں جو نفس کشی کا باعث بنتے ہیں۔ اس طرح ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا .(سورۃ العنکبوت، آیت:69)

(جو لوگ ہمارے لیے محنت کریں گے ہم انہیں اپنے راستے دکھائیں گے)

(12) توبہ

گناہ کو ترک کر دینا، گزشتہ معصیت پر نادم ہونا اور گناہ کی طرف دوبارہ نہ لوٹنے کا عزم کرنا اور اپنے آئندہ اعمال سے گزشتہ اعمال کا تدارک کرنا، توبہ کہلاتا ہے۔ صوفیا کے ہاں توبہ اہم مرتبہ اور طالبین کا اساسی مقام ہے۔ یہ طریقِ حق کے سالکین کے لیے پہلا مقام ہے۔ قرآن کریم میں بہت بار توبہ کرنے کا ذکر وارد ہوا ہے:

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ.(سورۃ ہود، آیت:61)

(لہٰذا تم اس سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آو)

(13) خوف ورجا

ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے، اس لیے صوفیا خوف ورجا کی حالت کے درمیان رہنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ خوف یہ ہے کہ انسان اپنے اعضا کو معاصی (گناہ) سے روک کر طاعات پر لگا دے۔ گویا خوفِ الٰہی معرفت الٰہی کا نتیجہ ہے۔

رجا سے مراد اللہ پاک سے اچھی امید اور حسن ظن ہے۔ صوفیائے کرامؒ خوف ورجا کا استدلال قرآنی آیات سے کرتے ہیں:

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ .(سورۃ الاسراء، آیت:57)

(اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں)

(14) توکل

صوفیا کے ہاں توکل کو خاص توجہ دی گئی ہے۔قلب کا پوری طرح اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا کرنا اور دل میں بے وجہ خدشے نہ پالنا اسلام میں مطلوب ہے۔ البتہ اسباب سے نفع اٹھانا توکل کے منافی نہیں۔قرآن کریم میں توکل اختیار کرنے کی بہت تلقین ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ. (سورۃ الفرقان،آیت:58)

(اور تم اس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی)

(15) صبر

صوفیائے کرامؒ صبر وشکر کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھتے ہیں کیونکہ صابرین کے ساتھ خدا ہوتا ہے۔قرآن مجید میں صبر کا لفظ مصیبت میں بے قراری سے بچنے، مشکلات کو خاطر میں نہ لانے، حق بات پر ثابت قدم رہنے، ضبطِ نفس اور تکلیف اٹھا کر بھی فرض ادا کرتے رہنے، کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ. (سورۃ البقرۃ،آیت:153)

(بے شک اللہ پاک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے)

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ. (سورۃ ہود،آیت:115)

(اور صبر سے کام لو، اس لیے کہ اللہ پاک نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا)

(16) علم لدنی

قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر ایسے علم کے اشارات دیے گئے ہیں جو ظاہری علم سے الگ ہے۔علمائے کرامؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ لوگوں کو خاص علم حاصل ہوتا ہے جسے علم لدنی

کہتے ہیں اور صوفیا کے ہاں اس کو معرفت کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (سورۃ البقرۃ، آیت:151)

(جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیات پڑھتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے)

اس آیت میں علم سے مراد علم لدنی ہے۔ یہ تعلیم کتاب و حکمت سے الگ نوعیت کی ہے اور قرآن کے باطن اور نبی اکرم ﷺ کے روشن سینہ مبارک سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کو دوسری جگہ پر شرحِ صدر سے بھی تعبیر کیا گیا ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ. (سورۃ انعام، آیت:125)

(اور جسے اللہ پاک ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے)

(17) بیعت

تصوف کی اصطلاح میں نفسانی خواہشات پر چلنے والے کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہوئے کسی ولی کے ہاتھ پر معاہدہ کرنا بیعت ہے کہ وہ اس کی رہنمائی میں شریعت پر چلے گا اور اس کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کرے گا۔ اگرچہ بہ ظاہر بیعت کسی ولی یا صوفی کے ہاتھ پر کی جاتی ہے لیکن وہ اپنی بیعت نہیں کراتا بلکہ یہ سلسلہ بہ سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے۔ قرآن کریم میں بھی بیعت کا ذکر ملتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(سورۃ الممتحنہ، آیت:12)

(اے نبی ﷺ! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی) بنالیں اور نہ کسی نیک بات میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو ان کی بیعت قبول فرمالیا کریں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگا کریں، بے شک اللہ پاک بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے)

(18) نفس

نفس امارہ برائی کی طرف راغب ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ نیکی کی طرف میلان رکھتا ہے۔ راہِ سلوک میں مطلوب یہ ہے کہ انسان اپنے نفس امارہ کو کمزور کردے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ ۔(سورۃ یوسف، آیت:53)

(اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں قرار دیتا، بے شک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے)

صوفی کی منزل نفس مطمئنہ ہوتا ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے:

یٰۤاَیَّتُہَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ﴿ۖ۲۷﴾ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ۚ﴿۲۸﴾ فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ ﴿ۙ۲۹﴾
وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ۔(سورۃ الفجر، آیات:27-30)

(اے اطمینان پانے والی روح۔ اب لوٹ جاؤ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تم اس سے راضی اور وہ تم سے راضی۔ پس میرے (خاص) بندوں میں داخل ہوجا۔ اور میری جنت میں داخل ہوجا)

(19) قربت

اللہ پاک کی قربت انسان کی منزلِ مقصود ہے جو ہر جگہ ہے۔ اللہ پاک ان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ انسان کو اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ ارشاد پاک ہے:

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ۔(سورۃ ق، آیت:16)

(اور ہم (اس کی) شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں)

(20) عہد الست

تمام صوفیا اس عہد سے متاثر ہیں جو اللہ پاک نے مخلوق سے لیا تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚۛ شَهِدْنَا ۔(سورۃ الاعراف، آیت:172)

(اور اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا: کیا میں تمارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں)

یہ عہدِ اَلستُ (میثاقِ اَلستُ) مسلم شعور کا بنیادی پتھر ہے اور خاص طور پر صوفیائے کرامؒ اس پر بہت زیادہ انحصار کرتے ہیں۔ یہ عہد، صوفی فکر کی ابتدا ہے اور صوفی یومِ اَلستُ تک جانا چاہتا ہے، جب اللہ پاک کے علاوہ کچھ نہ تھا اور اسی عمل کو فنا اور بقا کہتے ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ (سورۃ البقرۃ، آیت:129)

اے ہمارے پروردگار! ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیات پڑھے انھیں کتاب وحکمت سکھائے اور وہ انھیں پاک کرے۔

4۔ تصوف اور حدیث

جس طرح قرآن کریم میں تصوف سے متعلق بہت سی تعلیمات ملتی ہیں اسی طرح تصوف کی دوسری اصل احادیث مبارکہ ہیں۔حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث جبریل بھی تصوف میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔جس سے ایمان، اسلام اور احسان کی تین اصطلاحات واضح ہوئیں۔

ایمان انسان کا قلبی معاملہ ہے۔اسلام سے مراد ظاہری رسوم پر عمل کرنا ہے جب کہ احسان سے مراد انسان کا اللہ پاک کو دیکھنا ہے جو احسان کی اعلیٰ ترین شکل ہے یا پھر ہر وقت یہ تصور کرنا کہ اللہ پاک انسان کو دیکھ رہا ہے۔حدیث جبریل علیہ السلام ایک طویل حدیث ہے جس میں احسان کو بیان کیا گیا ہے۔اس کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ؟ قَالَ: "أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ. فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ". (سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1291)

(پھر وہ شخص بولا اچھا اب مجھے یہ بتایئے کہ احسان کیا ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)

احادیث مبارکہ میں بہت سے ایسے اصول اور ہدایات ملتی ہیں جو تزکیہ اور تصوف سے متعلق ہیں، جن سے صوفیائے کرامؒ نے اپنی تعلیمات اخذ کی ہیں۔

1۔ احسان

احسان، اللہ تعالیٰ کی حضوری کا نام ہے۔اللہ پاک سے تعلق کی اسی نہایت عمدہ اور خوبصورت ترین حالت کا نام 'احسان' ہے۔اس کا دوسرا نام 'تزکیہ' ہے اور اس کے حصول کا طریقہ اور علم، تصوف و سلوک کہلاتا ہے۔

2۔ باطنی صفائی

طہارت دو قسم کی ہوتی ہے: ظاہری طہارت جس کا تعلق ظاہری چیزوں کی صفائی کے ساتھ ہے اور دوسری باطنی طہارت جو توبہ اور سلوک سے حاصل ہوتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں قلب کی صفائی پر کئی روایات ملتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ، صُقِلَ قَلْبُهُ، فَإِنْ زَادَ زَادَتْ، فَذَلِكَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ". (سنن ابن ماجہ، ج:2، رقم الحدیث:1124)

(جب مومن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ لگ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کرے، آئندہ کے لیے اس سے باز آجائے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے۔ اگر وہ گناہ میں بڑھتا چلا جائے تو پھر وہ دھبہ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ یہ وہی زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں (سورۃ المطففین، آیت: 14) کیا ہے: ہرگز نہیں بلکہ ان کے برے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ پکڑ لیا ہے جو وہ کرتے ہیں)

3۔ دنیا سے بے رغبتی

دنیا سے بے رغبتی یہ ہے کہ دنیا کی چیزوں کی طرف دل نہ لگایا جائے بلکہ ہر عمل سے انسان کی نیت آخرت کی تیاری کی ہو۔ اسی کو زہد کہتے ہیں جس کا صوفیا کے ہاں بہ کثرت ذکر ہوتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا شانہ (کندھا) پکڑ کر ارشاد فرمایا:

"كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1365)

(دنیا میں اس طرح ہو جا جیسے تو مسافر یا راستہ چلنے والا ہو)

4۔ محبت الٰہی

محبتِ الٰہی سے مراد اللہ پاک کا قرب ہے۔ صوفیائے کرامؒ اللہ تعالیٰ کی ذات میں اس قدر گم ہو جاتے ہیں کہ کائنات کے ذرے ذرے میں 'نورِ حق' کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر چیز میں جمال ذات

وصفات دیکھنے لگتے ہیں۔احادیث مبارکہ میں محبت الٰہی کو دین کی بنیاد بتایا گیا ہے:

"ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ، مَنْ كَانَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:20)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں تین خوبیاں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس کو ضرور پالے گا: (i) اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں، (ii) وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے، (iii) کفر سے نجات پانے کے بعد دوبارہ حالت کفر میں لوٹنے کو وہ اس طرح ناپسند کرتا ہو جیسے آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے)

5۔ ذکر

صوفیا کے ہاں ذکر ایک کلیدی عمل ہے۔ذکر کی اہمیت کا ماخذ بھی اصل میں قرآن کریم کی طرح سنت مبارکہ بھی ہے۔حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:2303)

(میرا بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتا ہے، میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے تو میں بھی (اپنے شایانِ شان) خفیہ اس کا ذکر کرتا ہوں۔اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک بازو کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔اگر وہ ایک بازو کے برابر میرے نزدیک آئے تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں)

ایک حدیث میں ذکر کی برکات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2354)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ دونوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بیٹھتے ہیں، انہیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ (سکون وطمانیت) کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنی بارگاہ کے حاضرین میں کرتا ہے)

6۔ مجاہدہ نفس

عام حالات میں نفس سے مراد کبھی روح اور کبھی جسم لیا گیا ہے لیکن صوفیائے کرامؒ کے ہاں اس کا مفہوم بہت مختلف ہے۔ وہ نفس کو برائی اور شر کا سرچشمہ سمجھتے ہیں اور مجاہدے کے ذریعے وہ اپنے وجود کی خواہشات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے اندر سے اخلاقِ رذیلہ مٹانے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں بھی اس پر کلام ملتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

قدم على النبي صلى الله عليه وسلم قوم غزاة فقال: قدمتم خير مقدم، قدمتم من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر مجاهدة العبد هواه. (کنز العمال، ج:2، رقم الحدیث:6673)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس غازیوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آ گئے بہت ہی خوب آئے، تم لوگ جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آ گئے ہو جس میں بندے کو نفس سے جہاد کرنا پڑتا ہے)

7۔ تقویٰ

تقویٰ کی فضیلت اور اہمیت پورے اسلامی ادب میں ہر جگہ نظر آتی ہے۔ یہی دین کا مقصود بھی ہے۔ اسی پر صوفیائے کرامؒ بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَنْ أَكْرَمُ النَّاسِ؟ قَالَ:

أَتْقَاهُمْ. (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 3175)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! لوگوں میں سب سے معزز کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جوان میں سب سے زیادہ متقی ہو)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ. (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2965)

(حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے محبت رکھتا ہے جو متقی ہو، مستغنی ہو اور گوشہ نشین ہو)

8۔ توکل

توکل، اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنے کا نام ہے۔ توکل ترکِ اسباب کا نام نہیں ہے۔ تصوف میں توکل نام ہے مقصد کے حصول کی کوشش کا اس شرط کے ساتھ کہ نتیجہ اللہ تعالی کے سپرد کر دیا جائے۔ احادیث مبارکہ میں توکل کی بہت تلقین کی گئی ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ، تَغْدُو خِمَاصًا، وَتَرُوحُ بِطَانًا. (جامع ترمذی، رقم الحدیث: 2344)

(اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح بھروسا کرتے جیسا بھروسا کرنے کا حق ہے، تو تمہیں اس طرح رزق دیا جاتا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں)

9۔ الہام

الہام سالک کے قلب پر غیب سے کسی بات یا خیال کے نازل یا وارد ہونے کا نام ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا گیا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الأُمَمِ

نَاسٌ مُحَدَّثُونَ، فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ، فَإِنَّهُ عُمَرُ. (صحیح بخاری، رقم الحدیث:3689)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں محدث (جنہیں الہام ہوتا ہو) ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں کوئی محدث ہوسکتا ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں)

صوفیا اور اہل علم اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں سمجھتے بلکہ ان کے نزدیک یہ وصف امت کے دیگر اولیا کو بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ ایسے ہی ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا:

اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللهِ. (جامع ترمذی، رقم الحدیث:3127)

(مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)

10۔ ولایت

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی کتاب 'سرالاسرار' میں ولایت کا حاصل یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے اندر اخلاقِ الٰہی پیدا کرے۔ جب انسان اپنی ذاتی خواہشات کو مکمل طور پر مٹا دے اور خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے تو وہ گویا بشریت کا ظاہری رنگ اتار کر خود کو اوصاف الٰہیہ سے متصف کر لیتا ہے۔ اسی کو ولایت کہتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے:

"مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ، وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ". (صحیح بخاری، رقم الحدیث:6502)

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، میرا اس کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے۔ میرا بندہ جن چیزوں سے مجھ سے قریب ہوتا ہے، ان میں سب سے محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض قرار دی ہیں۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ

سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ کسی چیز سے میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں اور کسی چیز کے کرنے میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا تردد مومن کی روح قبض کرنے پر ہوتا ہے جو موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اسے غمگین کرنا ناپسند ہوتا ہے)

11۔ موت کی یاد

احادیث مبارکہ میں بہت سی روایات ملتی ہیں جن میں موت کو یاد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موت کو کثرت سے یاد فرماتے تھے۔ صوفیائے کرامؒ کے ہاں تو موت کی یاد ایک بنیادی وصف ہے۔ ان کے ہاں یہ قول بہت مشہور ہے: مرنے سے پہلے مرجاو۔

صوفیا نے یہ وصف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، أَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، قَالَ: فَأَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَكْيَسُ؟ قَالَ: أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَأَحْسَنُهُمْ لِمَا بَعْدَهُ اسْتِعْدَادًا أُولَئِكَ الْأَكْيَاسُ. (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 4259)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا کہ انصار میں سے ایک آدمی حاضرِ بارگاہ ہوا اور اس نے بارگاہِ نبوی میں سلام پیش کیا۔ پھر اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون سا مومن افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو تم میں سے اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہے۔ پھر عرض کیا گیا کہ کون سا مومن عقل مند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو ان میں سے سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا ہے اور اس کے بعد کے لیے اچھی تیاری کرنے والا ہے، وہی لوگ عقل مند ہیں)

12۔ توبہ واستغفار

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ معصوم عن الخطا (غلطی سے پاک) تھے، مگر امت کی تعلیم کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی خاطر ہمیشہ توبہ واستغفار کرتے رہتے:

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ : جَاءَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ جُلُوْسٌ فَقَالَ : مَا أَصْبَحْتُ غَدَاةً قَطُّ إِلَّا اسْتَغْفَرْتُ اللهَ فِيْهَا مِائَةَ مَرَّةٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث:10214)

(حضرت سعید بن ابی بردہ رضی اللہ عنہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ہم سبھی بیٹھے ہوئے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی صبح طلوع نہیں ہوتی مگر میں اس میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں)

توبہ انسان کی پہلی، درمیانی اور آخری منزل ہے، سالک اسے کبھی خود سے جدا نہیں کرتا۔ اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف سفر اختیار کرتا ہے تو توبہ اس کی رفیق ہوتی ہے جہاں وہ جائے۔

(مدارج السالکین، ص:141)

13۔ شکر

شکر کے بارے میں احادیث مبارکہ میں بہت روایات پائی جاتی ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى قَامَ حَتَّى تَفَطَّرَ رِجْلَاهُ، قَالَتْ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَتَصْنَعُ هَذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟، فَقَالَ يَا عَائِشَةُ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2625)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رات کے وقت) اس قدر قیام فرمایا کرتے کہ پاؤں مبارک پھٹ جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیے گئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟)

شکر کا مفہوم صرف یہ نہیں کہ نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے بلکہ یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ سے ہر حال میں راضی رہا جائے اور اس کی حمد سے غفلت نہ ہونے پائے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے تھے: شکر کے مروج مفہوم میں ایک مسئلہ ہے۔ شکر کرنے والا اپنے لیے مزید نعمتوں کا طلب گار رہتا ہے۔ حقیقی

شکر تو یہ ہے کہ آدمی خود کو نعمتوں کا اہل ہی نہ سمجھتا ہو۔

14۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومن کے ایمان کا تقاضا ہے۔صوفیا کے ہاں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میزان کی حیثیت رکھتی ہے۔صوفی ادب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں نہایت دل گداز کلام ملتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.

(صحیح مسلم، رقم الحدیث:169)

(تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

15۔ اخلاص

اخلاص نیت والی حدیث کو تمام حدیث کی کتب میں اولین حیثیت دی گئی ہے۔ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے:

الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى. (صحیح بخاری، رقم الحدیث:54)

(اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حِيْنَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ: يَا رَسُوْلَ اللهِ أَوْصِنِي۔ قَالَ: أَخْلِصْ دِيْنَكَ، يَكْفِكَ الْعَمَلُ الْقَلِيْلُ.

(مستدرک امام حاکم، رقم الحدیث:4844)

(حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا گیا تو انھوں نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے نصیحت فرمائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین میں

اخلاص پیدا کر، تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا)

اخلاص یہ ہے کہ آدمی کا ظاہر و باطن، مجلس و خلوت ایک جیسے ہو جائیں۔ سالکین کا اخلاص یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ اپنے اعمال سے بھی بے پروا ہو جائیں۔ اخلاص پیدا کرنا مطلوب مگر مشکل کام ہے کیونکہ ریاکاری کے کئی رنگ ہوتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

16۔ بیعت

نیکی اور بھلائی کے کاموں پر بیعت لینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ بیعت ایک ایسا عمل ہے جو تصوف میں بہت رائج ہے۔ اس طرح ایک سالک ذہنی و قلبی طور پر مائل ہو جاتا ہے کہ اسے خیر کی طرف قدم بڑھانا اور برائی سے بچنا ہے کیونکہ اس نے اپنے شیخ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عہد باندھ لیا ہے۔

احادیث مبارکہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیعت لینے کا واقعہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے روایت کیا جو غزوۂ بدر میں شریک تھے اور بیعت عقبہ والوں میں ایک نقیب تھے۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:

بَایِعُونِی عَلَی أَنْ لَا تُشْرِکُوا بِاللّٰہِ شَیْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَکُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَیْنَ أَیْدِیکُمْ وَأَرْجُلِکُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِی مَعْرُوفٍ، فَمَنْ وَفَی مِنْکُمْ فَأَجْرُهُ عَلَی اللّٰہِ۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث:18)

(مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، جانتے بوجھتے کسی پر بہتان نہیں باندھو گے اور نیکی کے کاموں میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ تم میں سے جس نے یہ عہد پورا کیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے)

5۔ صحابہؓ میں تصوف

تصوف کی بنیادیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ مبارک کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روحانی زندگی میں ملتی ہیں اور یہ روایت پھر آگے بڑھی اور آج تک موجود ہے۔ اب ہم چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے وہ پہلو دیکھتے ہیں جن پر تصوف میں زور دیا جاتا ہے:

1۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں صوفیائے عظامؒ کے سب سے بڑے پیشوا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اہل تجرید[1] کے سردار اور ارباب تفرید[2] کے شہنشاہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبِ مشاہدہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ رات کی نماز میں قرآن مجید آہستہ آواز میں تلاوت کرتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم آہستہ کیوں پڑھتے ہو؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں اس کو سناتا ہوں جس سے میں تنہائی میں بات کرسکتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے غائب نہیں ہے اور اس کے لیے آہستہ یا زور سے پڑھنا دونوں برابر ہیں۔ (سنن ابوداؤد، ج:1، رقم الحدیث:1325)

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ

دَخَلَ عُمَرُ عَلٰى أَبِي بَكْرٍ وَهُوَ آخِذٌ بِلِسَانِهِ يُنَضْنِضُهُ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ : اللهَ اللهَ يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللهِ، وَهُوَ يَقُولُ : هَاهْ، إِنَّ هٰذَا أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:7258)

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو (دیکھا کہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی

---

[1]۔ اہل تجرید سے مراد وہ لوگ ہیں جو معمولی سے معمولی آلائشوں سے بھی بچتے ہیں۔

[2]۔ اہل تفرید سے مراد وہ لوگ ہیں جو نہایت باریک بینی کے ساتھ غلط کو صحیح سے الگ کر دیتے ہوں۔ چنانچہ منکرینِ زکوٰۃ کے مسئلہ میں صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے صحیح اور غلط کے درمیان حد کو ٹھیک ٹھیک متعین کیا۔

زبان کو پکڑے ہوئے تھے اور اس کو ہلا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے خلیفہ رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: جس خرابی سے میں دوچار ہوا ہوں اسی کی وجہ سے ہوا ہوں)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرضِ وفات کی حالت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا: تین سفید چادروں میں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹی ایک تو یہی چادر لے لینا جو میں نے پہنی ہوئی ہے۔ اس پر زعفران کے داغ پڑے ہوئے ہیں، انہیں دھو لینا اور دو چادریں اور ملا کر مجھے کفنا دینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یہ کیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: مردوں سے زیادہ زندہ لوگ نئی چیزوں کے ضرورت مند ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ جاننے کے باوجود کہ ہمارا دنیا کا یہ گھر عارضی ہے اور یہاں کے تمام احوال و اسباب ہمارے پاس عارضی طور پر ہیں یہاں تک کہ ہمارے سانس بھی گنتی کے ہیں، پھر بھی ہم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی مناجات میں عرض کیا کرتے تھے: اے میرے پروردگار! دنیا کو میرے لیے کشادہ فرما لیکن اس میں مبتلا ہونے سے مجھے بچا کر رکھ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب بیعتِ خلافت لی تو منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ میں ارشاد فرمایا: اللہ پاک کی قسم! میں ایک دن یا رات کے لیے بھی حکمرانی کا خواہش مند نہیں ہوں۔ میں اس کے لیے اپنے دل میں کوئی میلان پاتا ہوں اور نہ میں نے کبھی خفیہ یا اعلانیہ اللہ پاک سے اسے مانگا ہے اور نہ میرے لیے اس میں کوئی عیش کا سامان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کمالِ صدق پر فائز کرتا ہے تو بندہ منتظر رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ہوتا ہے۔ جو حالت اور جو بھی صورت اللہ تعالیٰ اس کے لیے پیدا کر دیتا ہے، وہ اسی پر راضی ہو جاتا ہے۔ اگر فقیر ہونے کا حکم آئے تو فقیر ہو جاتا ہے اور اگر امیر ہونے کا حکم ہو تو امیر ہو جاتا ہے۔ وہ حکم الٰہی کے سامنے ہر حال میں اپنا سر جھکاتا ہے۔ یہی صورت حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔ تصوف کے بہت سے سلسلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسلک ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور سلسلہ نقشبندیہ ہے۔

2۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

تصوف کے بہت کم سلسلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں حالانکہ زہد میں آپ رضی اللہ عنہ کا بہت اعلیٰ مقام ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ رات کو نماز میں قرآن پاک بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم قرآن مجید بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہو؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔ صوفیائے کرامؒ کے ہاں آپ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب صاحبِ مجاہدہ ہونے کی علامت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَخَرَجْتُ مَعَهٗ حَتّٰى دَخَلَ حَائِطًا، فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ: وَبَيْنِي وَبَيْنَهٗ جِدَارٌ، وَهُوَ فِي جَوْفِ الْحَائِطِ: عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ، بَخٍ بَخٍ، وَاللّٰهِ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ لَتَتَّقِيَنَّ اللّٰهَ، أَوْ لَيُعَذِّبَنَّكَ. (مؤطا امام محمد، ج:1، رقم الحدیث:925)

(ایک میں دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا یہاں تک کہ وہ ایک باغ میں داخل ہوگئے۔ وہ باغ کے اندر تھے۔ میرے اور ان کے درمیان صرف دیوار حائل تھی۔ میں نے سنا کہ وہ (خود کو مخاطب کر کے) کہہ رہے تھے: اللہ کی قسم! اے خطاب کے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ورنہ وہ تجھے عذاب میں مبتلا کر دے گا)

حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ قحط سالی کے زمانے کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَأْكُلُ خُبْزًا بِسَمْنٍ فَدَعَا رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ فَجَعَلَ يَأْكُلُ وَيَتَّبِعُ بِاللُّقْمَةِ وَضَرَ الصَّحْفَةِ فَقَالَ عُمَرُ كَأَنَّكَ مُقْفِرٌ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا أَكَلْتُ سَمْنًا وَلَا لُكْتُ أَكْلًا بِهٖ مُنْذُ كَذَا وَ كَذَا فَقَالَ عُمَرُ لَا آكُلُ السَّمْنَ حَتّٰى يَحْيَا النَّاسُ مِنْ أَوَّلِ مَا يَحْيَوْنَ.

(موطا امام مالک، ج:1، رقم الحدیث:1598)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے گھی کے ساتھ روٹی کھا رہے تھے تو دیہات سے آئے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص، آپ رضی اللہ عنہ نے آواز دے کر اپنے ساتھ کھانے پر بٹھا لیا۔ وہ شخص رکابی میں تری کے پیچھے اپنے لقمہ کو پھراتا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی خشک سالی سے متاثر لوگوں میں سے ہو۔ اس

نے عرض کیا: اللہ پاک کی قسم! اتنی مدت سے نہ میں نے گھی کھایا ہے اور نہ کسی کو کھاتے دیکھا ہے۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تک لوگوں کو بارش سے پھر وہی خوش حالی نہ حاصل ہو جائے جو انہیں پہلے حاصل تھی، میں بھی گھی نہیں کھاؤں گا)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اللہ پاک سے یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1816)

(اے میرے رب! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور مجھے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں موت دے)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

كَرَمُ الْمُؤْمِنِ تَقْوَاهُ وَدِينُهُ حَسَبُهُ وَمُرُوئَتُهُ خُلُقُهُ وَالشَّهِيدُ مَنِ احْتَسَبَ نَفْسَهُ عَلَى اللهِ.

(موطا امام مالک، ج:1، رقم الحدیث:907)

(مومن کی عزت تقویٰ میں ہے اور دین اس کی شرافت ہے اور مروت اس کا خلق ہے۔ شہید وہ ہے جو صرف اللہ پاک کی خاطر خود کو بری باتوں سے روکے)

آپ رضی اللہ عنہ کی دینی فراست اور آپ رضی اللہ عنہ کی دانش دیکھیے کہ کس طرح علم و فلسفہ کا سارا نچوڑ چند لفظوں میں نکال کر رکھ دیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اقوال میں سے ہے کہ

فِي الْعُزْلَةِ رَاحَةٌ مِنْ خُلَطَاءِ السُّوءِ. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:4674)

(بری صحبت کے مقابلے میں گوشہ نشینی میں بڑی راحت ہے)

3۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شرم و حیا اور تسلیم و رضا میں اہل طریقت کے امام ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مقام تسلیم و رضا کا اندازہ حضرت عبداللہ بن رباح رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی اس

روایت سے لگایا جا سکتا ہے: وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے جب آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہنگامہ کرنے والے دروازے پر اکٹھے ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے خادموں نے مقابلہ کے لیے ہتھیار اٹھائے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو منع فرما دیا اور فرمایا: تم میں سے جو باز رہیں گے ان کو میں اللہ پاک کی خاطر آزاد کر دوں گا۔ ان حضرات کا بیان ہے کہ جب صورت حال بہت زیادہ خطرناک ہوگئی تو ہم اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے نکل گئے۔ راستہ میں ہمیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ ملے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس جا رہے تھے۔ ہم بھی ساتھ ہو لیے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے سلام کیا اور صورت حال پر اظہار افسوس کے بعد عرض کیا: اے امیر المومنین! میں آپ رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر تلوار نہیں اٹھا سکتا۔ آپ رضی اللہ عنہ مجھے اجازت دیجیے تاکہ میں اس فتنے کو ختم کر دوں۔ اس کے جواب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے واپس چلے جاؤ اور اپنے گھر میں بیٹھو یہاں تک کہ اللہ پاک کا حکم پورا ہو جائے۔ ہمیں خون بہانے کی ضرورت نہیں۔

4۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا علم اور فہم دین میں ایک منفرد مقام ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ایثار و قربانی کا یہ عالم تھا کہ جس دن کفار مکہ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا، آپ رضی اللہ عنہ اس رات نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ بستر پر سوئے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے نکل جائیں اور کفار کو بستر خالی دیکھ کر تجسس نہ ہو۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: آزمائشوں اور مصیبتوں سے مقابلہ کرنے اور علم طریقت میں ہمارے پیشوا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اے امیر المومنین! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے اہل و عیال میں مشغولیت تیرا سب سے بڑا مشغلہ نہ بن جائے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر تیرے گھر والے اللہ پاک کے دوست ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو کبھی بھی ضائع نہیں کرتا اور اگر وہ خدا کے دشمن ہیں تو اللہ پاک کے دشمنوں سے تجھے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔

ایک شخص نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: کاموں میں سب سے پاکیزہ کام کون سا ہے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرا دل اللہ پاک کو اس طرح پالے کہ اس کے سوا ہر چیز سے بے پروا ہو جائے۔ راہ طریقت میں آپ رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ تصوف کے سب سے زیادہ سلسلے آپ رضی اللہ عنہ کی وساطت سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔

5۔ حضرت فاطمۃ الزہراہ رضی اللہ عنہا

حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا صبر وتسلیم ورضا کا پیکر تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست تربیت پائی۔ آپ رضی اللہ عنہا انتہائی ایثار کرنے والی تھیں، صدقہ و خیرات میں دل لگتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہا حیا کا اعلیٰ ترین نمونہ تھیں۔ اس لیے علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

بتول باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

(بتول رضی اللہ عنہا بن جاؤ اور اس زمانے کی نظروں سے چھپ جاؤ)
(تا کہ تمہاری گود میں ایک حسین رضی اللہ عنہ پرورش پا سکے)

6۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح معرفت اور طریقت میں نہایت بلند مقام کے مالک ہیں۔ ایک دن آپ رضی اللہ عنہ کوفہ میں اپنے مکان سے باہر تشریف فرما تھے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے آتے ہی آپ رضی اللہ عنہ کے والدین کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں پوچھا: اے اعرابی! کیا تجھے بھوک لگی ہے یا پیاس یا تجھے کوئی اور تکلیف پہنچی ہے؟ اس کے باوجود وہ آپ رضی اللہ عنہ کے والدین کو برا کہے جا رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ گھر میں درہم و دینار کا جو تھیلا رکھا ہے وہ لا کر اس کو دے دو۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا: بھائی مجھے معاف کیجیے، گھر میں اس کے علاوہ کوئی مال نہیں ورنہ میں تجھے وہ بھی دے دیتا۔ جب اعرابی نے یہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رضی اللہ عنہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں۔

7۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ مصیبتوں اور پریشانیوں میں گرے ہوئے انسانوں کے امام اور سردار ہیں۔ تمام اہل طریقت آپ رضی اللہ عنہ کے حال کی درستی پر متفق ہیں۔ اس لیے جب تک حق ظاہر رہا، آپ رضی اللہ عنہ اس کے پیروکار رہے اور جب حق گم ہو گیا تو اقامت دین کے لیے جان و مال اور عزیز و اقارب سب کچھ قربان کر دیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ تیرے بھائیوں سے بڑھ کر تیرا دین تجھ پر شفقت کرنے والا ہے۔ بھائی وہ ہوتے ہیں جو ہمیشہ بھائی کی خیر خواہی کریں۔ اس سلسلے میں کوئی بھائی دین کی برابری نہیں کر سکتا۔ عقل مند وہ ہوتا ہے جو اپنے شفقت کرنے والے کو اپنا ہمدرد جانے، اس کے احکام پر عمل کرے اور اس کی فرماں برداری کرے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: اے ابن رسول! میں ضرورت مند ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ آج رات کا کھانا آپ رضی اللہ عنہ سے چاہتا ہوں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے، جو خود بھی اسی حالت سے دو چار تھے، فرمایا: بیٹھ جاؤ، میرا رزق چلا آرہا ہے۔ آجائے تو تمہیں دیتا ہوں۔ کچھ دیر بعد ایک ایک ہزار دینار کی پانچ تھیلیاں پہنچ گئیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہ پانچوں تھیلیاں اس حاجت مند کو دے دیں اور ساتھ ہی معذرت کرتے ہوئے فرمایا: بھائی ہم خود آزمائش میں مبتلا ہیں۔ ہم نے دنیا کی تمام خوشیاں ترک کر دی ہیں۔ اپنی مرادیں کم کر لی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں اتنی دیر انتظار کروایا اور اس سے زیادہ کچھ نہ دے سکا۔

اہل صفہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص اصحاب تھے۔ یہ حضرات دنیا کے تمام کام کاج اور دلچسپیاں چھوڑ کر مسجد نبوی میں رہتے تھے اور خود کو مکمل طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر رکھا تھا۔ ان کا کام رات دن اللہ پاک کی بندگی و عبادت میں مصروف رہنا تھا۔ ان کے فضائل میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ. (سورۃ الانعام، آیت:52)

(جو لوگ دن رات اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا کے طالب ہیں، انہیں اپنے قرب سے دور نہ کیجیے)

8۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

اصحاب صفہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بہت اعلیٰ مقام ہے۔ جب تک حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں ظاہری طور پر رہے آپ رضی اللہ عنہ نے صفہ ہی کو اپنا مسکن بنائے رکھا۔ جب بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل صفہ کو بلانے کے لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ تصوف سے متعلق سب سے زیادہ احادیث آپ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

9۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ زاہد، عابد اور قانع تھے۔ آپؓ سب سے پہلے بقا کے علم پر بات کرنے والے، دین کی خاطر مشقتیں برداشت کرنے والے اور موت تک مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرنے والے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص خادم تھے اور اصحاب صفہ میں سے تھے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے علاقے میں قحط پڑا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو لے کر مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ وہاں پہنچ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں معلوم ہوا۔ لوگوں سے دریافت کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کی کوشش کی تو کفار مکہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر ظلم وستم شروع کر دیے۔ آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے بھاگ کر حرم شریف میں آ گئے اور کعبہ شریف کے پردوں اور عمارت کے درمیان میں چھپ گئے، حتیٰ کہ تیس دنوں تک یونہی چھپے رہے سوائے کھانے پینے کے باہر نہ نکلتے تھے۔

پھر جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے بھی اللہ پاک کی عبادت کیا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں! مجھے یاد ہے کہ میں سورج نکلنے کے وقت نماز پڑھنے کھڑا ہو جاتا اور مسلسل نماز پڑھتا رہتا حتیٰ کہ سورج کی تپش مجھے ستانے لگتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ رضی اللہ عنہ کس طرف رخ کرتے تھے؟ فرمایا: میں نہیں جانتا سوائے اس کے کہ اللہ پاک جہاں میرا رخ کر دیتا حتیٰ کہ اللہ پاک نے مجھے اسلام کی دولت سے نواز دیا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے چند لوگوں نے جائیدادیں بنانے کا مشورہ دیا۔ میں نے ان سے کہا: میں امیر نہیں بننا چاہتا۔ مجھے ہر روز دودھ یا پانی کا ایک گھونٹ اور ہر ہفتہ گندم کا ایک قفیز [1] ملنا ہی کافی ہے۔

10۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

اصحاب صفہ میں شامل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ عرصہ دراز تک بہت کم پر شکر کرنے والے اور دین کی خاطر مصیبتیں برداشت کرنے والے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص دریائے دجلہ سے پانی پینے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے مزید پانی پینے کا کہا۔ اس نے جواب دیا: میں پیٹ بھر کر پی چکا ہوں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا پانی میں سے کچھ کم ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسی طرح علم حاصل کرنے سے کم نہیں ہوتا، لہٰذا تم نفع پہنچانے والا علم حاصل کرو۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي بِحُبِّ أَرْبَعَةٍ، وَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ هُمْ؟ قَالَ: "عَلِيٌّ مِنْهُمْ"، يَقُولُ ذٰلِكَ ثَلَاثًا: "وَأَبُو ذَرٍّ، وَسَلْمَانُ، وَالْمِقْدَادُ".

(سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:149)

(اللہ پاک نے مجھے چار افراد سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے بتایا ہے کہ وہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علی رضی اللہ عنہ انہیں لوگوں میں سے ہیں اور یہ تین مرتبہ فرمایا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ)

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بازار سے آٹا خرید رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے عرض کیا: آپ رضی اللہ عنہ صحابی رسول رضی اللہ عنہ ہونے کے باوجود ایسا کرتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب رزق موجود ہوتا ہے تو اس سے نفس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور وہ عبادت کے لیے فارغ ہوتا

---

[1]۔ غالباً 25 کلو

ہے نیز وہ وساوس کا شکار نہیں ہوتا۔

11۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بھی اصحاب صفہ میں شامل ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایک گھڑی اللہ پاک کی تخلیقات میں غور وفکر کرنا ایک رات کی عبادت کرنے سے بہتر ہے۔آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل میں تاجر تھا۔اس کے بعد میں نے عبادت اور تجارت کو جمع کرنے کی کوشش کی لیکن میں ناکام رہا۔اس لیے تجارت کو ترک کر کے عبادت میں مشغول ہو گیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ علم حاصل نہ کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے اور اللہ پاک چاہتا تو ان کو علم عطا فرماتا۔صاحب علم اگر اپنے علم پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے بھی ہلاکت ہے۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! قرآن مجید کی تعلیم ، اللہ پاک کے ساتھ تعلق اور لوگوں سے لاتعلقی کے بغیر تم فقیہ نہیں بن سکتے۔

آپ رضی اللہ عنہ ہی کا قول ہے کہ اللہ پاک کی عبادت یوں کرو کہ وہ تمہارے سامنے ہے۔خود کو مردوں میں شمار کرو۔خوب سمجھ لو کہ تھوڑا سا مال و دولت جو بے نیاز کر دے، غفلت میں ڈالنے والے کثیر مال و دولت سے بہتر ہے۔نیکی کبھی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا۔

ان کے علاوہ اصحاب صفہ میں یہ صحابہ کرام شامل تھے: (1) حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ، (2) حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبیدہ رضی اللہ عنہ، (3) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، (4) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، (5) حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، (6) حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، (7) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ، (8) حضرت صہیب بن منان رضی اللہ عنہ، (9) حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ، (10) حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ، (11) حضرت ابوکبشہ انماری رضی اللہ عنہ، (12) حضرت ابوالمرثد کنانہ رضی اللہ عنہ، (13) حضرت سالم مولیٰ حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ، (14) حضرت عکاشہ بن حصین رضی اللہ عنہ، (15) حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ، (16) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، (17) حضرت صفوان بن بیضا رضی اللہ عنہ، (18) حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور (19) حضرت عبداللہ بن بدر جہنی رضی اللہ عنہ

6۔ اسلام اور حصول دنیا

دین اسلام ایک زندہ اور متحرک دین ہے جس کی رو سے یہ زندگی اللہ پاک کے حکم کے مطابق گزارنی ہے۔ ایک تہذیب بنانی ہے اور انسانیت کے لیے آسانیاں پیدا کرنی ہیں۔ اسلامی تاریخ اس کی گواہ ہے کہ مسلمانوں نے ایک شاندار تہذیب بنا کر دکھائی۔ اسلام دنیا کی تمام اچھی چیزوں کے حصول کا حامی ہے۔

1۔ رہبانیت

اسلام سے پہلے عیسائیت میں رہبانیت عام تھی۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اور مسلم امت کی رہبانیت جہاد ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی نہ کرنے کو ناپسند فرمایا ہے، مسلسل بغیر کسی وقفے کے روزے رکھنے اور ساری رات جاگتے رہنے کو بھی ناپسند فرمایا ہے۔ اجتماعی کاموں کو چھوڑ کر صرف نمازیں پڑھنے اور ذکر کرتے رہنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ گندا لباس پہننے کو ناپسند فرمایا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا خزام ولا زمام ولا سياحة، ولا تبتل ولا ترهب في الإسلام.

(کنز العمال، ج:1، رقم الحدیث:1108)

(اسلام میں جبر، آبادیوں سے دور جانا، دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا، ترک نکاح اور رہبانیت نہیں ہے)

دوسری جگہ ارشاد مبارک ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ رَهْبَانِيَّةٌ وَرَهْبَانِيَّةُ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ. (مسند احمد، ج:5، رقم الحدیث:2747)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نبی علیہ السلام کی رہبانیت رہی

ہے، اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے)

اسلام غار میں بیٹھ کر عبادت کرنے سے جہاد کی عملی زندگی کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اعلیٰ اشیا پسند تھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے خواتین، خوشبو اور نماز پسند ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ، وَالطِّيبُ، وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ". (سنن نسائی، ج:2، رقم الحدیث:1302)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں میں خواتین اور خوشبوئیں محبوب اور پسند ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے)

عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: "أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَوْبٍ دُونٍ، فَقَالَ: أَلَكَ مَالٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: مِنْ أَيِّ الْمَالِ؟ قَالَ: قَدْ آتَانِي اللهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ، قَالَ: فَإِذَا آتَاكَ اللهُ مَالًا، فَلْيُرَ أَثَرُ نِعْمَةِ اللهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهِ".

(سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:672)

(حضرت ابواحوص رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس میلے کپڑوں میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تیرے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ پھر پوچھا کہ کیا مال ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ پاک نے مجھے اونٹ، بکری، گھوڑے اور غلام وغیرہ سب کچھ دے رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تجھے مال دیا ہے تو چاہیے کہ اللہ پاک کی نعمت کا اثر تجھ پر ظاہر ہو اور اس کی عزت بھی ظاہر ہو)

امویوں کے زمانے میں ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا تھا جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر خود کو عبادت کے لیے وقف کر لیا تھا اور عباد (عبادت کرنے والے) کہلاتے تھے۔ ان میں حضرت مداد بن یزید بھی تھے۔ آپؒ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آذربائیجان کی فتح کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔ آپؒ کچھ ساتھیوں کے ساتھ ایک قبرستان میں رہنے لگے تا کہ اللہ پاک کی عبادت کر سکیں۔ (ابن سعد) کوفہ میں حضرت الربیع بن قیثمؒ کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ وہ اپنی چھوٹی بچی کے کھیلنے کو بھی زہد کے خلاف سمجھتے

تھے۔آپؓ مال غنیمت میں سے بھی حصہ لینا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔آپؓ شاعری کے بھی خلاف تھے۔ جوں جوں فتوحات بڑھتی گئیں اور مال و دولت کی ریل پیل ہوئی تو کچھ لوگ رہبانیت کی طرف مائل ہو گئے۔ان کا نعرہ تھا:الغرار من الدنیا.(دنیا سے بھاگ جاؤ)

ایسے نیک لوگوں نے اپنے کھانے پینے کے طور طریقے تبدیل کر لیے۔کچھ نے ہمیشہ کے لیے روزے رکھنے شروع کر دیے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: نماز روزہ سے زیادہ اہم ہے کیونکہ روزے سے انسانی جسم کمزور پڑ جاتا ہے۔اس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت مداد کو قبرستان میں رہنے سے منع فرمایا۔(ابن سعد)

جب اسلام آیا تو اس وقت چاروں طرف عیسائیوں کی راہبانہ اور زاہدانہ زندگی کا چرچا تھا۔جب عراق،شام اور مصر فتح ہوا تو مسلمانوں کا عیسائی زہاد اور راہبوں سے واسطہ پڑا اور انہوں نے ان سے اثر لیا۔کچھ نے پرانے مسیحی ادب سے مثالیں اور اقوال بھی مستعار لیے۔مگر عام مسلمانوں کے لیے بڑھتا ہوا ایسا رویہ نامانوس تھا۔ایک دفعہ ایک عام مسلمان عورت نے کچھ ایسے نیک لوگوں کو دیکھا جنہوں نے عیسائی رہبانیت کے زیر اثر اپنی گفتگو اور چال کو دھیما کر لیا تھا تو اس نے کہا: خدا کی قسم! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو ایسا اونچا بولتے تھے کہ لوگ ان کو سن سکیں اور تیز تیز چلتے تھے۔وہ صحیح نیک تھے۔(ابن سعد)

تابعینؒ کے زمانے میں بھی کچھ لوگوں نے ایسی راہبانہ عادتوں کا اظہار کیا۔حضرت زیاد بن ابی زیادؒ جو کہ قبیلے مخزوم کے غلام تھے، ہمیشہ عبادت میں رہتے تھے۔اون کا لباس پہنتے تھے اور گوشت نہیں کھاتے تھے۔یہ لوگ ایسے تھے جنہوں نے قرآن پاک/ اسلام کی اجتماعی زندگی کے بارے میں تمام متوازن تعلیمات کو چھوڑ کر زہد پر زیادہ توجہ دی اور جب یہ رویہ آگے بڑھا تو بہت سے علما نے اس کی شدید مخالفت کی۔

2۔ قرآن میں حصول دنیا

قرآن کریم میں انسانوں کو معاش،کسب اور دنیا کے مال ومتاع کے ساتھ تعلق کی نوعیت بارے بھی ہدایات فراہم کی گئی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ زمین میں چل پھر کر رزق کمائے اور دنیا کے ساتھ دل لگائے بغیر خود کفیل ہو کر زندگی بسر کرے۔

قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں انسان کو رزق کمانے اور حصول دنیا کی تعلیم دی گئی ہے:

(1) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ.

(سورۃ الملک، آیت:15)

(وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کر دیا سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ)

(2) نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد دوبارہ کسب معاش میں مصروف ہو جانے کا حکم فرمایا:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ. (سورۃ الجمعۃ، آیت:10)

(پس جب نماز ادا کر چکو تو زمین میں چلو پھرو اور اللہ پاک کا فضل تلاش کرو)

(3) اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا. (سورۃ الکہف، آیت:46)

(مال اور اولاد تو دنیوی زندگی کی رونق ہیں)

(4) صرف زمین میں ہی نہیں بلکہ اللہ تعالی نے پانیوں میں بھی رزق تلاش کرنے کا حکم دیا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (سورۃ الجاثیہ، آیت:12)

(اللہ پاک ہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو تابع کر دیا تا کہ اس میں اس کے حکم سے جہاز چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم اس کا شکر کرو)

(5) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آیت کریمہ کثرت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں جامعیت ہے کہ دنیا و آخرت کی بھلائی کو طلب کیا گیا ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (سورۃ البقرۃ، آیت:201)

(اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے)

3۔ حدیث میں حصول دنیا

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ساری زندگی قناعت اور زہد میں گزاری اور مال ومتاع جمع نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زہد ایک نبی ہونے کے ناتے اور اس لیے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے متحمل تھے اور خود اختیار کیا ہوا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہمیشہ یہ تعلیم دی کہ حصول دنیا انسان کی ضرورت، بلکہ ذمہ داری ہیں۔ اس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی پر عمل پیرا بھی تھے۔ رزق کماتے بھی تھے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ بھی کرتے تھے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو مختلف طریقوں سے محنت اور معاشی جدوجہد کی ترغیب دی ہے۔ ارشادگرامی ہے:

(1) مَا كَسَبَ الرَّجُلُ كَسْبًا أَطْيَبَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ وَمَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى نَفْسِهِ، وَأَهْلِهِ وَوَلَدِهِ وَخَادِمِهِ، فَهُوَ صَدَقَةٌ. (سنن ابن ماجہ، ج:2، رقم الحدیث:296)

(مرد نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے زیادہ پاکیزہ کمائی نہیں حاصل کی اور مرد اپنے اوپر، اپنی اہلیہ پر، اپنے بچوں پر اور اپنے خادم پر جو بھی خرچ کرے تو وہ صدقہ ہے)

(2) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصول دنیا اور کسب معاش کو عار سمجھنے کی بجائے اسے بہترین عمل قرار دیا:

مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ. (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1992)

(اس سے بہتر کھانا کسی نے نہیں کھایا جو اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کھائے اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے)

(3) وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ فَيَحْتَطِبَ عَلَى ظَهْرِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْتِيَ

رَجُلًا فَيَسْأَلَهُ أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ. (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1413)

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم میں سے ایک شخص کا رسی لینا اور اپنی پیٹھ پر لکڑیاں اٹھانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی شخص کے پاس آ کر سوال کرے اور وہ اسے دے یا نہ دے)

(4) التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ، وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ.

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:1224)

(سچا اور امانت دار تاجر (بروز قیامت) انبیاء علیہم السلام، صدیقین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور شہدا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ہوگا)

(5) ایک انصاری نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دست سوال دراز کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ اس نے عرض کی: صرف ایک کمبل ہے جس کا ایک حصہ ہم اوڑھتے ہیں اور ایک حصہ بچھاتے ہیں۔ لکڑی کا ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دونوں چیزوں کو میرے پاس لے کر آؤ۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے وہ لا کر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے دست مبارک میں لے کر ارشاد فرمایا: انہیں کون خریدتا ہے؟ ایک صاحب نے عرض کی: ایک درہم کے عوض میں خریدتا ہوں۔ ارشاد فرمایا: ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟ یہ بات دو یا تین بار فرمائی تو کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں دو درہم کے بدلے لیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں چیزیں دے دیں اور درہم لے لیے اور انصاری کو دونوں درہم دے کر ارشاد فرمایا: ایک کا غلہ خرید کر گھر دے آؤ اور ایک کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔ وہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ ڈالا اور ارشاد فرمایا: جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو۔ پندرہ دن تک میں تمہیں نہ دیکھوں۔ (یعنی اتنے دنوں تک یہاں حاضر نہ ہونا) وہ گئے اور لکڑیاں کاٹ کر بیچتے رہے۔ پندرہ دن بعد حاضر ہوئے تو ان کے پاس دس درہم تھے۔ چند درہم کا کپڑا خریدا اور چند کا غلہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن سوال تمہارے منہ پر چھالا بن کر آتا۔ (سنن ابوداؤد، ج:1، رقم الحدیث:1637)

(6) اگر مال دل میں داخل نہ ہو اور آدمی صالح رہے تو وہ مذموم نہیں ہے:

اَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ يَقُولُ بَعَثَ إِلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خُذْ عَلَيْكَ ثِيَابَكَ وَسِلَاحَكَ ثُمَّ ائْتِنِي فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَصَعَّدَ فِيَّ النَّظَرَ ثُمَّ طَأْطَأَهُ فَقَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَبْعَثَكَ عَلَى جَيْشٍ فَيُسَلِّمَكَ اللّٰهُ وَيُغْنِمَكَ وَأَرْغَبُ لَكَ مِنَ الْمَالِ رَغْبَةً صَالِحَةً قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا أَسْلَمْتُ مِنْ أَجْلِ الْمَالِ وَلَكِنِّي أَسْلَمْتُ رَغْبَةً فِي الْإِسْلَامِ وَأَنْ أَكُونَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَمْرُو نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ. (مسند احمد، ج:7، رقم الحدیث:889)

(حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام روانہ فرمایا کہ اپنا (جنگی) لباس اور ہتھیار پہن کر میرے پاس پہنچو۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ پر اوپر سے لے کر نیچے تک نگاہ ڈالی، پھر فرمایا: میں تمہیں ایک لشکر کی کمان دے کر مہم پر روانہ کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ پاک تمہیں صحیح سلامت واپس لائے اور کامیابی و مال غنیمت دے اور میں تمہارے مال پانے کے لیے بھی خواہش رکھتا ہوں۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں مال پانے کی خاطر اسلام نہیں لایا بلکہ اس لیے اسلام لایا ہوں کہ اسلام ہی مجھے پسند ہے اور اس لیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و ساتھ پاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! کیا ہی خوب ہے کہ پاک مال ہو اور نیک آدمی کے ہاتھ میں ہو)

4۔ اسلاف کے ہاں حصول دنیا

انبیائے کرام علیہم السلام جیسی عظیم شخصیات بھی حصول دنیا اور کسب معاش کرتی رہی ہیں۔ بعض روایات کے مطابق حضرت شیث علیہ السلام کپڑا تیار کرتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام لکڑی کا کام کرتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام اونٹوں کا کاروبار کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے سے اشیاء تیار کرتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام لکڑی کا کام کرتے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام ماہی گیری کرتے تھے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مشہور تاجر تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتوحات کی

کثرت کی وجہ سے مسلمانوں میں مال کی فراوانی ہوگئی تھی۔لوگ خوشحال ہوگئے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ نے اس وقت لوگوں کی اس حالت کو اچھا سمجھا اور فرمایا: اے لوگو! اپنی معاشی حالت کو بہتر بنالو کیونکہ اس میں تمہارے اپنے لیے بھلائی ہے اور دوسروں کے لیے نیکی اور تعاون ہے۔(موسوعۃ ابن ابی الدنیا، ج:7،ص:416)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خوب محنت مزدوری بھی کرتے تھے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آئے تو حضرت سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہاتھ ملایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھوں کی سختی کی وجہ دریافت فرمائی۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: بیلچہ اور کلہاڑا چلاتا ہوں اور اپنے اہل وعیال کے لیے روزی کماتا ہوں۔اس لیے ہاتھوں کا یہ حال ہوا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کو چوم لیا اور ارشاد فرمایا: یہی وہ ہاتھ ہیں جنہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:2،ص:420)

اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی کام کرتے تھے۔مثال کے طور پر حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ لوہے کا کام کرتے تھے اور ہتھیار بھی تیار کرتے تھے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اجرت پر جانور چرایا کرتے تھے۔حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کپڑے کی تجارت سے وابستہ تھے اور درزی بھی تھے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بال کاٹنے کا کام کرتے تھے۔اس کے ساتھ جنگی ساز وسامان تیار کرنے میں بھی مہارت رکھتے تھے۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گوشت کے کام سے منسلک تھے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت بڑے تاجر تھے۔ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: چار ہزار درہم اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور چار ہزار درہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعا دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر پانچ سو گھوڑے اور پندرہ سو اونٹ، جہاد کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیے اور دو مرتبہ چالیس چالیس ہزار دینار دیے۔ان کی ایک قیمتی زمین مدینہ منورہ میں بھی تھی۔اس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فروخت کر کے ساری رقم بنی زہرہ کے فقیروں اور امہات المومنین رضی اللہ عنہما میں تقسیم کر دیے۔(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:3،ص:483)

عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نہایت کی فقر کی زندگی گزاری تھی۔ یہ ابتدائی دور تھا۔ بعد میں آپ رضی اللہ عنہ نے خوشحالی کی زندگی بسر کی اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاس مال ومتاع موجود تھا۔ پہلے اپنا جسم پھٹی پرانی چادر سے ڈھانپتے تھے اور پھر ریشم ودیباج پہننے لگے۔ (شیخ محمود ابوریہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ص: 420) حضرت عثمان بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے مدرسہ کے پاس سے جب چار لوگ گذرتے تھے تو ہم خوشبو سے ان کو پہچان لیتے تھے۔ ان لوگوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بہت امیر تاجر تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس روزانہ ایک ہزار دینار کے مساوی غلہ آتا تھا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:1، ص:91) صحابی جلیل حضرت قیس بن عاصم تمیمی رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہونے لگی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس وقت اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے یہ نصیحت فرمائی: اے میرے بیٹے! اپنے اوپر مال کمانا لازم کرو کیونکہ یہ کریم کے لیے وقار ہے اور اس سے کم ظرف سے نجات ملتی ہے۔ (موسوعۃ ابن ابی الدنیا، ج:7، ص:427) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے جس میں فرماتے ہیں کہ مال کی دستیابی عزت وشرف کا ذریعہ ہے۔ اگر تمہارے پاس مال ہے تو تمہارے لیے باعث شرف ہے۔ (کتاب المقاصد الحسنہ، ص:354)

امام ابن سیرینؒ (متوفی 110 ہجری) فرماتے ہیں: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے مال کی کثرت طلب کیا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنا کپڑا اچھاتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے: اے میرے پروردگار! مجھے خوشحالی اور فراوانی عطا فرما۔ (المنتظم فی تاریخ الملوک، ج:4، ص:200)

امام ابراہیم نخعیؒ (متوفی 96 ہجری) سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی تجارت چھوڑ کر ہر وقت نوافل میں مشغول رہتا ہے اور دوسرا آدمی وہ ہے جو زیادہ تر تجارت میں مشغول رہتا ہے تو ان میں سے کون افضل ہے؟ آپؒ نے فرمایا: جو امانت دار تاجر ہے۔ (الآداب الشرعیۃ والمنح المرعیۃ، ج:3، ص:290)

حضرت ابوزنادؒ (متوفی 137 ہجری) سے کسی نے سوال کیا: آپؒ درہم کو اچھا کیوں سمجھتے ہیں حالانکہ یہ آپؒ کو دنیا سے قریب کرنے والا ہے؟ ابوالزنادؒ نے جواب میں فرمایا: اگرچہ اس نے مجھے دنیا کے قریب کیا ہے لیکن اس کے شر سے مجھے بچایا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:5، ص:396)

حضرت سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادقؒ کے پاس آیا تو دیکھا کہ

آپؒ پر سیاہ رنگ کا ریشم کا جبہ تھا اور ترکی کے علاقے ایرجان کی چادر بھی زیب تن کی ہوئی تھی۔ میں حیرانی سے دیکھنے لگا تو امام جعفر صادقؒ نے پوچھا: اے ثوریؒ! تم ایسے کیوں دیکھ رہے ہو، شاید تمہیں یہ دیکھ کر اچنبھا ہوا ہے؟ تو سفیان ثوریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جواب دیا: اے آل رسولؐ! یہ لباس نہ تو آپؒ کے شایان شان ہے اور نہ آپؒ کے آباواجداد کا یہ لباس تھا۔ یہ سن کر امامؒ نے ارشاد فرمایا: اے ثوریؒ! وہ زمانہ فقر اور تنگ دستی کا تھا اور اس وقت لوگ اسی دستیابی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ مگر اب مختلف عہد ہے جس میں ہر شے آسانی سے دستیاب ہے۔ پھر آپؒ نے اپنے جبے کا ایک حصہ اٹھایا تو نیچے سفید صوف کا کپڑا تھا جو لٹک رہا تھا۔ اس کے بعد فرمایا: اے ثوریؒ! ہم نے صوف اللہ پاک کے لیے پہنا ہے اور قیمتی جبہ تمہارے لیے پہنا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اسے پوشیدہ رکھا ہے اور جو لوگوں کے لیے اسے ظاہر رکھا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:3، ص:193)

امام ابوحنیفہؒ (متوفی 150 ہجری) کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ آپؒ کی کوفہ میں ایک وسیع وعریض کارخانہ نما دکان تھی۔ آپؒ کے شاگرد حضرت ابومطیع بلخیؒ کہتے ہیں: میں نے جمعہ کے دن آپؒ پر ایک قمیص دیکھی جس کی قیمت کا اندازہ چار سو درہم لگایا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:6، ص:232)

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ (متوفی 160 ہجری) نے کسب معاش اور حصول رزق کے لیے بہت سفر کیے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے بعض مشائخ سے پوچھا کہ رزق حلال کہاں سے حاصل کروں۔ مشائخ نے فرمایا کہ آپ شام چلے جاؤ۔ لہٰذا میں نے ملک شام کا سفر شروع کر دیا اور اس کے ایک شہر مصیصہ میں پہنچ گیا۔ میں نے وہاں کے مشائخ کی خدمت میں اپنا مسئلہ پیش کیا تو انہوں نے فرمایا: آپؒ طرسوس چلے جاؤ۔ میں طرسوس شہر پہنچ گیا۔ میں وہاں رزق حلال کی تلاش میں گھومتا پھرتا رہا۔ ایک دن میں ساحل سمندر پر گیا تو ایک شخص وہاں میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے اپنے انگوروں کے باغ کے لیے ایک نگہبان کی ضرورت ہے۔ کیا تم اجرت پر میرے باغ کی دیکھ بھال کر سکتے ہو؟ میں نے کہا کہ جی ہاں، میں تیار ہوں۔ وہ شخص مجھے اپنے باغ میں لے گیا جہاں میں نے خوب محنت اور لگن سے اپنا کام کیا۔

(المستطرف فی کل فن مستظرف، ص:549)

حضرت سفیان ثوریؒ (متوفی 161 ہجری) ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس درہم

ودینار پڑے تھے۔ ایک شخص کہنے لگا: اے ابوعبداللہ! آپؒ نے دینار پکڑے ہوئے ہیں؟ آپؒ تو حدیث میں امام ہیں، زہد کے امام ہیں، فقہ میں امام ہے، لوگوں میں سب سے زیادہ زہد والے ہیں، پھر بھی دینار پکڑے ہوئے ہیں؟ حضرت سفیان ثوریؒ نے سن کر جواب دیا: ماضی میں مال ناپسندیدہ چیز تھی جب کہ آج وہ مومن کی ڈھال ہے اور فرمایا: اگر ہمارے پاس دینار نہ ہوتے تو یہ بادشاہ ہمیں بے وقعت سمجھتے۔ پھر فرمایا: جس شخص کے ہاتھ میں مال ہو وہ اسے کارآمد بنائے، ضائع نہ کرے، کیونکہ یہ ایسا دور ہے کہ اگر وہ ضرورت مند ہوا تو وہ پہلا شخص ہوگا جو حصول دنیا کے لیے اپنا دین بیچ ڈالے گا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:7،ص:241) حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے: مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ میں دس ہزار درہم چھوڑ کر مروں اور قیامت میں اس کا حساب دوں، اس سے کہ دوسرے لوگوں کے آگے محتاج بن کر سوال کروں۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:2،ص:369)

امام مالکؒ (متوفی 179 ہجری) کا گھر نہایت عالیشان تھا۔ اس میں قیمتی سامان تھا اور آسائش کی ہر شے موجود تھی۔ آپؒ کا گھر ایسے تھا جیسے قریش کے امراء کا ہوتا تھا۔ امام مالکؒ کے شاگرد حضرت بشر حافیؒ کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ امام مالکؒ کے پاس حاضر ہوا، دیکھا کہ آپؒ نے ایک چادر زیب تن کی ہوئی ہے جس کی قیمت پانچ سو درہم ہے۔ (ترتیب المدارک وتقریب المسالک)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (متوفی 181 ہجری) کی امیری اور سخاوت کو بہت زیادہ شہرت ملی ہے۔ آپؒ کے زمانے میں آپؒ کی دولت کے حجم کا اندازہ چار لاکھ دینار لگایا گیا تھا۔ آپؒ کی امارت و سخاوت کے کئی قصے مشہور ہیں۔ آپؒ فقراء پر ہر سال ایک لاکھ درہم خرچ کرتے تھے۔ آپؒ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ خود اپنے سلسلہ میں کہتے ہیں: میری تجارت کی غرض ہی علما وصوفیا کی امداد کرنا ہے۔ ایک دفعہ حضرت فضیل بن عیاضؒ جو خود مشہور بزرگ ہیں، آپؒ سے کہنے لگے اگر آپؒ اور آپؒ کے ساتھی نہ ہوتے تو میں کبھی تجارت نہ کرتا۔ (صفوۃ الصفوہ، ج:2،ص:328)

ایک مرتبہ حضرت شقیق بلخیؒ (متوفی 194 ہجری) اپنے دوست حضرت ابراہیم بن ادھمؒ (متوفی 160 ہجری) کے پاس آئے اور کہا: میں ایک تجارتی سفر پر جارہا ہوں۔ سفر لمبا ہے اس لیے آپؒ سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ اس کے بعد حضرت شقیق بلخیؒ سفر کے لیے نکل گئے۔ چند ہی دنوں

کے بعد حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے حضرت شقیق بلخیؒ کو دوبارہ مسجد میں دیکھا تو پوچھا: آپؒ سفر پر نہیں گئے؟ تو حضرت شقیق بلخیؒ نے جواب دیا: گیا تو تھا لیکن ایک واقعہ دیکھ کر راستے ہی سے واپس آ گیا۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ سفر کے دوران ایک غیر آباد مقام پر پہنچا۔ وہاں پڑاؤ ڈالا تو میں نے ایک چڑیا دیکھی جو اڑنے کی طاقت سے محروم تھی۔ مجھے اسے دیکھ کر ترس آیا۔ میں نے سوچا کہ اس ویران جگہ پر یہ چڑیا اپنی خوراک کیسے حاصل کرتی ہوگی؟ میں اسی سوچ میں تھا کہ ایک اور چڑیا آئی۔ اس نے اپنی چونچ میں کوئی چیز دبا رکھی تھی۔ وہ معذور چڑیا کے پاس ٹھہری تو اس کی چونچ کی چیز اس کے سامنے گر گئی۔ معذور چڑیا نے اس کو اٹھا کر کھا لیا۔ اس کے بعد آنے والی صحت مند چڑیا اڑ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے کہا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ جب ایک چڑیا کا رزق اس طرح سے اس کے پاس پہنچاتا ہے تو مجھے شہر در شہر رزق کے لیے پھرنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے سفر تجارت ترک کر دیا اور وہیں سے واپس چلا آیا کہ کوئی کام نہیں کروں گا۔ فارغ بیٹھوں گا، رزق اللہ تعالیٰ دے گا۔

یہ سن کر حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا: شقیقؒ! آپؒ نے اپاہج پرندہ کی طرح بننا کیوں پسند کیا؟ یہ کیوں نہیں چاہا کہ تمہاری مثال اس پرندے کی سی ہو جو اپنے قوت بازو سے خود بھی کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے۔ حضرت شقیق بلخیؒ نے یہ سنا تو حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا ہاتھ چوم لیا اور کہا: ابواسحاقؒ! آپؒ نے میری آنکھ کا پردہ ہٹا دیا۔ وہی بات صحیح ہے جو آپؒ نے ارشاد فرمائی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ (متوفی 241 ہجری) اور حضرت یحییٰ بن معینؒ بغداد سے یمن جانے کے لیے نکلے تو راستے میں یہ طے کر لیا کہ پہلے مکہ مکرمہ جائیں گے۔ کچھ عرصہ وہاں ٹھہرنے کے بعد یمن کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور صنعاء پہنچ کر امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانیؒ سے احادیث سنیں گے۔ جب وہ مکہ مکرمہ پہنچے تو حج کا موسم آ گیا تھا۔ سوچا کہ پہلے حج کریں گے۔ اسی دوران ایک دن حضرت یحییٰؒ طواف کر رہے تھے کہ آپؒ کی نظر امام عبدالرزاقؒ پر پڑی۔ حضرت یحییٰؒ نے ان کو سلام کیا۔ بعد ازاں وہ خوشی کے عالم میں اپنی رہائش گاہ پہنچے اور امام احمد بن حنبلؒ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی پیدا فرما دی ہے اور خرچہ بھی بچ گیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ حضرت یحییٰؒ نے کہا: امام عبدالرزاقؒ بھی حج کے لیے مکہ مکرمہ آئے ہوئے ہیں۔ ہم مکہ معظّمہ ہی میں ان سے احادیث کی سماعت کر سکتے ہیں۔

امام احمدؒ نے فرمایا: بغداد میں نیت کر لی تھی کہ صنعاء پہنچ کر امام عبدالرزاقؒ سے احادیث کی سماعت کروں گا۔اس لیے میں کسی صورت اپنی نیت بدلنے کو تیار نہیں ہوں۔حضرت یحییٰؒ فرماتے ہیں: جب ہم حج سے فارغ ہوئے تو یمن کے لیے روانہ ہو گئے۔صنعاء میں امام عبدالرزاقؒ کے ہاں پہنچ کر ان سے حدیث کی سماعت کی۔اسی دوران امام احمد بن حنبلؒ کے پاس خرچ ختم ہو گیا۔امام عبدالرزاقؒ نے انہیں مالی امداد پیش کی مگر انہوں نے لینے سے معذرت کر لی۔انہوں نے یمن میں محنت مزدوری شروع کر لی اور اس سے جو آمدنی ہوتی، اسی سے اپنا گزر بسر کرتے۔(سیرۃ الامام احمد بن حنبلؒ از عبدالمنعم فواد، ص: 155)

ایک شخص حضرت احمد بن حنبلؒ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کسی کے پاس چار درہم ہیں۔ان میں سے ایک کپڑے کی تجارت سے حاصل ہوا ہے۔ایک بھائی کی صلہ رحمی سے، ایک تدریس کی اجرت سے اور ایک درہم سرکاری خزانے سے حاصل ہوا ہے۔ان میں سے سب سے افضل درہم کون سا ہے؟ آپؒ نے جواب دیا: جو درہم کپڑے کی تجارت سے حاصل ہوا ہے۔(الآداب الشرعیۃ والمنح المرعیۃ، ج:3، ص:269)

شیخ دعلج سجستانیؒ (متوفی 351 ہجری) عراق اور خراسان میں تجارت کی غرض سے سفر کرتے تھے۔جب آپؒ کی وفات ہوئی تو ترکہ میں تین لاکھ دینار موجود تھے۔آپؒ نے زندگی میں بغداد میں ایک عالیشان گھر بنایا تھا۔چونکہ وہ مکہ مکرمہ بھی سفر کرتے تھے، اس لیے وہاں بھی ایک گھر تیس ہزار درہم کا خرید رکھا تھا۔(سیر اعلام النبلاء، ج:10 ص:347)

شیخ فرید الدین عطارؒ (متوفی 540 ہجری) مشہور صوفی اور دوا فروش تھے، اس لیے عطار کے نام سے مشہور ہوئے۔وہ صرف عطار نہیں تھے بلکہ طبیب بھی تھے اور آپؒ کا مطب بڑا مشہور تھا۔روزانہ تقریباً پانچ سو آدمی آپؒ کے مطب میں آتے تھے۔(شعر العجم، ج:2، ص:13)

اندلسی عہد میں بائیس فی صد علما و صوفیا ایسے تھے جو کپڑے کے کاروبار سے منسلک تھے۔تیرہ فی صد مصالحہ جات اور کھانے پینے کی اشیا کی تجارت کرتے تھے۔چار فی صد جواہرات کے کام سے وابستہ تھے۔چار فی صد عطر (خوشبو) کی تجارت کرتے تھے۔اسی طرح دیگر کئی پیشوں کے ساتھ وابستگی کا تناسب بھی ذکر کیا گیا ہے۔اہل علم کی اکثریت جزوی طور پر کسی نہ کسی تجارتی سرگرمی سے وابستہ تھی۔

مولانا جلال الدین رومیؒ (متوفی 672 ہجری) کسب اور اجتماعی زندگی کی فعالیت کے داعی تھے۔

آپؒ کے زمانہ میں کسی قسم کی احتیاط اور انتظام کو توکل کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ایک جگہ وہ ایک حدیث مبارکہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے توکل کا مفہوم سمجھاتے ہیں:

گفت پیغامبر به آوازِ بلند
با توکل زانویِ اشتر ببند
رمزِ الکاسب حبیب الله شنو
از توکل در سبب کاهل مشو

(پیغمبرؐ نے بلند آواز سے کہا ہے)
(توکل کے ساتھ اونٹ کے گھٹنے باندھ دو)
(الکاسب حبیب اللہ کا نکتہ سنو)
(توکل کو بنیاد بنا کر اسباب اختیار کرنے میں سستی نہ کرو)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اونٹ کو پہلے باندھ دوں، پھر اللہ پر توکل کروں یا چھوڑ دوں، پھر توکل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہلے اسے باندھ دو، پھر توکل کرو۔
(جامع ترمذی، رقم الحدیث: 2517)

شیخ ابن تیمیہؒ (متوفی 728 ہجری) سے پوچھا گیا کہ شکر گزار دولت مند افضل ہے یا پھر صبر کرنے والا تنگ دست؟ آپؒ نے جواب دیا: شکر کرنے والا دولت مند افضل ہے۔آپؒ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ صبر کرنے والے تنگ دست کی خیر اس کی اپنی ذات تک محدود ہوتی ہیں۔ دوسری طرف شکر کرنے والے دولت مند سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں۔(بدائع الفوائد، ج:ص:162)

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ
(سورۃ البقرۃ، آیت:201)
(اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے)

7۔ اسلام اور ترک دنیا

اسلام میں جہاں دنیا کے جائز حصول اور استعمال کا حکم دیا گیا ہے، وہیں اس کے ساتھ دل لگانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اگر دنیا انسان کو آخرت یا دین سے غافل کرے تو اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

1۔ قرآن میں دنیا کی مذمت

قرآن کریم میں جس طرح حصول دنیا کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، اسی طرح کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن میں دنیا کی مذمت کی گئی ہے۔ یہ کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ان کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مال اللہ سے دور کرے تو پھر غلط ہے اور اس کی وضاحت آگے کی جائے گی۔ اللہ نے ایک مقام پر دنیا کے مال و دولت اور اس کی آسائشوں کو ایک طرح کا دھوکہ قرار دیا ہے جو لوگوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے:

(1) زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ. (سورۃ آل عمران، آیت: 14)

(لوگوں کے لیے ان چیزوں کی محبت خوشنما بنادی گئی ہے جو ان کی نفسانی خواہش کے مطابق ہوتی ہیں جیسے عورتیں، اولاد، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے، نشان لگے ہوئے گھوڑے، چوپائے اور کھیتیاں، یہ سب دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور اللہ پاک کے پاس ہی اچھا ٹھکانا ہے)

(2) وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ. (سورۃ آل عمران، آیت: 185)

(اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے)

(3) اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ. (سورۃ التکاثر، آیات: 1-2)

(تمہیں مال کی ہوس نے ہلاک کردیا ہے۔ یہاں تک کہ تم قبروں تک پہنچ جاتے ہو)

(4) يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللهِ الْغَرُوْرُ.

(سورۃ فاطر، آیت:5)

(لوگو! اللہ پاک کا وعدہ یقیناً سچا ہے، لہٰذا دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمھیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے)

(5) بہت سی نصوص جن میں دنیا کی مذمت کی گئی ہے، ان میں ایک پہلو یہ ہے کہ ان میں آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینے کا تناظر موجود ہوتا ہے جسے ناپسند کیا گیا، یعنی آخرت کو بھول جانا اور صرف دنیا میں دل لگالینا درست طرز عمل نہیں ہے۔ دنیا کے مقابلے میں بہرحال آخرت کو ترجیح حاصل ہے، جیسا کہ

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ.(سورۃ القصص، آیت:60)

(تم لوگوں کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ پاک کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی رہنے والا ہے کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے)

(6) زہد ایک ایسی قلبی کیفیت کا نام ہے جس میں مال و دولت کے اثرات انسان کے مزاج، محبت الٰہی اور خشیت پر نہ پڑیں۔ اس کا خلاصہ قرآن کریم کی اس آیت میں ملتا ہے:

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ ؕ.(سورۃ الحدید، آیت:23)

(تاکہ جو نقصان تمھیں پہنچے اس پر دل برداشتہ نہ ہو اور جو تمھیں اللہ پاک عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ)

(7) ایک چیز یہ بھی ضروری ہے کہ مال حلال طریقے سے کمایا جائے۔ اگر اسے ہر جائز ناجائز طریقے سے حاصل کیا جائے گا تو یہ ناپسندیدہ عمل ہے جس کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ.(سورۃ البقرۃ، آیت:168)

(اے لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انھیں کھاؤ لیکن شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے)

(8) قرآن کریم نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ اگر مال کمانے میں خیانت نہ کی جائے، دھوکہ نہ دیا جائے، رشوت نہ لی جائے اور حرام کا کوئی اور وسیلہ شامل نہ ہو تو ایسی کمائی حلال ہے:

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ. (سورۃ البقرۃ، آیت:188)

(اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس سے غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو)

اگر ان تمام امور کا خیال رکھتے ہوئے مال کمایا جائے تو اس میں کوئی برائی نہیں اور اگر مال کمانے سے اخلاق اور آخرت متاثر ہوتی ہے تو یہ ناپسندیدہ ہے۔

2۔ حدیث میں دنیا کی مذمت

احادیث مبارکہ جن میں دنیا اور مال و دولت کی مذمت کی گئی ہے:

(1) حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً، وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ. (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:222)

(ہر امت کی آزمائش کسی نہ کسی چیز میں ہے اور میری امت کی آزمائش مال میں ہے)

(2) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ ثَانِيًا، وَلَا يَمْلَأُ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ.

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:223)

(اگر آدمی کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو اسے دوسری کی خواہش ہوگی اور اس کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے)

(3) مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ. (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:264)

(دو بھوکے بھیڑیئے جنہیں بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے اتنا نقصان نہیں پہنچائیں گے جتنا نقصان

آدمی کے مال وجاہ کی حرص اس کے دین کو پہنچاتی ہے)

(4) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِي، فَقَالَ: "كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1365)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر ارشاد فرمایا: دنیا میں تم ایسے رہو گویا تم اجنبی ہو یا راستہ طے کرنے والے ہو)

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ. (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1365)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کیا کرو اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کیا کرو۔ تندرستی میں بیماری کے لیے اور زندگی میں موت کے لیے تیاری کرلو)

(5) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی:

إِذَا أَرَدْتِ اللُّحُوقَ بِي فَلْيَكْفِكِ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاكِبِ وَإِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِي ثَوْبًا حَتَّى تُرَقِّعِيهِ. (جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:1856)

(اگر تم (آخرت میں) مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو دنیا سے مسافر کے سامانِ سفر کے برابر حاصل کرنے پر اکتفا کرو، مال داروں کی صحبت سے بچو اور کسی کپڑے کو اس وقت تک پرانا سمجھ کر پہننا نہ چھوڑنا جب تک اس میں پیوند لگا لو)

(6) أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللهُ، وَأَحَبَّنِي النَّاسُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّوكَ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:982)

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے جسے میں کروں تو اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دنیا سے بے رغبتی رکھو، اللہ تم کو محبوب رکھے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز ہو جاؤ تو لوگ تم سے محبت کریں گے)

(7) حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَوَاللهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا، وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ.

(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:420)

(مجھے تمہاری محتاجی اور فقر کا اندیشہ نہیں البتہ اس امر کا ڈر لگا ہوا ہے کہ تمہارے لیے دنیا ایسے ہی وسیع کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ و فراخ کر دی گئی تھی اور اس وقت تم جھگڑے کرو گے جیسے کہ پچھلی قوموں نے جھگڑے کیے تھے اور یہ فراخی و کشادگی تم کو ہلاکت میں ڈال دے گی جس طرح گذشتہ لوگوں کو اس نے ہلاک کر دیا ہے)

(8) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا إِضَاعَةِ الْمَالِ، وَلَكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْثَقَ مِمَّا فِي يَدَيِ اللهِ. (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:226)

(زہد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے اور مال کو برباد کر دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مال تمہارے ہاتھ میں ہے، اس پر تم کو اس مال سے زیادہ بھروسا نہ ہو جو اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے)

(9) امارت اور مال کا ہونا بذات خود ناجائز نہیں ہے۔ البتہ اس میں حرص (لالچ) کو منع کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لُعِنَ عَبْدُ الدِّينَارِ لُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ. (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:263)

(دینار کا غلام ملعون ہے، درہم کا غلام ملعون ہے)

3۔ اسلاف کے ہاں ترک دنیا

صالحین کی زندگیوں سے ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں ترک دنیا اور دنیا سے بے رغبتی کا پیغام ملتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی کئی ایسی شخصیات موجود تھیں جنھوں نے اپنی زندگیاں مال و دولت سے دوری اختیار کرتے ہوئے گزاریں۔

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ سَبْعِينَ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ إِمَّا إِزَارٌ وَإِمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوا فِي أَعْنَاقِهِمْ، فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ، وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ كَرَاهِيَةَ أَنْ تُرَى عَوْرَتُهُ. (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:434)

(میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان میں کوئی ایسا نہ تھا جن کے پاس چادر ہو۔ فقط تہہ بند ہوتا تھا یا پھر رات کو اوڑھنے کا کپڑا جنہیں وہ اپنی گردنوں سے باندھ لیتے۔ یہ کپڑے کسی کے آدھی پنڈلی تک آتے اور کسی کے ٹخنوں تک۔ یہ حضرات ان کپڑوں کو اس خیال سے کہ کہیں شرمگاہ نہ کھل جائے، اپنے ہاتھوں سے سمیٹے رہتے تھے)

(2) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے بیٹے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس حضر موت سے سات لاکھ آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ ساری رات پریشانی سے کروٹیں بدلتے رہے۔ بیوی نے عرض کی: کیا پریشانی ہے؟ فرمانے لگے: ساری رات سوچا ہے اور کہتا ہوں کہ آدمی اپنے رب کے بارے میں اچھا گمان کیسے رکھ سکتا ہے جب کہ اس کے گھر میں اتنا مال رات بھر پڑا رہے۔ وہ کہنے لگیں: آپ رضی اللہ عنہ کے دوست نہیں ہیں کیا؟ جب صبح ہو تو تھال منگوایئے اور اس کو بانٹ دیجیے۔ فرمانے لگے: تم پر اللہ پاک کی رحمت ہو، بلاشبہ تم باتوفیق باپ کی باتوفیق بیٹی[1] ہو۔ جیسے ہی صبح ہوئی، تھال منگوائے اور سارا مال مہاجرین وانصار میں بانٹ دیا۔ ایک تھال حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر بھی بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کہنے لگیں: ابومحمد! کیا اس مال میں ہمارا کچھ حصہ نہ تھا؟ فرمانے لگے: تم صبح سے کہاں تھی؟ جو بچا ہے تم لے لو۔ کہتے ہیں کہ ایک تھیلی تھی جس میں ہزار سے کم درہم بچ گئے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:1، ص:31)

(3) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت قریبی ساتھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جوانی ہی میں یمن میں تبلیغ اسلام کے لیے قاضی بنا کر بھیج دیا تھا۔ آخری عمر میں آپ رضی اللہ عنہ شام اور اردن کے علاقے میں کمانڈر رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے خاندان کے بہت سے افراد شام کے مشہور طاعون میں شہید ہو گئے اور وہ خود بھی اسی موذی مرض کا شکار ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت فرمایا: اے موت خوش آمدید! اے پیارے جو مجھے آج غربت میں دیکھ رہے ہو، خوش آمدید! اے خدا! تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی بھی تجھ سے خوف نہیں کھایا مگر آج صرف تو ہی ہے جس سے میں امید کر رہا ہوں۔ میری دنیا سے محبت نہریں

---

[1] وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔

کھودنے اور کھجوروں کے باغات لگانے کے لیے نہیں تھی بلکہ گرمیوں میں پیاسا رہنے کے لیے تھی۔ مشکل اوقات کے لیے تھی۔ ذکر میں علما کے ساتھ اکٹھا ہونے کے لیے تھی۔ (امام نوویؒ، تہذیب الاسماء والثقات)

(4) اسلاف مال و دولت کے ذریعے نیکی کماتے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ تیمیؒ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی تعریف میں کہتے ہیں: میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس کے پاس عزت و شرف، وجاہت و حکومت اور دین داری ان سے بڑھ کر اکٹھی ہوئی ہو۔ کہا جاتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ غلاموں کے پورے کے پورے خاندان کو خریدتے تھے اور انہیں نئے کپڑے پہنا کر آزاد فرما دیتے تھے۔ اور فرماتے: میں ان کے ذریعے موت کی سختیوں پر مدد اکٹھی کرتا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی موت اس حال میں ہوئی کہ مسجد میں سو رہے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:5، ص:10)

(5) ابتدائی عہد میں دنیا سے متعلق دو رجحانات پیدا ہو گئے تھے جو ایک دوسرے سے مخالف نظریات رکھتے تھے۔ یہ رجحانات اس عہد کے دو عظیم لوگوں کی اس گفتگو سے واضح ہو سکتے ہیں جو حضرت مالک بن دینارؒ اور حضرت محمد بن وسیعؒ کے درمیان ہوئی: حضرت مالکؒ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس زمین کا ایک ٹکڑا ہو جس سے میں رزق حاصل کروں اور اس سلسلے میں کسی دوسرے شخص پر انحصار نہ کروں۔ حضرت محمد بن وسیعؒ نے فرمایا: میں چاہتا ہو کہ میں صبح ناشتہ اس حالت میں کروں کہ مجھے پتہ نہ ہو کہ میں رات کو کیا اور کہاں سے کھاؤں گا۔ رات کا کھانا اس طرح کھاؤں کہ مجھے معلوم نہ ہو کہ کل صبح میں کہاں سے کھاؤں گا۔ (تذکرۃ الحفاظ، ذہبی)

اسلامی تصوف کے ابتدائی دور میں دو پہلوؤں پر بہت زیادہ زور دیا جانے لگا: ذکر اور توکل: ان ابتدائی صوفیا نے کام کی خواہش کو چھوڑ دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جو قسمت میں لکھا ہے وہ مل کر رہے گا۔ یہ طبقہ متوکلون کہلایا۔ ان کا خیال تھا کہ کام کے لیے ہاتھ ہلانا توکل کے خلاف ہے اور یہ کہ اللہ پاک ان کی ضروریات پوری کرے گا۔ یہ صوفیا کہتے تھے کہ پرندے نہ کاشت کاری کرتے ہیں، نہ فصل کاٹتے ہیں اور نہ ہی کھانا ذخیرہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے خزانوں سے رزق عطا فرماتا ہے۔

(6) ابوجعفر منصور نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (متوفی 101 ہجری) کے بیٹے سے پوچھا: جب تمہارے والد مسند خلافت پر فائز ہوئے تو ان کے پاس کتنی دولت تھی؟ جواب ملا: چالیس ہزار طلائی اشرفی۔ پوچھا: وفات کے وقت کتنی تھی؟ کہا: صرف چار سو۔ کچھ دن زندگی اور وفا کرتی تو یہ بھی نہ بچتے۔

(7) حضرت حسن بصریؒ (متوفی 110 ہجری) سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کے پاس سے گزرے تو تھوڑی دیر کے لیے وہاں رک گئے لیکن یہ چیز آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر گراں گزری، یہ دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تمہاری دنیا ہے جس کے لیے تم حریص ہوتے ہو۔ (کتاب الزہد از امام احمد بن حنبل، 174)

(8) حضرت مالک بن دینارؒ (متوفی 130 ہجری) فرماتے تھے کہ تم دنیا کے لیے جتنی کوشش کرتے ہو اتنا ہی آخرت سے دور ہوتے جاتے ہو۔ (ابن ابی الدنیا ص:237)

(9) حضرت حبیب عجمیؒ (متوفی 156 ہجری) بصرہ کے رہنے والے، بہت مال دار تاجر تھے۔ ایک دن آپؒ نے حضرت حسن بصریؒ کی باتوں کے متعلق کسی سے دریافت کیا کہ وہ جنت، جہنم، آخرت اور دنیا سے بے رغبتی سے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ کہنے لگے: مجھے حضرت حسن بصریؒ کے پاس لے چلو۔ جب ان کی مجلس میں پہنچے تو لوگوں نے حضرت حسن بصریؒ کو بتایا کہ یہ حبیبؒ ہے، اسے نصیحت کیجیے۔ حضرت حسن بصریؒ نے آپؒ کے سامنے جنت وجہنم، نیکی کی رغبت اور فکر آخرت کا بیان کیا تو آپؒ کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ آپؒ نے اپنے پاس موجود چالیس ہزار دینار صدقہ کر دیے اور معمولی مال پر قناعت فرمائی اور پھر عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:2، ص:138)

(10) حضرت داؤد طائیؒ (متوفی 162 ہجری) فرماتے ہیں: دنیا سے ایسے دور بھاگو جیسے بھیڑیوں سے بھاگتے ہو۔ (رسالہ قشیریہ، ص:54)

(11) ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھمؒ (متوفی 162 ہجری) کے پاس دس ہزار درہم لایا۔ آپؒ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: تو دس ہزار درہم دے کر میرا نام فقرا کی فہرست سے مٹانا چاہتا ہے۔ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ (رسالہ قشیریہ، ص:272)

(12) حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 215 ہجری) کا قول ہے: ہم نے تصوف کو قیل وقال سے حاصل نہیں کیا بلکہ بھوک، ترک دنیا، قطع آسائش سے پایا ہے کیونکہ تصوف اصل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملات کی شفافیت کا نام ہے اور اس کی اصل دنیا سے بے رغبتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:10، ص:278)

(13) حضرت سری سقطیؒ (متوفی 251 ہجری) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیاروں سے دنیا کو دور رکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں (اولیائے کرامؒ) سے دنیا کو دور کر رکھا ہے۔ اپنے دوستوں کے دلوں

سے دنیا کو نکال دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ وہ انہیں دنیا سے نوازے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: 115)

(14) حضرت یحییٰ بن معاذؒ (متوفی 258 ہجری) فرماتے تھے: درہم بچھو کی طرح ہوتا ہے۔ اگر تمہیں اس کا منتر اچھے سے نہیں آتا تو اسے اپنی ہتھیلی پر مت رکھو، اگر اس نے ڈس لیا تو مارے جاؤ گے۔

(حلیۃ الاولیا، ص: 1055)

(15) امام غزالیؒ مال کی صحیح حیثیت کے بارے میں یہ رائے دیتے ہیں: جان لو، مال کی مثال سانپ کی سی ہے، اس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی ہے۔ اس کے فوائد تریاق کی مثل ہیں اور اس کے منفی اثرات زہر کی مانند ہیں۔ جس شخص نے اس کے فوائد اور رذائل دونوں کو پہچان لیا، اس کے لیے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے شر سے بچ سکے اور اس کے خیر سے استفادہ کر سکے۔ (احیاء علوم الدین، ج: 3، ص: 232)

(16) حضرت عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی 661 ہجری) حصول دنیا کے مخالف نہیں تھے، البتہ اس کے ساتھ دل لگانے کو نقصان دہ خیال کرتے تھے۔ آپؒ کا قول ہے: دولت ہاتھ اور جیب میں رکھنی جائز ہے۔ اچھی نیت سے اس کو جمع کرنا جائز ہے مگر اسے اپنے دل پر اس طرح مسلط کرنا کہ اس کی محبت دل پر حاوی ہو جائے، جائز نہیں ہے۔ اسے دل کے دروازے پر کھڑا کرنا جائز مگر دل کے اندر بسانا اور سجانا ناجائز ہے اور اس میں کوئی عزت نہیں ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج: 20، ص: 441)

4۔ دین و دنیا میں توازن

اسلام دین اور دنیا کے درمیان ایک حسین امتزاج کو قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام نے واضح طور پر رہبانیت کی نفی کی ہے اور ایسے عیش و عشرت کی بھی مذمت کی ہے جسے لہو و لعب کہا گیا ہے۔ دیکھا جائے تو دین میں جہاں ایک طرف دنیا کی مذمت کی گئی ہے، وہیں اس کے ساتھ حصول دنیا کی حوصلہ افزائی کرنے والی نصوص بھی موجود ہیں۔ قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے عمل کو مجموعی انداز میں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا اور مال و دولت کی مذمت عام اور مطلق نہیں ہے بلکہ یہ چند چیزوں کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ دین اسلام میں دنیا کی کمائی کو برا نہیں قرار دیا گیا بلکہ اس کی محبت پالنے کو غلط کہا گیا ہے کہ اس کی لذت کا اسیر بن کر اس کے مادی مفادات کو ہی سب کچھ سمجھنے لگے۔ جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر قناعت نہ کرے اور اس دوڑ میں وہ موت و آخرت کو بھی بھول جائے۔

مادی اشیا اور زہد کے تعلق کو مولانا جلال الدین رومیؒ (متوفی 672ھ) نے بہت سادگی اور خوبصورتی کے ساتھ یوں بیان کیا ہے:

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقدہ، میزان و زن

(دنیا کیا ہے؟ اللہ سے غافل ہونا دنیا ہے)
(کپڑا اور مال اور ترازو اور عورت دنیا داری نہیں)

زہد یہ ہے کہ دنیا آدمی کے ہاتھ میں ہو اور دل میں نہ ہو، چاہے وہ کروڑوں کا مالک ہی کیوں نہ بن جائے۔ یہ اسی وقت ہوگا جب اس دل میں کوئی ایسی بڑی اور اعلیٰ حقیقت بس گئی ہو جس کے ہوتے ہوئے دنیا کے لیے اور دنیا کے بڑے مال کے لیے آدمی کے دل میں کوئی جگہ نہ ہو۔ غیر معمولی دولت بھی ہو تو اس کو سمانے کے لیے دل میں نہیں بلکہ ہاتھ ہی میں جگہ ملے۔ اس صورت حال کی مثال مولانا جلال الدین رومیؒ نے اس شعر میں دی ہے:

آب در کشتی، ہلاک کشتی است
آب اندر زیر کشتی، پشتی است

(پانی کشتی کے اندر چلا جائے تو کشتی ڈوب جاتی ہے)
(اگر پانی کشتی کے نیچے رہے تو کشتی محفوظ رہتی ہے)

زہد سے آدمی کی نگاہ میں دنیا کی حیثیت کم تر ہو جاتی ہے، چاہے جتنی بھی ہو اور دل سے بے دخل کر دی جاتی ہے، چاہے ہاتھ میں جتنی بھی ہو۔ ایک چیز کا چھوٹا اور کم اہم ہو جانا صرف اسی صورت ممکن ہے کہ کوئی اور چیز دل میں اس سے بڑا رتبہ حاصل کر گئی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی شان اور اس کے ساتھ تعلق کے عملی تقاضے ہی ہیں۔

زہد کسی مردہ دلی اور محرومیت کا نام نہیں، یہ ایک عالی شان عمل کا نام ہے جو پوری انسانی زندگی اور انسانی نسل کو آخرت کے دھارے میں رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ زہد دنیا کو ترک کرنے، اس سے نفرت کرنے اور اس سے فرار اختیار کرنے کا نام نہیں ہے۔ زہد کا مطلب دنیا سے ہاتھ اٹھانا نہیں، بلکہ زہد تو دنیا کو آخرت کے لیے بھرپور استعمال کرنے کا نام ہے۔

زہد مسلم معاشرے کی ایک نہایت بامقصد، عملی اور قربانی سے بھرپور اعلیٰ حقیقت ہے، نہ کہ دنیا میں اللہ پاک کے نام پر پسماندگی، کم دلی، سستی اور بزدلی کا مارا ہوا ایک طبقہ یا ایک تھکا ہارا معاشرہ وجود میں لانے والا کوئی مذہبی طرز عمل۔ اگر ایسا ہے تو یہ زہد نہیں ہے بلکہ رہبانیت ہے جو اسلام کی روح کے سراسر خلاف ہے۔

اسلامی زہد کا رہبانیت (دنیا کو چھوڑ دینا) سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اسلامی زہد اور رہبانیت دو مختلف رویے ہیں۔ رہبانیت لوگوں سے قطع تعلق کر کے صرف عبادت کرنے کا نام ہے۔ رہبانیت زندگی اور اجتماعی معاشرہ کی ضد، مخلوق سے کنارہ کشی، گوشہ نشینی، ہر طرح کی مسؤلیت اور ذمہ داریوں سے فرار کا نام ہے۔ اسلام کا تصورِ زہد لذتوں سے دور رہنے کی بنیاد پر سادہ زندگی کے انتخاب کا نام ہے۔ اس میں دنیا سے کنارہ کشی نہیں کی جاتی۔ ایک کامل زاہد دنیا میں ہی رہتا ہے بلکہ دنیا کو فتح کرتا ہے، اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے لیکن اس سے دل نہیں لگاتا۔

اسلام دین فطرت ہے اس لیے وہ انسانی ضروریات و زندگی سے جڑی بہت سی چیزوں میں بھرپور رہنمائی کرتا ہے جن میں بطور خاص حصول دنیا اور کسب معاش کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ اسلام انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر فرد اور معاشرے کو معاشی طور پر خود کفیل ہونے کا درس دیتا ہے اور اس کے لیے رہنما اصول وضوابط بھی عطا کرتا ہے۔

دینی نصوص کے اندر کئی مقامات پر زہد کی تعریف کی گئی ہے اور اسے اپنانے کی دعوت بھی دی گئی ہے۔ اس لیے بعض لوگوں کو یہ گمان ہو جاتا ہے کہ حصول دنیا اور کسب معاش زہد کے خلاف ہے۔ اس میں بعض صوفیا کو بھی غلط فہمیاں ہوئی ہیں اور جو لوگ تصوف پر نقد کرتے ہیں انہوں نے بھی یہی مطالب بیان کیے۔ حالانکہ اکابر صوفیائے کرامؒ کے نزدیک زہد، ترک دنیا اور فقر کے مطالب و مفاہیم کچھ اور ہیں۔

ترکِ دنیا کی اصطلاح پر بھی بعض ناقدینِ تصوف نے اعتراض کیے ہیں اور اسے رہبانیت یا غیر اسلامی قرار دے کر رد کر دیا ہے۔ دراصل صوفیائے کرامؒ کے فلسفہ کے مطابق ترکِ دنیا سے مراد اصل میں ترک ہوس دنیا ہے۔ یعنی دنیا سے باطنی لاتعلقی کا نام ترک دنیا ہے۔ یہ اصطلاح ان کی خود ساختہ نہیں بلکہ انہوں نے اسے قرآن و حدیث سے لیا ہے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف کے ہاں جہاں جہاں دنیا کی مذمت

کی گئی، وہ کلی نہیں تھی بلکہ وہ ایک خاص تناظر میں ہوتی ہے جیسا کہ (i) جب دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جائے، (ii) جب دنیا کی طلب میں حلال وحرام کا فرق ملحوظ نہ رکھا جائے، (iii) جب مال جمع کرلیا جائے اور اس میں سے دوسروں پر خرچ نہ کیا جائے، (iv) جب دنیا کی ہوس دینی اعمال وفرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بن جائے۔

اگر یہ معاملات نہ ہوں اور دنیا کو ویسے دیکھا جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے اور اس کی وجہ سے دین اور دینی عقائد واعمال پر اور قلبی کیفیات پر اثر نہ پڑے تو پھر دنیا اس بندے کے لیے خطرہ نہیں ہے۔ اس لیے اسلاف دنیا میں کسبِ معاش بھی کرتے تھے اور ان کے پاس مال بھی ہوتا تھا، اس کے باوجود وہ اس سے دل نہیں لگاتے تھے بلکہ دنیا میں عزت نفس کے ساتھ زندگی گزارنے کا ایک وسیلہ سمجھتے تھے۔

حصول دنیا کے حوالے سے تمام نصوص، آثار اور واقعات پر نظر ڈالنے سے درج ذیل نکات کی صورت میں خلاصہ سامنے آتا ہے: (i) مال اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، (ii) مال کی حفاظت کو علما نے مقاصدِ شریعت میں شمار کیا ہے، اسی لیے مال کو ضائع کرنے اور اس کا ناحق استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے، (iii) مال ایک وسیلہ ہے، خود ہدف نہیں ہے۔ اسی لیے اسلام میں اس کے ضمن میں بہت ضوابط واحکام متعارف کرائے گئے ہیں جن کی رعایت رکھنا واجب ہے، (iv) اسلام میں زہد کا مطلب ترکِ دنیا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ مال کے ساتھ دل نہ لگایا جائے اور یہ آخرت کو بھلانے کا ذریعہ نہ بنے، اور (v) اسلام حصول دنیا کے حوالے سے کئی اخلاقی اقدار دیتا ہے جن کی پاسداری ضروری ہے، جیسے اسراف نہ کرنا، حرص نہ کھنا، حرام نہ کمانا، شرعی احکام سے غفلت نہ برتنا وغیرہ۔

ان تعلیمات کی روشنی میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حصول دنیا اپنے آپ میں ممنوع نہیں ہے۔ ضروری یہ ہے کہ ان اقدار اور روحانی فضائل کو متأثر نہ ہونے دیا جائے جو دین میں مطلوب ہیں۔ دنیا کی مذمت سے مراد اس کے ساتھ قلبی تعلق کی مذمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین بلکہ پوری کائنات کو انسان کے لیے میدانِ عمل قرار دیا ہے اور انسان کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے معاش کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرے۔ قرآن کریم نے حصولِ دنیا اور کسبِ معاش پر روز دیتے ہوئے انسان پر واضح کیا کہ اس کے لیے ہر قسم کی محنت اور کام کے دروازے کھلے ہیں، سوائے ان کاموں کے جنہیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

حصہ دوئم

تصوف کی فکر

بمصطفیٰ برساں خویش را که دیں ہمه اوست
اگر به او نرسیدی، تمام بولہبی است

(اپنے آپ کو مصطفیٰ تک پہنچا، کہ دین سارا وہی ہیں)
(اگرتو ان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک نہیں پہنچا تو سب کچھ ابولہبی ہے)

8۔ تصوف کی تعریف

1۔ تصوف کی تعریف

تصوف کی مختلف لوگوں نے مختلف تعریفیں کی ہیں۔ اگر ہم حضرت معروف کرخیؒ (متوفی 200 ہجری) سے لے کر حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ (متوفی 440 ہجری) کی تعریفات دیکھیں تو ہمیں ان اڑھائی سو سال میں ان تعریفات میں عرفان، وحدت الوجود، اخلاق اور لغوی پہلو ملتے ہیں۔ زیادہ تر صوفیا کا خیال ہے کہ تصوف لفظ صفا (پاکیزگی) سے نکلا ہے جب کہ کچھ کہتے ہیں کہ یہ صوف (اون) سے ہے جو ابتدا میں صوفیا پہنتے تھے۔

تصوف اپنے فکر و عمل میں ایک نہیں ہے۔ اس کے مختلف مقاصد بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کی فکر و عمل میں تبدیلی ارتقائی مراحل میں ہوئی ہے اور اس ارتقا میں اسلام کی اپنی فکر و سماج میں تبدیلی نے بھی اثر ڈالا ہے اور غیر اسلامی تہذیبوں و فلسفوں کے بھی اس پر گہرے اثرات ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ پہلی چند صدیوں میں کم و بیش تصوف کی عمومی 80 تعریفیں ملتی ہیں جب کہ حضرت ابومنصور عبدالقاہر بغدادیؒ (429 ہجری) نے لفظ صوفی اور تصوف کی ایک ہزار کے قریب تعریفیں دی ہیں۔ (سبکی، طبقات iii)

ہم یہاں کچھ عظیم صوفیا کی تصوف کی تعریفیں لیتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اس ضمن میں مختلف آرا کیا ہیں:

(1) حضرت معروف کرخیؒ (متوفی 200 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف حقیقت (خدا) تک پہنچنا ہے اور اس سے مایوس ہونا ہے جو مخلوق کے پاس ہے۔

(2) حضرت ابوسلیمان دارانیؒ (متوفی 215 ہجری) بیان کرتے ہیں کہ تصوف سے مراد یہ ہے کہ آدمی ایسے اعمال کرے کہ صرف اور صرف خدا کو علم ہو اور خدا کے ساتھ رہا جائے اور خدا کے راستے پر چلا جائے۔

(3) حضرت ابوحفصؒ (متوفی 265 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف تمام کا تمام ادب کا نام ہے۔

(4) حضرت عمر بن عثمان مکیؒ (متوفی 291 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ انسان ہر لمحے ایسے کام میں مصروف ہو جو اس کے لیے اس وقت سب سے اچھا ہو۔

(5) حضرت ابوالحسن نوریؒ (متوفی 295 ہجری) فرماتے ہیں:

(i) تصوف سے مراد اپنے نفس کی تمام چیزیں چھوڑنا ہوتا ہے تاکہ اس کو اللہ تعالیٰ نصیب ہو جائے۔

(i) تصوف سے مراد دنیا کی چیزیں چھوڑنے اور مولیٰ سے دوستی لگانا ہے۔

(iii) تصوف آزادی جواں مردی، برے تعلقات کو چھوڑنے اور سخاوت کا نام ہے۔

(6) حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 297 ہجری) فرماتے ہیں:

(i) تصوف یہ ہے کہ حق (اللہ تعالیٰ) آپ کو آپ سے ماردے اور اپنی ذات میں زندہ رکھے۔

(ii) تصوف سے مراد سب سے تعلق توڑ کر اللہ پاک کے ساتھ تعلق جوڑنا ہے۔

(iii) تصوف سے مراد سب خیالات چھوڑ کر ذکر کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بات کو سن کر وجد حاصل کرنا ہے اور قرآن وسنت کا اتباع کرنا ہے۔

(iv) تصوف ایسی صفت ہے کہ جس میں بندہ رہتا ہے۔لوگوں نے پوچھا کہ یہ صفت حق (اللہ تعالیٰ) کی ہے یا مخلوق کی۔فرمایا کہ اصل میں یہ صفت حق کی ہے مگر رسمی طور پر انسان کی صفت ہے۔

(v) تصوف سے مراد یہ ہے کہ انسان (پیدائش) کی خامیوں سے پاک ہو اور انسانی عمومی کمزور صفات سے پاک ہو۔نفسانی خواہشات سے دور ہو اور روحانی خصوصیات میں رہے۔حقیقی علوم سے بلندی پائے۔اعلیٰ ترین کام کرے۔تمام امت کو نصیحت کرے۔حق پر پورا عمل کرے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں اتباع کرے۔

(7) حضرت سمنون المحبؒ (متوفی 297 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ آپ کی کوئی شے نہ ہو اور کوئی شے آپ کو اپنی ملکیت میں نہ لے۔

(8) حضرت ممشاد دینوریؒ (متوفی 299 ہجری) فرماتے ہیں کہ

(i) تصوف سے مراد دل کی صفائی ہے۔اللہ پاک کو پسند آنے والی چیز پر عمل کرنا ہے۔لوگوں میں رہتے ہوئے اپنی حفاظت کرنا ہے۔

(ii) تصوف سے مراد مال خرچ کرنا ہے۔اس طرح رہنا کہ لوگوں میں مشہور نہ ہو اور ہر بے کار چیز سے بچنا ہے۔

(iii) تصوف تین چیزوں پر مشتمل ہے: (ا) فقر میں رہنا، (ب) ایثار کرتے رہنا، (ج) اپنا

ارادہ ختم کر دینا۔

(9) حضرت ابو محمد رویمؒ (متوفی 303 ہجری) فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کی مرضی کی خاطر اپنے نفس کو چھوڑ دینا تصوف ہے۔

(10) حضرت علی بن سہل اصفہانیؒ (متوفی 307 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف سے مراد اللہ پاک کے علاوہ سب سے علیحدگی ہے۔

(11) حضرت ابو محمد جوریریؒ (متوفی 311 ہجری) فرماتے ہیں کہ

(i) ہر اعلیٰ بات کو پالینا اور پھر ہر ادنیٰ شے کو چھوڑ دینا تصوف ہے۔

(ii) تصوف سے مراد احوال کا مراقبہ ہے اور ادب کو لازم پکڑنا ہے۔

(12) حضرت ابو عمر دمشقیؒ (متوفی 320 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف سے مراد اس دنیا کو ناقص دیکھنا ہے بلکہ ہر ناقص شے کے مشاہدہ سے آنکھ موڑ لینا ہے اور اس کا مشاہدہ کرنا جو سب نقائص سے پاک ہو۔

(13) حضرت ابو بکر کتانیؒ (متوفی 322 ہجری) فرماتے ہیں کہ

(i) تصوف سے مراد اخلاق ہے اور جو سالک اخلاق میں زیادہ ہوا، وہ دل کی صفائی میں بھی زیادہ ہوا۔

(ii) تصوف سے مراد دل کی صفائی اور روحانی مشاہدہ ہے۔

(14) حضرت ابو علی رود باریؒ (متوفی 322 ہجری) فرماتے ہیں کہ

(i) تصوف سے مراد اپنے دوست کے دروازے پر پڑے رہنا ہے، چاہے اس کو دھکے دیے جائیں۔

(ii) تصوف سے مراد دوری (بعد) کی ناپاکی سے قرب کی اعلیٰ صفات میں جانا ہے۔

(15) حضرت ابوالحسن المزینؒ (متوفی 328 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف سے مراد اپنے آپ کو حق کی طرف لے جانا ہے۔

(16) حضرت ابو عبداللہ خفیفؒ (متوفی 331 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف سے مراد قسمت پر صبر اور اللہ پاک کی دی ہوئی چیزوں کو قبول کرنا ہے۔

(17) حضرت ابو بکر شبلیؒ (متوفی 334 ہجری) فرماتے ہیں کہ

(i) تصوف یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے پاس بلا خوف بیٹھے۔

(ii) تصوف (نفس کو) جلا دینے والی بجلی (آگ) ہے۔

(iii) تصوف سے مراد دنیا کو دینے سے اپنے آپ کی حفاظت کرنا ہے۔

(iv) تصوف یہ ہے کہ صوفی ایسا بن جائے جیسا کہ وہ پیدائش سے پہلے تھا۔

(v) تصوف سے مراد صلاحیتوں کو ضبط میں لانا اور اپنے نفس کا خیال رکھنا ہے۔

(18) حضرت ابوبکر عربیؒ (متوفی 340 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف (تمام کا تمام) غیر ضروری چیزوں کو چھوڑنے کا نام ہے۔

(19) حضرت ابوالحسن بوشنجیؒ (متوفی 347 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ انسان اپنی امیدیں کم کرے اور اچھے عمل پر ہمیشہ عمل کرے۔

(20) حضرت جعفر حلدیؒ (متوفی 348 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف کا یہ مطلب ہے کہ انسان عبودیت میں اپنے آپ کو ڈال دے۔ انسان بن کر باہر نکلے اور صرف اور صرف اللہ پاک ہی کو دیکھے۔

(21) حضرت ابوعمرؒ (متوفی 366 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف سے مراد اوامر (احکام) اور نواہی (منع کردہ) میں صبر کرنا ہے۔

(22) حضرت ابوعبداللہ رودباریؒ (متوفی 369 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف سے مراد تکلف کو چھوڑ دینا، اعلیٰ ظرفی اختیار کرنا اور بڑائی کے احساس کو ختم کرنا ہے۔

(23) حضرت ابوعثمان مغربیؒ (متوفی 373 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف سے مراد دنیا کی چیزوں سے رشتہ کاٹنا، مخلوق کو دور کر دینا اور حقائق سے مل جانا ہے۔

(24) حضرت ابوالعباس نہاوندیؒ (متوفی 400 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف سے مراد اپنی حالت کو چھپانا ہے اور دوسرے بھائیوں کو عزت دینا ہے۔

(25) حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ (متوفی 440 ہجری) فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ جو کچھ دماغ میں ہے اس کو بھول جانا، جو کچھ ہاتھ میں ہے اس کو خیرات کر دینا اور اپنے اوپر آنے والی مشکلات میں پریشان نہ ہونا ہے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

طریقت بجز خدمت خلق نیست
به تسبیح و سجاده و دلق نیست

(تصوف صرف خدمت خلق کا نام ہے)
(یہ نہ تسبیح ہے، نہ جائے نماز ہے اور نہ ہی گدڑی ہے)

ان دی گئی تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کی بے پناہ تعریفیں کی گئی ہیں۔ ان میں کوئی بھی حتمی نہیں ہے بلکہ یہ کہنا درست ہے کہ تصوف کی تعریف ممکن ہی نہیں ہے۔ حضرت جلال الدین رومیؒ نے اپنی مثنوی میں ایک مثال دی ہے کہ کچھ لوگوں نے ایک کمرے میں ایک ہاتھی دیکھا۔ کمرے میں بہت اندھیرا تھا۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ تو لوگ ہاتھ کا اندازہ لگانے کے لیے اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے تھے۔ ایک نے اس کے سونڈ پر ہاتھ لگایا اور کہا کہ ہاتھی ربر کے پائپ کی طرح ہے۔ ایک نے اس کے کان کو ہاتھ لگایا تو اس نے کہا کہ یہ ایک بڑے پنکھے کی طرح ہے۔ دوسرے نے ٹانگ کو چھوا اور کہا کہ یہ تو ایک ستون کی طرح ہے۔ ایک نے اس کی پیٹھ کو چھوا تو کہا کہ یہ تخت کی طرح ہے۔

تصوف کی تعریف بھی اسی طرح ہے۔ ہر صوفی اس کو اپنے احساسات و تجربات کی روشنی میں اس کی تعریف و شرح کرتا ہے۔ اس لیے جتنی روحیں اتنی ہی تعریفیں۔ کوئی ایسا فارمولا نہیں ہے کہ جس میں تصوف کے تمام ذاتی مقامات اور احوال آجائیں۔

تصوف کوئی یک جہتی اور بند نظریہ یا نظام نہیں ہے، حتیٰ کہ اس کے مقاصد پر بھی اتفاق نہیں ہے۔ اس کے نظریات میں بھی اختلاف ہے۔ یہ سب اختلاف داخلی اور خارجی عوامل کے سبب تعبیرات سے ہوا ہے۔ علمائے کرامؒ سے اس لیے تصوف کی بہت زیادہ تعریفیں ملتی ہیں۔

2۔ صوفی کی تعریف

لفظ صوفی بھی لفظ تصوف سے منسلک ہے۔ صوفی سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کو یقین ہے کہ وہ خدا کو براہ راست تجربہ کر سکتا ہے اور کوشش کر کے اپنے آپ کو اس صورت حال میں ڈالنے کے لیے تیار ہے جہاں ایسا کرنا ممکن ہو یا جو اس سلسلے میں سہولت کار ہو۔ اس تعریف کے حوالے سے تصوف اسلام کی اس عمومی تعبیر کے برعکس ہے جس کے مطابق اس کے لیے وحی کی روشنی لازم ہے۔

صوفی کہتے ہیں کہ وہ حقیقت کو براہِ راست دیکھ سکتے ہیں۔ تصوف میں حقیقت پانے کے لیے روحانی، وجدانی اور جذباتی صلاحیتیں استعمال کی جاتی ہیں جو عام طور پر غیر فعال ہوتی ہیں اور ان کو ایک استاد کی مدد سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ تربیت کے اس راستے کو سلوک کہتے ہیں جس کا مقصد ان پردوں کو اٹھانا ہے جو نفس اور حقیقت کے درمیان ہیں تا کہ نفس بدل جائے یا وحدت سے مل جائے۔

یہ اصل میں ایک روحانی اور نفسی عمل ہے جس کی بہت سی صوفیانہ تعبیریں کی گئی ہیں اور یہ عمل اسلام کی اس خارجی عقلی تعبیر کے خلاف ہے جس سے فقہ اور علم الکلام نے جنم لیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی خفیہ روحانی اور وجدانی صلاحیتوں کو نشوونما کرنے کا موقع ملے۔ اس عمل کرنے والے کو صوفی کہتے ہیں۔ ہم یہاں صوفی کی کچھ تعریفیں بیان کرتے ہیں:

(1) حضرت بشر حافیؒ (متوفی 227 ہجری) فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کے لیے پاک ہو۔

(2) حضرت ذوالنون مصریؒ (متوفی 245 ہجری) فرماتے ہیں کہ صوفیا اللہ پاک کو ہر شے پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے خدا نے بھی ان کو ترجیح دی ہے۔

(3) حضرت ابوتراب نخشبیؒ (متوفی 245 ہجری) فرماتے ہیں کہ صوفی کسی شے کو خراب نہیں کرتا بلکہ ہر شے اس سے پاک ہوجاتی ہے۔

(4) حضرت سری سقطیؒ (متوفی 257 ہجری) فرماتے ہیں کہ صوفی کا معرفت کا علم اس کے خوف خدا کو ختم نہیں کرتا۔ وہ ایسی باطنی باتیں نہیں کرتا جو اللہ پاک کی کتاب اور حضور نبی کریم ﷺ کی سنت کے خلاف ہوں۔ اس کی کرامات اللہ پاک کے احکام کے خلاف نہیں ہوتیں۔

(5) حضرت سہل تستریؒ (متوفی 283 ہجری) فرماتے ہیں کہ

(i) صوفی اللہ پاک کی راہ میں اپنے خون اور جائیداد کو جائز سمجھتا ہے۔ برائیوں سے پاک ہوتا ہے، غور وفکر میں مبتلا ہوتا ہے۔ مخلوق سے توڑ کر اللہ سے جڑا ہوا ہوتا ہے اور اس کے ہاں سونا مٹی برابر ہوتا ہے۔

(ii) صوفی مخلوق سے بھاگتا ہے اور اللہ پاک میں پناہ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پاک کرتا ہے۔ وہ اللہ پاک کے انوار سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لذت حاصل کرتا ہے۔

(6) حضرت ابوالحسن نوریؒ (متوفی 295 ہجری) فرماتے ہیں کہ

(i) صوفی وہ ہوتا ہے کہ جب کچھ نہ ہو تو آرام سے ہو اور جب کچھ مل جائے تو ایثار کرے۔

(ii) صوفی وہ ہوتا ہے کہ جو انسانی کدورتوں سے پاک ہو۔ نفس کی آفات (مصیبتوں) سے پاک ہو۔ نفس کی خواہشات سے پاک ہو اور سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے پاس اعلیٰ درجے میں رہے۔ صوفی کی ملکیت میں کوئی چیز نہیں ہوتی اور وہ کسی کی قید میں نہیں ہوتا۔

(7) حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 297 ہجری) فرماتے ہیں کہ

(i) صوفی اس زمین کی طرح ہے جس پر ہر بری چیز ڈالی جاتی ہے مگر اس سے صرف اور صرف اچھی چیز نکلتی ہے۔

(ii) صوفی ایسی زمین ہوتا ہے جس پر نیک اور بد چلتے ہیں۔ وہ ایسے بادل کی طرح ہے جو ہر شے پر اپنا سایہ کرتا ہے اور ایسی بارش کی طرح ہے جو ہر شے کی پیاس بجھاتی ہے۔

(iii) جو ہر شے سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جائے وہ صوفی ہے۔

(iv) جو شخص ہر شے سے الگ کر کے اللہ پاک کے لیے چن لیا جائے وہ صوفی ہے۔

(v) صوفی وہ ہے جو دل سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح دنیا سے نجات پا لیتا ہے اور اللہ کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ اس کی تسلیم و رضا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اس کا غم حضرت داؤد علیہ السلام جیسا ہے۔ اس کا فقر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا ہے اور اس کا صبر حضرت ایوب علیہ السلام جیسا ہے۔ مناجات (دعا) کے وقت جس کا شوق حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا ہے اور جس کے اخلاق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسے ہوں (آپؐ کی تعلیمات و عمل کے مطابق ہو)۔

(vi) صوفی وہ ہے کہ اللہ پاک کے ساتھ قیام کرے مگر اس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہ جانے۔

(8) حضرت ابو بکر واسطیؒ (متوفی 320 ہجری) فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو سوچ اور سمجھ سے بولتا ہے اور اس کا دل غور و فکر سے روشن ہے۔

(9) حضرت ابو بکر کتانیؒ (متوفی 322 ہجری) فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو اپنی اطاعت کو بھی گناہ سمجھتا ہے اور اس پر استغفار کرتا ہے۔

(10) حضرت ابو علی رود باریؒ (متوفی 322 ہجری) فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو دل کی صفائی کے ساتھ اون کا لباس پہنتا ہے اور اپنے جسم کو جفا کا کھانا چکھاتا ہے۔ دنیا کو اپنے پیچھے پھینک دیتا ہے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے راستہ پر چلتا ہے۔

(11) حضرت عبداللہ بن محمد مرتعشؒ، (متوفی 328 ہجری) فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو تمام بلاؤں سے پاک ہو اور تمام بخششوں (عطا) سے غائب ہو۔

(12) حضرت ابو بکر شبلیؒ (متوفی 334 ہجری) فرماتے ہیں کہ

(i) صوفی وہ ہے جو مخلوق سے کٹا ہوا ہے اور اللہ پاک سے جڑا ہوا ہے کیونکہ اللہ نے اس کو چن لیا ہے۔

(ii) صوفیا اللہ پاک کے دل میں رہنے والے بچے ہیں۔

(iii) صوفی اس وقت صوفی بنتا ہے جب وہ تمام مخلوقات کو اپنی اولاد سمجھتا ہے۔

(13) حضرت ابوالحسن حصریؒ، (متوفی 371 ہجری) فرماتے ہیں کہ

(i) صوفی وہ ہوتا ہے کہ جس کو خدا کے علاوہ کسی چیز سے آرام نہیں ملتا۔ جو اپنے تمام معاملات اس اللہ پاک پر چھوڑ دیتا ہے جس نے حالات بنائے ہیں اور ان کی دیکھ بھال کرتا ہے اور خدا کو جب وہ پالیتا ہے تو اس کے علاوہ کسی چیز کی طرف نہیں دیکھتا۔

(ii) صوفی وہ ہے کہ جب وہ دنیا کی آفات سے گر جاتا ہے تو پھر ان کی طرف نہیں دیکھتا اور جب وہ خدا کی طرف منہ کر لیتا ہے تو پھر منہ نہیں موڑتا اور زمانے کے حالات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(14) حضرت ابوالحسن خرقانیؒ (متوفی 425 ہجری) فرماتے ہیں صوفی سے مراد وہ شخص نہیں ہے جو خرقہ پہنتا ہے اور سجادہ (جائے نماز) رکھتا ہے اور رسم و رواج کرتا ہے۔ اصل صوفی وہ ہے جو دنیا کو کچھ نہیں سمجھتا۔

(15) ایک صوفی بزرگ فرماتے ہیں کہ صوفی اس وقت تک صوفی نہیں ہے جب تک کہ زمین اس کی مدد نہ کرے، آسمان سایہ نہ کرے، جب تک کہ انسانوں سے فائدہ نہ لے اور جب تک تمام حالات میں اللہ پاک کی طرف رخ نہ کرے۔

(16) اہل تصوف کے ہاں صوفیا کی تین قسمیں ہیں:

(i) صوفی: صوفی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو حق میں فنا کر دے اور اس کے اندر کوئی کدورت اور تیرگی باقی نہ ہو۔

(ii) متصوف: متصوف اس شخص کو کہتے ہیں جو مجاہدہ سے اس درجے کے حصول کے لیے کوشاں ہو اور اس کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو اور اپنے معاملات کو درست کرنے کی کوشش میں مشغول ہو، یعنی سچا صوفی بننے کی کوشش میں لگا ہوا ہو۔

(iii) مستصوف: مستصوف وہ ہے جو دنیا کا مال و متاع اور مرتبہ و عزت حاصل کرنے کے لیے اہل تصوف کی وضع و قطع اور طور و طریقے اختیار کیے ہوئے ہو مگر صفا اور تصوف کی اسے کچھ خبر نہ ہو۔ ان لوگوں کے بارے میں صوفیائے کرامؒ فرماتے ہیں: مستصوف مکھی کی مانند حقیر اور قابل نفرت ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں، ہوس ہوتی اور غیر صوفیا (عام لوگوں) کے لیے وہ بھیڑیوں کی مانند ہیں کہ ان کے دین و ایمان کو چیرتے پھاڑتے پھرتے ہیں۔

9۔ تصوف کا تناظر

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے۔ اس میں اس لیے روحانی اور مادی رجحانات پائے جاتے ہیں۔ کبھی کبھار انسان پر مادی (غیر اخلاقی) رجحانات غالب آ جاتے ہیں جب کہ کچھ لوگوں پر روحانی میلانات کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ تقویٰ، عبادات اور زہد انسان کی روح کی پاکیزگی کرتے ہیں۔ ان چیزوں کے غلبہ کی وجہ سے الگ خاص ذہنی و روحانی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو صوفیانہ رویہ پیدا کرتی ہے۔

عہد اول کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اس فکر و عمل کے نمائندے تھے۔ ان حضرات کی وجہ سے ایک تحریک پیدا ہوئی جس نے زہد، ذکر، تقویٰ، توکل، صبر، صدق، رضا اور اعلیٰ اخلاق پر بہت زور دیا اور بعد میں ایسے لوگ ہی صوفی کہلائے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ تصوف اصل میں ان حضرات کے فکر و عمل کا نام ہے جس میں بعد میں کچھ اضافے اور تحریفیں شامل ہو گئیں۔

تصوف اسلامی تہذیب کی ایک بہت اہم روایت ہے۔ اس کی ابتدا اور ارتقا کی خاص وجوہات ہیں، جن پر غور کرنا ضروری ہے۔ ان وجوہات کو سمجھے بغیر اسلامی تصوف کو سمجھنا مشکل ہے کیونکہ ہر فکر اپنے فکری و عملی پس منظر سے اثر پذیر ہوتی ہے۔

1۔ مادی ترقی

اسلام روحانی و مادی میلانات اور ضرورتوں کے درمیان حسین توازن پیدا کرتا ہے۔ یہ کلاسیکل تصوف میں توازن اس تصوف میں بھی نظر آتا ہے۔ اسلامی مذہبی فلسفہ کا نام تصوف ہے۔ پہلے پہل اس کی تعریف یہ کی گئی تھی کہ تصوف سے مراد الوہی حقیقتوں کی تفہیم ہے۔ اس لیے ابتدا کے صوفی اپنے آپ کو اہل حق کہلانا پسند کرتے تھے لیکن اگر تصوف کی پوری تحریک کو سمجھنا ہو تو اس کو اسلام کے داخلی اور خارجی ارتقا کے تناظر کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ تصوف دین اسلام میں ایک اہم روایت ہے جس کی ابتدا دوسری

صدی ہجری سے ہوئی۔

قرآن مجید اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت میں جزا اور سزا پر بہت زور دیا ہے۔ اس لیے لوگوں میں خوف کی وجہ سے آخرت کی طرف زیادہ توجہ اور اس مادی دنیا سے دوری کا رجحان پیدا ہونا شروع ہو گیا اور کچھ نے تو دنیا سے نفرت کرنا شروع کر دی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں غیر معمولی فتوحات ہوئیں۔ مصر، شام اور ایران فتح ہوئے جس کے نتیجے میں غیر معمولی مال غنیمت ملا اور لوگ امیر ہوتے گئے۔

مثال کے طور پر عشرہ مبشرہ[1] قریب قریب سبھی مالی طور پر مستحکم تھے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے لا تعداد صحابہ تجارت پر چھائے ہوئے تھے۔ مال و دولت کی ریل پیل تھی مگر دل میں خدا بستا تھا اور زبان پر صرف آخرت کا سوال تھا۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو اپنا حواری (ساتھی) فرمایا تھا۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت 5 کروڑ درہم کا ترکہ چھوڑا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے صرف مدینہ پاک میں گیارہ (11) گھر تھے۔ اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کے بصرہ، کوفہ، فسطاط اور سکندریہ میں بھی گھر تھے۔ اسی طرح عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک دوسرے صحابی حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت تین کروڑ درہم کی زمین تھی اور 22 لاکھ درہم نقد میں تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب حضرت عبد اللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت افریقہ فتح ہوا تو ہر گھڑ سوار کو تین ہزار مثقال[2] سونا ملا[3]۔ حضرت عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، ان کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم تھے۔ اس کے علاوہ اریس وخیبر اور وادی القرٰی میں کچھ زمینیں تھیں جن

۱۔ دس عظیم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی تھی۔

۲۔ ایک درہم تین گرام چاندی کے برابر تھا اور ایک مثقال چار گرام کے برابر تھا۔

۳۔ تفصیلات امام نوویؒ اور امام مسعودیؒ نے دی ہیں۔

کی ملکیت دو لاکھ دینار تھی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تین لاکھ دینار چھوڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا غنی ہونا اتنا مشہور ہے کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس مادی ترقی کی وجہ سے ایک خاص مزاج کے نیک لوگوں میں ردعمل پیدا ہوا جس نے لوگوں کو زہد اور روحانی دنیا کی طرف مائل کیا، جس کے سبب ان میں صوفیانہ رجحانات بڑھنے لگے۔

2۔ زاہدانہ ردعمل

فتوحات کی وجہ سے اتنی دولت آجانے سے زاہد مزاج مسلمانوں میں اور زیادہ سختی آگئی اور کھلم کھلا زہد کی تبلیغ کرنے لگے۔ اموی خلافت کے زمانے میں مادی دنیا کی طرف رجحان بڑھنے لگا اور اس کے ردعمل میں زاہد لوگوں کے ردعمل بھی شدید تر ہوتے گئے۔ شام کے گورنر جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ آیت:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ .(سورۃ التوبہ، آیت:34)

(جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو اس دن کے سخت عذاب کی خبر سنا دو)

پہلے والے لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) کے متعلق ہے۔ اس پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آپ کے لیے بھی تھی اور ہمارے لیے بھی ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

عہد اول کے صحابہ کرام علیہ السلام میں سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ (اصحاب صفہ) اس فکر و عمل کے نمائندے تھے۔ ان حضرات کی وجہ سے ایک تحریک پیدا ہوئی جس نے زہد، ذکر، تقویٰ، توکل، صبر، صدق، رضا اور اخلاق پر بہت زور دیا اور بعد میں ایسے لوگ صوفی کہلائے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ تصوف اصل میں ان حضرات کے فکر و عمل کا نام ہے جس میں بعد میں کچھ تحریفیں بھی شامل ہوگئیں۔

یہ فکر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے شام میں پھیلانا شروع کر دی۔ جس پر جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (خلیفہ وقت) سے شکایت/ اپیل کی۔ خلیفہ وقت نے انہیں مدینہ منورہ بلا لیا اور پھر ان کو مدینہ سے باہر ایک گاؤں (ربذہ) میں رہنے کا حکم دیا۔ (ابن سعد) اس زمانے میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ مادی فتوحات کو اللہ پاک کے راستے میں خرچ نہ کرنے پر سخت موقف اختیار کرنے والوں کے امام تھے۔ اس کے برعکس لوگوں نے یہ حدیث پیش کی: تم میں اچھا وہ نہیں ہے جو اس دنیا کے لیے آخرت کو نظر انداز کر دے یا آخرت کے لیے یہ دنیا چھوڑ دے بلکہ اچھا وہ ہے جو دونوں میں سے کچھ کچھ لے لے۔ (ابن قتیبہ)

جب امویوں کے زمانے میں مسلمانوں کو زبردست فتوحات ہونے لگیں تو نیک مسلمانوں میں ایک ردعمل ہوا کہ کیا اس مال و دولت کا اکٹھا کرنا صحیح ہے یا آخرت کی تیاری کرنا چاہیے، جس کے ردعمل سے بہت سے الٰہیاتی مباحث پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کا حکمران کس طرح کا ہونا چاہیے۔ صوفیا نے حکومت کو شر کہنا شروع کر دیا۔ بہت سے نیک لوگ مدینہ طیبہ اور کوفہ (عراق) میں اکٹھے ہوئے جب کہ امویوں کا دارالحکومت دمشق (شام) میں تھا۔

ابتدائی صوفیا اصل میں زاہد اور متوکل لوگ تھے۔ جن میں حد سے بڑھے ہوئے گناہ کا احساس، روزِ محشر، دوزخ اور عذاب کے خوف نے انہیں دنیاوی معاملات سے دور کر دیا تھا۔ وہ غیر معمولی عبادات (نماز، ذکر اور روزہ وغیرہ) سے اپنی نجات چاہتے تھے۔ اس نے زہد اور توکل کو جنم دیا۔ اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ ابتدائی زمانے میں مسلمانوں کی عمومی مذہبی زندگی کا سرچشمہ خوف (اللہ کا خوف، جہنم اور گناہ کا خوف) تھا، جب کہ اس کے علاوہ محرکات ذرا بعد میں آئے اور جن کا اظہار بی بی رابعہ بصریؒ کے زمانے کے زمانے/ حالات ہوتا ہے۔

تصوف کا بیج ان طاقت ور اور وسیع زاہدانہ رجحانات میں ہے جو اسلامی دنیا میں پہلی/ دوسری صدی ہجری میں ابھرے۔ اگر ان رجحانات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا کی وجوہات میں یہ شامل ہیں: (i) گناہ کا حد سے بڑھا ہوا احساس، (ii) خدا کے عذاب کا غالب خوف

زاہدوں کے اس طبقے نے اپنے باطن کی طرف توجہ کی، اپنے روحانی احوال اور کیفیات کو بڑھایا اور

اللہ پاک کی قربت اور محبت حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ انہوں نے اپنی روحانی تربیت کے لیے علم باطن کی باتیں کرنا شروع کیں۔ انہوں نے زندگی کے نفسیاتی پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے توبہ، تقویٰ، توکل اور ورع پر زور دیا اور ضمیر اور روح کی پاکیزگی پر اصرار کیا۔ انہوں نے دنیا کو چھوڑنے کی طرف میلان کیا تا کہ آخرت کی طرف بڑھا جائے اور وہ ظاہری دنیا سے ہٹ کر اندر کی دنیا کی بات کرنے لگے۔

اس لیے ابتدا میں دین پر عمل کرنے والے مسلمانوں اور صوفیا میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، جب کہ صوفیا قرآن مجید کے آنے والے بعض اصولوں پر زیادہ توجہ کرتے تھے مگر دیگر اصولوں کو بھی برابر کی اہمیت دیتے تھے۔ اس لیے بعض لوگوں نے کہا کہ زہد کی ابتدائی تحریک عیسائی رہبانیت کے زیر اثر شروع ہوئی جب کہ اسلام تو دنیوی معاملات میں حرکت، خوشی اور لذت کا قائل تھا۔

عہد اول میں کچھ صوفیا نے شادی بھی نہیں کی حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس بارے میں واضح ارشاد ہے۔ کچھ نے تو شادی کو غم اور سزا سے تعبیر کیا اور کچھ نے کہا کہ شادی و خاندان اللہ پاک سے دور کرتا ہے۔ حضرت فضیلؒ کے دوست حضرت ابراہیم بن ادھمؒ (متوفی 160 ہجری) فرماتے ہیں: جب آدمی شادی کرتا ہے تو جہاز پر چڑھتا ہے اور جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو جہاز تباہی سے دوچار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ابتدائی تصوف میں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا عظیم مرتبہ ہے۔ آپؒ بلخ کے حکمران تھے اور حکمرانی چھوڑ کر صوفی ہو گئے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے بقول حضرت ابراہیم بن ادھمؒ روحانی علوم کی چابی ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ تصوف کی اسلامی روایت کے اولین لوگوں میں سے ہیں۔ فقر، زہد اور توکل کے امام شمار ہوتے ہیں۔ آپؒ نے زہد کی چار اقسام بیان فرمائی ہیں: (i) حرام چیزوں سے کنارہ کشی، (ii) جن چیزوں کا حرام یا حلال ہونا واضح نہیں، ان سے کنارہ کشی، (iii) اللہ پاک کی رضا کے لیے حلال کردہ چیزوں کے استعمال میں حد درجہ کی احتیاط اور (iv) اللہ پاک کے علاوہ ہر چیز سے دل کو منقطع کر لینا۔

ان ابتدائی صوفیوں کے نزدیک دنیا کی چیزوں سے چھٹکارا اصل خوشی اور آزادی عطا کرتا ہے۔ یہ سرہانے کی جگہ اینٹ استعمال کر لیتے تھے اور نرم بستر کی جگہ گھاس کا بوریا۔ کچھ تو اپنے لباس کا بھی خیال نہیں رکھتے تھے۔ بعض کے لباس میں جوئیں ہوتیں مگر ان کو صاف نہیں کرتے تھے۔

اس طرح کی تعلیمات نے اس عہد کے لوگوں پر بہت اثر کیا۔ اس عہد کے صوفی خوفِ خدا اور خوفِ آخرت میں بہت زیادہ روتے تھے۔ اس لیے مستقل رونے والے کہلائے۔ رونے سے انہیں اللہ پاک کی مدد اور معافی مل جاتی ہے۔

92 ہجری/ 711ء میں سپین، سندھ اور وسطی ایشیا فتح ہو گئے۔ اس فتح سے مسلمانوں میں مال و دولت کی ریل پیل ہو گئی۔ مسلمان بھی اس طرف زیادہ توجہ کرنے لگے تو حضرت حسن بصریؒ نے لوگوں کو توجہ دلائی کہ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۔ (سورۃ الرحمٰن، آیات:26-27)

(جو مخلوق زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے رب ہی کی ذات بابرکات جو صاحبِ جلال و عظمت ہے، باقی رہے گی)

آپؒ فرماتے تھے: اے ابن آدم! آپ نے اکیلے مرنا ہے۔ آپ قبر میں اکیلے ہوں گے۔ اکیلے اٹھائے جائیں گے۔ آپ کو اکیلے حساب دینا ہو گا۔ آپ اس فانی دنیا کے لیے اتنی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ اس دنیا میں اس طرح رہو جیسا کہ آپ اس میں آئے ہی نہیں تھے۔ اگلی دنیا کے لیے اس طرح رہو کہ آپ اس کو کبھی نہ چھوڑو گے۔

آپؒ کے ایک شاگرد نے خلیج فارس کے پار ایران کے شہر ابادان میں ایک خانقاہ بنائی۔ آپؒ کا نام حضرت عبدالواحد بن زیدؒ (متوفی 177 ہجری) تھا۔ آپؒ پر ورع کا غلبہ تھا۔ حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد حضرت ابوسلیمان دارانیؒ اور ان کے شاگرد حضرت احمد بن الحواریؒ (851ء) نے آپؒ کی تعلیمات کو شام میں متعارف کروایا۔

اس زمانے میں فتوحات میں مسلمانوں کا عیسائی علما اور رہبان (تارک الدنیا) سے میل جول ہوا۔ ان کے زیر اثر بہت سے واقعات صوفی ادب میں آ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زہد کی معراج قرار پائے۔ بعض علما کے نزدیک صوفیا نے اون کے کپڑے اور خانقاہ بھی عیسائی راہبوں سے لی۔

تصوف کے اس ابتدائی دور میں زہد اور دنیا کو چھوڑنے کے تصور کا غلبہ رہا۔ ایک صوفی فرماتے ہیں

کہ جس کو بھی اعلیٰ روحانی درجات حاصل کرنے ہوں، اسے چاہیے کہ سات چیزوں کو ان سات چیزوں پر ترجیح دے: (i) غربت کو دولت پر، (ii) بھوک کو شکم سیری پر، (iii) ادنیٰ کو اعلیٰ پر، (iv) ذلت کو عزت پر، (v) عاجزی کو تکبر پر، (vi) غم کو خوشی پر اور (vii) موت کو زندگی پر

3۔ فقہیانہ تعبیرات

عباسی خلافت کے زمانے میں فقہ نے خوب ترقی کی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالک بن انسؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے فقہی مذاہب کی بنیاد رکھی۔ ان فقہی تعبیرات سے دین کے ظاہر پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ فقہ کی اس سختی نے لوگوں کو باطنی احوال کی طرف مائل کیا۔

تصوف کی تحریک پیدا ہونے کی ایک وجہ بعض علمائے دین کی فقہی تعبیرات پر ضرورت سے زیادہ زور تھا۔ شریعت کی جب تعبیرات ہوئیں اور ان پر عمل کرنے ضرورت سے زیادہ زور دیا جانے لگا تو اس رسمی اسلام سے کچھ لوگوں میں ردعمل پیدا ہوا جو طبعی طور پر دین کی روح کی طرف مائل تھے۔ جوں جوں فقہی معقولات بڑھتے چلے گئے، دین کی قانونی تعبیر بڑھتی چلی گئی جو یقیناً ایک خشک عمل تھا۔ مثال کے طور پر یہ کہ نماز کے فرائض کتنے ہیں، واجب کتنے ہیں، سنتیں کتنی ہیں۔ طہارت کیا ہے۔ اس تمام بحث میں نماز میں داخلی پہلو (خشوع وحضوع) غائب ہو گیا۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

رہ گئی رسم اذاں، روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی

4۔ کلامی مباحث

عباسی خلافت کے دور میں کلامی مباحث بہت زیادہ ہوئے۔ یونانی فلسفہ کے تراجم ہوئے اور عیسائیوں کے کلامی مباحث نے مسلمانوں پر بھی اثر کرنا شروع کر دیا، جس سے معتزلہ وغیرہ متاثر ہوئے اور خلق قرآن جیسے کلامی مسائل نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا شروع کر دیا مگر ان مباحث میں صوفی منش مسلمان دور رہے۔ اس دوری کا اظہار حضرت معروف کرخیؒ نے یوں فرمایا: جب اللہ پاک اپنے بندے

سے محبت کرتا ہے تو اس پر نیک کاموں کا دروازہ کھول دیتا ہے اور کلامی مباحث کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔

صوفیا کے اس ابتدائی گروہ کے لوگ قرآن و حدیث کے عصری علوم کے عالم تھے مگر عام طور پر عقل کو اللہ پاک کی معرفت کے لیے ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے عقل کے بارے میں تشکیک اور مخالفت کا رویہ پیدا ہو گیا۔ اس گروہ کا یہ بھی خیال تھا کہ شریعت اور خدا کے احکام اللہ پاک کے قرب کے حصول کے لیے لازمی ہیں۔ ان کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب اور محبت حاصل نہیں ہو سکتی، مگر وہ یہ سمجھتے تھے کہ شریعت کی اطاعت صرف ابتدا ہے جب کہ اللہ و بندے کے تعلق (عبودیہ) کے لیے قربت اور محبت ضروری ہے۔ اس لیے انہوں نے قلب پر توجہ کی اور مروجہ فقہا کے کلامی مباحث سے دور رہے بلکہ ان کو ناپسند کرنے لگے۔

عباسی عہد کے بغداد میں جنم لینے والا زہدانہ تصوف آہستہ آہستہ اسلامی سلطنت کے دوسرے علاقوں میں پھیلنے لگا۔ دوسری، تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اس تصوف نے اپنے بانیوں کی تعلیمات کو مقامی حالات کے مطابق تبدیل کیا بلکہ اس میں ایک خاص طرح کا ذاتی شعور اور اعتماد بھی آ گیا اور وہ ایک باقاعدہ زہد کی روایت بن گیا۔

بغداد کے صوفیا کے سات شاگرد مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کے مجاور بن کر رہنے لگے: حضرت ابوالحسن الصغیرؒ (328 ہجری)، حضرت ابوجعفر الکبیرؒ، ابوبکر الکتانیؒ (322 ہجری)، ابویحییٰ یعقوب نہر اجوریؒ (330 ہجری)، ابوعمر الدجاجؒ (348 ہجری)، ابومحمد مرتعشؒ (328 ہجری) اور ابوالسعید العربیؒ (341 ہجری)۔ مکہ معظّمہ کے علاقے میں ان بزرگوں نے تصوف کو شروع کیا اور یہ روایت آج تک قائم ہے۔ اسی طرح طائر، رملہ، شام، بیضاء اور سوسی وغیرہ میں صوفی خانقاہیں بن گئیں جہاں کے زیادہ تر شیوخ حضرت سہل تستریؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ سے منسلک ہیں۔ ان رجحانات کی قطعی ابتدا کی تلاش تو مشکل ہے مگر ابتدائی لوگوں میں حضرت بی بی رابعہ بصری عدویہؒ (متوفی 185 ہجری)، حضرت بایزید بسطامیؒ (متوفی 261 ہجری)، حضرت حارث محاسبی البغدادیؒ (243 ہجری) اور حضرت ذوالنون مصریؒ (245 ہجری) شامل ہیں۔

10۔ تصوف کی فکری ابتدا

تصوف کا فکری ارتقا ایک طویل عمل ہے جو کئی صدیوں پر محیط ہے جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور دیگر عظیم علمائے کرامؒ اور صوفیائے عظامؒ نے حصہ ڈالا ہے۔ ذیل میں ہم ان اہم شخصیات کا تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے تصوف کی تشکیل میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس باب میں ہم صرف پہلی اور دوسری صدی ہجری کے اکابرین کا ذکر کریں گے۔ ان کی تعلیمات مختصراً بیان کریں گے تاکہ صوفی فکر کی ابتدا اور ارتقا کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

(1) امام زین العابدینؒ

حضرت علی بن حسینؒ (متوفی 94 ہجری) جنہیں سید سجاد اور زین العابدینؒ بھی کہا جاتا ہے، مظلومین کے سردار اور اپنے دور کے سب سے بڑے عبادت گزار تھے۔ کشف اور تصوف کی باریکیاں بیان کرنے میں آپ رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا: دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ نیک بخت کون ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جو رضا اور حق پر قائم رہے۔

جب کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی اولاد اور رشتے داروں سمیت شہید کر دیا گیا تو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہیں بچا تھا جو عورتوں کی حفاظت کرنے والا ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی بیمار تھے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو اونٹ پر بغیر کجاوے کے بٹھا کر یزید کے روبرو لایا گیا تو وہاں کسی نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے علی اور رحمت والے گھر کے رہنے والو! کس حال میں ہو؟

آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اپنی قوم کے ہاتھوں ہماری حالت ویسی ہی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی قومِ فرعون کے ہاتھوں ہوئی تھی کہ وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور ان کی عورتوں کو غلام بنا لیتے تھے۔ اس مصیبت و آزمائش میں ہمیں صبح و شام کا ہوش نہیں ہے۔ بہرحال ہم نعمتوں کے لیے اللہ پاک شکر ادا کرتے ہیں اور آزمائشوں اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔

(2) سعید بن مسیبؒ

حضرت سعید بن مسیبؒ (متوفی 94ہجری) جلیل القدر تابعی تھے۔ اپنے علم وعمل کے اعتبار سے ساری دنیائے اسلام کے امام اور مقتدیٰ مانے جاتے تھے۔ آپؒ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ علمِ تفسیر، حدیث، شعروشاعری اور معارف وغیرہ علوم میں آپؒ کا مقام بہت بلند ہے۔ نہایت پاک باز اور پاک باطن آدمی تھے لیکن ظاہر میں بہت ہوشیار نظر آتے تھے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ کے ارشادات میں ہے: تو اس تھوڑی دنیا پر جو تجھے دین کی سلامتی کے ساتھ حاصل ہو، اسی طرح سے راضی رہ جس طرح کہ بعض بدنصیب لوگ اپنا دین دے کر بہت سی دنیا حاصل کر لینے پر خوش ہیں۔

جو فقر دین کی سلامتی کے ساتھ ہو وہ اس امیری سے بہتر ہے جو غفلت کے ساتھ اور دین کو ہاتھ سے دے کر حاصل ہو۔ وہ فقیر جس کا دین سلامت ہے جب اپنے دل کی طرف دیکھتا ہے تو اسے تفکرات سے آزاد پاتا ہے اور جب اپنے ہاتھ کی طرف دیکھتا ہے تو اسے قناعت والا اور باوقار پاتا ہے۔ دین کو چھوڑ کر بہت سی دنیا سمیٹنے والا امیر شخص جب اپنے دل کی طرف دیکھتا ہے تو اپنے مال و دولت کی کثرت کے باوجود اسے تھوڑا پاتا ہے اور مزید پریشان ہو جاتا ہے۔

اللہ پاک کا ذکر وہ حلال ہے جس میں حرام کا کوئی شائبہ نہیں اور غیر اللہ کا ذکر ایسا حرام ہے جس میں کچھ حلال نہیں۔ خدا کی یاد اور اس کے کام میں لگے رہو۔ اس کے سوا دوسروں کی یاد اور ان کے کاموں کو چھوڑ دو۔

(3) حسن بصریؒ

سب سے پہلے اور بنیادی صوفی حضرت حسن بصریؒ (متوفی 110ہجری) شمار کیے جاتے ہیں۔ آپؒ عبادات پر ظاہری عمل سے مطمئن نہ تھے اور ان کی روحانی صحت چاہتے تھے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اصل زہد/ دین داری کا ایک دن، روزہ اور نماز کی ہزار راتوں سے بہتر ہے۔ آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دلوں کو ذکر و فکر سے صاف کرو کیونکہ ان کو جلدی زنگ لگ جاتا ہے۔ اپنے نفس پر قابو پاؤ ورنہ وہ تمہیں گناہ کی طرف مائل کر دے گا۔ جب 92ہجری/ 711ء میں اسپین، سندھ اور وسطی ایشیا فتح ہو گئے اور مسلمان

مال و دولت کی طرف زیادہ توجہ کرنے لگے تو بصرہ کے عظیم مسلم عالم دین اور صوفی حضرت حسن بصریؒ نے لوگوں کو توجہ دلائی کہ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۔(سورۃ الرحمٰن، آیات:26-27)

(جو مخلوق زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے رب ہی کی ذات بابرکات جو صاحب جلال وعظمت ہے، باقی رہے گی)

آپؒ فرماتے تھے: اے ابن آدم! آپ نے اکیلے مرنا ہے۔ آپ قبر میں اکیلے ہوں گے۔ اکیلے اٹھائے جائیں گے۔ آپ کو اکیلے حساب دینا ہوگا۔ آپ اس فانی دنیا کے لیے اتنی کوشش کیوں کرتے ہیں۔ اس دنیا میں اس طرح رہو جیسا کہ آپ اس میں آئے ہی نہیں تھے۔ اگلی دنیا کے لیے اس طرح رہو کہ آپ اس کو کبھی نہ چھوڑو گے۔

(4) امام محمد باقرؒ

حضرت امام محمد باقرؒ (متوفی 114 ہجری) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت زین العابدینؒ کے بیٹے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد کے برگزیدہ افراد میں سے تھے۔ علوم کی باریکیوں کو سمجھنے اور اللہ پاک کی کتاب کے لطیف اشاروں کو بیان کرنے میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کرامتیں مشہور ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کے ایک خادم بیان کرتے ہیں کہ رات کو جب نماز اور وظائف سے فارغ ہو جاتے تو بلند آواز سے اللہ پاک سے مناجات فرماتے۔ کہتے: اے میرے پروردگار! اے میرے آقا، رات ہو گئی ہے، دنیا کے تمام بادشاہوں کے تصرفات رک گئے ہیں۔ آسمان پر ستارے نکل آئے ہیں۔ تمام مخلوق سو گئی ہے۔ لوگوں کی آوازیں خاموش اور آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔ وہ مخلوق کے دروازوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں، مگر تو اے میرے پروردگار! تو حی قیوم اور علیم وخبیر ہے۔ نیند یا غنودگی کوئی شے تجھے لاحق نہیں ہوتی اور نہ یہ تیرے لیے زیبا ہے۔ اے وہ ذات جسے کوئی چیز کسی چیز سے منع نہیں کر سکتی، جس کے لیے رات اور دن یکساں ہیں، جس کے کام میں کوئی شے خلل نہیں ڈال سکتی۔ تیری رحمت کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ اپنے پکارنے والوں اور اپنے حمد بیان کرنے والوں پر تیرے سارے خزانے فدا

ہیں۔ اے میرے مالک! تو وہ خدا ہے کہ جو بندہ تیرے دروازے پر سوال لے کر جائے گا وہ کبھی بھی محروم نہیں لوٹے گا۔ زمین وآسمان سے جو کچھ مانگے، اسے تیرے ہاں سے ملے گا۔ اے خدایا! میں ساری چیزیں تجھ ہی سے مانگتا ہوں۔ تیری ذات بابرکات کو اپنا تنہا معبود سمجھتا ہوں۔ مرنے کے وقت مجھے ایسی خوشی عطا فرما کہ اس کی سب تکلیف دور کر دے اور حساب کے وقت ایسی خوشی سے نواز کہ اس کی سب کوفت دور ہو جائے۔

(5) مالک بن دینارؒ

حضرت مالک بن دینارؒ (متوفی 130 ہجری) پہلی صدی ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے سلوک کی تربیت حضرت حسن بصریؒ سے حاصل کی اور آپؒ سے بہت سے صوفیا نے فیض پایا۔ آپؒ، حضرت حسن بصریؒ کے دوست تھے۔ آپؒ کے والد کا نام دینار تھا جو ایک غلام تھا۔ ابتدائی عمر میں فضول قسم کے کام میں مشغول رہے اور پھر توبہ کر لی۔ آپؒ کی توبہ کی داستان بھی عجیب وغریب ہے۔ ایک رات لہو ولہب کے شوقین ایک گروہ کے ساتھ گانے اور بجانے میں مشغول تھے۔ جب تھک کر سب سو گئے تو اسی ستار سے جس کو وہ بجا رہے تھے، انہیں یہ آواز سنائی دی: اے مالک! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو توبہ نہیں کرتا۔ آپؒ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر سچے دل سے توبہ کر لی۔

حضرت مالک بن دینارؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ کشتی میں سوار ہوئے۔ اسی کشتی میں ایک سوداگر کا قیمتی موتی کھو گیا۔ آپؒ کو اس کی کوئی خبر نہ تھی مگر آپؒ کی فقیرانہ صورت دیکھ کر آپؒ پر یہ تہمت لگائی گئی کہ یہ آپؒ ہی نے چوری کیا ہے۔ آپؒ نے تھوڑی دیر عاجزانہ نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا کہ دریا سے بے شمار مچھلیاں اپنے اپنے منہ میں ایک ایک موتی لیے پانی کی سطح پر نمودار ہو گئیں اور سب نے آپؒ کی طرف منہ کر دیے۔ آپؒ نے ایک کے منہ سے موتی لے کر تہمت لگانے والے کو دے دیا اور خود کشتی سے نکل کر دریا میں اتر گئے اور چلتے ہوئے کنارے پر پہنچ گئے۔

(6) امام جعفر صادقؒ

امام جعفر صادقؒ (متوفی 145 ہجری) ابتدائی تصوف کے ایک بہت اہم استاد تھے۔ آپؒ نے اپنی تفسیر میں قرآن مجید کے روحانی اسرار بیان فرمائے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؒ قرآن پاک کی تفہیم

کے چار درجے بیان فرماتے ہیں: (i) عمومی بیان جو ظاہری معنی دیتا ہے اور عوام الناس کے لیے ہے، (ii) اشارات جو خاص لوگوں کے لیے ہیں، (iii) لطائف جو اللہ پاک کا خاص فیض ہے اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے ہیں، (iv) حقائق جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے سمجھے تھے۔

آپؒ نے اسی طرح سالکینِ حق کے بھی درجے بیان فرمائے ہیں۔ آپؒ نے شطحیات کی بھی وضاحت کی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سے تشبیہ دی۔

آپؒ کا قول ہے کہ عبادت سے پہلے ضروری ہے کہ انسان گناہوں سے تائب ہو اور ان سے بچے۔ توبہ پہلا مقام ہے اور عبودیت آخری مقام ہے۔ ابتدائی مقام سے گزرے بغیر بندہ اگلے مقام میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؒ کے بارے میں روایت ہے کہ ایک دن اپنے خادموں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؒ نے فرمایا کہ آؤ ہم سب مل کر ایک دوسرے سے عہد کریں کہ قیامت کے دن جو بھی ہم میں سے بخشا جائے، وہ دوسروں کی شفاعت کرے۔ خادموں نے عرض کیا: اے ابن رسول اللہ! آپؒ کو ہماری شفاعت کی کیا ضرورت ہے۔ آپؒ کے نانا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمام مخلوقت کی شفاعت فرمائیں گے۔ آپؒ نے ارشاد فرمایا: میں تو اپنے اعمال کی وجہ سے شرم کے مارے قیامت کے دن اپنے جدامجد کے سامنے بھی نہ جا سکوں گا۔

ایک دفعہ حضرت داؤد طائیؒ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے رسول اللہ کے فرزند! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے تا کہ میرے دل کی سیاہی جاتی رہے۔ آپؒ نے فرمایا: اے ابوسلیمان! آپ تو اپنے زمانے کے یکتا زاہد ہیں۔ آپؒ کو مجھ سے نصیحت حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت داؤد طائیؒ نے عرض کی: آپؒ کو تمام مخلوق پر فضیلت حاصل ہے۔ آپؒ کا ہمیں نصیحت کرنا ضروری ہے۔ اس کے جواب میں آپؒ نے فرمایا: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس پر نہ پکڑیں کہ تو نے میری پوری پوری پیروی کیوں نہیں کی تھی؟ اللہ پاک کے ہاں حسب ونسب سے کوئی کام نہیں ہوتا۔ سارا انحصار معاملات کے درست ہونے پر ہے۔ یہ سن کر حضرت داؤد طائی رونے لگے اور اسی دوران میں عرض کیا: جس کا نانا رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، جس کی ماں فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا ہے، جب وہ حیران و پریشان ہے تو داؤد طائی کون ہے کہ کسی شمار میں آ سکے۔

(7) ابراہیم بن ادھمؒ

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ (متوفی 165 ہجری) بلخ (افغانستان) کے حکمران تھے جنہوں نے حکمرانی چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی تھی۔ آپؒ مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور حضرت فضیل بن عیاضؒ اور سفیان ثوریؒ کے صحبت یافتہ تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: حضرت ابراہیم بن ادھمؒ علومِ طریقت کی چابی ہیں۔ آپؒ اپنے زمانے کے لوگوں کے سردار اور اپنے وقت کے یگانہ بزرگ تھے۔

آپؒ پہلے بلخ کے بادشاہ تھے۔ ایک دن شکار کے لیے نکلے۔ گھوڑا ایک ہرن کے پیچھے لگا دیا اور لشکر کے لوگ پیچھے رہ گئے۔ ہرن بے بسی کے عالم میں سرپٹ آگے بھاگا جا رہا تھا۔ آپؒ اس کے شکار کے در پے اس کے پیچھے تھے۔ اس حالت میں آپؒ نے محسوس کیا گویا کہ ہرن آپ سے کہہ رہا ہے: کیا تجھے پیدا کرنے والے نے اس کام کے لیے پیدا کیا ہے یا اس نے تجھے اس کام کا حکم دیا ہے؟ اس بات نے آپؒ کی کایا پلٹ دی اور توبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ دنیوی جاہ وجلال سے دل برداشتہ ہو کر زہد وتقویٰ کی زندگی اختیار کر لی۔ توبہ کے وقت سے پھر ساری زندگی اپنے ہاتھ کی کمائی کے سوا کچھ نہیں کھایا۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا ارشاد ہے: اللہ کی دوستی اور صحبت اختیار کرو اور مخلوقات کو ایک طرف اٹھا کر رکھ دو۔ ظاہر ہے کہ مخلوقات میں آدمی کا اپنا نفس بھی شامل ہے۔ جب تک اسے بھی اٹھا کر ایک طرف نہ رکھ دیا جائے، اللہ کی دوستی اور اس کی مصاحبت کا حق ادا نہیں ہو سکتا اور نہ اس ارشاد کا منشا پورا ہوگا۔

(8) داؤد بن طائیؒ

حضرت داؤد بن طائیؒ (متوفی 165 ہجری) شام میں پیدا ہوئے۔ آپؒ تبع تابعین میں سے تھے اور حضرت حبیب عجمیؒ کے مرید تھے۔ حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں: میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا جس کی نظر میں دنیا اس سے بڑھ کر حقیر تر ہو جس قدر حضرت داؤد طائیؒ کی نظر میں یہ حقیر تھی۔ آپؒ دنیا اور دنیا داروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ فقرا کے سامنے خواہ وہ کتنے ہی بدحال ہوں، بچھے جاتے تھے۔

آپؒ نے ایک مرید کو نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا: اگر تو سلامتی کا طلب گار ہے تو دنیا سے خود کو محفوظ

رکھ اور اگر بزرگی و کرامت کا طالب ہے تو آخرت کے انعام کی خواہش کے گلے پر بھی چھری پھیر دے۔

(9) عبداللہ بن مبارکؒ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (متوفی 181 ہجری) مرو (ترکمانستان) میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ آپؒ زاہدوں کے استاد اور پیشوا تھے۔ آپؒ کی توبہ کا واقعہ عبرت انگیز ہے۔

آپؒ ایک حسین و جمیل کنیز کے عشق میں مبتلا تھے۔ ایک رات اپنے ایک دوست کو ساتھ لے کر اپنی معشوقہ کی دیوار کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔ ادھر معشوقہ بھی چھت پر آ گئی اور ساری رات اسی طرح ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ جب فجر کی اذان ہوئی تو سمجھے کہ عشا کی اذان ہوئی ہے۔ جب بالکل دن چڑھ گیا تو سمجھے کہ ساری رات اسی نظارہ میں نکل گئی۔ اس سے اچانک آپؒ کو تنبیہ ہوئی اور دل نے کہا: اے مبارک کے بیٹے! تجھے شرم نہیں آتی کہ نفسانی خواہش کے پیچھے ساری رات پاؤں پر کھڑے گزار دی لیکن اگر امام نماز ذرا لمبی کر دے تو تو دیوانہ ہو جاتا ہے اور پھر بھی مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

اسی وقت اللہ پاک سے سچے دل سے توجہ کی اور علم کی طلب میں مشغول ہو گئے۔ زہد و دینداری کی زندگی اختیار کر لی۔ مرو کو چھوڑ کر بغداد چلے گئے اور لمبے عرصے تک علما و مشائخ کی صحبت میں رہے اور پھر مرو واپس آ کر تعلیم و اصلاح کے کام میں مصروف ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے: اللہ پاک کے دوستوں کے دل کبھی بھی سکون پذیر نہیں ہوتے وہ ہمیشہ بے قرار رہتے ہیں۔

(10) رابعہ بصریؒ

حضرت رابعہ بصریؒ (متوفی 185 ہجری) کے بارے میں معلومات بہت زیادہ موجود نہیں ہیں۔ سب سے پہلے جاحظؒ (160 ہجری) نے ان سے دو اقوال نقل کیے، جن سے ان کے زہد اور خوفِ خدا کا پتہ چلتا ہے: آپؒ سے کہا گیا کہ اگر آپؒ اپنے خاندان والوں سے بات کریں تو وہ آپؒ کے لیے ایک خادمہ کا بندوبست کر دیں گے جس سے آپؒ کو کام کاج کی تکلیف سے نجات مل جائے گی۔ آپؒ نے فرمایا کہ مجھے دنیا کی چیزیں اس سے بھی مانگنے سے شرم آتی ہے جس کی یہ دنیا ہے (اللہ پاک سے)، میں کس طرح ان سے مانگوں جن کی یہ دنیا نہیں ہے (مخلوق سے)۔

ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپؒ نے کبھی ایسا عمل کیا ہے جو آپؒ کے خیال میں اللہ تعالیٰ قبول کر لے گا؟ فرمایا کہ اگر ایسا عمل ہو بھی سہی تو پھر بھی مجھے خوف ہوگا کہ کہیں اللہ پاک اس کو مسترد نہ کر دے۔ آپؒ نے صوفی فکر میں اللہ کی بے لوث محبت کے تصور کو داخل کیا۔ آپؒ اللہ میں مست تھیں۔ آپؒ خود فرمایا کرتی تھیں کہ پہلے ہمسایہ پھر در (گھر)[1]، یعنی اللہ کی عبادت اس کے لیے کرنی ہے اور جنت کا دروازہ بعد میں۔ آپؒ نے اللہ تعالیٰ سے خالص محبت کا تصور اجاگر کیا۔ اس سے پہلے تو خشک زہد پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ کے سر سے والدین کا سایہ بچپن سے ہی اٹھ گیا تھا۔ ایک ظالم نے ان کو پکڑ کر فروخت کر دیا۔ خریدار آپؒ کو گھر لے آیا اور سخت کام لینے لگا۔ آپؒ اکثر دن کو روزہ رکھتیں۔ ساتھ مالک کی خدمت بھی کرتیں اور رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتیں۔ ایک رات اتفاق سے آپؒ کے مالک نے دیکھا کہ آپؒ ایک کمرے میں سجدے میں ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ خداوند! اگر میں کسی کی غلام نہ ہوتی تو ایک لمحہ بھی تیری عبادت سے غافل نہ ہوتی لیکن تو نے مجھے مخلوق کے قبضہ میں دے رکھا ہے۔ اس لیے تیری خدمت میں دیر سے حاضر ہوتی ہوں۔ یہ سن کر آقا حیران رہ گیا۔ اگلے دن مالک نے حاضر ہو کر کہا: آپؒ آزاد ہیں، جہاں چاہیں چلی جائیں۔ اگر یہاں رہیں گی تو آپؒ کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھوں گا۔ یہ سن کر آپؒ تشریف لے گئیں اور زندگی عبادت الٰہی کے لیے وقف کر دی۔

ایک مرتبہ آپؒ بصرہ کی گلیوں میں پھر رہی تھیں۔ ایک ہاتھ میں چراغ اور دوسرے میں پانی کا گلاس تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا: میں جنت کو آگ لگانا اور دوزخ میں پانی ڈالنا چاہتی ہوں تاکہ جنت و دوزخ کے پردے ہٹ جائیں اور لوگوں کو سمجھ آ جائے کہ اللہ پاک کی عبادت اس سے محبت کی وجہ سے کرنی ہے، نہ کہ دوزخ کے خوف سے اور جنت کے لالچ میں۔ جنت، حوریں اور محلات پردے ہیں جو ابدی الوہی حسن کو چھپا لیتے ہیں۔ اچھا ہوتا کہ اللہ پاک جنت کو لے جاتا اور جہنم سے ڈرنے والے زاہد کو جہنم میں ڈال دیتا۔

حضرت رابعہؒ کی اللہ پاک سے محبت مکمل اور مطلق تھی۔ اس میں کسی اور محبت، خیال اور شے کی گنجائش نہیں تھی۔ آپؒ نے شادی نہیں کی اور نہ حضور نبی پاک ﷺ کی محبت کا زیادہ ذکر کیا۔ آپؒ کے نزدیک اس دنیا کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ آپؒ موسم بہار میں اپنے کمرے کی کھڑکیاں بند کر لیتیں تاکہ

۱۔ الجار ثم الدار

پھولوں کی طرف توجہ نہ جائے اور ذات باری تعالیٰ میں مگن رہیں جس نے وہ پھول بنائے ہیں۔ حضرت رابعہؒ کے خیال میں اللہ پاک اپنی محبت کے علاوہ کسی کی محبت برداشت ہی نہیں کرتا۔

حضرت رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں: اے میرے پروردگار! اس دنیا میں سے جو حصہ تو مجھے دینا چاہتا ہے، اپنے دشمنوں کو دے دے۔ اگلی دنیا کا جو حصہ تو مجھے دینا چاہتا ہے، وہ تو اپنے دوستوں کو دے دے۔ میرے لیے تو ہی کافی ہے۔ آپؒ کی اس دعا کو بعد میں آنے والے بہت سے صوفیا نے مختلف انداز میں مانگا ہے۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں: اے میرے پروردگار! تو یہ دنیا میرے حوالے کر دے تا کہ میں اس کا نوالہ بنا کر کتے کو کھلا دوں۔ اگلی دنیا بھی میرے حوالے کر دے تا کہ اس کا نوالہ بنا کر کسی انسان کے منہ میں ڈال دوں کیونکہ دونوں دنیائیں اصل مقصود کے سامنے پردے ہیں۔

حضرت رابعہ بصریؒ کے لیے صرف اور صرف اللہ پاک کی محبت، امید اور اس کی تعریف ہی اصل تھیں۔ آپؒ رات کو اپنے مالک سے یوں کلام کرتی تھیں: اے میرے پروردگار! رات بسر ہو گئی، صبح ہو گئی ہے۔ مجھے کیا معلوم کہ تو نے میری دعائیں اور عبادات قبول فرما لی ہیں یا ان کو مسترد کر دیا ہے، تو میری تسلی فرما، تو ہی میری تسلی فرما سکتا ہے، تو نے مجھے زندگی بخشی ہے، میرا خیال رکھا ہے، تیری شان تجھے ہی زیبا ہے۔ اگر تو مجھے اپنے در سے ہٹانا بھی چاہے تو میں اسے نہیں چھوڑوں گی کیونکہ میرے دل میں تیری محبت بھری ہوئی ہے۔

(11) فُضیل بن عیاضؒ

تصوف میں حضرت فُضیل بن عیاض (متوفی 187 ہجری) کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ آپؒ خراسان میں ایک مشہور ڈاکو تھے۔ آپؒ کی توبہ اور ہدایت کا قصہ کچھ یوں ہے: ایک سوداگر مرو (ترکمانستان) سے کہیں جا رہا تھا۔ جب وہ مرو سے روانہ ہونے لگا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ اپنی حفاظت کے لیے سرکاری آدمیوں کا ایک دستہ ساتھ لے لو۔ راستے میں فضیل بن عیاض لوٹ لیتا تھا۔ اس نے کہا کہ محافظوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ ایک خدا ترس آدمی ہے۔ سوداگر نے کوئی محافظ ساتھ لینے کی بجائے یہ کیا کہ مرو سے قرآن پاک کا ایک قاری اپنے ساتھ لے لیا اور قافلہ کے سب سے اگلے اونٹ پر اسے بٹھا دیا اور اس کو حکم دیا کہ جب قافلہ جنگل میں داخل ہو تو قرآن مجید کی تلاوت

شروع کر دے۔ قاری نے ایسا ہی کیا۔ اللہ پاک کی قدرت کا کرشمہ کہ جب یہ قافلہ اس مقام پر پہنچا جہاں فُضیل اس قافلے کو لوٹنے کے لیے تیار بیٹھے تھے تو قاری خوش الحانی نے سورۃ الحدید کی تلاوت کر رہا تھا۔ فضیل اس طرف متوجہ ہوئے تو کان میں آواز پڑی:

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ۔ (سورۃ الحدید، آیت:16)

(کیا ایمان کے دعویٰ داروں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ پاک کی یاد اور اس کے نازل کردہ حق کی طرف جھک جائیں؟)

فُضیل کے دل و دماغ کو ان آیات سے ایک شدید جھٹکا لگا جیسے کوئی گہری نیند سے سویا ہوا شخص دھماکے سے بیدار ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہی فضیل کی کایا پلٹ گئی اور خدا ترسی کا جوہر دل میں چھپا ہوا تھا غالب آ گیا۔ ڈاکہ زنی اور لوٹ مار سے سچی توبہ کر لی۔ جن جن کے بارے میں معلوم تھا کہ انہیں لوٹا ہے، ان کا مال واپس کر دیا اور یہ کہ انہیں مزید خوش بھی کر دیا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر عرصہ دراز تک بیت اللہ کے خادم رہے۔ بہت سے بزرگان دین کی صحبت میں رہے جن میں حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی شامل ہیں۔ اس غیر معمولی واقعے کے بعد آپؒ صوفی ہو گئے اور اسلامی علوم کے حصول کے لیے عراق وغیرہ کا سفر کیا۔ آپؒ نے مکہ مکرمہ میں وصال فرمایا۔ جب آپؒ نے وصال فرمایا تو کہا گیا کہ جس دن آپؒ کا انتقال ہوا تو اس دن غم کو دنیا سے اٹھا لیا گیا۔ آپؒ لوگوں سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ آپؒ فرماتے تھے: جب رات آتی ہے تو میں خوش ہو جاتا ہوں کیونکہ میں اکیلا اللہ پاک کے پاس ہوتا ہوں۔ جب صبح ہوتی ہے تو میں پریشان ہو جاتا ہے کیونکہ لوگ آتے ہیں جو میری اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہائی میں رخنہ ڈالتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ آپؒ اللہ تعالیٰ کے خوف میں مسکراتے نہ تھے اور تیس سال میں صرف ایک بار اس دن مسکرائے، جس دن آپؒ کے بیٹے کا انتقال ہوا۔ آپؒ کے نزدیک اللہ پاک کی طرف سے تکلیف آنا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں: جب اللہ اپنے بندے سے پیار کرتا ہے تو اس پر تکالیف نازل کرتا ہے۔ جب اس سے بہت زیادہ پیار کرتا ہے تو اس کے پاس خاندان اور دولت نہیں رہنے دیتا۔ اس کو مکمل طور پر اپنے قابو میں لے لیتا ہے۔

اس طرح کی فکر صوفیا میں عام تھی۔ حضرت جلال الدین رومیؒ بھی اسی طرح فرماتے ہیں کہ میرے

بچوں کی وفات میرے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مٹھائی تھی مگر یہ رویہ کم صوفیا کا تھا۔ عظیم صوفیا نے شادیاں کیں اور خاندان بنائے، جیسا کہ حضرت احمد جامؒ کے بیالیس بچے تھے اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے انچاس (49) بیٹے تھے۔

(12) شقیق بلخیؒ

خراسانی صوفیوں میں حضرت شقیق بلخیؒ (متوفی 194 ہجری) کا بڑا مقام ہے۔ آپؒ بلخ (افغانستان) میں پیدا ہوئے۔ خراسانی سلسلے کے ابتدائی صوفیائے کرامؒ میں شمار ہونے والے یہ امام ابو یوسفؒ کے اصحاب اور حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے مرید تھے۔

آپؒ کی توبہ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک مرتبہ بلخ میں سخت قحط پڑا۔ یہاں تک کہ انسانوں نے انسانوں کو کھانا شروع کر دیا۔ سب لوگ سخت غم زدہ اور پریشان تھے لیکن ایک غلام بازار میں بہت خوش اور ہنستا پھر رہا تھا۔ لوگوں نے اسے ملامت کرتے ہوئے کہا: تمہیں شرم نہیں آتی کہ ہر طرف لوگ فاقوں سے مر رہے ہیں اور سخت پریشان ہیں اور تو خوشی مناتا اور ہنستا پھر رہا ہے؟ غلام نے جواب دیا: مجھے کوئی غم نہیں۔ میرا مالک ایک پورے گاؤں کا اکیلا مالک ہے۔ اس چیز نے میرے دل کو ہر قسم کی پریشانی سے آزاد کر دیا ہے اور میرے غم کو مٹا دیا ہے۔

غلام کے اس جواب کو سن کر حضرت شقیق بلخیؒ کی آنکھیں کھل گئیں اور تمام حجابات دور ہو گئے۔ آپؒ سخت شرمندگی کے احساس سے اللہ پاک کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا: اے میرے پروردگار! یہ غلام اس شخص کا ہے جس کی ملکیت میں صرف ایک گاؤں ہے اور یہ اتنی خوشی منا رہا ہے اور ہم تجھ مالک الملک کو اپنا پروردگار کہتے ہیں اور اپنی روزی کے لیے اتنے فکرمند ہیں جس کا کوئی شمار نہیں۔

یہ خیال آتے ہی آپؒ نے دنیا کے مشاغل سے منہ موڑ لیا اور حق کے راستے کو طے کرنا شروع کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے بعد آپؒ کبھی روزی کے لیے پریشان نہیں ہوئے۔ فرماتے تھے کہ میں تو اس غلام کا شاگرد ہوں۔ میں نے جو کچھ پایا، اسی سے پایا ہے۔

آپؒ نے توکل پر بہت زور دیا۔ آپؒ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے روحانی احوال پر گفتگو فرمائی اور اللہ پاک کی خالص محبت کے نور پر کلام کیا۔ آپؒ کا ارشاد ہے: اللہ پاک نے اہلِ طریقت کی موت کو بھی

زندگی بنادیا ہے اور اپنے نافرمانوں کو ان کی زندگی میں بھی مردے شمار فرمایا ہے۔

(13) معروف کرخیؒ

تیسری صدی میں ذرا مختلف طرز کا تصوف جنم لینے لگا جس کی ابتدا حضرت معروف کرخیؒ (متوفی 200 ہجری) سے ہوئی۔ آپؒ ایرانی النسل تھے اور حضرت امام علی بن موسیٰ رضاؒ کے غلام تھے اور ان کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے۔ آپؒ حضرت داؤد طائیؒ کے مرید ہوئے جو حضرت حسن بصریؒ کے مرید تھے۔ حضرت معروف کرخیؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپؒ کا دل اللہ پاک کی محبت سے بھرا ہوا تھا۔ آپؒ کے شاگرد حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت معروف کرخیؒ اللہ پاک کے تخت کے نیچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہہ رہا ہے، یہ کون ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا: اے ہمارے پروردگار! تو بہتر جانتا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا: یہ معروف کرخیؒ ہے جو میری محبت میں مدہوش تھا اور اسے مجھے آمنے سامنے ملے بغیر ہوش نہیں آ سکتا تھا۔

حضرت معروف کرخیؒ کے اقوال میں ہم وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو آج تک تصوف میں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر

(i) محبت انسانوں سے نہیں سیکھی جاتی بلکہ اللہ کے انعامات میں سے ہے اور اس کی مہربانی سے آتی ہے۔

(ii) اللہ تعالیٰ کے اولیا کی تین نشانیاں ہوتی ہیں: (ا) وہ اللہ پاک کا سوچتے ہیں، (ب) وہ اللہ تعالیٰ کے پاس رہتے ہیں، (ج) ان کا کاروبار اللہ پاک کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت معروف کرخیؒ کی دعائیں بہت قبول ہوتی تھیں۔ آپؒ کی وفات کے بعد لوگ آپؒ کے مزار (بغداد) پر آ کر بارش کے لیے دعا کرتے تھے۔ آپؒ نے اللہ پاک کی محبت پر بہت زور دیا۔ آپؒ نے خاص طور پر رضا پر بہت زور دیا۔ آپؒ نے آنے والے صوفیا پر بہت اثر ڈالا۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کارآفریں، کارکُشا، کارساز

11۔ صوفی فکر کا سنہری دور

تیسری صدی ہجری میں بہت سے ایسے عظیم صوفیا گزرے ہیں جن کی فکر نے ابتدائی اور کلاسیکی تصوف کی بنیاد ڈالی بلکہ اس کی عمومی تشکیل کی بھی بہت حد تک تکمیل کر دی۔ یہ تصوف کا سنہری دور ہے۔ اس عہد میں تصوف کی دو اہم ترین روایات (خراسانی اور بغدادی) کے خدوخال مکمل طور پر واضح ہوئے۔ اس عہد کے عالی شان اصحاب اور ان کی تعلیمات کا مختصر تعارف کروایا جاتا ہے تاکہ سمجھا جا سکے کہ تصوف کی فکر اپنے منظر سے نکل کر اور ابتدائی دور سے مل کر سنہرے دور میں کیسے پھلی اور پھولی۔

(1) بشر حافیؒ

حضرت بشر حافیؒ (متوفی 227 ہجری) مرو (ترکمانستان) کے رہنے والے تھے اور حضرت فضیل بن عیاضؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ تصوف کی راہ میں آپؒ کی ایک حکایت مشہور ہے: ایک دفعہ آپؒ نشے کی حالت میں کہیں جا رہے تھے۔ آپؒ کو کاغذ کے ایک ٹکڑے پر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھی ملی۔ آپؒ نے اسے اٹھا کر صاف کیا اور عطر لگا کر اونچی جگہ رکھ دیا۔ اس رات ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ اللہ اسے حکم دے رہا ہے کہ جا کر بشر سے کہو: جس طرح تم نے ہمارے نام کی عزت کی، اس طرح ہم تمہارا نام بلند کریں گے۔ یہ سن کر بزرگ بہت حیران ہوئے۔ خیال کیا کہ یقیناً میرا خواب غلط ہے۔ یہ سوچ کر دوبارہ سو گئے۔ یہاں تک کہ تین بار وہی خواب دیکھا۔ تو صبح کی نماز کے بعد حضرت بشر حافیؒ کے گھر تشریف لے گئے، معلوم ہوا کہ شراب خانے میں گئے ہیں۔ بزرگ وہاں چلے گئے۔ پتا چلا بشر نشے میں دھت ہے۔ بزرگ نے کہا کہ اسے بتاؤ کہ میں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا پیغام لایا ہوں۔ بشر حافیؒ نے ننگے پاؤں باہر آ کر پیغام سنا اور پیغام سننے کے بعد رو پڑے اور توبہ کی۔

اس کے بعد آپؒ نے زندگی بھر جوتا نہیں پہنا۔ فرماتے تھے کہ توبہ کے وقت ننگے پاؤں تھا۔ اب جوتی پہنتے شرم آتی ہے۔ ننگے پاؤں والے کو عربی میں حافی کہتے ہیں۔ اس لیے بشر حافیؒ کہلائے۔ آپؒ

بغداد شریف میں آباد ہو گئے اور وہاں زہدانہ زندگی گزاری۔ حضرت بشرؒ نے ہر فکر اور عمل میں اخلاص پر بہت زور دیا۔

حضرت بشر بن حارث حافیؒ کا قول ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ دنیا میں عزت اور غلبہ سے رہے اور آخرت میں بھی اسے شرف حاصل ہو، اسے تین باتوں سے بچتے رہنا چاہیے: ایک یہ کہ اپنی کسی ضرورت کے لیے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔ دوسرے یہ کہ کسی کا برائی کے ساتھ ذکر نہ کرے اور تیسرے یہ کہ کسی کی کھانے کی دعوت قبول نہ کرے[1]۔

(2) حارث محاسبیؒ

حضرت حارث محاسبیؒ (متوفی 243 ہجری) آپؒ بصرہ میں پیدا ہوئے اور حضرت حسن بصریؒ کی تعلیمات سے بہت متاثر تھے۔ آپؒ کا نام محاسبہ سے لیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ اپنے نفس کے خفیہ ترین جذبات وخیالات کا بھی محاسبہ کرنا تا کہ انسان اپنے نفس اور باطن پر ہر لحاظ سے بھرپور نظر رکھے اور ہر سوچ کا نفسیاتی تجزیہ کرے اور ہر لمحے اپنی پاکیزہ روحانی زندگی کا خیال رکھے۔ آپؒ کا بھی ابتدائی صوفی تصورات کی تشکیل میں بہت اہم حصہ ہے۔ آپؒ نے اخلاص کے تصور کو آگے بڑھایا۔ آپؒ نے صوفیانہ نفسیات پر لکھا۔ آپؒ کی تحریروں میں تصوف کے موضوعات کو علمی وفنی طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کے سامنے کوئی مشکوک کھانا آتا تو آپ کے ہاتھ کی انگلی حرکت کرنے لگتی۔

آپؒ فرماتے ہیں: اللہ پاک چاہتا ہے کہ سالک اپنے نفس پر بہت کنٹرول کرے تا کہ اس کے نفس کی تربیت ہو۔ لوگ اس شخص کے اعلیٰ روحانی مرتبے سے ناواقف ہوتے ہیں، جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچتا رہتا ہے، جو اس دنیا کے بارے میں کم سوچتا ہے، جو عاجز ہے۔ خوف خدا رکھتا ہے، اللہ پاک کے خوف سے روتا رہتا ہے، دنیا کی اشیا سے دور رہتا ہے، ظلم سہتا ہے مگر بدلہ نہیں لیتا، اس کو اپنے لباس کی بھی فکر نہیں ہوتی۔ اگر اہل دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اس کا دل اللہ پاک کی محبت سے کیسے بھرا ہوا

[1]۔ دعوت کا قبول کرنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس لیے حضرت بشر حافیؒ کے قول سے مراد عام مسلمان نہیں بلکہ اہل زہد و تقویٰ ہیں اور صرف احتیاط مراد ہے۔

ہے تو وہ اس سالک کی طرح بننا چاہیں۔

آپؒ نے محاسبات نفس پر بہت زور دیا۔ آپؒ نے انسانی نفس سے ابھرنے والے بہت سے غیر اخلاقی احوال و معاملات کی نفسیاتی تحلیل کی۔ آپؒ کے خیال میں ریا، کبر، عجب (فخر) اور غرہ (دھوکہ) جیسی اخلاقی خرابیاں حقوق اللہ کی ادائی میں رکاوٹ بنتی ہیں اور ان کی موجودگی میں انسان کا قلب روحانی مقامات طے نہیں کر سکتا۔ ان روحانی، نفسیاتی اور اخلاقی کمزوریوں کا علاج اس طرح ممکن ہے کہ انسان اپنی ذات کا محاسبہ کرے اور یہ محاسبہ اس عقل سے کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عطا کی ہے جو اللہ پاک کی پسند اور ناپسند کو پہچان سکتی ہے۔

حضرت حارث محاسبیؒ نے اللہ پاک سے تعلق، اپنے نفس کی اصلاح اور اعلیٰ اخلاقی پہلو پر بہت زور دیا۔ آپؒ پر حضرت امام جعفر صادقؒ (148 ہجری) کی فکر کہ قران مجید کے باطنی معانی پر زور دیا جائے، کا بھی گہرا اثر ہوا جس کو بعد میں حضرت ذوالنون مصریؒ نے مزید آگے بڑھایا۔

(3) ذوالنون مصریؒ

حضرت ذوالنون مصریؒ (متوفی 245 ہجری) جنوبی مصر میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے حضرت مالک بن انسؒ (فقہ مالکی کے بانی امام) سے حدیث کی تعلیم پائی۔ آپؒ اپنے زمانہ میں حدیث، زہد اور روحانی علوم کے عظیم عالم شمار ہوتے تھے۔ جب معتزلیوں کے زیرِ اثر علما پر ظلم کیے گئے، اس دور میں آپؒ بھی گرفتار ہوئے لیکن خلیفہ متوکل باللہ نے آپ کا خطبہ سنا تھا جس سے وہ بہت متاثر تھا۔ اس کے حکم سے آپؒ کو آزاد کر دیا گیا۔ آپؒ کو ظاہری علما کی طرف سے بھی فلسفی، کیمیا گر اور شعبدہ باز تک کہا گیا کیونکہ آپؒ سے بہت سی کرامات منسوب ہیں۔

بعض اوقات آپؒ ملامتیوں جیسے کام بھی کرتے تھے۔ بعض کے ہاں آپؒ اللہ پاک کے دوست تھے۔ آپؒ فرماتے ہیں: اے میرے پروردگار! میں عوام میں تجھے اپنا آقا کہتا ہوں مگر تنہائی میں تجھے اپنا محبوب کہتا ہوں۔ آپؒ نے تصوف کی تعریف میں پہلی بار علم کے مقابلے میں معرفت (اللہ پاک کو وجدانی طور پر ماننا) کا نقطہ نظر پیش کیا۔

بعض مغربی دانش وروں کی رائے میں آپؒ نو افلاطونی فلسفہ سے بھی متاثر تھے چونکہ آپؒ مصر میں رہتے تھے جہاں نو افلاطونی فلسفہ پیدا ہوا تھا اور مروج بھی تھا۔ عیسائی رہبانیت بھی عام تھی۔ آپؒ فرماتے ہیں: عارف ہر لحظہ عاجز ہوتا جاتا ہے کیونکہ وہ ہر لمحہ اللہ پاک کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ عارف علم، آنکھ، معلومات، مشاہدہ، بیان اور پردہ کے بغیر دیکھتا ہے۔ عارف الگ نہیں رہتا، وہ اللہ پاک ہی میں رہتا ہے۔ اس کی حرکات اللہ پاک کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہوتے ہیں جو وہ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے جو اس کی آنکھ میں ہوتا ہے۔ آپؒ کا عرفان فلسفیانہ تھا لیکن آپؒ شریعت کے بھی پابند تھے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ پاک کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کی جائے۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آپؒ نے اسم اعظم کا نظریہ پیش کیا۔ غالباً یہ غلط ہے۔ ایک شخص نے حضرت ذوالنون مصریؒ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا نام (اسم اعظم) کیا ہے؟ آپؒ اس سے ناراض ہوئے اور فرمایا آپ بتائیں کہ اللہ پاک کا سب سے چھوٹا نام کیا ہے؟

آپؒ اللہ پاک کے دو ناموں حیی (زندہ کرنے والا) اور ممیت (موت دینے والا) سے بہت متاثر تھے اور ان دو ناموں میں آپؒ نے فنا اور بقا کے نقطہ نظر کو بیان کیا۔ آپؒ اللہ تعالیٰ کی صفتِ جمال اور جلال پر بہت زور دیتے تھے۔ خدا کے تصورِ جلال ہی کی وجہ سے آپؒ فرماتے تھے کہ تکلیف انسانی روحانی ترقی کے لیے لازمی ہے۔ تکلیف مسلمان کے لیے نمک کا درجہ رکھتی ہے، جب نمک ختم ہو جائے تو چیزیں سڑ جاتی ہیں۔

آپؒ نے اللہ پاک کی شان میں مختصر اور خوبصورت نظمیں لکھیں۔ آپؒ نے روحانی کہانیوں کے حوالے سے بھی کام کیا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں حق کی تلاش میں صحرا میں چلتا رہا۔ دریائے نیل کے کنارے چلتا رہا۔ اس سفر میں مجھے سمندر کے کنارے ایک خاتون ملی، جس نے مجھے راز سکھا دیے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اللہ پاک سے محبت کی انتہا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: اے سادہ لوح انسان! اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کیوں؟ اس خاتون نے جواب دیا: کیونکہ محبوب (اللہ تعالیٰ) کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

آپؒ کے نزدیک دنیا اور اس کے اندر ہر مخلوق با معنی ہے۔ یہ خدا کی تخلیق ہے اور خدا ہی پر اس کا انحصار ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں: اے میرے پروردگار! میں کچھ جانوروں کی آوازوں، درختوں کی سائیں سائیں، پانی کے شور، پرندوں کے گانوں، ہواؤں کی سرسراہٹ اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے پریشان نہیں ہوتا، کیونکہ مجھے ان میں تیری ذات کا ثبوت ملتا ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تیری ذات کا کوئی ثانی نہیں ہے، تو ہر جگہ موجود ہے، ہر شے میں ہے، تو جاننے والا ہے اور تو ہی حق ہے۔ آپؒ کی اس طرح کی دعائیہ شاعری نے آئندہ آنے والے صوفیا کی شاعری پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔

آپؒ اللہ پاک کے بندوں پر بہت ہی شفیق و رحیم واقع ہوئے تھے۔ ایک دن اپنے مریدوں کے ساتھ کشتی میں سوار دریائے نیل میں جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک دوسری کشتی آئی جس میں لوگ خوب گا بجا رہے تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ انہوں نے کشتی میں طرح طرح کی شرارتوں سے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ مریدوں نے آپؒ سے عرض کیا: اے شیخ! ان لوگوں کے لیے بددعا کیجیے کہ اللہ ان سب کو غرق کر دے اور ان کی نحوست سے اپنی مخلوق کو پاک فرمائے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے میرے پروردگار! ان لوگوں کو جیسے تو نے اس دنیا میں خوشی عطا فرمائی ہے، ایسے ہی آخرت میں بھی خوش رکھنا۔ مرید یہ دعا سن کر حیران ہوئے۔ اتنے میں وہ کشتی آپؒ کے بالکل سامنے آ گئی۔ ان لوگوں نے آپؒ کو دیکھتے ہی سخت ندامت و پشیمانی کا اظہار کیا اور اپنے موسیقی کے آلات توڑ کر دریا میں پھینک دیے۔ توبہ کر کے آپؒ کے ارادت مندوں میں شامل ہو گئے۔ آپؒ نے فرمایا: تم نے دیکھ لیا، سب کی مراد پوری ہو گئی۔ تمہاری مراد بھی حاصل ہو گئی اور وہ بھی اپنی مراد کو پہنچ گئے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس سے مصر واپس آ رہا تھا کہ دور سے مجھے ایک شخص آتا ہوا نظر آیا۔ میں نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ میں اس ضرور کوئی سوال کروں گا۔ جب ہم ایک دوسرے کے قریب پہنچے تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک بوڑھی عورت تھی جو اون کا جبہ پہنے ہوئے تھی اور ہاتھ میں ایک کوزہ اور عصا تھا۔ میں نے اس سے سوال کیا: تو کہاں سے آئی ہے؟ اس نے جواب دیا: اللہ پاک کی طرف سے۔ میں نے پھر پوچھا: کہاں جاؤ گی؟ اس نے جواب دیا: اللہ پاک کی طرف۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پاس ایک دینار ضرورت کے لیے رکھا ہوا تھا، میں نے وہ نکال کر اس کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس نے ایک تھپڑ مجھے مارا اور کہا: اے ذوالنونؒ! اللہ پاک کی جو صورت تو نے اپنے دل میں بنا رکھی ہے وہ تمہاری کم عقلی پر دلالت کرتی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کام کرتی ہوں اور اس کے سوا کسی سے کوئی چیز طلب نہیں کرتی۔ جس طرح سے اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہیں کرتی، اسی طرح سے اس کے سوا اور کسی سے کچھ نہیں لیتی۔ اتنی بات کہہ کر وہ بڑھیا چلی گئی۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: عارف روز بروز اللہ پاک کے سامنے زیادہ سے زیادہ جھکتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ہر گھڑی اللہ پاک سے قریب سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ معرفت سے اس کے اندر عجز و انکسار پیدا ہو کر قربِ الٰہی اور قربِ الٰہی سے معرفت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی عجز و انکسار اور خوف خدا کے بغیر معرفت کا دعویٰ کرے تو وہ جاہل اور جھوٹا ہے۔

(4) سری سقطیؒ

حضرت سری سقطیؒ (متوفی 257 ہجری) آپؒ بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے سلوک کی منازل شیخ معروف کرخیؒ کے زیر سایہ طے کیں۔ عراق کے صوفیا کی اکثریت آپؒ سے نسبت رکھتی ہے۔ آپؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے ماموں اور مرشد تھے۔ آپؒ بغداد کے پہلے صوفی تھے جنہوں نے تصوف کو توحید کی زبان میں بیان فرمایا۔ اس تصور کو آپؒ کے خلیفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے مزید واضح کیا۔

آپؒ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے سالک کی راہ کی طرف چلتے ہوئے وارد ہونے والی عارضی نفسیاتی اور روحانی کیفیات (احوال) کو بیان کیا اور یہ موضوع بعد کے صوفیا کے لیے بہت اہمیت اختیار کر گیا۔ زہد کی وجہ سے آپؒ کو خوف رہتا تھا کہ کہیں اللہ پاک کی نافرمانی کی وجہ سے آپؒ کی ناک سیاہ نہ ہو جائے۔ آپؒ نے اپنی دعوت میں اللہ پاک سے محبت کو بہت اہمیت دی۔ آپؒ کے نزدیک اللہ پاک اور انسان کے درمیان محبت باہمی ہے۔ اس بات سے سخت گیر علما ناراض ہوئے کیونکہ ان کے نزدیک انسان (عبد) کی محبت اللہ پاک کی اطاعت کرنا ہے۔

آپؒ شروع شروع میں بغداد کے بازار میں کباڑی کی دکان کرتے تھے۔ ایک روز حضرت

حبیب راعیؒ کا آپ کی دکان کے سامنے سے گزر ہوا۔ انہوں نے کچھ روٹیوں کے ٹکڑے انہیں درویشوں کے لیے دیے، جس کے جواب میں حضرت حبیب راعیؒ نے فرمایا: اللہ پاک تمہیں خیر عطا فرمائے۔ اس کے بعد سے آپؒ کا دل دنیا اور اس کے مال کی طرف سے اچاٹ ہونا شروع ہو گیا۔ پھر جب بغداد کا بازار جلا تو لوگوں نے آپؒ سے کہا کہ آپؒ کی دکان بھی جل گئی ہے۔ آپؒ نے جواب دیا: چلو اس کی قید سے بھی آزاد ہوا۔ لوگوں کی اطلاع اس بنا پر تھی کہ آس پاس کی سب دکانیں جل گئی تھیں۔ آگ بجھنے کے بعد جب موقع پر گئے تو دیکھا کہ چاروں طرف سب دکانیں جل گئی تھیں لیکن آپؒ کی دکان بالکل محفوظ تھی۔ آپؒ نے جب یہ حال دیکھا تو دکان کا سارا مال اللہ پاک کی راہ میں صدقہ کر دیا۔ تصوف کا راستہ اختیار فرما کر خود کو اللہ پاک کے کام کے لیے وقف کر دیا۔

آپؒ کے اللہ پاک سے تعلق کا یہ عالم تھا کہ آپؒ کی دعا یہ ہوتی تھی: اے میرے پروردگار! اگر کبھی تو مجھے عذاب دینے کا فیصلہ فرمائے تو مجھے اپنے حضور سے دوری کی ذلت کا عذاب نہ دیجیو۔

(5) یحییٰ بن معاذؒ

حضرت یحییٰ بن معاذؒ (متوفی 258 ہجری) رے (ایران) کے رہنے والے تھے۔ آپ کا انتقال نیشاپور میں ہوا۔ آپؒ نے کئی کتابیں لکھیں جو ضائع ہو گئیں۔ آپؒ ہمیشہ امید کی بات کرتے تھے۔ آپؒ کے اقوال دل و دماغ کو خوش کرتے ہیں۔ عبادت کو بڑھاتے ہیں۔ آپؒ کی تعلیمات خراسانی اور بغدادی صوفیوں سے مختلف تھیں۔ آپؒ نے ابتدائی تصوف کی ایک نئی روایت بنائی۔ آپؒ الواعظ کہلاتے کیونکہ آپؒ پبلک میں درس و تدریس کرتے تھے جو عام طور پر صوفیا کو پسند نہیں تھی۔ آپؒ نے خدا سے محبت کی بات کی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ محبوب سے اصل محبت نہ تو اس کے ظلم سے کم ہوتی ہے اور نہ اس کے کرم سے بڑھتی ہے بلکہ ایک جیسی رہتی ہے۔ آپؒ کا قول ہے کہ رائی کے دانے کے برابر محبت، ستر سال کی ایسی عبادت سے بہتر ہے جس میں محبت نہ ہو۔ آپؒ کے نزدیک مذہب سے مراد اللہ پاک سے اچھی امید ہے۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ جو ہمارے دلوں کی چھپی ہوئی دعاؤں کو بھی سنتا ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی دعوت میں کھانا کھانے آتا ہے، جب کہ دوسرا اپنے دوست سے ملنے آتا ہے۔ اسی طرح ایک سالک ایسا ہے جو خوشی و سکون کی خاطر جنت مانگتا ہے اور دوسرا اپنے معبود

حقیقی کے دیدار کے لیے کوشش کرتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ موت خوبصورت ہے۔ اس کے ذریعے ہی اپنے محبوب سے ملا جاتا ہے۔ آپؒ کی مناجات مشہور ہیں۔

ایک مناجات میں آپؒ فرماتے ہیں: اے میرے پروردگار! تو نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا اور یہ حکم دیا کہ اس سے نرمی سے بات کرنا۔ اے خدا! یہ تیری مہربانی اس شخص کے لیے ہے جو تیرے مقابلے میں خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ تیری مہربانی اس شخص کے لیے کیسی ہوگی جو اپنے دل کی گہرائیوں سے تیرا بندہ ہے۔ اے خداوند! میں تجھ سے ڈرتا ہوں کیونکہ میں تیرا بندہ ہوں۔ میں تجھ سے امید رکھتا ہوں کیونکہ تو میرا آقا ہے۔ اے خداوند! میں تجھ سے کیوں نہ امید رکھوں کیونکہ تو رحم کرنے والا ہے۔ میں تجھ سے کیوں نہ ڈروں تو بہت زیادہ طاقت والا ہے۔ اے خداوند! میں تجھ سے کیسے بات کرسکتا ہوں کہ میں باغی بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیوں بات نہ کروں کیونکہ تو رحم کرنے والا رب ہے۔ اے خداوند! میں گناہوں سے مکمل طور پر بچ نہیں سکتا مگر تو ان کوتاہیوں کو معاف کرسکتا ہے۔ اے خداوند! میں نے جنت کے حصول کے لیے کچھ نہیں کیا اور مجھ میں دوزخ برداشت کرنے کی طاقت بھی نہیں ہے۔ میرا سب کچھ تیری رحمت پر منحصر ہے۔ اے خداوند! مجھے معاف فرمادے کیونکہ میں تیرا ہوں۔

(6) بایزید بسطامیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ (متوفی 261 ہجری) تصوف میں ایک علامت کے طور پر زندہ ہیں۔ آپؒ ایران کے شہر بسطام کے رہنے والے تھے۔ آپؒ کے دادا آتش پرست تھے۔ آپؒ نے روایتی دینی تعلیم حاصل کی اور بہت ہی زرخیز اور تخیلاتی اور فکری ذہن کے مالک تھے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ صوفیا میں حضرت بایزید بسطامیؒ کا وہی مقام ہے جو فرشتوں میں حضرت جبریل علیہ السلام کا ہے۔

آپؒ سے زیادہ شاید ہی کسی صوفی نے مشرقی تصوف پر اثر ڈالا ہو۔ آپؒ نے فنا کے تصور کو کمال تک پہنچایا۔ آپؒ کی تعلیمات میں خدا کی محبت کی تپش محسوس ہوتی ہے مگر اس میں کچھ مایوسی پائی جاتی ہے۔ آپؒ کے کلام میں عجیب جمال اور نقش بندی ہے۔ آپؒ سے زہد کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپؒ نے فرمایا: زہد کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں تین دن زہد کی حالت میں رہا اور چوتھے دن میں نے اس کو ختم کر دیا۔ پہلے دن میں نے یہ دنیا ترک کردی۔ دوسرے دن میں نے اگلی دنیا چھوڑ دی۔ تیسرے دن میں نے

اللہ پاک کے علاوہ سب کو ترک کر دیا۔ چوتھے دن میرے پاس اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی شدید طلب ہوئی۔ مجھے ایک آواز سنائی دی: اے بایزید! آپ اتنے مضبوط نہیں کہ صرف میرے ساتھ رہ سکیں۔ میں نے کہا کہ میں یہی چاہتا ہوں۔ آواز آئی: آپ نے پالیا، آپ نے پالیا۔

آپؒ سے بہت سے غیر معمولی اقوال اور شطحیات منسوب ہیں، اگرچہ اکثر علما کا خیال ہے کہ ان سے غلط باتیں منسوب کر دی گئی ہیں۔ آپؒ خراسانی صوفی روایت کے امام ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ (i) عام آدمی کے احوال بدلتے رہتے ہیں مگر عارف کے احوال نہیں ہوتے کیونکہ اس کی ذات کسی اور ذات میں ختم ہو چکی ہوتی ہے، (ii) میں نے خدا سے خدا تک کا سفر کیا تاوقتیکہ میں خدا میں فنا ہو گیا، (iii) میں خدا میں فنا ہو چکا ہوں اور خدا ہی میرا آئینہ ہے، (iv) جب انسان اپنی ذات اور مخلوق کو چھوڑ کر اللہ پاک کے علم میں فنا ہو کر بقا ہو جاتا ہے، تب وہ عرفان حاصل کر لیتا ہے، (v) یہ دنیا کچھ نہیں، اس کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔

ایک بار حضرت بایزیدؒ نے اذان دی اور بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو فرمایا: یہ حیران کن بات ہے کہ انسان اذان دے یا سنے اور مر نہ جائے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ انسان خدا تک کب پہنچتا ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ کم علم شخص! کیا وہ خدا تک پہنچ بھی سکتا ہے؟ آپؒ کے ایک صوفی دوست نے ایک بار آپؒ کو جائے نماز (مصلیٰ) بھیجا۔ آپؒ نے فرمایا: میں نے آسمانوں اور سات زمینوں کے رہنے والوں کی عبادات کو ایک تکیے میں ڈال دیا ہے۔ اس تکیے کو میں نے اپنے رخسار کے نیچے رکھ دیا ہے۔

ایک بار ایک شخص نے دروازے پر آ کر کہا: بایزیدؒ سے ملنا ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ میں بھی بایزید کی تلاش میں ہوں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بارہ سال اپنے بدن پر اس طرح محنت کی جیسا کہ لوہار لوہے پر کرتا ہے، تب کہیں جا کر میں آئینہ بنا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک سے ملنے کی خواہش ایک محل ہے جس میں جدائی کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔

حضرت بایزیدؒ نہایت ہی اعلیٰ روحانی کیفیات کے مالک تھے۔ خدا کے علاوہ کسی چیز کی طرف مائل نہ تھے۔ آپؒ تصور میں اللہ تعالیٰ سے بات کرتے تھے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار اللہ پاک نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر لیا اور فرمایا: میری مخلوق تجھ سے محبت کرتی ہیں اور تجھے دیکھنا چاہتی ہے۔ میں نے عرض کیا: تو مجھے قرب کا حسن دے، مجھے اپنے قرب کا لباس پہنا اور مجھے اتنا قریب کر کہ میں تیری وحدت

کے پاس ہو جاؤں۔ جب تیری مخلوق مجھے دیکھے تو میں ان کو نظر نہ آؤں اور تو ہی نظر آئے۔

حضرت بایزیدؒ کا خیال تھا کہ ان کو قرب کا مقام عطا کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ان کے بہت سے اقوال سے محسوس ہوتا ہے کہ ان کی ذاتی شخصیت محو ہو چکی تھی اور ان پر اللہ پاک کی ذات چھا چکی تھی۔ آپؒ نے اپنی روحانی کیفیات میں معراج کیا اور اللہ پاک کے اس سے زیادہ قریب گئے جتنا روح جسم سے ہوتی ہے۔ آپؒ اللہ تعالیٰ سے ذاتی اور نہ ختم ہونے والی مخمور محبت بن گئے۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے آپؒ کو لکھا: میں اللہ پاک کی محبت کے پیالہ سے پی کر مخمور ہوں۔ آپؒ نے جواب میں لکھا: آپؒ مخمور ہو گئے حالانکہ جو کچھ آپؒ نے پیا، وہ صرف چند قطرے تھے، جب کہ کسی نے زمین و آسمان کے سمندر پی لیے ہیں اور اس کی پیاس نہیں بجھی، اس کی زبان پیاس سے تلملا رہی ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ کیا کچھ اور ہے۔

(7) سہل تستریؒ

حضرت سہل تستریؒ (متوفی 283 ہجری) ایک گوشہ نشین صوفی تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے بقول آپؒ صوفیا کے لیے سراپا محبت تھے۔ آپؒ نے کچھ عرصہ آبادان (ایران) میں گزارا اور پھر بصرہ (عراق) میں آ کر آباد ہو گئے۔ آپؒ نے مقام توبہ پر بہت زور دیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ مومن کو ہر وقت توبہ میں رہنا چاہیے۔ آپؒ توکل پر بہت زور دیتے تھے مگر روزی کمانے کے لیے خود کام بھی کرتے تھے۔ آپؒ کے نزدیک روزی کے لیے کام کرنا اللہ پاک کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے۔

اس زمانے میں قرآن پاک اور سنت حق کے معیار تھے۔ اس سلسلے میں آپؒ کا قول مشہور ہے کہ ہمارے چھ اصول ہیں: (i) اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب سے چمٹے رہنا، (ii) اللہ پاک کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا، (iii) صرف حلال کھانا، (iv) لوگوں کو تکلیف دینے سے بچنا، چاہے وہ ہمیں تکلیف دیں، (v) حرام چیزوں سے بچنا اور (vi) اپنے فرائض پورے کرنا۔

آپؒ اپنے عہد کے سیاسی اور الٰہیاتی اختلافات سے دور رہے اور اپنے باطنی دنیا میں مگن رہتے تھے۔ آپؒ نے قرآن مجید پر ایک تفسیر لکھی جس میں آپؒ نے ہر آیت کے کئی مفاہیم بیان کیے۔ آپؒ کے

مطابق ان لوگوں کی روحوں سے جنہوں نے ولی بننا ہوتا ہے، ایک روشنی کا مینار پیدا ہوتا ہے۔صرف اور صرف اولیا ہی سِرّ ربوبیہ (اللہ پاک کے رب ہونے کے راز) پا سکتے ہیں۔اس فکر نے حضرت منصور حلاجؒ پر بہت اثر ڈالا۔آپؒ کے شاگردوں میں حضرت ابن سلیمؒ (909 ہجری) نے آپؒ کی تعلیمات کو آگے بڑھایا اور ان کے نام سے یہ سلسلہ سلیمیہ کہلایا۔تصوف کی مشہور زمانہ کتاب قوت القلوب کے مصنف حضرت ابوطالب مکیؒ اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

(8) ابوسعید ابوبکر خرازؒ

حضرت ابوسعید ابوبکر خرازؒ (متوفی 286 ہجری) بغداد میں جوتے بنانے کا کام کرتے تھے، اس لیے خراز کہلائے۔آپؒ نے حضرت بشر حافیؒ اور حضرت سری سقطیؒ سے فیض حاصل کیا اور حضرت ذوالنون مصریؒ کا زمانہ بھی پایا اور مصر ہی میں آباد ہو گئے۔آپؒ کی تعلیمات نے حضرت جنید بغدادیؒ کو بہت متاثر کیا۔

آپؒ کا کلام اور رمزیں بلند اور تصانیف روشن اور چمکنے والی ہیں۔آپؒ نے فنا اور بقا کی اصطلاحات میں کلام کیا ہے۔جن کا تصوف پر آج تک گہرا اثر ہے بلکہ غالب فکر ہے۔آپؒ کے بقول سالک کو اپنی خواہشات اور خیالات کو فنا کرنا اور پھر اللہ پاک کی صفات کو اپنے اندر جذب کرنا ہے جس سے سالک کو بقا نصیب ہو جائے گی۔

آپؒ نے روحانی نفسیات پر بہت کام کیا۔آپؒ فرماتے ہیں کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ وہ میں کہے۔انسانوں میں سے جو بھی میں کہے گا اسے عرفان حاصل نہیں ہو سکے گا۔شیطان کو اس لیے سزا دی گئی کہ اس نے کہا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں۔میں اصل میں الحق (اللہ پاک) کے لیے مخصوص ہے۔حضرت ابوبکر خرازؒ اسی زمانے میں تصور ولایت پر لکھ رہے تھے جس زمانے میں حضرت سہل تستریؒ اس تصور پر بات کر رہے تھے اور حکیم ترمذیؒ اپنی کتاب خاتم الاولیا لکھ رہے تھے۔یہی وہ زمانہ ہے جس میں تصور ولایت کو ایک علمی شکل دی جا رہی تھی۔

آپؒ نے عالم اسلام میں بہت زیادہ سفر کیے اور ہمیشہ مقامی علما نے آپؒ کے خیالات سے

اختلاف کیا۔ حضرت خزازؒ کی کچھ کتب/ رسائل ا موجود ہیں، جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے: (i) سالک کو اللہ پاک کے راستے پر چلنے کے لیے کئی مقامات طے کرنے پڑتے ہیں جن میں توبہ، اخلاص، صبر، علم (احکام کا علم)، زہد، رضا اور ذکر شامل ہیں، (ii) سالک کو ہر لمحے اللہ پاک کا ذکر کرنا ہے جس کی وجہ سے اس کی حقیقت کا فہم بہتر ہوگا۔ اس کے خیالات واضح ہو جائیں گے۔ اللہ پاک کے نور کی روشنی اس کے دل میں جاگزیں ہوگی۔ اسے اللہ قریب کھینچے گا۔ جب سالک اللہ پاک کی حقیقت (عین الیقین) کی روح کو پالیتا ہے تو اس پر حیرت طاری ہوجاتی ہے۔

آپؒ نے لوگوں کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے: (i) وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا کو اگلی دنیا پر ترجیح دی، یہ خسارے والے ہیں، (ii) وہ لوگ جو اللہ پاک کے احکام کو دیکھتے ہیں مگر ان کی نظر ان کے اجر پر ہوتی ہے۔ وہ اللہ پاک سے حجاب میں ہوتے ہیں اور اس سے محبت نہیں کر سکتے، (iii) وہ لوگ جو اخلاص کے ساتھ اللہ پاک کی طرف رخ کر لیتے ہیں۔ اللہ پاک اس کے بدلے ان کو یقین کی دولت سے نوازتا ہے۔ وہ مقامات کے چکر میں رہتے ہیں۔ وہ بھی الحق سے حجاب میں رہتے ہیں، (iv) یہ لوگ خدا کے مقرب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو پردوں کے پیچھے سے اپنا دیدار کراتا رہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وجد میں رہتے ہیں۔ یہ مقربین بن جاتے ہیں۔ صرف خدا ہی کا بولتے ہیں۔ صرف خدا ہی کو جانتے ہیں۔ وہ خدا کے ہیں، خدا سے ہوتے ہیں۔ خدا کے لیے ہوتے ہیں اور خدا کے ساتھ ہوتے ہیں۔

آپؒ کے صوفیانہ خیالات کی وجہ سے اس عہد کے ظاہری علما نے آپؒ کی بہت مخالفت کی مگر بعد کے صوفیا نے آپؒ کو لسان التصوف (تصوف کی زبان) کا خطاب دیا کہ آپؒ نے تصوف کے احساسات کو علمی زبان دی۔

(9) حکیم ترمذیؒ

حضرت محمد بن علی حکیم ترمذیؒ (متوفی 292 ہجری) ازبکستان کے شہر ترمذ میں 205 ہجری کو پیدا ہوئے۔ حکیم سے مراد فلسفی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت یونانی فلسفہ صوفیا پر اثر کر رہا تھا۔ آپؒ

ا۔ کتاب الصدق، کتاب الصفا، کتاب الفراغ، کتاب الکشف والبیان

نے بلخ اور بغداد میں تعلیم حاصل کی اور پھر ترمذ میں واپس آ گئے اور وہیں دفن ہیں۔تصوف کے علاوہ علوم شریعت میں بھی آپؒ کی کتابیں ہیں۔

آپؒ کی کتب خاتم الاولیا اور نوادر الاصول بہت بلند پایہ ہیں، جن میں آپؒ نے اولیا سے متعلق اصطلاحات بتائیں جو آج تک استعمال ہوتی ہیں۔آپؒ کے بقول صوفیا کے درجوں میں سب سے بڑا درجہ قطب یا غوث کا ہے۔اولیا ہی اس کائنات کا نظام چلاتے ہیں۔اس تصورِ ولایت کو سب سے پہلے آپؒ نے ہی بیان کیا اگرچہ بہت سے علما کے نزدیک اس کی کوئی مضبوط علمی بنیاد قرآن کریم اور حدیث شریف میں نہیں ہے۔اس تصور ولایت کو شیخ الاکبر ابن عربیؒ (متوفی 638 ہجری) نے آگے بڑھایا اور یہ تصوف عمومی طور پر دنیائے تصوف میں مکمل طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔

آپؒ کا ارشاد ہے: صوفیا کے درجے اللہ پاک کی محبت سے نہیں بلکہ عرفان سے طے ہوتے ہیں۔ اللہ پاک کی محبت سے عرفان حاصل ہوتا ہے اور عرفان سے سالک اللہ تعالیٰ کی معرفت کے درجے طے کرتا ہے اور یہ عرفان اللہ پاک کے فضل سے حاصل ہوتا ہے۔جو شخص شریعت سے بے خبر ہے، وہ اللہ پاک کے اوصاف (طریقت) سے بے خبر ہوگا۔جو خود کو پہچاننے کا طریقہ نہیں جانتا، وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا طریقہ بھی ہرگز نہیں جانتا۔

(10) ابوالحسن نوریؒ

حضرت ابوالحسن نوریؒ (متوفی 295 ہجری) بغداد میں شریعت اور طریقت کے امام ہیں۔بلند ہمتی اور ہمیشہ کا مجاہدہ آپؒ کی خصوصیات ہیں۔آپؒ، حضرت سری سقطیؒ کے مرید تھے۔

ایک مرتبہ خدا معلوم ان کو کیا ترنگ آئی کہ گھر میں ایک ہی جگہ پر کھڑے ہو کر مسلسل تین دن رات آہ وزاری اور فریاد کرتے رہے۔آخر مریدوں نے جا کر حضرت جنید بغدادیؒ سے صورت حال بیان کی۔ حضرت جنید بغدادیؒ تشریف لائے اور آپؒ سے کہا: اے ابوالحسنؒ! اگر تو جانتا ہے کہ اس شور سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے تو مجھے بھی حکم دے کہ میں بھی ایسا ہی کرنا شروع کر دوں اور اگر یہ آہ وزاری کچھ فائدہ نہیں رکھتی تو اپنے دل کو رضا کے سپرد کر دے تا کہ تیرا دل خوش ہو۔یہ سن کر حضرت ابوالحسن نوریؒ وجد سے باز آئے اور فرمایا: ابوالقاسمؒ! تو بہت اچھا معلم ہے۔حضرت نوریؒ اس خالص محبت کے نمائندہ ہیں جس کی ابتدا

حضرت بی بی رابعہ بصریؒ نے کی تھی۔ ایسی غیر متعلق محبت جو نہ تو اللہ پاک نے مانگی ہے اور نہ ہی اللہ پاک اس کا معاوضہ دیتا ہے۔ اس محبت میں اللہ پاک کی طرف سے آنے والی تکالیف سے بھی مزا لیا جاتا ہے۔

آپؒ کا ارشاد ہے: اللہ پاک سے ملنا، غیر اللہ سے الگ ہونا ہے اور اللہ پاک کے ماسوا سے الگ ہونا، اللہ پاک کے ساتھ جمع ہونا ہے۔ اس لیے جس شخص کا ارادہ اللہ پاک کے ساتھ جمع ہونے کا ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیر اللہ سے جدا ہو جائے۔ جس کا ارادہ غیر اللہ سے جڑے رہنے کا ہو، وہ پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمع ہونے کا خیال دل سے نکال دے۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

حضرت نوریؒ کو اس عہد کے ظاہر پرست علما زندیق کہتے تھے کیونکہ آپؒ فرماتے تھے کہ میں اللہ پاک کا عاشق ہوں۔ آپؒ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت شدید تھے۔ اس طرح ان کے اقوال اور بعض ملامتی اعمال پر بعض ظاہر پرست علما کو اعتراض تھا۔ اس لیے آپؒ پر سختیاں کی گئیں۔ جب غلام خلیل کے حکم پر (885 ہجری) بغداد کے صوفیا پر سختی کی گئی اور ان کو سزائیں دی گئیں تو حضرت نوریؒ نے صوفیا کو بچانے کے لیے اپنے آپؒ کو پیش کیا کہ انہیں سزائے موت دی جائے۔ اس پر خلیفہ وقت بہت متاثر ہوا۔ اس نے صوفیا کے خلاف الزامات پر خود سماعت کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ صوفیا بھلے لوگ ہیں اور ان کو آزاد کر دیا گیا۔ حضرت نوریؒ کے نزدیک انسانی محبت ہی روحانی زہد کا ثبوت ہے کہ انسان دوسروں کو خود پر ترجیح دے۔

آپؒ نے تصوف کے فکری پہلوؤں پر بھی لکھا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ پاک کسی شخص کو روحانی سفر کی طرف رہنمائی فرماتا ہے تو اس کو اپنا نور عطا کرتا ہے۔ آپؒ کی کتاب مقامات القلوب میں روحانی احوال کو بہت عمدہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ آپؒ دل کو ایک مکان سے تشبیہ دیتے ہیں جس میں ایک یقین نامی بادشاہ رہتا ہے۔ اس کے دو وزیر ہیں: ایک کا نام خوف ہے اور دوسرے کا نام امید۔ اس کے چاروں طرف دس سردار رہتے ہیں، جو ایک نیک مسلمان کے لیے احکام ہیں جو اس پر فرض ہیں۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ دل میں ایک قلعہ ہے، اس کے اندر ایک اور قلعہ ہے۔ اسی طرح سات قلعے ہیں اور ان کے گرد ایک بڑی فصیل ہے اور اس اندرونی قلعے کے اندر خدا رہتا ہے۔ کبھی حضرت نوریؒ دل کو باغ سے تشبیہ دیتے ہیں جس کو اللہ پاک کی دو بارشیں تروتازہ رکھتی ہیں: ایک بارش اللہ پاک کے فیض کی ہے اور دوسری بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ہے۔

حضرت نوریؒ مکمل طور پر حضرت جنید بغدادیؒ مکتب سے متفق نہ تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے کئی بار آپؒ کی تعلیمات و کرامات پر تبصرے کیے۔ آپؒ زیادہ تر وجد میں رہتے تھے۔ آپؒ کی وفات بھی وجد میں ہوئی۔ آپؒ نے ایک آیت تلاوت فرمائی۔ آپؒ پر وجد طاری ہو گیا۔ اسی وجد کی حالت میں گھر سے نکل گئے۔ سرکنڈوں کے کھیت میں چلے گئے۔ پاؤں لہولہان ہو گے اور زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے فوت ہو گئے۔

آپؒ کے نزدیک اہل معرفت کا علم انسان کے دل میں ہوتا ہے اور دل کے چار درجے ہیں:

(ا) صدر: جس کی مدد سے انسان اسلام سیکھتا ہے، (ب) قلب: جس کی مدد سے انسان ایمان کی لذت پاتا ہے، (ج) فواد: جس کی مدد سے انسان معرفت حاصل کرتا ہے، (د) لُب[ا]: جس کی مدد سے انسان اللہ پاک کا قرب اور محبت تلاش کرتا ہے اور پھر اس کے نور سے مستفید ہوتا ہے۔

آپؒ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے: (i) اللہ پاک کے بندے اسی کے لیے بنتے ہیں۔ اسی سے ہی دیکھتے ہیں۔ اسی کے لیے چلتے ہیں۔ اسی کے پاس جاتے ہیں۔ اسی سے کھاتے ہیں اور اسی کا ہی پہنتے ہیں، (ii) میں اللہ پاک سے محبت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اللہ پاک کی محبت سے لطف اٹھاتا ہوں، (iii) اللہ پاک انسان کا بہترین دوست ہے۔ اس لیے انسان کو تقدیر کے مسائل سے پریشان نہیں ہونا چاہیے، (iv) اہل حقیقت سب چیزوں سے دل سے الگ ہو کر اللہ پاک کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

(11) سمنونؒ

حضرت نوریؒ کے دوستوں میں حضرت سمنونؒ (متوفی 298 ہجری) بہت مشہور ہوئے۔ آپؒ اپنے خطبات میں خالص محبت پر بہت زور دیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپؒ کا مذہب محبت کا مذہب تھا۔ آپؒ کے نزدیک اللہ پاک کا راستہ محبت کا راستہ ہے۔ آپؒ کے نزدیک محبت عرفان سے زیادہ اہم ہے۔ آپؒ کے نزدیک اللہ پاک کی محبت تکالیف لاتی ہے تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ نقلی عاشق کون ہے؟ وہ بھاگ جائے گا، جب تکلیف دیکھے گا تو وہ بھاگ جائے گا۔ محبت روحانی زندگی کا مذہب ہے اور محبت کا حسن اور

ا۔ لُب سے مراد وہ عقل ہے جو نورِ قدسی منور اور اوہام و تخیلات سے صاف ہو۔

گہرائی الفاظ میں بیان نہیں جا سکتی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ پاک کی محبت میں اپنا دل دنیا سے جدا کر لیا ہے۔ میرا دل اور اللہ پاک الگ نہیں ہیں۔ جب نیند میری آنکھیں بند کرتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کو آنکھ اور پتلی کے درمیان پاتا ہوں۔

اللہ پاک کی طرف یہ سفر ایک طریق (راستہ) کی صورت میں تھا جس میں بہت سے مقامات اور احوال آتے ہیں۔ اس راہ پر چلنے والے ہم خیال اکٹھے ہونے لگے اور ذکر و مراقبہ کی محفلیں قائم ہونے لگیں جن میں شاعری اور سماع ہونے لگی جس سے وجد کی کیفیات پیدا ہونے لگیں۔ شیوخ نے مریدوں کو ذکر کے لیے تسبیح دینا شروع کر دی۔ صحبت کی محفلیں ہونے لگیں اور ذکر کے الفاظ بتائے جانے لگے۔ ان تمام چیزوں سے تیسری صدی ہجری کے آخر میں صوفیا اور خواص کا ایک خاص گروہ وجود میں آنے لگا۔

(12) جنید بغدادیؒ

تصوف کی دنیا میں حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 297 ہجری) کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ آپؒ کا پورا نام ابوالقاسم الجنید بن محمد الخزازؒ ہے۔ آپؒ ریشم کا کاروبار کرتے تھے۔ آپ علم تصوف کے پہلے معماروں میں سے تھے۔ بہت سے سلاسل آپؒ تک پہنچتے ہیں۔ آپؒ ایران کے شہر نہاوند میں پیدا ہوئے اور بغداد میں آ کر مقیم ہو گئے۔ آپؒ حضرت سفیان ثوریؒ کے شاگرد اور حضرت سری سقطیؒ کے بھانجے اور مرید ہیں۔ آپؒ پر حضرت حارث محاسبیؒ کی روحانی و نفسیاتی تعلیمات اور حضرت ابوبکر ابوسعید خرازؒ کی صوفیانہ فکر نے بھی اثر ڈالا۔ آپؒ سے تصوف کی جنیدی روایت شروع ہوئی۔

آپؒ کے مرشد حضرت سری سقطیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ کوئی مرید اپنے پیر سے بلند مرتبہ ہو سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! جنیدؒ مجھ سے درجہ میں بڑھا ہوا ہے۔ اس سب کے باوجود حضرت سری سقطیؒ کی زندگی میں حضرت جنید بغدادیؒ کے مریدوں نے درخواست کی: آپؒ کچھ وعظ فرمایا کریں، آپؒ نے انکار کر دیا اور فرمایا: جب تک شیخ زندہ موجود ہے میں وعظ نہیں کہوں گا۔ اس کے بعد ایک رات آپؒ نے حضور نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اے جنید! تم مخلوقِ خدا کو وعظ سنایا کرو۔ تمہارے وعظ کو اللہ پاک نے جہاں والوں کی نجات کا ذریعہ بنایا ہے۔ حضرت جنیدؒ جب بیدار ہوئے تو دل میں خیال آیا کہ میرا درجہ حضرت سری سقطیؒ سے بڑھا ہوا ہے۔ اسی لیے حضور نبی

پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وعظ و نصیحت کرنے کا حکم دیا ہے۔ صبح جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت سری سقطیؒ کا پیغام ایک شخص نے دیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ جنیدؒ سے کہو کہ نہ مریدوں کے کہنے پر تم نے وعظ کہا اور نہ بغداد کے مشائخ کے فرمانے پر اور نہ میری سفارش اور پیغام پر۔ اب تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہوا ہے، اس کو ضرور قبول کر لینا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ یہ پیغام سن کر برتری کا جو خیال میرے ذہن میں سمایا ہوا تھا، یک لخت نکل گیا اور میں نے جان لیا کہ حضرت سری سقطیؒ کا درجہ مجھ سے بڑھا ہوا ہے۔ وہ میرے تمام احوال سے باخبر ہیں اور میں ان کے حالات سے بے خبر ہوں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور استغفار کی۔ آپؒ سے دریافت کیا کہ آپؒ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ میں نے خواب دیکھا ہے؟ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا: مجھے خواب میں اللہ پاک نے فرمایا: میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ہے کہ جنیدؒ سے فرمائے کہ وہ مخلوقات کو وعظ و نصیحت کیا کرے تا کہ بغداد کے باشندے مراد کو پہنچیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرے دل میں شیطان کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس کے بعد ایک دن میں مسجد کے دروازے پر کھڑا تھا کہ ایک بوڑھے آدمی کو آتا ہوا دیکھا جسے دیکھ کر مجھے شدید نفرت ہو رہی تھی۔ جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ میری آنکھوں کو تجھے دیکھنے کی طاقت نہیں اور تیری موجودگی سے میرے دل کو سخت وحشت ہو رہی ہے؟ اس نے کہا کہ میں وہی ہوں جس کے دیکھنے کی تجھے خواہش تھی۔ میں نے کہا: او ملعون! تجھے کس چیز نے اس بات پر ابھارا کہ تو حضرت آدم کو سجدہ نہ کرے؟ اس نے کہا: اے جنید! تم نے یہ کیا بات کہی، کیا میں اللہ پاک کی ذات کے سوا غیر اللہ کو سجدہ کر دیتا؟ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کا یہ جواب سن کر حیران رہ گیا اور مجھ سے کوئی جواب نہ بن پایا۔ اتنے میں میرے پیچھے سے مجھے یہ آواز آئی: اس سے کہو! تو جھوٹ بک رہا ہے۔ اگر تو اللہ پاک کا فرماں بردار بندہ ہوتا تو اس کے حکم سے باہر نہ جاتا۔ شیطان نے میرے اندر سے یہ آواز سنی اور چیخ کر کہا: خدا کی قسم! جنید تو نے مجھے جلا ڈالا اور غائب ہو گیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ تصوف میں صحو (ہوش) اور سنجیدگی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ آپؒ کے نزدیک تصوف سے مراد مسلسل جسمانی و روحانی ریاضت و تزکیہ ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کو الفاظ اور گفتگو سے حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ ریاضت، زہد اور مانوس چیزوں سے خود کو دور کرنے سے حاصل کیا

جاتا ہے۔ آپؒ کے نزدیک ریاضت سے سالک کو اس کیفیت میں جانا ہے جس میں وہ عہدِ الستُ کے وقت تھا۔ (قرآن 7:17) اس سے بھی انسان اصل میں توحید تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے سالک کو معلوم ہوتا ہے کہ ازل سے لے کر ابد تک خدا ہی ہے۔

اللہ پاک کی توحید اور اس کا جلال حضرت جنید بغدادیؒ کے فکر میں پھیلا ہوا ہے۔ آپؒ کے بقول: اللہ پاک عظیم ہے، اس کے حکم کو ہر حال میں ماننا ہے، اسی کے سامنے اس کے بندے جھکتے ہیں۔ اپنی عبادت، اطاعت اور ذکر سے سالک اللہ پاک کے سامنے مٹ جاتا ہے اور مقامِ فنا حاصل کر لیتا ہے جس میں سالک اللہ تعالیٰ کے حکم و اطاعت میں فنا ہوتا ہے۔ ذکر کرنے والا سالک ذکر کیے جانے والی ذات سے الگ نہیں رہ سکتا۔

توحید سے مراد یہ ہے کہ خدا ازلی ہے اور یومِ الستُ کے بعد پیدا ہونے والی شے مخلوق ہے۔ سالک کی توحید یہ ہے کہ وہ ازلی خدا اور مخلوق کو الگ دیکھے۔ آپؒ نے بھی مقامات اور احوال کی بات کی جو سالک پر گزرتے ہیں۔ آپؒ نے مقامِ فقر پر بہت زور دیا۔ فقر سے تکلیف تو آتی ہے مگر اس میں جلال ہوتا ہے۔ روحانی محبت سے مراد یہ ہے کہ محبت کرنے والے کی صفات محبوب کی صفات سے تبدیل ہو جائیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا: روحانی واردات اور جذبات کو عقل سے بیان نہیں کیا جا سکتا، اس لیے غیر سالک کے سامنے روحانی اسرار بیان کرنا خطرناک ہوتا ہے کہ وہ اس کو نہیں سمجھ سکے گا اور غلط فہمی کا شکار ہو جائے گا۔ اس لیے آپؒ نے روحانی اسرار کو اشارات میں بیان کرنا شروع کیا۔ اس رجحان کو سب سے پہلے حضرت ابوسعید خرازؒ نے شروع کیا تھا اور حضرت جنید بغدادیؒ کے بعد تمام بڑے صوفیا نے اس طرزِ اظہار کو اپنا لیا۔ اس لیے آپؒ کے خطوط اور رسائل بہت اشاراتی اور مشکل زبان میں ہیں۔ انہیں صرف وہی سمجھ سکتا ہے جو تصوف کے رموز سے آشنا ہو۔

(13) ابوعثمان حیریؒ

حضرت ابوعثمان حیریؒ (متوفی 298 ہجری)، حضرت یحییٰ بن معاذؒ کے جانشین تھے۔ آپؒ نیشاپور میں تصوف کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے۔ آپؒ نے نفس کی پاکیزگی پر بہت زیادہ زور دیا اور بہت سے شیوخ کے استاد بنے۔

12۔ تصوف کی عوامیت

تصوف کی فکر پہلی اور دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا اور تیسری صدی ہجری میں تقریباً واضح ہو چکی تھی، البتہ اس کی توسیع اور عوامیت کا عمل چوتھی صدی ہجری سے شروع ہوا اور پھر اگلی صدیوں میں بڑھتا رہا اور اس کی ابتدائی تکمیل صوفی سلاسل کے قیام سے ہوئی۔ اس عہد میں تصوف خواص سے نکل کر عوام تک پہنچنے لگا جس کی ابتدا خاص طور پر حضرت ابوبکر شبلیؒ نے کی۔ اس توسیع کے عہد کے چند اہم نام اور ان کی تعلیمات یہ ہیں:

(1) رویمؒ

حضرت رویمؒ (متوفی 303 ہجری)، حضرت جنید بغدادیؒ کے دوست تھے۔ بغداد کے کچھ صوفیا حضرت جنید بغدادیؒ سے منسلک تھے، جب کہ کچھ حضرت رویمؒ سے۔ حضرت رویمؒ نے عام صوفیا کی طرح غیر معمولی زہد اور توکل پر زور نہیں دیا۔ آپؒ ایک امیر آدمی کی طرح رہتے تھے۔ اپنے خاندان اور بچوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور بچوں کی کفالت توکل پر نہیں چھوڑتے تھے۔ آپؒ کے نزدیک توکل یہ تھا کہ اللہ پاک ہر شے پر قادر ہے، ہمارا خیال رکھتا ہے، اس کا یہ وعدہ ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دنیوی معاملات چھوڑ دیے جائیں۔

(2) ابن منصور حلاجؒ

اس عہد میں حضرت حسین بن منصور حلاجؒ (متوفی 309 ہجری) مشہور ہوئے۔ آپؒ فارس (ایران) میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے دادا آتش پرست تھے اور آپؒ کے والد مسلمان ہو گئے۔ آپؒ کا خاندانی کام اون سے کپڑے بننے کا تھا۔ اس لیے آپؒ حلاج کہلائے۔ آپؒ نے بغداد جا کر حضرت سہل تستریؒ اور حضرت عمر بن عثمان مکیؒ سے تربیت پائی۔ پھر حضرت جنید بغدادیؒ کے شاگرد بنے مگر بعض روایات کے مطابق حضرت جنیدؒ نے حلاجؒ کی بعض باتوں کو ناپسند کر کے اپنے ہاں سے روانہ کر دیا۔ آپؒ

نے سخت ترین مجاہدے کیے اور بہت ممالک کی سیر وسیاحت کی اور پھر بغداد واپس آ گئے۔ آپؒ وجد وصحو میں رہتے تھے اور اللہ پاک سے شدید محبت کی بات کرتے تھے۔ آپؒ کا سب سے مشہور قول: انا الحق (میں حق ہوں) ہے، جس پر بہت اختلاف کیا جاتا ہے۔ آپؒ اپنے عہد کے سیاسی معاملات کی وجہ سے بھی زیر عتاب آ گئے، یہاں تک کہ آپؒ کو قتل کر دیا گیا۔ جب آپؒ جیل میں تھے تو آپؒ سے پوچھا گیا کہ محبت کیا ہے؟ آپؒ نے جواب دیا کہ آپ آج، کل اور کل کے بعد والے دن دیکھ لیں گے تو اس روز آپؒ کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے۔ دوسرے روز آپؒ کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور تیسرے روز آپؒ کی میت کو جلا دیا گیا۔ تصوف میں آپؒ کی شخصیت غالباً سب سے زیادہ متنازع ہے۔ صوفیا اور علما کا ایک بہت بڑا طبقہ آپؒ کا حامی ہے اور اس طرح ایک بہت بڑا طبقہ آپؒ کے خلاف ہے۔ آپؒ نے اللہ پاک سے شدید محبت کی بات کی ہے جس میں اپنی ذات فنا ہو جاتی ہے۔ لگتا ہے کہ آپؒ کا وجد اور جذبات عقل پر غالب آ گئے تھے اور اس لیے شطحیات میں بات کرتے تھے۔

(3) ابوعلی رودباریؒ

حضرت ابوعلی محمد بن قاسم رودباریؒ (متوفی 322 ہجری)، حضرت جنید بغدادیؒ کے شاگرد تھے اور انہیں سے خرقہ تصوف حاصل کیا۔ آپؒ کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔ معاملات میں آپؒ بڑی شان رکھتے تھے۔ آپؒ نے فرمایا: منزل کو پہنچنے کا طالب وہ مرید ہوتا ہے جو اپنے لیے کوئی چیز نہ چاہے مگر وہی چیز جو اللہ پاک اس کے لیے پسند فرماتا ہے اور مراد (منزل کو پہنچا ہوا) وہ ہوتا ہے جو دونوں جہانوں میں اللہ پاک کے سوا کسی اور شے کو نہ چاہے۔

(4) ابوعبدالرحمٰن سلامیؒ

نیشاپور ملامتی اور بغدادی تصوف کے ملاپ کی سب سے بڑی مثال حضرت ابوعبدالرحمٰن سلامیؒ (325 ہجری) ہیں۔ آپؒ حضرت ابوالصالح السبلوکیؒ اور ابوالقاسم نصرابادیؒ کے خلیفہ تھے جو حضرت ابوبکر شبلیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپؒ نے تصوف پر بہت اہم کتابیں لکھی ہیں اور حضرت امام جعفر صادقؒ کی تفسیر کو بھی آگے منتقل کیا جس سے اسلام کی داخلی (روحانی) تعلیمات عام ہونا شروع ہوئیں۔

(5) ابوبکر شبلیؒ

شیخ ابوبکر شبلیؒ (متوفی 334 ہجری) بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے شیخ جنید بغدادیؒ سے سلوک کی منازل طے کیں اور ان کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ شروع شروع میں خلیفہ وقت کے درباریوں کے اعلیٰ افسر تھے اور بعد میں حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ بنے۔ حضرت جنیدؒ آپؒ کو اولیا کا تاج کہتے ہیں۔ آپؒ سے پہلے تصوف پر بند کمروں میں بات ہوتی تھی۔ آپؒ نے پبلک میں جا کر بات کرنا شروع کی۔

آپؒ پر بھی اللہ پاک کی توحید و محبت کا غلبہ تھا جس کے سبب آپؒ کے دل سے سب کچھ جل گیا تھا۔ آپؒ کے نزدیک اللہ پاک کے لیے خالص سکون چاہیے جو اللہ پاک کے فضل کے حصول کے لیے اس سے محبت کرتا ہے وہ مشرک ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ ترین ذکر یہ ہے کہ انسان اللہ پاک کے دیدار میں اس کا ذکر بھول جائے، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی انسان کی محبت کا مقصد ہونا چاہیے۔

حضرت شبلیؒ نے ایک بار ایک شخص کو دیکھا جس کا کوئی عزیز فوت ہو گیا تھا اور وہ اس کے غم میں رو رہا تھا۔ آپؒ نے فرمایا: اے بے وقوف! تو ایسے شخص سے کیوں محبت کرتا ہے جو مر سکتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ عارف کی مثال بہار کے موسم جیسی ہے جس میں بادل گرجتے ہیں، بادل بارش برساتے ہیں، بجلی چمکتی ہے اور طوفان چلتے ہیں، بند کھل جاتے ہیں اور پرندے گانا گاتے ہیں، عارف کی آنکھ روتی ہے۔ چہرہ پر مسکراہٹ ہوتی ہے، اس کا دل جلتا ہے۔ وہ اپنا سر قربان کر دیتا ہے، وہ صرف اور صرف اپنے محبوب کا نام لیتا ہے اور اسی کے دروازے کے گرد گھومتا ہے۔

اذان میں محمد الرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام لینے پر ایک بار آپؒ نے فرمایا: اگر آپ نے اس کا حکم نہ دیا ہوتا تو آپ کے نام کے علاوہ کوئی اور نام نہ لیتا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میرا مرید جہاں بھی ہو میں اس کا خیال رکھتا ہوں کیونکہ میں اللہ پاک کے سایہ میں ہوتا ہوں اور وہ مجھے یہ ہمت عطا کرتا ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ دوزخ کی آگ مجھے نہیں جلا سکتی بلکہ میں اس کو بجھا دوں گا کیونکہ جو اللہ پاک کے قریب ہوتا ہے وہ ابدی محبت میں اس قدر جل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے آگ کو حکم دیتا ہے کہ ٹھنڈی ہو جا (قرآن، سورۃ 21، آیت: 60) جیسا کہ اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کہا تھا۔

بغداد کے حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت ابوالحسن نوریؒ اور حضرت ابوبکر خزازؒ کے شاگردوں نے جنوب مغربی ایران (فارس) مغربی عرب (حجاز) اور شمال مشرقی ایران (خراسان) میں ان کی تعلیمات کو پھیلایا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر شبلیؒ کے بہت سے شاگرد بھی فارس میں آ کر آباد ہوئے۔ شیراز کے علاقے میں حضرت ابوبکر شبلیؒ کے شاگرد حضرت ابومحمد جعفر الحدہؒ (متوفی 341 ہجری) پہلے بڑے صوفی تھے۔ اسی طرح اصفہان میں حضرت علی بن سہیلؒ (307 ہجری) تھے۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک جماعت نے کہا: وہ دیکھو پاگل جا رہا ہے۔ میں نے ان کے جواب میں کہا: میں تمہارے نزدیک دیوانہ ہوں اور تم میرے نزدیک تندرست ہو۔ اللہ پاک میری دیوانگی کو اور بڑھائے اور تمہاری صحت و تندرستی میں اضافہ فرمائے۔

(6) ابن خفیف شیرازیؒ

شیخ محمد بن خفیفؒ (متوفی 371 ہجری) کو شیخ الاسلام اور شیخ المشائخ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپؒ ایران کے شہر شیراز میں شیخِ طریقت بنے۔ آپؒ اپنے وقت میں ظاہری اور باطنی علوم کے عالم تھے۔ آپؒ حضرت جنیدؒ اور شیخ شبلیؒ کے شاگرد تھے۔ طریقت کا مسلکِ خفیفی آپؒ کی طرف منسوب ہے۔ آپؒ نے بغدادی تصوف کو متعارف کروایا۔ آپؒ بہت بڑے محدث تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے پانچ استاد ہیں: محاسبیؒ، جنیدؒ، رویمؒ، ابن عطاؒ اور عمر بن عثمانؒ۔ آپؒ کی نمایاں خصوصیت شہوانی خیالات کے سلسلے میں کمال درجے کی پاکیزگی تھی۔ آپؒ کا تعلق شاہی گھرانے سے تھا۔

آپؒ نے تصوف کو غیبت و حضور کی اصلاحات میں بیان کیا ہے۔ غیبت سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا دل اللہ پاک کے علاوہ سے غائب ہو یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو اور اللہ پاک کے حضور حاضر ہو۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ توحید طبیعت سے منہ موڑنے کا نام ہے۔ اگر انسان طبیعت کو اپنے تابع کر لے اور اس کی پیروی سے منہ موڑ لے تو پھر توحید سے دنیا کی دوسری کوئی طاقت اسے منحرف نہیں کر سکتی۔

(7) ابوعثمان مغربیؒ

حضرت ابوعثمان مغربیؒ (متوفی 373 ہجری) ایران کے شہر نیشاپور کے رہنے والے ہیں۔ آپؒ نے حضرت ابن الکاتبؒ، حبیب مغربیؒ اور ابوعمرو زجاجیؒ سے تربیت پائی اور حضرت علی ہجویری لاہوریؒ

کے شیخ ہوئے۔ آپؒ سیاست اور ریاضت دونوں کے مالک تھے۔ علم کے فنون میں بھی بلند مرتبہ کے مالک تھے اور اہل تمکین بزرگوں میں سے تھے۔ آپؒ کا فرمان ہے: جو شخص درویشوں اور اللہ والوں کی مجلس پر دولت مندوں کی مجلس کو ترجیح دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دل کی موت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(8) ابوالحسن خرقانیؒ

خراسان میں حضرت بایزید بسطامیؒ کے بعد حضرت ابوالحسن خرقانیؒ (متوفی 425 ہجری) مشہور ہوئے۔ آپؒ نے اعلان کیا کہ وہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے روحانی خلیفہ ہیں حالانکہ اسّی سال کا زمانی فاصلہ ہے۔ اس لیے سلسلہ اویسیہ میں حضرت بایزید بسطامیؒ سے منسلک تھے۔ حضرت خرقانیؒ کسان پیشہ تھے اور باقاعدہ طور پر تعلیم یافتہ نہ تھے۔ آپؒ حضرت بایزید بسطامیؒ کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم صوفی تھے۔ آپؒ کی تعلیمات حضرت فریدالدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیاء میں جمع کی ہیں۔ آپؒ کی خانقاہ بہت مشہور تھی اور عوامی تھی۔

آپؒ کی مناجات میں اللہ پاک سے شدید محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنی روح حضرت عزرائیل علیہ السلام کو نہیں دوں گا چونکہ میں نے اسے اللہ تعالیٰ سے لیا ہے۔ اس لیے صرف اور صرف اسی کو واپس کروں گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لیے ساٹھ سال دن رات عبادت کی۔ پھر ایک بار خواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم تو آپ سے ازل سے محبت کرتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں شہدا میں سے اٹھایا جاؤں گا کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کی یاد کی تلوار نے قتل کر دیا ہے۔

(9) ابوالحسن علی فرمدیؒ

شیخ ابوالحسن گرگانیؒ کے شاگرد حضرت ابوالحسن علی فرمدیؒ (439 ہجری) نے تصوف کو بہت آگے بڑھایا۔ آپؒ حضرت ہمدانیؒ سے بایزیدی/خراسانی روایت اور حضرت عثمان مغربیؒ سے بغدادی روایت میں تربیت یافتہ تھے۔ اس لیے مرج البحرین کہلائے۔ آپؒ کے دو خلفا امام محمد غزالیؒ اور حضرت یوسف ہمدانیؒ نے صوفی تعلیمات کو عام کیا۔ حضرت ہمدانیؒ سلسلہ نقشبندیہ کے امام ہیں۔ حضرت ابوالحامد امام غزالیؒ نے پورے اسلام کی صوفیانہ تعبیر کی مگر خود صوفی شیخ نہ بنے۔

(10) ابوسعید ابوالخیرؒ

حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ (متوفی 440 ہجری) جیسے عظیم صوفی شعرا نے خراسانی تصوف کو عوامی بنانے میں کردار ادا کیا۔ آپؒ خراسان کے شہر مہنہ میں پیدا ہوئے، نیشاپور اور سرخس میں دینی تعلیم پائی اور شیخ ابوالفضل سرخسیؒ سے روحانی تربیت پائی۔ آپؒ نے حضرت ابوالحسن خرقانی سے بھی فیض پایا اور روحانی طور پر حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت حسین بن منصور حلاجؒ سے بہت متاثر تھے۔ حضرت ابوالقاسم قشیریؒ آپؒ کے ذاتی دوست تھے۔ مشہور فلسفی اور حکیم شیخ ابوعلی سینا آپؒ سے ملنے آئے تھے۔ شیخ ابوعلی سینا نے آپؒ کے بارے میں فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اس کو دیکھتے ہیں۔

آپؒ نے سخت روحانی مجاہدوں کے بعد نیشاپور اور مہنہ میں خانقاہیں بنائیں، جہاں اندازاً پانچ سو سالک قیام پذیر تھے۔ آپؒ نے اللہ پاک کی محبت میں رباعیات لکھیں جو رباعیات ابوالخیر کے نام سے مشہور ہیں۔ فرماتے تھے کہ انسان کے روحانی سفر کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب سالک میں کو ختم کر دے۔

آپؒ کی تعلیمات میں بہت گہرائی اور جذباتی اثر تھا۔ آپؒ اللہ پاک سے بہت قریبی اور ذاتی تعلق پر زور دیتے تھے۔ آپؒ کے بقول اللہ پاک اور انسان کے درمیان صرف انسان کا جسم حائل ہے۔ اگر انسان اس جسم کو پاک کر لے تو اللہ پاک سے براہ راست ملاقات کر سکتا ہے۔

آپؒ بہت زیادہ مجاہدانہ زندگی گزارنے کے بعد ایک اعلیٰ شان کی زندگی گزارنے لگے اور خانقاہ پر بہت زیادہ خرچ کرتے تھے۔ آپؒ کے اشاراتی صوفیانہ افکار کی وجہ سے وقت کے علما آپؒ کے بہت خلاف تھے۔ آپؒ کی خانقاہیں آباد تھیں اور ہر سالک کو آنے اور قیام کی اجازت تھی۔

(11) عبداللہ انصاریؒ

حضرت عبداللہ انصاری (متوفی 481 ہجری)، حضرت امام قشیریؒ اور حضرت علی ہجویریؒ کے ہم عصر تھے۔ آپؒ ہرات میں آباد تھے۔ آپؒ نے بھی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں تصوف پر بہت علمی کام کیا ہے۔ آپؒ کے والد بھی صوفی تھے۔ آپؒ نے شیخ ابوالحسن خرقانیؒ سے میں ملاقات کی اور آپؒ کی زندگی تبدیل ہوگئی۔

حضرت خرقانیؒ نے حضرت عبداللہ انصاریؒ کو ایسا تبدیل کیا کہ حضرت انصاریؒ نے قرآن مجید کی صوفیانہ تفسیر لکھنا شروع کر دی مگر وہ اس کی تکمیل نہ کر سکے۔ سلجوقوں کے زمانے میں ظاہری علما کے کہنے پر حضرت انصاریؒ پر بہت ظلم کیے گئے کیونکہ آپؒ اشاعرہ میں سے نہیں تھے بلکہ حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ نظام الملک نے آپؒ کو ہرات سے جلاوطن کر دیا مگر بعد میں واپس آنے کی اجازت دے دی۔ بعد میں نظام الملک آپؒ سے بہت متاثر ہوا۔ آپؒ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ آپؒ کا انتقال میں ہرات میں ہوا۔ آپؒ خواجہ ہرات کہلائے۔ آپؒ نے علما اور حکمرانوں کے ہاتھوں شدید مشکلات کے باوجود بہت بڑا علمی ذخیرہ چھوڑا ہے۔ آپؒ کی کتب اور مناجات بہت مشہور ہوئیں۔

(12) یوسف ہمدانیؒ

خواجہ یوسف ہمدانیؒ (متوفی 535 ہجری) نے بغداد میں علوم دینیہ وعقلیہ میں تعلیم پائی اور پھر ہر شے چھوڑ کر مرو (ترکمانستان) میں خانقاہ بنا کر آباد ہو گئے مگر کبھی کبھار ہرات (افغانستان) میں جا کر بھی قیام فرمایا کرتے تھے۔ آپؒ کے بہت سے خلفا ہیں مگر ان میں سے دو بہت مشہور ہوئے: حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (ایرانی النسل) اور خواجہ احمد یساویؒ (ترکی النسل)۔ ان دو خلفا کے زیر اثر بہت لوگ مسلمان ہوئے اور پھر خواجہ غجدوانیؒ کا اثر ماوراء النہر اور پھر ہندوستان کی طرف چلا گیا، جب کہ خواجہ یساویؒ کا اثر پورے ترکستان میں ہوا۔ اس ماحول میں یہاں کئی سلسلے بنے اور ختم ہوئے۔ آپؒ سلسلہ نقشبندیہ کے بھی شیخ ہیں۔

(13) ابومدین شعیبؒ

مغربی تصوف میں ابتدائی زمانے میں سب سے زیادہ اثر شیخ ابومدین شعیب الحسینؒ (متوفی 594 ہجری) نے ڈالا۔ آپؒ اگرچہ اشبیلہ (اسپین) میں پیدا ہوئے مگر مراکش کے شہر فیض میں آ کر آباد ہو گئے۔ آپؒ نے روحانی تربیت حضرت محمد الدقاقؒ اور حضرت ابویعزیؒ سے پائی۔ آپؒ نے حج کے بعد عراق کا سفر کیا اور وہاں حضرت احمد رفاعیؒ سے بیعت ہوئے۔ واپسی پر آپؒ بجایا (مراکش) میں رہائش پذیر ہو گئے۔

مواحدون خلافت میں علما آپؒ کے بہت خلاف ہو گئے۔ آپؒ کو دربار میں طلب کیا گیا مگر آپؒ راستے ہی میں مغربی الجیریا میں انتقال فرما گئے۔ آپؒ کے اکثر روحانی خلفا مراکش سے چلے گئے، جن

میں حضرت ابوالحجاج یوسفؒ (متوفی 642 ہجری) نے جنوبی مصر میں رباط بنائی اور وہیں مقیم ہوئے۔ حضرت عبدالرزاق حزوتی اسکندریہ میں آباد ہو گئے اور وہیں دفن ہیں۔ حضرت ابوالحسن شوشتریؒ (متوفی 667 ہجری) کی نظمیں آج بھی شاذلی سلسلے والے پڑھتے ہیں۔ آپؒ مصر میں آباد ہو گئے۔

(14) روزبہان بقلیؒ

شیراز میں حضرت روزبہان بقلیؒ (متوفی 606 ہجری) نے بہت بڑی خانقاہ بنائی۔ آپؒ سبزی بیچتے تھے، اس لیے بقلی کہلائے۔ آپؒ نے حضرت جمال الدین ابی الوفاؒ سے روحانی تربیت پائی۔ آپؒ نے حضرت ابونجیب شہوردیؒ سے بھی تربیت اور خلافت پائی۔ آپؒ کے سلسلے میں خوابوں کو بہت دخل ہے۔ آپؒ نے اپنے خواب اپنی کتاب کشف الاسرار میں بیان کیے ہیں۔ آپؒ نے شطحیات پر علمی کام کیا ہے۔ آپؒ حسین بن منصور حلاجؒ سے بہت متاثر تھے۔ آپؒ نے جمالیات پر بہت زور دیا ہے۔ شیخ ابوبکر شبلیؒ کی اس سوچ پر یہ تبصرہ کرتے ہیں: حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میرے جسم کے ایک بال کو بھی جہنم کی آگ نہیں جلاسکتی۔ حضرت بقلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ التباس ہے جس کا مطلب ہے کہ مومن کا جسم ابدی نور میں چھپ جاتا ہے اور وہ دوزخ کی تخلیق کردہ آگ سے مضبوط ہوتا ہے۔ صوفیا اس ضمن میں ایک حدیث شریف پر بہت انحصار کرتے ہیں، جس کا مفہوم ہے کہ دوزخ مومنین سے یوں خطاب کرتی ہے: آپ کے نور نے میرے شعلے بجھا دیے ہیں۔

جو مومن اللہ پاک کی ابدی و ازلی نور کے دائرہ میں آجاتا ہے وہ اپنے روحانی احوال کی تبدیلی، موت، جنت و دوزخ کا تابع نہیں رہتا۔ زہد اور فقر جیسے مقامات سے بھی جلد اوپر اٹھ جاتا ہے اور اللہ پاک کا سچا عاشق بن جاتا ہے۔

(15) نجم الدین کبریٰؒ

شیخ نجم الدین کبریٰؒ (متوفی 618 ہجری) ازبکستان کے شہر خیوا میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے پہلا خرقہ مصر میں جا کر حضرت روزبہان بقلیؒ سے حاصل کیا۔ بعد میں آپؒ نے حضرت بابا تبریزیؒ، حضرت عمار بن یاسر بدلیسیؒ اور حضرت اسماعیل القصریؒ سے تربیت پائی۔ روحانی تربیت کے بعد آپؒ نے وطن واپس آ کر خوارزم میں ایک خانقاہ بنالی۔ اس خانقاہ شریف سے آپؒ نے بہت سے غیر معمولی شیوخ کی

تربیت فرمائی۔ آپؒ کی خانقاہ کے تربیت یافتگان میں حضرت مجدد الدین بغدادیؒ شامل تھے جو حضرت فرید الدین عطارؒ کے شیخ ہیں۔ شیخ نجم الدین رازیؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ رضی الدین علی بن لالا غزنویؒ، شیخ بہاؤ الدین ولد (مولانا جلال الدین رومیؒ کے والد) اور شیخ سعد الدین حمویؒ، آپؒ کے مرید خلفا تھے۔ آپؒ کے خلفا کی تعداد ستر (70) بتائی جاتی ہے۔ آپؒ ولی تراش کے نام سے مشہور ہیں۔ آپؒ کے خلیفہ حضرت سیف الدین باخرزیؒ کے ہاتھوں پہلا منگول شہزادہ برکے خان مسلمان ہوا اور اس کے کوئی اسی/نوے سال بعد منگول جوق در جوق اسلام لائے۔

(16) احمد البداویؒ

مصر میں حضرت احمد البداویؒ (متوفی 627ہجری) نے اپنا طریقہ بنایا۔ حضرت البداویؒ اصل میں عرب تھے اور مراکش کے شہر فیض میں رہتے تھے لیکن کچھ عرصہ مصر میں بھی رہے۔ آپؒ نے بطیحہ (عراق) میں رفاعی سلسلہ میں تربیت پائی اور پھر مصر آ گئے۔ آپؒ کا مزار مبارک طنطا (مصر) میں ہے۔ آپؒ نے عبادات اور خدمت کی وجہ سے مقامی لوگوں میں بہت عزت پائی۔ آپؒ کا سلسلہ احمدیہ یا بداویہ کہلاتا ہے۔ اس سلسلے نے بعد میں مختلف شاخوں کی شکلوں میں حجاز شریف، شام، ترکی، لیبیا اور تیونس میں اثر ڈالا۔

(17) ابوالحسن شاذلیؒ

سلسلہ شاذلیہ حضرت عبدالسلام بن مشیش (متوفی 626 ہجری) اور ان کے شاگرد رشید حضرت ابوالحسن شاذلیؒ (متوفی 656 ہجری) سے چلا اور پھر شمالی افریقہ، شام اور عرب ممالک میں پھیل گیا۔ حضرت شاذلیؒ شمالی مراکش میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے حضرت ابومدین کے خلیفہ حضرت ابوعبداللہ محمد مرازم سے خرقہ حاصل کیا۔ آپؒ عراق چلے گئے اور وہاں آپؒ نے رفاعی سلسلہ کے شیخ حضرت ابوالفتح الوسطیؒ (618ہجری) سے بیعت کر لی اور پھر ان کے حکم پر حضرت عبدالسلام بن مشیشؒ کی بیعت کر لی اور ان کے حکم پر تیونس کے گاؤں شاذلہ میں آباد ہو گئے اور اسی نسبت سے شاذلی کہلائے۔

تیونس کے علما آپؒ کے بہت خلاف ہو گئے۔ اس لیے آپؒ مصر چلے گئے۔ آپؒ حج سے واپسی پر بحیرہ احمر کے قریب ہمیسرہ (جنوبی مصر) میں وفات پا گئے اور وہیں دفن ہوئے۔ آپؒ کی تعلیمات کو حضرت ابوالعباس احمد المرسیؒ نے بہت زیادہ پھیلایا۔ حضرت عطاء اللہ اسکندریؒ کی کتب سے شاذلیہ

سلسلہ پورے مغرب میں پھیلا جہاں سے حضرت شاذلیؒ کو نکال دیا گیا تھا۔

(18) ابراہیم الدسوقیؒ

حضرت ابراہیم بن ابی ماجد الدسوقیؒ (متوفی 687 ہجری) دریائے نیل کے قریب دسوق گاؤں کے رہنے والے تھے۔ آپؒ کا خاندان نیک اور برکت والا مشہور تھا۔ آپؒ نے اپنے مریدوں کی تعلیمات کے لیے الگ کتاب جواہر لکھی۔ آپؒ سہروردی، رفاعی اور بداوی سلسلوں میں بیعت تھے۔ پھر آپؒ نے اپنا الگ طریقہ ابراہیمیہ بنا لیا جو بعد میں دسوقیہ کہلانے لگا۔ کچھ لوگ اس کو آپؒ کا لقب برہان الدین کی وجہ سے برہانیہ بھی کہنے لگے۔ یہ سلسلہ مصر کے علاوہ شام، حجاز شریف، یمن اور حضر موت میں مقبول ہوا۔

(19) فخر الدین عراقیؒ

حضرت فخر الدین عراقیؒ (متوفی 688 ہجری)، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے خلیفہ اور داماد تھے۔ آپؒ ایران کے شہر اراک میں پیدا ہوئے جس کی وجہ سے آپؒ کا نام اراکی ہوا اور پھر بدل کر عراقی ہو گیا۔ آپؒ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ سے روحانی تربیت میں پچیس سال قیام کر کے ملتان سے چلے گئے اور ایران میں قیام کے بعد شام میں دفن ہوئے۔ آپؒ نے بھی اپنی کتب میں اللہ پاک کی غالب عظمت پر زور دیا ہے جس کا اثر بعد میں شیخ ابن عربیؒ نے لیا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے وقفہ (وقوف، قیام) کے مقام کے دوران اللہ پاک نے خطاب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ کو لکھوں۔ اس لیے شیخ عراقیؒ کا سارا علمی کام اللہ پاک سے رازدارانہ بات چیت کی طرز پر ہے۔ اسی طرح کا کام بعد میں ہندوستان میں میر درد نے اپنی کتاب: علم الکتاب میں کیا ہے۔

عراقیؒ کی تعلیمات سے جھلکتا ہے کہ آپؒ نے انسان اور حقیقت کے درمیان تمام پردے اٹھا دیے تھے لیکن اس روحانی تجربے کا بیان ممکن نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری تعلیمات کا محور عبادت و ذکر ہے جس کا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی طور پر ذکر ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ احساسات، خیالات میں تبدیل ہوتے ہیں اور خیالات کو الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے، جب کہ اللہ کریم نے مجھ سے فرمایا کہ میرا ذکر الفاظ میں ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ پاک چاہتا ہے کہ اس کا بندہ اس کے ذکر میں ہی قیام پذیر رہے، لیکن بات نہ کرے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے وہ کلام نہیں کرتا، تو پھر ذکر کیسے کیا

جائے؟ ذکر کا مطلب کیا ہے؟ اللہ پاک فرماتا ہے کہ میرا ذکر میری چنی ہوئی چیز ہے اور یہ حجاب میں ہے۔

جس زمانے میں ظاہری علما الفاظ پر بہت زور دے رہے تھے، شیخ عراقیؒ نے فرمایا کہ الفاظ تو حجاب ہیں بلکہ معرفت کا بھی حجاب (حجاب المعرفۃ) ہوتا ہے۔ جو نرم و نازک اور نہایت عمدہ ہونے کے باوجود انسان اور خدا کے درمیان حجاب بن جاتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہے۔ اللہ پاک نے عبادت یا دعا قبول نہ کرنی ہوتی تو وہ اس کی اجازت ہی نہ دیتا۔ اس تصور کو حضرت جلال الدین رومیؒ نے بعد میں بہت وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰؒ آپؒ سے بہت متاثر تھے۔ آپؒ کا صوفیانہ کلام فارسی میں ہے اور خانقاہوں میں بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے اور قوالوں کا پسندیدہ ہے۔

(20) سلاسل کے بانیان

اسی طرح سے حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ، حضرت ابونجیب سہروردیؒ، حضرت ابواسحاق شامی چشتیؒ اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے تصوف پر غیر معمولی اثر ڈالا[۱] جس سے تصوف کے معروف سلسلے بنے۔

(21) صوفی شعرا

عظیم صوفی شعرا کی ایک خوبصورت کہکشاں ہے جس نے تصوف کے افق پر نہ صرف روشنی ڈالی ہے بلکہ اس کو عمومی بنانے میں بہت زیادہ کردار ادا کیا ہے۔ ان شعرا کی فہرست بہت طویل ہے[۲]۔ ان شعرا میں رابعہ عدویہؒ (180 ہجری)، حضرت حسین بن منصور حلاجؒ (309 ہجری)، حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ (440 ہجری)، امام احمد غزالیؒ (520 ہجری)، حضرت حکیم سنائیؒ (535 ہجری)، حضرت فرید الدین عطارؒ (618 ہجری)، حضرت ابن فارضؒ (632 ہجری)، حضرت ابن عربیؒ (638 ہجری)، حضرت فخرالدین عراقیؒ (688 ہجری)، حضرت سعدی شیرازیؒ (691 ہجری)، حضرت امیر خسروؒ (725 ہجری)، حضرت محمود شبستریؒ (720 ہجری)، حضرت حافظ شیرازیؒ (792 ہجری)، حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ (898 ہجری)، حضرت سلطان باہوؒ (1102 ہجری)، بیدلؒ (1289 ہجری)، بابا بلھے شاہؒ (1170

۱۔ ان کی تفصیل باب تصوف کے سلاسل میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۲۔ ان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: ابواب صوفی شاعری (عربی)؛ صوفی شاعری (فارسی)

ہجری) اور علامہ محمد اقبالؒ (1357 ہجری) شامل ہیں۔ان کی شاعری سے تصوف عوام میں پھیلنے لگا۔

(22) صوفی مصنفین

بہت سے صوفی علما ایسے گزرے ہیں جنہوں نے تصوف کی تعلیمات پر گراں قدر کتب تصنیف کیں۔ان سے تصوف کا علمی تعارف ہوا۔تصوف منظم ہوا اور غیر اسلامی تعلیمات سے بچا[1]۔

(23) فلسفی صوفی

تصوف صرف دینی و روحانی تعلیمات سے شروع ہوا مگر ویدانت، بدھ مت، یونانی فلسفہ اور عجمی اثرات سے اس میں بہت سی فلسفیانہ مباحث آ گئے اور بعض اوقات ہمارے عظیم صوفی علما نے اس عہد کے فکری و فلسفیانہ تعلیمات کی روشنی میں تصوف کو بیان کرنا شروع کیا۔ان فلسفی صوفیوں میں حکیم ترمذیؒ، ابن عربیؒ، صدری الدین قونویؒ، داؤد قیصریؒ، شیخ احمد سرہندیؒ، محبت اللہ الہٰ آبادی، علاء الدین سمنانیؒ، عبدالکریم الجیلیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور حسین بن منصور حلاجؒ شامل ہیں۔اس طرح کی فلسفیانہ تعلیمات سے علما و خواص تصوف کی طرف متوجہ ہوئے۔

(24) دیگر صوفیا

ان کے علاوہ بھی صوفیائے کرامؒ میں بلند پایہ شخصیات گزری ہیں جیسا کہ حضرت ابو حازم مدنیؒ، حضرت محمد بن واسعؒ، حضرت عطیہ درانیؒ، حضرت عبدالرحمٰن حاتم بن عنوان اصمؒ، امام محمد بن ادریس شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، حضرت احمد بن ابوالجواریؒ، حضرت احمد بن خضرویہ بلخیؒ، حضرت عبداللہ بن فضل بلخیؒ، حضرت محمد بن عمر دراقؒ، حضرت ابوحمزہ خراسانیؒ، حضرت ابواسحٰق ابراہیم بن احمد خواصؒ، حضرت ابوحمزہ بغدادی بزازؒ، حضرت احمد بن مسروقؒ، حضرت ابوعلی بن حسن بن علی جورجانیؒ، حضرت ابومحمد بن حسین حریریؒ، حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطیؒ، حضرت ابومحمد بن جعفر بن نصیر خالدیؒ، حضرت ابراہیم بن محمد بن محمود نصر آبادیؒ اور حضرت علی بن ابراہیم حضرمیؒ وغیرہ۔ان بزرگان کی تعلیمات کی تفصیلات حضرت علی ہجویریؒ کی کتاب کشف المحجوب اور شیخ فریدالدین عطارؒ کی تذکرۃ الاؤلیاء میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

---

[1]۔ایسے صوفیا کی تفصیل کے لیے دیکھیے: باب کتب تصوف

13۔ تصوف کا ارتقا

1۔ فکری پس منظر

تصوف ان زاہدانہ رجحانات سے ابھرا جو بنو امیہ کے دور خلافت/ حکومت میں ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ لفظ صوفی اور تصوف سب سے پہلے عراق کے ان صوفیا کے حوالے سے وجود میں آیا جن کا میلان زہد کی طرف زیادہ تھا۔ یہ گروہ دوسری/ تیسری صدی ہجری میں سب سے پہلے بصرہ اور بغداد کے علما میں وجود میں آئے، جب کہ خراسان اور ماوراء النہر میں تصوف زہد سے نہیں اٹھا بلکہ اس کا خمیر عرفانی تھا۔ اگرچہ بغداد کے زہد کی روایت نے بعد میں آ کر عالمی تصوف پر ایک گہرا اثر چھوڑا۔

تصوف کے نظریات بنیادی طور پر اسلامی تعلیمات سے ابھرے مگر کچھ یونانی اور عیسائی علومِ معرفت کا بھی ان پر اثر ہوا۔ دوسری صدی ہجری کے آخر میں کچھ نئے نظریات تصوف میں شامل ہونے لگے اور یہ نظریات پہلے سے موجود روحانی و عرفانی علوم سے آئے۔ ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اسلامی تصوف اصل میں قرآن و حدیث سے نکلتا ہے لیکن اس پر اپنے عہد کے فکری اثرات ہونا فطری بات ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، انسانی فکر اس طرح آگے بڑھتی ہے۔ ہمارے عظیم صوفیا نے بھی اپنے اپنے عہد کے افکار کے ردعمل کے طور پر اپنے افکار پیش کیے جس نے اسلامی فکری روایت میں شاندار اضافہ کیا ہے[1]۔

تاریخ تصوف کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ تصوف کے مختلف دھارے مسلم سماج کے مختلف علاقوں میں ظاہر ہوئے اور پھلے پھولے۔ ان میں زیادہ اہم عراق، خراسان اور ماوراء النہر ہیں۔ ان علاقوں کے صوفیا کے طبقات فکری اور عملی طور پر آپس میں جڑے ہوئے بھی تھے اور الگ بھی تھے۔ تیسری صدی کے آخر میں تصوف نے ایک باقاعدہ نظام کی شکل اختیار کر لی۔ شیخ آ گئے، مرید بن گئے اور تربیت کا ایک خاص

1۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: باب تصوف میں غیر اسلامی نظریات

نظام بن گیا اور علمی طور پر یہ کوشش شروع ہوگئی کہ اس فکر و نظام کو قرآن وسنت سے ثابت کیا جائے یا اس سے جوڑا جائے۔

اس زمانے میں اگرچہ صوفیا اذکار و عبادات وغیرہ پر بہت زور دیتے تھے لیکن عمومی طور پر وہ عمومی مسلمانوں کی طرح رہتے تھے اور زندگی کے تمام معاملات اور پیشہ وارانہ کام کرتے تھے جو ان صوفیا کے ناموں سے بھی ظاہر ہے۔ مثال کے طور پر حضرت سری سقطیؒ (دوکان دار)، حضرت وراقؒ (کتاب فروش)، حضرت قواریؒ (شیشہ بنانے والا)، حضرت مدادؒ (لوہار)۔ ان میں سے اکثر اپنی آمدنی کا اکثر حصہ اپنے غریب صوفی دوستوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ کچھ نے جب تصوف میں بڑا مقام حاصل کر لیا اور مریدین کا حلقہ بن گیا تو روزگار چھوڑ دیا اور مکمل طور پر ان کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہو گئے۔ بعض صوفیا، علما، محدث، مفسر اور فقیہ تھے۔

2۔ تصوف کی علمی تشکیل

روایتی تصوف کی ترویج اور اس کو غلط اثرات سے بچانے کے لیے بہت سا ادبی مواد پیدا ہوا جس میں علمی کتابوں کے ساتھ ساتھ صوفیا کی زندگیوں کے تذکرے بھی اہم تھے اور آہستہ آہستہ تصوف مسلم تہذیب وثقافت میں فقہ کے ساتھ ساتھ ایک اہم (بلکہ دوسری بڑی روایت) بن گیا۔

صوفیائے کرامؒ آہستہ آہستہ مسلم سماج کے دھارے میں نہ صرف شامل ہو گئے بلکہ بہت بنیادی مقام حاصل کر لیا۔ بصرہ و بغداد سے صوفیا پورے عالم اسلام میں پھیل گئے اور اپنے تصورِ زہد کو مقامی صوفی منش لوگوں اور عوام تک پہنچایا۔ ان علما صوفیوں کی بلند پایہ کاوشوں کے ساتھ ساتھ صوفی شیوخ نے اپنی مہارت سے لوگوں کو تربیت دی اور اپنے گرد لوگ اکٹھے کر کے گروہ و جماعتیں بنا لیں، لیکن آہستہ آہستہ صوفیا کا زور علما سے بڑھتا گیا۔ خانقاہیں اور مزارات سماجی مرکز بن گئے۔ مزارات پر تلاوت ہونے لگی۔ موم بتیاں جلنے لگیں۔ لوگوں کو مفت لنگر دیا جانے لگا اور اس کے ارد گرد لوگ رہنے لگے۔ بعض کتابوں کے مطابق مزارات سے متصل یہ کام سب سے پہلے خراسان میں حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ (357 ہجری) کی خانقاہ (نیشاپور، مہنہ) پر شروع ہوئے۔ حضرت ابوسعیدؒ ایک عوامی بزرگ بن گئے۔ آپؒ کو محافظ (حفاظت کرنے والا) اور شافعی (شفاعت کرنے والا) شمار کیا جانے لگا۔

صوفیا کی اس طرح کی تعلیمات سے متکلمین علما خفا رہتے تھے۔ بعض متکلمین نے صوفیا کو زندیق کہا۔ اس وجہ سے بہت سے صوفیا کو علما کے دباؤ پر سزائیں دی گئیں۔ حضرت ابوبکر ابوسعید خرازؒ کو یہ بات لکھنے پر کافر کہا گیا کہ اللہ پاک کی طرف جانے والا اس سے چمٹ جاتا ہے اور اس کے قرب میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سبب، سب کو اور اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔ اگر اس سے پوچھا جائے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جانا ہے تو وہ کہے گا، اللہ۔

اس طرح کے اختلافات کی وجہ سے نویں صدی عیسوی میں بغداد میں علما و متکلمین کا سیاسی طور پر غلبہ ہو گیا۔ ان کے زیر اثر صوفیا کے خلاف ایک بہت پرتشدد اور ظالمانہ قسم کی کارروائی کی گئی جس سے بہت سے صوفیا کے خلاف تادیبی کارروائیاں کی گئیں۔ حضرت منصور حلاجؒ (309 ہجری)، حضرت الشلماغیؒ (323 ہجری) اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (587 ہجری) اس کی واضح مثالیں ہیں۔ اس زمانے سے متعلق حضرت جنید بغدادیؒ کا مشہور قول ہے کہ کوئی آدمی حقیقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ اس کے دوست اس کو ہزار بار کافر نہ کہیں۔ (تذکرۃ الاولیا)

صوفیا کے ان خیالات، افعال اور لباس پر اس عہد کے مستند علما اور متکلمین نے اعتراض کیے۔ بعض نے تو بہت سخت لہجہ اختیار کیا۔ عربی زبان کے مشہور عالم الاسمعیؒ (261 ہجری) نے لکھا ہے کہ ان کی موجودگی میں ایک بہت بڑے عالم سے اس طرح کے صوفیا کے بارے میں جب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے پہلے یہ نہ دیکھا تھا کہ اس طرح کا گند بھی مذہب میں ہے۔ (ابن قتیبہ، عیون الاخبار iii) بعض علما نے ان کو زندیق کہا۔ صوفیا کی خاص زبان (اصطلاحات) کی وجہ سے مسائل بڑھے چونکہ وہ زبان علما کے لیے ناموس تھی۔

اگر ہم ظاہری اسلام اور تصوف کے تعلق کا گہرا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف سے ایک درمیانی راستہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صوفیا کے اندر ایک گروہ نے اپنے اندر کے کچھ افکار اور اعمال پر اعتراض کیا اور اعلان کیا کہ شریعت (ظاہری اعمال) کی پاسداری لازم ہے اور اس سے دوری اختیار کرنا صحیح تصوف کے خلاف ہے اور ایسی باتیں کرنے والے بددیانت صوفی ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت بنیادی شرط ہے۔ اس کے بغیر طریقت اور حقیقت کا حصول ممکن نہیں ہے۔ شریعت کے بغیر

تصوف بے کار ہے۔شریعت ایک دروازہ ہے جہاں سے داخل ہوئے بغیر سلوک ممکن ہی نہیں ہے۔

بہت سے صوفیا نے اس کی شعوری کوشش کی کہ لوگوں کے سامنے اس بات کی وضاحت کی جائے کہ تصوف کی اصل تعلیمات اسلام کے عین مطابق ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلی علمی کوشش حضرت ابونصر سراج طوسیؒ (متوفی 378 ہجری) نے کی اور کتاب اللمع فی التصوف لکھی۔ جو آج بھی تصوف پر لکھی جانے والی بڑی کتب (امہات الکتب) میں شمار ہوتی ہے۔ اس کتاب نے ابتدائی تصوف کی تعلیمات کو صحیح طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت ابونصر سراجؒ کے ایک ہم عصر حضرت ابوبکر الکلاباذیؒ (متوفی 385 ہجری) نے اپنی کتاب التعرف فی المذھب اھل التصوف میں دین کی بنیادی تعلیمات اور صوفیانہ تعلیمات کے درمیان ایک درمیانی راہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ پہلے حنفی عالم تھے جنھوں نے تصوف پر اعلیٰ کتاب لکھی۔

تیسری بڑی کتاب حضرت ابوطالب مکی بغدادیؒ (387 ہجری) کی قوت القلوب ہے۔ اس کتاب سے حضرت امام غزالیؒ اور حضرت جلال الدین رومیؒ نے بہت استفادہ کیا ہے۔اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ تصوف کی بنیاد قرآن مجید، احادیث اور عمل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعینؒ کی تعلیمات ہیں۔

حضرت امام قشیریؒ (متوفی 465 ہجری) کی کتاب رسالہ قشیریہ تصوف پر ایک اہم کتاب ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد اصل صوفی طریق کی وضاحت اور بندگان خدا کو گمراہی و ضلالت سے بچانا تھا۔اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایک زمانے تک یہ مشہور تھا کہ جس گھر میں یہ کتاب ہوگی، وہ گھر آفات سے محفوظ رہے گا۔

حضرت امام قشیریؒ نے اسے لکھ کر اپنے زمانے کے تمام بڑے صوفیا اور خانقاہوں کو بھجوایا۔ اس میں تصوف کے تمام اہم تصورات، افکار اور اقوال وغیرہ کا بیان ہے تا کہ ان کو اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا جائے۔ اس پوری کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور تصوف میں موافقت ہے۔ اصل صوفیا نے اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں کی اور اصل صوفی کے لیے اسلام

(شریعت) کی پابندی لازم قرار دی ہے۔ اس کتاب نے تصوف پر بہت اہم اثر ڈالا ہے اور شریعت اور طریقت کے درمیان پل بنا دیا ہے۔

حضرت علی ہجویری لاہوریؒ (متوفی 467 ہجری) کی کتاب کشف المحجوب تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں پہلی تصنیف تھی۔ اس میں جن رموز طریقت اور حقائقِ معرفت کو منکشف کیا گیا ہے ان کی بنیاد مکاشفات کی بجائے قرآن وسنت پر رکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں تزکیہ نفس، اخلاص، معرفت باری تعالیٰ، روح کی حقیقت، توحید کی تعریف سمیت تصوف کی مختلف اصطلاحات کی تعبیر اور تطبیق، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی حقیقی روح پر دل پذیر گفتگو کی گئی ہے۔

تصوف کے فلسفہ وتعلیمات پر ان بڑی کتابوں کے بعد صوفیا کے تذکروں کا دور شروع ہوا۔ بزرگان اور صوفیا کے حالات تفصیل سے لکھے گئے۔ سب سے پہلی کتاب حضرت عبدالرحمٰن سلمیؒ کی طبقات الوفیا[1] ہے اور دوسری کتاب حضرت ابونعیم اصفہانیؒ (متوفی 430 ہجری) کی حلیۃ الاولیا ہے۔[2] امام غزالیؒ نے فقہ اور تصوف کی روایات کو ملا دیا جس کے سبب وہ اسلام کے اہم شارح بن گئے۔ امام غزالیؒ کے اس طرزِ عمل سے بہت سے ظاہر پرست علما نے بھی تصوف کو سنجیدہ لینا شروع کر دیا۔ امام غزالیؒ نے یونانی فلسفہ پر بھی کڑی تنقید کی اور نیوافلاطونی فلسفہ پر بھی گرفت کی، جب کہ دونوں نظریات غزالیؒ کے سو سال بعد تصوف پر غالب آنے لگے۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (متوفی 632 ہجری) کی کتاب عوارف المعارف بہت اہم ہے۔ عوارف المعارف تریسٹھ ابواب پر مشتمل ہے جس میں راہ سلوک کی منازل واحوال کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب امہات کتب تصوف میں شمار کی جاتی ہے اور بعض صوفی سلسلوں میں یہ بنیادی کتاب ہے جس کا درس دیا جاتا ہے۔ ان کتب کے بعد تصوف کے خلاف علما کے رویے میں قدرے نرمی آنا شروع ہوئی۔

دوسری بڑی کوشش علما کی طرف سے ہوئی جو حضرت ابوحامد امام غزالیؒ (متوفی 505 ہجری) نے

۱۔ طبقات کا فارسی ترجمہ حضرت عبداللہ انصاری ہرویؒ (متوفی 481 ہجری) نے کیا۔

۲۔ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ (متوفی 898 ہجری) نے نفحات الانس میں اس پر اضافے کیے ہیں۔

فرمائی۔ امام غزالیؒ نے صوفیا کے نظریات کو عمومی اسلامی فکر میں شامل کر دیا۔ آپؒ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم تھے جنہوں نے جامع نظامیہ نیشاپور اور بغداد سے تعلیم پائی تھی اور وہاں استاد رہے تھے۔ آپؒ نے فقہ شافعی پر بہت لکھا۔ ادھیڑ عمر میں داخلی بحران کا شکار ہوئے۔ جس کے سبب آپؒ نے تعلیمی اور ذاتی شہرت کو چھوڑ کر غور و فکر کی زندگی اختیار کر لی۔ آپؒ نے یہ وقت زیادہ تر دمشق اور بیت المقدس (یروشلم) میں چلہ کشی میں گزارا اور اس وقت کی مروج مذہبی فکر پر ناقدانہ نظر ڈالی اور دینی علوم پر نئی فکر سے لکھنا شروع کیا۔

آپؒ نے نتیجہ اخذ کیا کہ اسلام کو غیر ضروری علمی جدلیاتی مباحث اور فقہ کی غیر معمولی سطحی تعبیر نے نقصان پہنچایا ہے جس سے عوام میں اسلام کی اصل دینی روح غائب ہوگئی ہے۔ آپؒ نے ان فلسفیوں کی نقطہ آفرینیوں اور متکلمین کے شدت بھرے اصولوں پر شدید تنقید کی کہ انہوں نے دین کی اصل روح کو فنی بحثوں میں ضائع کر دیا ہے۔ امام غزالیؒ نے رائے پیش کی کہ دینی روح، کلام اور فقہ کے مباحث سے حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ حقیقت جاننے کے لیے ایک گہرے ذاتی مذہبی تجربے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کوشش کی کہ مسلمان اپنی روح کی روشنی میں وجدانی زندگی اختیار کریں جس میں ان کو اپنی کم مائیگی کا احساس ہو اور اللہ پاک کے فضل اور محبت پر بھروسہ ہو۔

ان کوششوں سے امام غزالیؒ نے تصوف کو صرف روحانی اور وجدانی عمل سے نکال کر مسلمانوں کی عمومی زندگی کا حصہ بنا دیا۔ آپؒ نے صوفیا کے وحدت الوجودی خیالات اور غیر شرعی حرکتوں کی مذمت کی اور دینی روح کو اجاگر کیا تا کہ مسلمان اللہ پاک کی قربت اختیار کریں۔ آپؒ کو معلوم تھا کہ آپؒ کا کام اصل دینی روح کی احیا کر رہا ہے۔ اس لیے آپؒ نے اس کا نام احیاء علوم رکھا۔ آپؒ نے اعلان کیا کہ وہ کوئی نئی چیز نہیں پیش کر رہے، صرف اصل دین کو واضح کر رہے ہیں۔ غلط نظریات اور اعمال کے رد کے طور پر آپؒ نے صرف قرآن پاک، احادیث مبارکہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں کے حوالے دیئے تا کہ سنت کے قریب رہیں۔ آپؒ نے دین کے اخلاقی پہلو پر بہت زور دیا جو اصل مقصد تھا۔

امام غزالیؒ سے پہلے صوفیا عام طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات تک محدود تھے اور رسمی و کلامی و فقہیانہ اسلام کے خلاف خاموش احتجاج کر رہے تھے۔ اب ان کو امام غزالیؒ کی شکل میں ایک ایسی توانا آواز ملی

جو بظاہر ایک بہت روایتی عالم، فلسفی اور فقیہ کی تھی مگر انہوں نے ان تمام نقصانات کا بھرپور اعلان کیا جس سے عام مسلمان متاثر تھے اور جو کلام وفقہ کے غیر ضروری اصرار کی وجہ سے ہو رہے تھے۔

امام غزالیؒ کی روایتی عالم ہونے کی شہرت کی وجہ سے ان کی بات کو بہت غور سے سنا گیا اور سمجھا گیا مگر کچھ مخالفت بھی ہوئی۔ کئی سال تک اسپین کے علما کے حکم پر احیاء العلوم کو جلایا جاتا رہا مگر یہ مخالفت آہستہ آہستہ دم توڑ گئی اور امام غزالیؒ کی فکر پر روایتی علما کا بھی اجماع ہو گیا۔ اہل روایت نے بھی امام غزالیؒ کو اپنا امام مان لیا۔ امام غزالیؒ کے گرد تقدیس کا ہالہ بن گیا اور آئندہ نسلوں نے آپؒ کو محی الدین اور مجدد کے القابات سے نوازا جس کو اللہ پاک نے پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں اسلام کے احیا کے لیے بھیجا۔ آپؒ کی کتاب احیاء العلوم کو غیر معمولی پذیرائی ملی۔

امام غزالیؒ کی ان کوششوں سے مسلمانوں میں ایک بات طے ہو گئی کہ تصوف عمومی مسلمانوں پر غالب آ سکتا ہے۔ فقہا، محدثین حتیٰ کہ متکلمین بھی اس طرف میلان کرنے لگے اور یہ کہا اور محسوس کیا جانے لگا کہ ہر عالم کا انجام صوفی ہونا ہوتا ہے۔ علما بھی صوفیا کے در پر جانے لگے جس سے یہ بات طے ہو گئی کہ مسلم سماج میں تصوف فقہ اور کلام سے زیادہ مضبوط، بااثر اور قابل قبول ہے۔

ترک سلجوق سلطنت کے زمانے میں تصوف بہت پھیلا پھولا حتیٰ کہ علما نے بھی صوفیا کو اپنا شیخ مان لیا۔ اس سلسلے میں امام غزالیؒ نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ بڑھتے بڑھتے چھٹی صدی ہجری/ بارویں صدی عیسوی میں تصوف نے غلبہ پا لیا۔ اس کے بعد اسلامی روایت دو حصوں میں بٹ گئی:

(i) شرعی روایت، جس میں ظاہری اعمال پر زور تھا اور اس کی قیادت علما کر رہے تھے۔

(ii) صوفی روایت جس کا زور باطن اور شخصی زندگی پر تھا اور اس کی قیادت صوفیا کر رہے تھے۔

بعض اوقات عالم اور صوفی ایک ہی شخص تھا۔

مسلم سماج میں ایک تقسیم سی بن گئی۔ انسان کے روحانی، اخلاقی اور باطنی مسائل کے لیے پیر اہم سمجھے جانے لگے اور شرعی مسائل واعمال کے لیے علماء کی طرف رجوع کیا جانے لگا۔ عالم نے شریعت پڑھانی ہے اور صوفی نے طریقت۔ عالم کے پاس علم ہے جو اسناد سے اوپر سے نیچے آتا ہے اور صوفی کے پاس معرفت ہے جو سلسلے کی شکل میں اوپر سے نیچے آتی ہے۔ دونوں طبقات نے اپنی اسناد اور سلاسل

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائے۔ علما نے خدا کا جلال سمجھا یا جس میں خوفِ خدا کا غلبہ تھا اور صوفیا نے خدا کا جمال سمجھا یا اور اس جمال کے حصول کے لیے محبت ضروری ہے جس سے وحدت ملتی ہے یعنی انسان خدا کے قریب ہو جاتا ہے اور ولایت ملتی ہے۔

تصوف نے اسلام کے ادب پر بہت اثر ڈالا ہے۔ اس نے عمومی مسلمانوں پر بھی بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ خاموش تحریک کے طور پر اس نے مسلمانوں کے مذہبی تصورات اور رجحانات کو متاثر کیا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فقہا اور متکلمین نے اسلام کی بہت قانونی اور عقیدیاتی تعبیر کر دی جس سے مسلمانوں کا فکر و عمل تنگ ہو گیا۔ اس کے ردعمل کے طور پر تصوف روحانی آزادی کے لیے پیدا ہوا۔ اندھی اور تکلیف دہ قانونی اطاعت کی جگہ زہد سے حاصل ہونے والی روحانی تعلیم نے لے لی۔ علم الکلام کے خشک اصولوں کی جگہ حقیقت کی محبت کے نشے نے لے لی جس سے انسان مادہ سے بھی اوپر اٹھ گیا۔ اعضا کی عبادت کی جگہ دل کی عبادت نے لے لی۔ علما کے کتابی اور عقلی علم کی جگہ قلب کے علوم اور وجدان نے لے لی۔ صوفیا کے ہاں شریعت کافی نہیں ہے۔ شریعت کے بعد انسان کو طریقت کی طرف جانا چاہیے جس سے انسان کو حقیقت ملتی ہے، جس کے بعد خدا کی معرفت ملتی ہے۔ یہ سارا عمل انسان کو علم الیقین سے عین الیقین اور پھر حق الیقین تک لے جاتا ہے۔

3۔ ارتقائی مراحل

اگر ہم تصوف کے ارتقا کو دیکھیں تو ایک اس کے تین مراحل معلوم ہوتے ہیں:

(i) **خانقاہ کا مرحلہ:** خانقاہ والا مرحلہ تصوف کا سنہری زمانہ ہے۔ یہ سلسلہ تیسری صدی ہجری/ نویں صدی عیسوی سے شروع ہوا اور چھٹی صدی ہجری/ بارہویں صدی عیسوی میں تقریباً ختم ہو گیا۔ اس ابتدائی زمانے میں اصل مقصود اللہ پاک کے سامنے جھکنا تھا۔ اس زمانے میں ایک شیخ اپنے شاگردوں/ مریدوں کے ساتھ ایک خانقاہ میں اکٹھے رہتے تھے۔ ان کے وہاں رہنے اور سیکھنے کے آداب تھے۔ اس زمانے میں یہ علمی اور جذباتی لحاظ سے ایک امیرانہ تحریک تھی جس میں انفرادی اور اجتماعی مراقبہ کیا جاتا تھا اور دیگر رسومات تھیں جن سے وجد پیدا ہوتا تھا۔ لوگ ایک شیخ سے تربیت پا کر کسی اور شیخ کے پاس تربیت کے لیے چلے جاتے تھے۔ بعض اوقات شیخ خود تربیت کر کے حکم دیتے ہیں کہ شاگرد/ مرید

فلاں بزرگ کے پاس جا کر تربیت پائے۔

(ii) طریقہ کا مرحلہ: اس مرحلہ میں صوفیا ایک خاص طریقہ/گروہ/ ضابطہ سے منسلک ہونے لگے۔ یہ زمانہ 500ہجری/1100 عیسوی (سلجوق سلطنت) سے لے کر 800ہجری/1400 عیسوی تک ہے۔ اس زمانے میں صوفی فکر، صوفی ضوابط اور طریقہ کار آگے منتقل ہوئے۔ تصوف کی تعلیم کے باقاعدہ مکاتب فکر بنے۔ ایک روحانی شیخ کے حوالے سے سلسلے چلے اور طریقے بنے۔ تصوف اب عام کاروباری لوگوں، دست کاروں اور زمین داروں تک پہنچ گیا۔ اس منزل میں تصوف کی آزاد روح کو باقاعدہ تصوف کے سانچے میں قید کیا گیا اور شرعی روایت سے جوڑ دیا گیا۔ اس زمانے میں وجد طاری کرنے کے اجتماعی طریقے وجود میں آئے۔

(iii) سلاسل کا مرحلہ: اس مرحلے میں لوگوں نے ایک شیخ کے سامنے جھکنا شروع کر دیا۔ یہ نویں صدی ہجری/ پندرہویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے، جب کہ عثمانی سلطنت/ خلافت وجود میں آتی ہے۔ اس مرحلہ میں فکر اور ضابطہ کے ساتھ ساتھ بیعت/ اطاعت وجود میں آتی ہے۔ اس مرحلہ میں تصوف ایک عوامی تحریک بن جاتی ہے۔ اس مرحلہ میں تصوف کے حوالے سے بہت سے آوارہ گروہ وجود میں آتے ہیں جہاں ولی/ شیخ کی پوجا کی حد تک تعظیم کی جاتی ہے۔ اس زمانے میں تصوف کا زوال شروع ہوا۔ روحانی اور شخصی آزادی ایک ضابطہ نظام اور اجتماعیت میں قید ہوگئی۔ شیخ کی اندھی اطاعت نے صوفی کو خدا کی بجائے شیخ کی اطاعت پر لگا دیا۔ صوفی کو خدا کی بجائے انسان کا غلام بنا دیا۔

4۔ علاقائی پھیلاؤ

(1) بغداد

عراقی علاقوں میں تصوف کا مرکز بصرہ اور پھر بغداد رہا۔ جہاں حضرت سری سقطیؒ (251ھ/ 865ء)، حضرت معروف کرخیؒ (200ھ/ 815ء) اور حضرت جنید بغدادیؒ (297ھ/ 910ء) نے روحانی اور صوفیانہ رجحانات کی ابتدائی تشکیل کی۔ کلاسیکل تصوف کی ابتدا بصرہ اور بغداد میں ہوئی جس کے

سربراہ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ کی روایت صحو (ہوش) کی روایت تھی جس میں شرع کی اطاعت لازم تھی، جب کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر ابوسعید خرازؒ، حضرت ابو الحسن نوریؒ اور حضرت ابوبکر شبلیؒ کی سکر کی روایت کمزور پڑ گئی۔

جنیدی روایت کے تصوف کو شریعت کے علما نے قبول کرنا شروع کر دیا جس کا سہرا حضرت عبدالرحمٰن سلمی خراسانیؒ (412ھ/ 1021ء)، آپ کے شاگرد حضرت ابوالقاسم قشیری نیشاپوری بغدادیؒ (465ھ/ 1072ء) اور حضرت امام غزالیؒ (505ھ/ 1111ء) کی کتب کے سر جاتا ہے۔ اس طریقے کو نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبیؒ کی اشیرباد حاصل ہوئی اور ان کی مدد سے بہت سے صوفی مدارس اور خانقاہیں بنیں۔ عراقی / بغدادی تصوف عربی تصوف کے قریب تر ہے حالانکہ اس کے زیادہ تر امام غیر عرب تھے۔ اس عراقی جنیدی روایات میں رفاعی سلسلہ اور سہروردی سلسلہ بھی شامل ہو گیا۔

اس زمانے میں ظاہری علما کی جانب سے صوفیا کے نظریات کے خلاف بہت سختی کی گئی جس کی ایک مثال حضرت شہاب الدین یحییٰ سہروردیؒ کا قتل ہے جن کو شام (حلب) کے تنگ نظر علما کے دباؤ پر صلاح الدین ایوبی کے حکم پر ان کے مقامی گورنر الملک الظاہر نے 38 سال کی عمر (587ہجری/ 1191ء) میں قتل کر دیا۔ آپؒ کی تصوف پر معرکۃ الآرا کتاب: کتاب الاشراق آج کل بہت مشہور و مقبول ہے۔

(2) خراسان

تصوف کے ابتدائی مراکز بغداد اور خراسان تھے۔ تصوف کی خراسانی روایت فقہیانہ اور کلامی علوم کے قریب تھی اور عرفانی تھی۔ اس لیے خراسانی علما بھی اس کی طرف مائل ہونے لگے۔ حضرت سراج طوسیؒ (378ہجری)، حضرت ابوطالب مکیؒ (386ہجری)، امام قشیریؒ (465ہجری)، سید علی ہجویریؒ (467ہجری)، حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ (481ہجری)، جیسے صوفیا اور ابوعلی فرمدیؒ (477ہجری) اور احمد غزالیؒ (520ہجری) جیسے علما کی تحریروں سے یہ اور زیادہ مقبول ہو گیا۔ اس لیے جب امام ابوالحامد محمد غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں تصوف کے عملی پہلوؤں کو اپنے زمانے کی علمی فکر و عمل میں موجود کوتاہیوں اور بیماریوں کے علاج کے لیے پیش کیا تو اس پس منظر میں اس کو قبول کر لیا گیا چونکہ اس وقت تک نیکی و زہد کے روحانی اور علمی طرز میں ہم آہنگی آ چکی تھی۔ یہ روایت طوس، نیشاپور، مرو، ہرات

اور اصفہان میں قائم رہی اور وہاں سے مغرب، مصر اور اندلس منتقل ہوگئی۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ خراسان ہی میں شیخ کے گرد مریدین رہنے لگے اور خانقاہیں بننے لگیں اور روحانی تربیت ہونے لگی۔ وہاں سے یہ سلسلے ماوراء النہر، ہندوستان، عراق، ایران، مغرب اور شام تک پھیل گئے۔

خراسان میں بہت سی احادیث اور روایات مقبول ہونے لگیں جن میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں اللہ پاک کے منتخب اولیا ہوتے ہیں، کچھ اخیار ہوتے ہیں، کچھ ابرار۔ کچھ قطب، ابدال اور غوث ہوتے ہیں (مختلف روایات میں مختلف تفصیلات ہیں)۔ اس بحث کی ابتدا حضرت حکیم ترمذیؒ (متوفی 320 ہجری/905ء) نے اپنی کتاب ختم الاولیا سے کی اور ان اولیا کی کرامات کے بارے میں قصے پھیلنے لگے اور علما میں بحث و اختلاف پیدا ہونے لگا۔ اس طرح صوفیا سے متعلق برکت کا تصور پیدا ہونے لگا۔ لوگ زیارت کے لیے بھی آنے لگے اور زیارت کے ساتھ کچھ رسوم بننے لگیں اور کچھ علما نے ان کی خلاف لکھنا شروع کر دیا اور یہ معاملات چھٹی صدی ہجری سے زیادہ بڑھنے لگے۔

بغدادی تصوف جب خراسان پہنچا تو یہاں کی ملامتی تحریک سے اس کا ٹکرا ہوا۔ یہ ملامتی تصوف دل کی صفائی پر زور دیتا تھا اور ظاہری اعمال کو نظر انداز کر دیتا تھا، جب کہ بغدادی تصوف میں ظاہر اور باطن دونوں پر زور تھا۔ خراسان میں ان دونوں روایتوں کے اتصال سے ایک نئی قسم کا تصوف پیدا ہوا جس میں زیادہ تر شافعی فقہی مذہب کے لوگ تھے اور بعد میں حنفی علما شامل ہوئے۔ ملامتی فکر نے ہی غالباً حضرت علی ہجویریؒ جیسے صوفیا کو قائل کیا کہ وہ صوفیا کی ظاہر پرستی پر تنقید کریں۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس اتصال کی وجہ سے بغدادی تصوف پر کچھ اثرات مرتب ہوئے۔ ملامتیہ کے نفس کی تربیت پر زور کی وجہ سے غالباً شیخ التربیت صوفیا وجود میں آئے جنہوں نے مریدوں کی روحانی تربیت کا باقاعدہ نظم بنایا جس نے خراسانی تصوف (بغدادی تصوف کے زیر اثر) میں بہت اہمیت بلکہ مرکزی حیثیت اختیار کر لی۔ اس طرح سماج سے جڑ کر رہنے کی روایت سے بغدادی تصوف کی روایت مقامی طور پر زیادہ مضبوط ہوئی۔

(3) ماوراءالنہر

ماوراءالنہر میں تصوف ذرا دیر سے پہنچا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں حنفی اور ماتریدی علما کا زور تھا جو اس کے حق میں نہ تھے لیکن اس علاقے کے ایک مشہور حنفی عالم حضرت ابوبکر الکلاباذیؒ (متوفی 380 ہجری) نے تصوف پر ایک مایہ ناز کتاب: التعرف لمذهب أهل التصوف لکھی۔آپؒ نے حضرت جنید بغدادیؒ کے شاگرد حضرت ابوالقاسم ابن عیسیٰ دینوریؒ (340 ہجری) سے تعلیم پائی تھی۔آپؒ کی یہ کتاب تصوف کا بنیادی تعارف کرواتی ہے اور اس کی تاویل بھی پیش کرتی ہے۔ان کے خیال میں صحیح تصوف کی تصویر پیش کرتی ہے۔غلط باتوں سے تصوف کو پاک کرتی ہے۔اس فکر کے زیر اثر ان علاقوں میں تصوف کو قبولیت ملی اور بعد میں ماوراءالنہر نقش بندی سلسلہ کا مرکز بن گیا۔

(4) مصر

تصوف کی ابتدا اور ارتقا کے ابتدائی زمانے میں مصر اور مغرب میں کوئی کام نہیں ہوا۔جو بھی صوفی تھے، ان کا اثر مقامی تھا اور بہت بعد میں ان کا اثر ان علاقوں سے باہر نکلا۔مصر میں حضرت ذوالنون مصریؒ (متوفی 245 ہجری) بہت مشہور ہوئے اور آپؒ کے والدین عیسائی تھے۔عربی زبان کے سب سے بڑے صوفی شاعر حضرت عمر بن الفریدؒ (متوفی 631 ہجری) مصر میں رہے مگر اصلاً شامی النسل تھے۔ حضرت امام بصیریؒ (متوفی 696 ہجری) بھی زہد اور شاعری کی وجہ سے مشہور ہوئے اور مشہور زمانہ قصیدہ بردہ شریف آپؒ کی تحریر ہے۔

مصر میں حضرت احمد البداویؒ (متوفی 627 ہجری) اور حضرت ابراہیم دسوقیؒ (متوفی 687 ہجری) نے بھی اپنے طریقے بنائے۔حضرت البداویؒ اصل میں عرب تھے اور مراکش کے شہر فیض میں رہتے تھے لیکن کچھ عرصہ مصر میں بھی رہے۔آپؒ نے بطیحہ (عراق) میں رفاعی سلسلہ میں تربیت پائی اور پھر مصر آ گئے۔آپؒ کا مزار مبارک طنطا (مصر) میں ہے۔آپؒ نے عبادات اور خدمت کی وجہ سے مقامی لوگوں میں بہت عزت پائی۔آپؒ کا سلسلہ احمدیہ یا بداویہ کہلاتا تھا۔اس سلسلے نے بعد میں مختلف شاخوں کی شکلوں میں حجاز شریف، شام، ترکی، لیبیا اور تیونس میں اثر ڈالا۔

مغرب (شمالی افریقہ) میں تصوف سست روی سے پھیلا۔ اس کی وجہ وہاں کے علما کی مخالفت تھی جس کی وجہ سے وہاں بہت عرصہ تک امام غزالیؒ کی کتابیں جلائی جاتی رہیں۔ ابتدا میں حضرت ابن مصرعؒ (319 ہجری)، حضرت ابن العارفؒ (535 ہجری) اور ابوالقاسم قصیؒ (546 ہجری) مشہور ہوئے اور پھر حضرت ابن عربیؒ (638 ہجری) مگر وہ وہاں سے ہجرت کر گئے۔

(5) ہندوستان

ہندوستان میں حضرت معین الدین چشتیؒ (متوفی 627 ہجری) نے اجمیر میں قیام کیا۔ آپؒ سے معروف سلسلہ چشتیہ چلا جس کو بعد میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت نظام الدین اولیاؒ نے بہت ترقی دی اور یہ سلسلہ ہندوستان کا سب سے بڑا سلسلہ بن گیا۔

اس طرح سہروردی سلسلہ بھی ہندوستان میں مقبول ہوا۔ حضرت ابونجیب سہروردیؒ نے شیخ حمیدالدین ناگوریؒ (672ھ/ 1274ء)، حضرت نورالدین مبارکؒ (630ھ/ 1234ء) اور شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ (660ھ/ 1262ء) کو اپنا خلیفہ بنا کر یہاں بھیجا جنھوں نے اس سلسلہ کو ہندوستان میں بہت پھیلایا۔

جب منگولوں نے تیرہویں صدی عیسوی میں مسلمان دنیا (وسطی ایشیا اور عراق) پر بار بار حملے کیے تو بہت سے صوفیا محفوظ علاقوں میں چلے گئے۔ خاص طور پر بہت سے صوفیا اناطولیہ (ترکی) اور ہندوستان چلے گئے۔ ہندوستان میں خانقاہیں ایک عمومی ادارہ کی بجائے ایک نیک بزرگ کے گرد بننے لگیں اور اس کی تعلیمات اور معمولات کو پھیلانے لگی۔

5۔ نسبت محمدی

بعض صوفی روایت کے مطابق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روحانی و باطنی تعلیمات اور حقائق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر منتقل کیے۔ غالباً اس وجہ سے تصوف کے بہت سے سلسلے آپ رضی اللہ عنہ کی معرفت حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تک پہنچتے ہیں۔ اس لیے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی

اولاد کی معرفت صوفیانہ واردات کے علوم آگے بڑھے۔ بعض کے نزدیک حضور نبی پاک ﷺ کی صوفیانہ روایت اصحاب صفہ میں منتقل ہوئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی اس کے اہم ستون تھے۔

بعض صوفی روایات میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ بھی حضور نبی کریم ﷺ کی صوفیانہ روایات کے امین تھے۔ ان سے اویسی مشرب، اویسی نسبت بنی۔ آپؒ نے چونکہ حضور نبی پاک ﷺ کی زیارت نہیں فرمائی تھی بلکہ اللہ پاک کے خاص فضل وکرم سے آپ ﷺ سے خصوصی روحانی تعلق ومحبت رکھتے تھے، اس لیے جو شخص کسی خاص شیخ کی عملی بیعت کی بجائے اس کے روحانی راستے پر چلے یا اس سے صرف روحانی طور پر منسلک ہو، اس کو اویسی کہتے ہیں۔

دسویں صدی ہجری کے آخری دور میں تصوف منظم ہونے لگا۔ یہ وہ دور ہے جس میں مسلمان دنیا میں سیاسی تبدیلیوں کی وجہ سے شیعہ عقائد کا اثر بڑھنے لگا تھا۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ (متوفی 334 ہجری) کی وفات کے بعد بغداد پر ایرانی نژاد شیعہ نے قبضہ کرلیا، شام میں حمدانی شیعہ حکمران تھے۔ 930ء میں وسطی عرب پر قرامطی شیعہ حکمران بن گئے اور بحرین ان کا مرکز تھا۔ ملتان (پاکستان) میں بھی انہوں نے حکومت بنالی تھی۔ شمالی افریقہ میں فاطمی شیعہ آہستہ آہستہ طاقت پکڑ رہے تھے۔ 969ء میں انہوں نے مصر فتح کرلیا اور وہاں وہ دوسو سال حکمران رہے۔ اس لیے بعض علما کا خیال ہے کہ تصوف پر شیعہ کے نظریہ امامت اور باطنی نظریات کا عوامی تصوف پر اثر ہوا اور تمام سلسلے اس وجہ سے غیر شعوری طور پر حضرت علی مرتضیٰ کی طرف جانے لگے اور باطنی علم اور علم لدنی وغیرہ پر زور دیا جانے لگا۔ مغربی دانشوروں نے یہ بھی کہا ہے کہ سنی صوفیا نے ولایت کا تصور شیعہ کے تصور امامت کے ردعمل میں بنایا ہے، لیکن عمومی صوفیا اس کی تردید کرتے ہیں۔

خراسان (ایران) میں تصوف میں حضرت بایزید بسطامیؒ (متوفی 261 ہجری) اور حضرت جنید بغدادیؒ (297 ہجری) کی خالص روحانی روایات ختم ہوگئیں۔ ایرانی تصوف انفرادیت، مختلف رجحانات اور خاص شرعی خیالات رکھنے لگا۔ یہاں کے بہت سے صوفیا روحانی اور باطنی تعلیمات کے لیے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف میلان کرنے لگے اور بہت سے بارہ امامی نظریات تصوف کے پردے میں رواج پا

گئے۔اس کے بعد بارہ امامی اور باطنی تصورات نے اپنے روحانی سلسلے ذہبیہ،نوربخشیہ،نعمت الٰہیہ، بکتاشیہ اورصفویہ بنالیے۔

اسی طرح شمال مغربی ایران کے شہر اربیل میں ایک صوفی سلسلہ میں شیعہ عقائد غالب آ گئے اور پھراس صوفی سلسلہ کے شاہ اسماعیل نے 1501ء میں صفوی حکومت کی بنیادرکھی۔انہوں نے ایران میں شیعہ مذہب کوسرکاری مذہب بنادیا لیکن زیادہ تر صوفیا اصل میں سنی ہی رہے اور اپنا الگ تشخص قائم رکھا مگر آہستہ آہستہ ایران/خراسان میں تصوف ختم ہوگیا اور آہستہ آہستہ شیعہ روایت نے عمومی طور پر تصوف کی روایت سے دوری اختیار کرلی۔

6۔ تصورشیخ

ساتویں صدی ہجری/ تیرہویں صدی عیسوی میں صوفی سلسلے بننے لگے۔ایک عظیم شیخ کے گرد لوگ اکٹھے ہونے لگے اورایک مرکز اور طریقہ اپنالیا اور پھرایک مکتبِ فکر بن گیا جوان کی تعلیمات اور روحانی طریقہ کوآگے پھیلانے کا سبب بنا۔پھر ہر طریقہ ایک سلسلہ بن گیااور بعد میں آنے والےاسی سلسلے کے بانی کے روحانی وارث بن گئے۔ان سلسلوں کا مقصد عمومی اسلامی اداروں کی جگہ لینا نہیں تھا بلکہ اس سے صوفیا نے اپنی تخلیقی آزادی کومسلمانوں کے لیے استعمال کیا۔

یہ سلسلے کبھی بھی فرقہ وارانہ بنیادوں پرنہیں بنے۔ان کے سربراہ (شیوخ) نے ہمیشہ دینِ اسلام کی ظاہری تعلیمات پرعمل کیااور روایتی علما سے اچھے روابط رکھے۔ ہرسلسلہ/طریقہ کا اپنا شیخ،اپنا خلفا کا سلسلہ، خاص طرز کی تنظیم،طرزِ تدریس اور خاص رسومات تھیں مگرسب کے سب شریعت سے جڑے ہوئے تھے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کے دامن میں یہ ایک چھوٹا سا داخلی گروہ تھا جس نے خاص روحانی فکراور تنظیم متعارف کرائی جوبعض اوقات اسلام کی روح کے بھی خلاف ہوجاتی تھی۔

مریداورسلسلہ کے تعلق نے ایک خاص باطنی شکل اختیار کرلی جس میں مریداس سلسلے کے بانی شیخ یااس کے خلیفہ سے روحانی بیعت کرتا تھااوراس کی اطاعت کا عہد کرتا تھااوراس کے بدلے میں وہ شیخ اور خلیفہ سے خفیہ ورد(ذکر) لیتا تھا۔وہ روحانی طور پرسلسلہ سے جڑ جاتا تھا جس سے اس سلسلے کی روحانی طاقت میں اضافہ ہوتا تھا۔

اس زمانے میں مختلف کاروباروں اور دستکاروں کی تنظیمیں بننے لگیں جو فتوہ کہلائیں۔ یہ فتوہ آہستہ آہستہ کسی نہ کسی صوفی شیخ سے منسلک ہوتے جس سے خانقاہوں اور سلسلوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ جوں جوں شیوخ مشہور ہوئے ان سے کرامات منسوب ہونے لگیں۔ جادو، دم، تعویذ وغیرہ بھی شروع ہونے لگے۔

اس پس منظر میں ایسی کتابیں لکھیں گئیں جو پیر اور مرید کے درمیان تعلق اور آداب بیان کرتی ہیں۔ ایسی کتب میں حضرت ابونجیب سہروردیؒ کی مطالب الطالبین اور آداب المریدین، شیخ ابن خفیفؒ کی کتاب الاقتصاد، شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی صفات الآداب اور ابن عربیؒ کی الامر والمحکم بہت مشہور ہوئیں اور آج تک پڑھی جاتی ہیں۔

تصوف میں آہستہ آہستہ شیخ کی ضرورت اطاعت پر بہت زیادہ زور دیا جانے لگا۔ حضرت عین القضاہ الھمدانیؒ (526 ہجری) نے فرمایا کہ جس کا شیخ نہیں ہے اس کا دین نہیں ہے[1]۔ اسی طرح حضرت بایزید بسطامیؒ سے بھی ایک قول نقل کیا جاتا ہے کہ جس کا شیخ نہیں ہے، شیطان اس کا شیخ ہے۔ بعض علما نے تو یہاں تک کہا کہ مرید کا رشتہ اپنے شیخ سے اس طرح کا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس پراسرار شخص سے تھا جس کا ذکر قرآن پاک نے سورۃ کہف میں کیا ہے۔ حضرت سہل تستریؒ (متوفی 283 ہجری) نے فرمایا کہ سالک اللہ پاک کے ہاتھ میں اسی طرح ہے جیسا مردہ غسل والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ اس کو جیسے چاہتا ہے، حرکت دیتا ہے۔ اس اصول کو استعمال کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ مرید بھی اپنے شیخ کے ہاتھ میں مردہ ہی کی طرح ہوتا ہے۔ اس اصول سے شیخ کو اپنے مریدوں میں اختیار مل گیا۔ حضرت علی ہجویریؒ (متوفی 467 ہجری) نے فرمایا کہ شیخ بھی دلوں کی بیماریوں کا حکیم ہے اور مرید کو حکیم کی بات ماننی ہے پھر حضرت شیخ کی نسبت اور تعلق کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جوڑ دیا گیا تا کہ مریدین پر اثر قائم ہو۔ اس نقطہ نظر کے مطابق حضرت محمد بن طاہر مقدسیؒ (507 ہجری) نے فرمایا کہ شیخ کی خدمت عبادت سے بہتر ہے[2]۔

کہا جانے لگا کہ مریدین اپنے شیخ سے کیے گئے عہد کے مطابق اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ سے

---

[1]۔ من لا شیخ له لا دین له

[2]۔ الخدمة الشيخ أفضل من العبادة

ابتدا کریں اور اپنے مخالفین اور دشمنوں سے صلح کریں۔ اس کے بعد مال و جاہ سے قطع تعلق کریں۔ اس کے بعد اپنے اعمال اور مزاج میں اپنے شیخ کی مکمل اطاعت کریں اور اپنا ہر عمل اور ہر فکر اپنے شیخ کو بتائیں۔ اس کے بعد ہی شیخ صحیح معنوں میں اپنے مرید کی تربیت شروع کرتا تھا۔

یہ طرز ترتیب بصرہ و بغداد خراسان پہنچا تو اس میں مقامی اثرات شامل ہو گئے اور علمی روایت، صوفی روایت میں ضم ہو گئی۔ خانقاہی مدرسے عام ہو گئے اور شیخ اور مرید کا تعلق ایک شاگرد کا سا ہو گیا۔ اجازت کا تصور حدیث کے اساتذہ سے لیا گیا ہے۔ ابتدا میں پیر اور مرید کا تعلق استاد اور شاگرد کا تھا جو بعد میں مرشد اور مرید کا تعلق بن گیا۔ مرشد ولی تھا جو اللہ پاک سے مرید کا واسطہ اور سفارشی بن گیا۔

صوفیا کے آپس کے تعلق میں بھی آہستہ آہستہ تبدیلی آتی چلی گئی۔ پہلے طبقات میں باہمی جوش و جذبہ، مشترک مقاصد، روحانی تربیت کا خاص طرز عمل تھا جس کا مقصد اپنے نفس کی اصلاح اور انا ء کا خاتمہ تھا تا کہ حقیقت تک پہنچا جائے۔ ان کا آپس کا تعلق روح کا تھا جس میں کوئی باقاعدہ تنظیم نہ تھی بلکہ ایک غیر رسمی سی تنظیم تھی۔ اس کو نیک لوگوں کا گروہ کہتے تھے جو بعد میں مریدوں کا گروہ بن گیا جس کے ممبران اپنے آپ کو ایک شیخ اور روحانی خاندان سے جوڑنے لگے جو اس طریقہ وسلسلہ کی اطاعت کرنے لگے اور آنے والی نسلوں تک پہچانے لگے، اس طرح سلسلہ میں بیعت ہونے لگی، خاص ذکر کے طریقے اور الفاظ طے ہونے لگے اور روحانی تربیت کی تکمیل پر خلافت ملنے لگی۔ اس کے ساتھ ساتھ صوفیا کے لیے الگ لباس شروع ہو گئے۔ اجتماعی ذکر ہونے لگے۔ ذکر کی عبادات میں تخصیص ہونے لگی کہ یہ ذکر فلاں بزرگ یا سلسلہ کا ہے اور دیگر رسومات بننے لگیں جس میں سماع وغیرہ شامل تھے۔ ایک شیخ کے ماتحت کئی خلفا، نقیب، نائب اور مقدم ہوتے تھے۔ جن میں ہر ایک کو تبلیغ و تربیت کی اجازت دی جاتی تھی، خلیفہ ایک علاقہ میں شیخ کی نمائندگی کرتا تھا، بیعت بھی کرتا تھا اور چندہ بھی اکٹھا کرتا تھا۔

7۔ خانقاہی نظام

صوفی سلاسل کے ابتدائی دور میں کچھ طالب علم اور مرید ایک شیخ کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ جہاں ایسا گروپ جمع ہوتا تھا اس کو خانقاہ کہتے تھے۔ خانقاہ کوئی خاص مقصد کے لیے بنائی گئی عمارت نہ ہوتی تھی بلکہ جہاں شیخ رہتے تھے اس عمارت کے ایک حصہ کو جماعت خانہ/ سماعت خانہ کہتے تھے، جہاں لوگ

اکٹھے ہوتے اور ایک حصہ کو مصلیٰ کہتے تھے جہاں نماز پڑھی جاتی تھی۔کبھی کبھار یہ گروہ شیخ کے ساتھ حرکت میں رہتے تھے۔کبھی ایک جگہ کبھی دوسری جگہ۔کبھی کبھار یہ دورہ پورے سال پر محیط ہوتا تھا۔اس لیے خانقاہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتی تھیں کیونکہ شیخ حرکت میں رہتے تھے۔اس طرح خانقاہ کے ساتھ وقف بھی بننے لگے جس سے خانقاہ کا خرچہ چلتا تھا۔خانقاہ میں مرکزی حیثیت شیخ کو حاصل ہوتی۔

بغداد کے ابتدائی صوفیا مساجد میں بیٹھتے تھے۔خاص طور پر شیزیہ مسجد اس کام کے لیے مشہور تھی۔پھر آہستہ آہستہ مراکز بننے لگے جو عرب دنیا میں رباط کہلائے اور خراسان میں خانقاہ۔بعض علاقوں (شمالی افریقہ) میں زاویہ یا خلوہ کہلائے۔اس کے بعد سلطان نور الدین زنگیؒ، صلاح الدین ایوبیؒ نے مصر میں خانقاہیں (روحانی تربیتی مراکز)، رباط (ہاسٹل)، زاویہ (جہاں ایک شیخ اپنے مریدوں کے ساتھ رہتا تھا)،خلوہ (جہاں ایک شیخ اکیلا رہتا تھا) اور رابطہ (دور دراز کے فقیروں کے رہنے کی جگہ) بنوائیں۔

ان تمام لفظوں کا مطلب کسی صوفی کی جگہ تھی۔کہتے ہیں کہ پہلی خانقاہ فلسطین کے شہر رملہ کے قریب عیسائی امیر نے مصر کے شیخ ابوالہاشمؒ کے لیے تعمیر کروائی اور دمشق میں بھی 150 ہجری کے قریب ایسے مراکز بننے لگے تھے۔سب سے پہلی رباط خلیج فارس میں آبادان کے جزیرے میں بنی جس کے شیخ حضرت عبدالواحد ابن زیدؒ (177 ہجری) تھے۔سکندریہ (مصر) میں 200 ہجری کے قریب ایک گروہ وجود میں آیا جو طائفہ صوفیا کہلایا۔لوگ ان مراکز (خانقاہ، رباط وغیرہ) میں آتے اور شیخ سے تربیت پاتے اور کچھ عرصہ رہتے اور پھر چلے جاتے۔

حضرت ابوالحسن زورانیؒ (حضرت جنیدؒ اور حضرت شبلیؒ کے شاگرد کے شاگرد) نے مسجد خلیفہ منصور (بغداد) کے ساتھ اپنی بڑی خانقاہ بنا لی۔اس طرح بصرہ میں حضرت محمد بن فضل خفیف قریشیؒ نے اپنی الگ خانقاہ بنا لی۔حضرت ابن خفیفؒ کے سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت ابواسحاق الکازارونیؒ (متوفی 325 ہجری) نے اپنے علاقے میں 65 خانقاہیں بنوائیں جہاں روحانی تربیت کے علاوہ مستحقین کی مالی مدد بھی کی جاتی تھی اور مفت لنگر کا انتظام بھی تھا۔بعد میں یہ سلسلہ ترکی، ہندوستان اور چین تک پھیل گیا۔

اس طرح حضرت ابوالعباس قصابؒ (325 ہجری) نے آمولی (ایران) میں، حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ (357 ہجری) نے مہنہ اور نیشاپور (ایران) میں، حضرت ابوعلی دقاقؒ (405 ہجری) نے نیشاپور

(ایران) میں اور حضرت ابوسیناہؒ (424ہجری) نے مرو (ترکمانستان) میں خانقاہیں بنالیں۔حضرت ابو الحسن خرقانیؒ (425ہجری) نے خرقان (ایران) میں خانقاہیں بنالیں۔حضرت خرقانیؒ کی ملاقات کے لیے بادشاہ محمود غزنوی (388ہجری) اور فلسفی بوعلی سینا (370ہجری) بھی تشریف لاتے۔ان تینوں حضرات کی خانقاہوں میں سخت روحانی تربیت کی جاتی تھی۔حضرت ابوالقاسم گورگانیؒ (متوفی 469 ہجری) کی خانقاہ بھی بہت مشہور ہوئی جہاں سے حضرت ابوبکر نساج طوسیؒ (487ہجری) اور حضرت ابوعلی فرمدیؒ (477ہجری) نے تربیت پائی۔حضرت امام محمد غزالیؒ نے حضرت فرمدیؒ سے روحانی تربیت پائی تھی۔اسی طرح حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ (متوفی 481ہجری) کی خانقاہ ہرات میں بہت مشہور تھی۔

مشرق میں تعلق رکھنے والے لوگ مرید (فقیر، اخوان، درویش) کہلاتے، شیخ پیر کہلانے لگا۔ مشہور جغرافیہ دان المقدسی (متوفی 375ہجری) نے شیراز کے بارے میں لکھا ہے کہ وہاں بہت سے صوفی تھے اور جمعہ کی نماز کے بعد ذکر کرتے تھے اور حضور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے تھے۔اس کے خیال میں سلسلہ کرامیہ نے سب سے پہلے سب سے زیادہ باضابطہ خانقاہیں بنائیں۔مگر یہ سلسلہ دوسوسال کے اندر اندر ختم ہوگیا۔

پانچویں صدی ہجری میں خانقاہوں (خاص طور پر شمالی افریقہ اور وسطی ایشیا) نے سرحدی علاقوں میں اسلام کے پھیلانے میں بہت اہم کردار ادا کیا اور بہت سے خانقاہوں کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہو گئی۔سلجوق عہد (11ویں سے 14ویں صدی عیسوی) میں خراسانی تصوف زیادہ پھیلا۔حکمرانوں نے اس کی سرپرستی کی۔سلجوق ترک سنی تھے۔انہوں نے سرکاری خرچ پر مدارس بنائے۔انہوں نے خانقاہوں کو بھی جائیدادیں دیں۔

بعد میں کچھ خانقاہ باقاعدہ ایک عمارت کی شکل میں وجود میں آئیں جو ایک شیخ کی قبر کے قریب بنائی گئی تھیں، اس میں ایک مدرسہ اور مسجد بھی ہوتی تھی۔اس طرح کی خانقاہیں زیادہ تر خراسان اور ماوراءالنہر میں بنیں۔ایک خانقاہ میں ایک بڑا صحن ہوتا تھا، دونوں طرف چھوٹے چھوٹے کمرے ہوتے تھے جہاں صوفی رہتے تھے، ایک طرف ایک بڑا (قبہ) حال ہوتا تھا جہاں اجتماعی ذکر وغیرہ ہوتا تھا۔ محراب کے ساتھ بھیڑ کی کھال مصلیٰ رکھی جاتی تھی جس پر شیخ بیٹھتے تھے۔کچن، دفتر اور حمام بھی ہوتے

تھے۔ رہائشی اور مسافر صوفیا کو کھانا اور رہائش مفت ملتی تھی جب کہ رہائشی صوفیوں کو لباس اور دیگر ضروریات بھی مفت ملتی تھیں۔

ابتدا میں خانقاہیں کوئی باقاعدہ مراکز نہیں تھے بلکہ لوگوں کی انجمنیں تھیں جو ایک ضابطہ کے تحت رہتے تھے۔ اس میں صوفیا کے داخلے اور جانے کے کچھ ضوابط تھے۔ خراسان میں آہستہ آہستہ شیخ کے قریب خانقاہیں بننے لگیں۔ خانقاہ کے شیخ کو شیخ السجادہ (سجادہ نشین) کہا جانے لگا۔ سجادہ نشین کے لیے ضروری نہ تھا کہ وہ شیخ کے خاندان سے ہو۔ پھر آہستہ آہستہ خاندانی وراثت شروع ہوگئی، جس سے کم علم یا نااہل لوگ بھی سجادہ نشین بننے لگے، جب کہ خلوتی اور شاذلی سلاسل میں شیخ کو منتخب کیا جانے لگا۔

جہاں شیخ کا مزار ہوتا ہے وہاں خانقاہ کا مرکز شیخ کی قبر مبارک کا قبہ ہوتا ہے جہاں لوگ زیارت کے لیے آتے تھے۔ یہاں دعا کی جاتی، نذرانے پیش کیے جاتے، جن کا مقصد صدقہ وخیرات کے علاوہ یہ بھی ہوتا ہے کہ شیخ اللہ پاک سے سفارش کرتے ہیں یا پھر شکرانے کے لیے ہوتے ہیں، جب کوئی کام ہو جاتا ہے۔ اس پورے علاقے / عمارت کی حیثیت حرم (پاک جگہ) کی ہوتی ہے جہاں لوگ محفوظ سمجھے جاتے ہیں۔ لوگ شیخ کے پاس یا مزار پر برکت کے لیے بھی آتے ہیں، آکر فاتحہ پڑھتے ہیں، بزرگوں کے مزارات پر ان کی وفات پر زور وشور سے عرس منایا جاتا ہے، بعض ملکوں میں جو شیخ کی پیدائش والے دن منایا جاتا ہے۔ جہاں لنگر چلتے ہیں۔ سماع وقوالی ہوتی ہے۔ میلہ لگتا ہے جہاں بہت لوگ آتے ہیں۔

ہر خانقاہ نے اپنے لوگوں کی تربیت ورہائش کے لیے سخت اصول مرتب کیے جن کی شیخ کی نگرانی میں سخت پابندی کی جاتی۔ ابتدائی دور کی خانقاہوں میں مریدوں کے باہمی روابط کو منظم کرنے کے لیے کچھ آداب طے کیے گئے جن میں حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ کی نیشاپور کی خانقاہ کے مشہور ہوئے۔

8۔ خواتین صوفیا

عہد اول میں تصوف کی دنیا میں خواتین صوفیا عام تھیں۔ جن میں حضرت رابعہ بصریؒ (متوفی 185 ہجری/ 801ء) سب سے زیادہ مشہور ہوئیں۔ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری (545 ہجری سے 648 ہجری) تک حلب (شام) میں خواتین کے لیے سات خانقاہیں تھیں۔ اس طرح بغداد میں بی بی فاطمہ راضیہؒ (521 ہجری/ 1127ء) اور قاہرہ میں بی بی زینب بنت البرکتؒ (684 ہجری/ 1285ء) بہت

مشہور ہوئیں۔ خانقاہوں کی تعمیر مملوک کے زمانہ میں بھی ہوتی رہیں۔ ان بہت سی خانقاہوں کے شیخ بھی حکومت کی طرف سے متعین ہوتے تھے۔ آج بھی تیونس میں کئی خانقاہوں کی شیخ خواتین ہیں۔

9۔ صوفیا اور حکمران

تصوف کے زیر اثر یہ عقیدہ بھی آہستہ آہستہ جڑ پکڑنے لگا کہ جس طرح دنیوی طور پر مختلف علاقوں میں مختلف لوگوں کی حکومت/ اختیار ہوتا ہے، اسی طرح روحانی علاقے ہوتے ہیں، ان میں مختلف اوٗلیا کی روحانی حکومت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے شیوخ اور بعد میں خاندان/گدی نشین لوگ سماجی اثر پکڑنے لگے چونکہ مزارات کی زیارات کرانا ان کے اختیار میں تھا اور خانقاہوں اور مزارات کی زمینیں بھی وہ سنبھالنے لگے جن سے ان کی معاشی حیثیت بھی مستحکم ہوگئی۔

اس طرح تربت جام ایران میں حضرت احمد جامؒ (440ہجری) کی خانقاہ بہت مشہور ہوئی۔ آپؒ زندہ فیل (زندہ ہاتھی) کہلاتے تھے۔ اسی طرح مشہور ہوا کہ آپؒ نے سلجوق بادشاہ سنجر (552ہجری) کو متعین کیا ہے۔ کتب لکھی جانے لگیں جن میں صوفی شیوخ کے علم اور کرامات کے قصے بیان کیے جانے لگے کہ وہ کیسے دیگر صوفیا سے زیادہ بڑے ولی ہیں اور ان کی دنیوی معاملات/حکومت میں کتنا اثر ہے۔

حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ لوگوں کو دنیوی عہدوں پر اپنی روحانی طاقت سے متعین کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کہا جانے لگا کہ سلجوق حکمران طغرل (429ہجری) اور بغداد کے وزیر نظام الملک (485 ہجری) کو بھی حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ نے متعین کیا ہے۔

اس زمانے میں بادشاہ اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے اور اس کو جواز بخشنے کے لیے صوفیا سے روابط بڑھانے لگے۔ اس سلسلے میں عظیم سلجوق سلطان طغرل کی حضرت بابا طاہر عریاںؒ [1] کی ایک ملاقات مشہور ہے۔ اگرچہ تاریخی طور پر یہ واقعہ زیادہ مستند نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب طغرل ہمدان میں آیا تو بابا طاہر عریاںؒ سے ملنے گیا۔ بابا کے ہاتھ چومے تو بابا نے فرمایا: اے ترک بادشاہ! تم اللہ پاک کی مخلوق سے کیا سلوک کرو گے؟ بادشاہ طغرل نے کہا کہ جو آپؒ حکم کریں۔ اس پر بابا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے

---

[1]۔ عریاں کا مطلب ہے کہ معرفت الٰہی کی اعلیٰ منزل کے راہی۔

عدل اور احسان کریں اور سورۃ النساء کی آیت :90 پڑھی۔ بادشاہ نے کہا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔ بابا نے کہا کہ کیا آپ میری نصیحت قبول کرتے ہیں؟ بادشاہ نے کہا کہ ہاں! بابا کے پاس ایک مٹی کا ٹوٹا ہوا لوٹا تھا جس کی ٹوٹی ہوئی ٹونٹی اس نے بطور انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ بابا نے یہ انگوٹھی اتار کر بادشاہ کو پہنا دی اور فرمایا کہ میں نے اس دنیا کی بادشاہت آپ کے سپرد کر دی ہے۔ انصاف پر قائم رہنا۔ بادشاہ نے وہ انگوٹھی عمر بھر ساتھ رکھی اور خاص طور پر وہ ہر جنگ میں اس کو ساتھ لے جاتا۔

اسی طرح مشہور سلجوق وزیر نظام الملک نے بھی علما اور صوفیا سے بہت قریبی تعلقات رکھے۔ علما میں حضرت امام محمد غزالیؒ اور امام قشیریؒ سرفہرست ہیں۔ اس نے حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ، حضرت ابوالحسن بسطیؒ اور حضرت ابواسحاق علی شیرازیؒ (476ہجری) سے بھی خط و کتابت رکھی۔ اس طرح سلطان سنجر کی خط و کتابت حضرت احمد جامؒ سے رہی، جس میں یہ فقرہ بہت مشہور ہے کہ اللہ والے تو اللہ کے فرشتوں سے بھی شرماتے ہیں، وہ دنیا کے حکمرانوں سے کیسے رابطہ رکھ سکتے ہیں۔ آپؒ نے سلطان سنجر کو غلط مشیروں سے بچنے کا مشورہ بھی دیا۔

کچھ بادشاہوں نے صوفیا کے بڑھتے ہوئے اثرات سے ڈرنا شروع کر دیا۔ علی بن یوسف تاشقین (مراکش) نے اندلس کے صوفی حضرت ابوالعباس بن محمدؒ (536ہجری) اور حضرت ابوالحکم ابن الراجؒ (اشبیلہ) کو مراکش بلا بھیجا اور ان کو جیل میں ڈال دیا۔ حضرت ابن الراجؒ کی وفات بھی جیل میں ہوئی اور حضرت ابوالعباسؒ کو رہا کر دیا گیا مگر زہر دے کر مار دیا گیا۔ اسی طرح حضرت منصور حلاجؒ اور حضرت عمر سہروردیؒ قتل کر دیے گئے اور حضرت احمد سرہندیؒ کے ساتھ بھی برا سلوک کیا گیا۔

صوفی عام طور پر سیاسی معاملات سے الگ رہے مگر سرکاری عہدے (قضا) قبول کرتے رہے اور حکمرانوں سے جائیداد وغیرہ لیتے رہے، البتہ سیاست دانوں کے لیے خطرہ نہیں تھے۔ اس سلسلے میں حضرت منصور حلاجؒ (309ہجری) ایک استثنا ہیں جو عباسی وزیر حامد بن العباسی (311ہجری) کے حکم سے قتل کر دیے گئے اور جب حضرت حلاجؒ کے دوست حضرت ابن عطاؒ نے اس وزیر کے حکم پر تنقید کی تو وہ بھی قتل کر دیے گئے۔

ابتدا میں صوفیا قضا کے عہدہ قبول کرنے تک کو بھی ناپسند کرنے لگے۔ مثال کے طور پر حضرت جنید

بغدادیؒ نے حضرت عمر المکیؒ (275ہجری/888عیسوی) کا جنازہ پڑھا تو سہی مگر پڑھانے سے انکار کر دیا چونکہ وہ قاضی بن گئے تھے۔ اس طرح وہ حضرت رویمؒ سے بھی ناخوش ہوئے جب وہ بغداد کے نائب قاضی بن گئے۔ اس لیے عام طور پر علما اور فقہا بھی صوفیا سے ناراض رہتے تھے اور صوفیا کو ساحر (جادوگر) اور جاہل کہتے تھے۔ فقہا کے صوفیا کے بارے میں منفی رویے کی وجہ سے غلام خلیل کے زیر اثر بغداد کے صوفیوں پر مقدمے چلے اور ان کو سزائیں دی گئیں۔ اس کو 'مہنہ' کہا جاتا ہے جو مغربی دنیا کی inquisition کی طرز پر تھی۔

10۔ فلسفہ اور تصوف

تصوف نے اسلام کے ابتدائی زمانے سے ہی الٰہیاتی ادب پر بہت اثر ڈالا ہے۔ اس نے عمومی مسلمانوں کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ اس نے ایک تحریک کے طور پر مسلمانوں کے مذہبی فکر و عمل پر غیر معمولی حصہ ڈالا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ تصوف نے اپنی الگ علمی روایت بنالی اور یہ روایت دیگر اسلامی روایتوں (فقہ وکلام) کے مقابلے میں زیادہ جامع بن گئی کیونکہ اس نے دیگر تمام روایتوں کے کچھ اجزا کو اپنے اندر سمو لیا۔ تصوف، نفسیاتی واردات اور دیو مالائی روایتوں سے نکل کر ایک منظم مابعد الطبیعاتی روایت بن گیا، اور یہ کام صوفیوں نے خود کیا۔ اور یہ روایت پہلے سے موجود عرفانی اور نوافلاطونی روایت پر کھڑی کی گئی جسے پہلے ہی سے بہت سے فلسفی پسند کر رہے تھے۔ صوفیوں نے اپنی اس فکر کی بنیاد عقل و سائنس کی بجائے، ذاتی تجربے پر رکھی اور دوسرا یہ کہ انہوں نے اس کے بیان میں اپنی زبان و بیان مہمل رکھے تا کہ اس حقیقت کے لیے بیان/تعبیرات ہو سکیں۔

اس سلسلے میں دو صوفیا بہت اہم ہیں۔ حضرت شہاب الدین یحییٰ سہروردیؒ (متوفی 587 ہجری/1191ء) جنہیں شیخ الاشراق کہا جاتا ہے جن کے بقول خدا کا نور ہی وجود کی بنیاد ہے اور دوسرے شیخ ابن عربیؒ (وفات 1240ء/620ھ) ہیں جن کے خیالات وحدۃ الوجودی کہلائے اور حضرت عبدالکریم الجیلیؒ (متوفی 826ہجری/1424ء) نے انسانِ کامل کا تصور پیش کیا۔

صوفی تعلیمات میں سالک چار مقامات سے گزر کر ہی الوہی جمال تک پہنچ سکتا ہے۔ اس

طرح سے اس کے مادی حجابات اترتے ہیں اور اس کی آزاد روح اس حقیقت تک پہنچتی ہے جہاں سے وہ الگ ہوئی تھی۔ پہلی منزل ناسوت کی ہے جس میں طالب/ سالک کو شریعت پر سختی سے عمل کرنا ہے جس سے اس کا نفس ضبط میں آتا ہے۔ دوسری منزل جبروت کے لیے تقویٰ اور صبر لازمی ہے۔ غفلت سے چھٹکارا پانا لازم ہے۔ اس کے بعد تیسری منزل معرفت کی ہے۔ اس منزل میں سالک میں ملائکہ کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ غیر معمولی علم آ جاتا ہے۔ اس کے بعد حقیقی منزل حاصل ہوتی ہے جس میں سالک حقیقت مطلقہ کے ساتھ وصال (قربت) حاصل کر لیتا ہے۔

بعض صوفیا کے مطابق ایک سالک کو درجہ ذیل مقامات طے کرنے پڑتے ہیں: سالک کی پہلی منزل عبودت ہے۔ اس کی دوسری منزل عشق ہے جس میں ہر دیگر شے اس کے دل و دماغ سے نکل جاتی ہے اور دل تیسری منزل تک پہنچتا ہے جو مقام زہد ہے جس میں وہ خلوت میں اللہ پاک کی صفات میں غور کرتا ہے۔ جس سے معرفت کے مقام پر پہنچتا ہے جہاں اس پر اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز نازل ہوتے ہیں۔ اگلی منزل حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے وجد کی منزل حاصل ہوتی ہے جس کے بعد اس کی منزل وصال ہے اور پھر وہ مقام فنا حاصل کر لیتا ہے۔ اس مقام میں سالک کو اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہو جاتی ہے۔ فنا میں انسان ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کا نفس ختم ہو جاتا ہے۔ روح اللہ پاک کی ذات مین بقا حاصل کر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا پرتو ہو جاتی ہے۔ اس سے سالک انسانِ کامل بن جاتا ہے۔

11۔ بدعات

تصوف کے فکری اور ادارہ جاتی ارتقا کے بعد تصوف میں رسوم زیادہ ہو گئیں اور روح گم ہو گئی۔ تصوف میں ظاہر اور باطن کے جھگڑے سے ظاہر غالب آ گیا اور تصوف کا باطنی و روحانی پہلو کمزور ہو گیا۔ سلسلے مستحکم ہو گئے۔ بدعات غالب آنے لگیں اور روح کی آزادی بھی قید میں آ گئی۔ تصوف میں ترقی رک گئی۔ تصوف کی دنیا میں کوئی ایسی روحانی فکر آگے نہ آ سکی جو فکر یا عمل کو آگے بڑھاتی یا بہتر کرتی۔ جب انسانی شخصی و روحانی آزادی ہی چھین لی جائے تو پھر انسانی ترقی کیسے ممکن ہے۔ بعض اہم تعلیمات اور اعمال میں افراط و تفریط ہو گیا اور اصل تصوف کی روح گم ہو گئی۔

12۔ صوفی سلسلے

جوں جوں تصوف روایت بنتا گیا توں توں مقامی طور پر صوفیا کے گرد مقامی حلقے بنتے چلے گئے۔ سب سے پہلے یہ باقاعدہ گروہ بغداد میں حضرت جنیدؒ اور بصرہ میں حضرت سہل تستریؒ (283ہجری) کے گرد بنے اور یہ دونوں گروہ کئی سو سال تک قائم رہے۔ ایران میں پہلے گروہ شیراز میں حضرت ابن خفیفؒ کے گرد بنے اور اصفہان میں حضرت علی ابن سہلؒ کے گرد بنے اور آپؒ کے ایک ہزار شاگرد تھے۔ حضرت ابن خفیفؒ نے اپنے سلسلہ کی تربیت کے لیے ایک کتاب الاقتصاد لکھی۔

ان سلسلوں سے پہلے صوفی شیخ اپنے کسی خاص مرید کو تصوف کی تعلیم دیتے تھے یا کبھی کبھار ایک مخصوص گروہ کو اپنے گھر یا مسجد میں درس دیتے تھے۔ اس کے بعد صوفیا نے اپنے متعلقین کی روحانی تربیت بھی شروع کر دی۔ اسی لیے تصوف کے ابتدائی دور میں تعلیم اور تربیت ساتھ ساتھ چلی تھی۔ چوتھی صدی ہجری کے درمیان میں آ کر روحانی تربیت نے زیادہ اہمیت اختیار کر لی۔ اس سلسلے میں مریدوں کے آداب کے بارے میں کتابیں اور رسائل لکھے گئے۔ (وصیہ للمریدین اور تربیت السلوک)

ابتدائی زمانے میں صوفیا کے گرد گروہ بنتے چلے گئے مگر اس طرح کے گروہ زیادہ دیر نہ چلے اور پھر روحانی سلسلے بننے لگے۔ حدیث کی اسناد کی طرح صوفیا کی تعلیمات بھی باقاعدہ اسناد کے ساتھ منتقل ہونے لگیں اور ان اسناد کے سلسلے بننے لگے۔ ایسا پہلا سلسلہ حضرت خالدیؒ (متوفی 348ہجری) کے گرد بنا۔ ابن خلکان کے مطابق اس طرح کا پہلا شعوری سلسلہ تصوف حضرت سید احمد رفاعیؒ (متوفی 578ہجری) سے منسلک ہے۔ آپؒ جنوبی عراق میں پیدا ہوئے اور اپنے ماموں حضرت منصور بطیحیؒ (539ہجری) کے بعد ان کے سلسلے کے سربراہ بنے۔ یہ سلسلہ پھر آپ سے آپ کے نام سے آگے چلا۔ یہ سلسلہ عراق، شام، ترکی، بوسنیا وغیرہ میں بہت پھیلا۔ اس طرح پانچویں صدی ہجری میں ان سلسلوں نے باقاعدہ شکل اختیار کرنا شروع کر دی[1]۔

1۔ تفصیل کے لیے دیکھیے باب: تصوف کے سلاسل

13۔ صوفیا اور سماج

ابتدائی صوفیا سماج سے جڑے رہتے تھے، البتہ بغداد کے کچھ صوفیا کے پیروکار کبھی کبھار سماج سے کٹ جاتے تھے جب کہ خراسان اور ماوراء النہر کے صوفیا سماج کے عمومی دھارے میں ہی رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ملامتی صوفی بھی خراسان میں قابل قبول تھے، جب تک کہ یہاں بغدادی تصوف کا اثر نہیں آیا۔ یہ صحیح ہے کہ بہت سے صوفیا نے داخلی دنیا پر توجہ کی مگر اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ عمومی طور پر سماج سے کٹے ہوئے تھے یا ان کے رویے غیر سماجی یا سماج دشمن تھے۔

صوفیانہ زہد زیادہ تر شہری درمیانی طبقے میں تھا۔ اگرچہ اس طرز فکر و عمل میں شامل لوگوں کی تعداد زیادہ نہ تھی مگر انہوں نے بہت لوگوں کو متاثر کیا اور خاص طور پر ثقافتی اشرافیہ کو اپنی طرف کھینچا۔ کبھی کبھار صوفیا کا علما سے بھی اختلاف رہا ہے۔ دونوں خود کو اسلام کی ثقافتی وراثت کے امین سمجھتے تھے۔ کبھی کبھار یہ جھگڑا ہوتا تھا کہ کیا ایک خاص رسم یا عمل اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے کہ نہیں۔ اس کی مثالیں حضرت سہل تستریؒ، حکیم ترمذیؒ، ابوالحسن نوریؒ اور منصور حلاجؒ کے عمل سے واضح ہیں۔ خاص طور پر بغداد میں غلام خلیل کی تحریک کی صورت میں ملتی ہیں جس میں بہت سے صوفیا پر مقدمے چلائے گئے اور ان کو سزائیں دی گئیں۔ اس طرح یہ جھگڑا سیاسی حلقے تک پہنچ جاتا تھا۔ سزا کا اختیار سیاسی مقتدر حلقوں کو ہوتا ہے مگر عام طور پر صوفیا سیاست سے الگ رہے۔

ابتدا میں صوفیا (حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ) عوام سے خطاب کرنا ناپسند کرتے تھے پھر آہستہ آہستہ عوامی خطابات شروع ہو گئے۔ ان میں حضرت احمد غزالیؒ اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ (561 ہجری) بہت مشہور واعظ ہیں۔ اس مرحلے پر صوفیا عوامی دانشور بن گئے۔

کچھ صوفیا نے زہد کے نام پر ایسے رویے اختیار کرنا شروع کر دیے جو عام سماجی رویوں سے مختلف تھے، مثلاً شادی نہ کرنا، صرف سبزی کھانا، کاروبار نہ کرنا، دنیا سے الگ ہو جانا، تنہائی میں بیٹھنا وغیرہ۔ کچھ نے سماع شروع کی جس میں موسیقی، شاعری اور رقص وغیرہ بھی ہوتا تھا۔ کچھ ملامتی کہلائے۔ اس پر کچھ عظیم صوفیوں (ابونصر سراجؒ اور علی ہجویریؒ) نے گرفت بھی کی۔ سب سے زیادہ تنقید حضرت عبدالرحمٰن جوزیؒ (510 ہجری) نے اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں کی، اسی طرح حضرت جمال الدین مرتضیٰ راضیؒ (شیعہ

عالم)اورامام ابوالحامد محمد غزالیؒ نے بھی سنجیدہ تنقید کی۔

صوفیا نے نہ صرف تبلیغ پر زور دیا بلکہ اپنے پاس آنے والے لوگوں کے اخلاق اور نفسیاتی مسائل بھی حل کرنے شروع کر دیے۔ اس عمل میں انہوں نے غیر مسلموں کو بھی شامل رکھا۔ انہوں نے لوگوں کی زندگی کو معانی دینے اور خدمت کرنے پر روز دیا، اور گناہ کے بعد توبہ کی تلقین کی جس وجہ سے تصوف عوام میں مقبول ہوا اوراس کی وجہ سے بعض اوقات وہ حکمرانوں اور بادشاہوں سے بھی زیادہ مضبوط اور طاقت ورلوگ بن گئے۔ دہلی کے حضرت نظام الدین اوٗلیاء کے پاس ہندو آتے تھے اورآپ سلطان دہلی کے بعدسب سے زیادہ طاقت ورشخص تھے۔

اس عمل میں مسجد کے ساتھ ساتھ خانقاہیں (زاویہ) بھی بننے لگیں جہاں پیر اور مرید رہنے لگے۔ جہاں تصوف کی تعلیم دی جاتی تھی اور ذکر کی مجالس قائم ہوتی تھیں، لنگر کا انتظام ہوتا تھا، جس سے ایک طرح کا باہمی سماجی رابطے کا عمل شروع ہوگیا۔آہستہ آہستہ ان خانقاہوں کی مالی مدد کے لیے لوگ اپنی جائیدادیں وقف کرنے لگے۔

اسی طرح حضرت ابوالحسن خرقانیؒ (خرقان) اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ (ہرات) اور حضرت خواجہ مودودؒ(527 ہجری/ چشت) کی خانقاہیں اور کتابیں بہت مشہور ہوئیں۔اسی طرح پانچویں صدی ہجری میں مراکش میں بربر قبائل کی رباط (خانقاہیں) بننے لگیں۔حضرت ابوعبداللہ امغرؒ(470 ہجری)اورابوعبداللہ رمرگیؒ (480 ہجری) کی رباط بہت مشہور ہوئیں۔آہستہ آہستہ شہری مراکز میں صوفیا کے زیادہ مراکز بننے لگے جن میں زیادہ تر درمیانی طبقہ اور پیشہ ورلوگ خراسان میں جڑنے لگے اورصوفیا سے عقیدت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

آہستہ آہستہ تصوف صرف ذاتی اصلاح کا معاملہ نہ رہا، بلکہ اس نے اپنا ادب، پیری مریدی کا ادارہ، سماجی تنظیمیں/سلسلے بنا لیے جو مساجد اور مدرسوں کے متوازی نظام کے طور پرا بھرے اور پھر تصوف نے اپنا الگ فلسفہ بھی بنالیا۔

یہ حیران کن تھا کہ تصوف جیسے ذاتی، نا قابلِ بیان اور داخلی تجربے نے سماجی زندگی پر بہت زیادہ اثر ڈالا۔اس میں شاید رسومات پرزیادہ زور تھا، اس لیے عام لوگ اس کے قریب آتے، اوراس میں شخصیت پرستی نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا۔لوگ پیر کے پاس دعا کے لیے آتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ

اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور وہ اللہ پاک کے قریب ہونے کی وجہ سے اللہ پاک سے مرید کا کام کروالیتا ہے جس سے فرقے/گروہ (Cult) بننے لگے، اور صوفیا ایک طرح کا اشرافیہ بن گئے جن کی بہت زیادہ عزت کی جاتی ہے اور ان کا اثر بھی ہے۔

لوگ شیخ کے مزار پر آتے ہیں تاکہ ان کو اولاد مل جائے اور ان کے بیمار تندرست ہو جائیں۔ ان کے مزارات پر میلے لگنے لگے، جہاں سماجی اور ثقافتی تقریبات ہونے لگیں۔ مزارات پر دور دراز سے لوگ آنے لگے۔

اس طرح چوتھی یا پانچویں صدی ہجری میں ایک طبقہ درویشوں اور قلندروں کا پیدا ہو گیا جو کشکول (بھیک کا پیالہ) اور نغیر (ہرن کا سینگ)، تاج، کلہاڑی، چانٹا (رنگ دار بیگ)، عصا (ڈنڈا) پست (جانور کی کھال) اور تسبیح رکھتے۔ حضرت مجدود بن آدم سنائیؒ (525 ہجری) نے اپنی صوفیانہ شاعری میں ایسے لوگوں کا بہت ذکر کیا ہے۔

اس طرح کچھ لوگ مجذوب کہلاتے وہ جو اللہ پاک کے جمال و کمال کے سحر میں تھے۔ کچھ لوگ عاقل مجنون کہلاتے، ایسے لوگ دین کی ظاہری تعلیمات پر عمل نہیں کرتے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ اللہ پاک کی محبت میں وہ اپنی ذات (عقل) کھو بیٹھے ہیں۔ ان میں حضرت محمد معشوقؒ (طوسی) اور حضرت لقمیؒ (سرخسی) اور حضرت بہلولؒ بغداد میں مشہور ہوئے۔ ایسے لوگوں سے علما خوش نہ تھے۔

ابتدائی دور میں مریدوں کے لیے دین کے ظاہری احکام پر سخت عمل لازم تھا اور وہ عزیمت کے قائل تھے مگر حضرت ابونجیب سہروردیؒ (563 ہجری) نے کتاب آداب المریدین میں کچھ رخصتیں پیدا کیں۔ ان کے لیے جو زیادہ مشقت برداشت نہیں کر سکتے۔ ایسے حضرات کو پہلے حضرت ہجویریؒ نے متصوف کہنا ناپسند کیا۔ سہروردیؒ کے ہاں ان لوگوں پر وہ پابندیاں نہیں تھیں جو صوفی مریدوں پر تھیں۔ یہ ان حالات کی مجبوری تھی کہ بہت سے شہری پڑھے لکھے لوگ ان کے حلقہ میں تھے مگر وہ صوفیا والی تربیتیں سختیاں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایسے لوگوں کو خرقہ تبرک ملتا تھا، جب کہ صوفی مریدین کو خرقہ ارادت ملتا تھا۔

اس زمانے میں مریدین کو بھی تین گروہوں میں تقسیم کیا جانے لگا: مرید (ابتدائی شاگرد)، متوسط (درمیانے) اور منتہی (آخری)۔ صوفی اساتذہ شیخ کہلانے لگے۔ تربیت یافتہ شاگرد کو خلیفہ کہا جانے لگا،

جب کہ عام شاگرد کو مرید کہا جانے لگا اور خاص صوفیا کو قطب کہا جانے لگا۔

صوفیا کی تعلیمات اور ان کی اخلاقیات (ذاتی اعمال) نے لوگوں کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ ان کی نیکی اور سادگی لوگوں کو پسند آتی۔ بعض اوقات انہوں نے لوگوں کے لیے حکمرانوں سے سفارشات بھی کیں اور بعض مطالبات کے اظہار سے حکمرانوں کا غصہ بھی مول لیا جس سے ان کی مقبولیت میں اور زیادہ اضافہ ہوا۔ کشف و کرامات کے قصے کہانیوں نے عام ذہن میں ان کے بارے میں بہت زیادہ ادب اور احترام پیدا کیا۔

ابتدائی صوفیا عام طور پر شہری لوگ تھے جو درمیانی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے یا پھر کاروباری اور پیشہ ور لوگ تھے۔ صرف حضرت شبلیؒ صوفی بننے سے پہلے اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز تھے اور حضرت رویمؒ اور حضرت ابن عطاؒ امیر تھے۔ کچھ صوفیا نے عام سماجی زندگی سے الگ ہونا شروع کر دیا اور شادی تک نہ کی، جب کہ کچھ سماج سے جڑ کر رہتے تھے۔ کچھ تو معاشی سرگرمیوں کے بھی خلاف ہو گئے لیکن عام طور پر صوفیا سماج سے جڑے رہے اور بغداد میں علما کے ساتھ ساتھ بااثر رہے۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دُشوار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہُو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنۂ ملّتِ بیضا ہے امامت اُس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے!

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام

عشق فقیہ حرم، عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السّبیل، اس کے ہزاروں مقام

14۔ اللہ سے محبت

1۔ محبت کا مفہوم

محبت کے لغوی معانی لگن، لو، لگاؤ، تعلق خاطر، میلان، توجہ کے ہیں۔ اصطلاح میں طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذّت حاصل ہو، محبت کہلاتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اللہ پاک کی لگن جو انسان میں اعلیٰ صفات پیدا کرتی ہے محبت کہلاتی ہے۔ سوائے اللہ پاک کی ذات کے ہر شے اس کے لیے معدوم ہوجاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو اپنا عزیز ترین وجود بھی لاشئ اور ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ان سالکین حق کا خاصہ ہے جن کے خیالات کی بلندی اور اعلیٰ ذہنی تصورات کا مقصد سوائے اللہ تعالیٰ کو پانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جب سالک محبت الٰہی میں سر سے پاؤں تک رنگ جاتا ہے تو پھر اس کے دل پر حقائق و معارف منکشف ہونے لگتے ہیں اور قلب و نظر منور ہوجاتے ہیں۔

محبت کے بارے میں اہل تصوف کے ہاں ایک قول مشہور ہے کہ عشق وہ آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ محبت سالک کی توجہ کو ہر طرف سے ہٹا دیتی ہے۔ محبوب کے سوا ہر شے کا تصور مٹا دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سالک کو طبعاً وہی چیز پسند آتی ہے جو محبوب کو پسند ہو اور ہر اس چیز سے نفرت ہوجاتی ہے جس سے محبوب کو نفرت ہو۔ وہ ہر وقت محبوب کی رضا کا طلب گار رہتا ہے۔ نہ ثواب اور فائدہ کی لالچ نہ عذاب اور ضرر کا خوف و اندیشہ۔

ایک محبت طبعی ہوتی ہے۔ جیسے والدین کی اپنی اولاد سے محبت۔ اس محبت کی بنیاد طبعی وابستگی اور فطری تقاضا ہوتا ہے۔ اس میں عقلی یا خارجی ضرورت اور دباؤ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف ایک محبت عقلی ہوتی ہے جو کسی طبعی و فطری وابستگی اور تقاضے کے تحت نہیں ہوتی بلکہ کسی عقلی ضرورت و مناسبت اور خارجی وابستگی کے تحت کی جاتی ہے۔ اس کی بہترین مثال مریض اور دوا ہے یعنی بیمار آدمی دوا کو اس لیے پسند نہیں کرتا کہ دوا لینا اس کا طبعی اور فطری تقاضا ہے۔ بلکہ یہ عقل کا تقاضا ہوتا ہے۔ کسی چیز کو

عقلی طور پر چاہنے اور پسند کرنے کی وہ کیفیت جس کو عقلی محبت سے تعبیر کرتے ہیں، بعض حالات میں اتنی شدید اور اہم ہو جاتی ہے کہ شدت کی طبعی محبت اور بڑے سے بڑے فطری تقاضے پر بھی غالب آ جاتی ہے۔ ایمان و یقین کی انتہا یہ ہے کہ عقلی محبت اتنی پراثر، اتنی بھرپور اور اس قدر جذباتی وابستگی کے ساتھ ہو کہ طبعی محبت پر غالب آ جائے اور اللہ پاک کے احکامات کی تعمیل میں کوئی خونی رشتہ جیسے باپ کی محبت، اولاد کا پیار یا کوئی اور طبعی تعلق آڑے نہ آئے۔

صوفیا کے لیے اللہ پاک کی ذات میں مل جانے کے لیے محبت کو استعمال کیا جاتا ہے جس کا اظہار حضرت رابعہ بصریؒ اور حلاج نے کیا، حضرت شاذلیؒ نے اسے شراب محبت بھی کہا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ روز حساب جب حساب کے خوف سے سب چہرے پیلے ہوں گے، میں آپ کے سامنے آؤں گا۔ آپ سے میری محبت میرے ہاتھ میں ہوگئی اور میں کہوں گا کہ میرا حساب اس سے کیجیے۔

اس محبت سے ایک طبقہ نے خدا تک پہنچنا چاہا۔ یہ ظاہری علما کے راستے سے مختلف راستے تھا اور اس میں انسانی روح کی تکمیل تھی۔ ابن عربیؒ نے فرمایا کہ خلق کے ہاں معراج ہے کہ انسان خدا سے مشابہ ہو جائے مگر صوفی اللہ پاک کی صفتوں سے اپنی شخصیت کا خاتمہ چاہتا ہے تاکہ اس کے حواس ختم ہو جائیں اور انسان اللہ پاک سے مل جائے۔

2۔ محبت قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید میں کئی جگہوں پر سالکین کی اللہ پاک سے محبت کا ذکر آیا ہے:

(1) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت: 165)

(اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں)

اس آیت پاک میں صدیقین و عارفین کی محبت کو بیان کیا گیا ہے جو کامل معرفت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ وہ بغیر کسی سبب کے اللہ پاک سے محبت رکھتے ہیں۔ نہ جنت کا لالچ اور نہ دوزخ کا خوف، محض رضائے الٰہی۔ اسی لیے ان کی اللہ پاک سے محبت بہت شدید ہوتی ہے۔

(2) وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ.(سورۃ طٰہٰ، آیت:39)

((اے موسیٰ علیہ السلام) میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی)

سالک کی محبت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کشش کا نتیجہ ہوتی ہے جو اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ پاک نے اپنی محبت ڈال دی، جس نے انہیں اللہ کے سوا کسی اور سمت نہیں جانے دیا۔

(3) قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.(سورۃ الانعام، آیت:162)

(یہ کہہ دو کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے)

محبت حقیقی یہی ہے کہ سالک کی تمام جسمانی و روحانی عبادات، زندگی کے جملہ معاملات غرض کہ اس کا جینا اور مرنا سب اللہ پاک ہی کے لیے ہو۔

(4) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.(سورۃ آلِ عمران، آیت:31)

(فرما دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا)

اللہ پاک نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ محبوب کے احکام پر عمل کرنا اور اس کی عادات و خصوصیات کو اپنانا چاہتا ہے۔محبت الٰہی میں یہ معاملہ کچھ مختلف ہو جاتا ہے کہ یہاں عادات و خصوصیات انسانی عقل سے ماوراہیں۔انسان کو ایک ایسا نمونہ چاہیے کہ اللہ پاک کی محبت میں جس کی تقلید کی جا سکے۔اس آیت کریمہ میں سالکین حق کی اسی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے کہ خدا کی محبت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری سے منسلک ہے۔

(5) وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا.(سورۃ الانسان، آیت:8)

(اور یہ لوگ اللہ پاک کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)

اس آیت پاک میں اللہ پاک نے سالکین حق کے دنیاوی معاملات کی ایک نشانی یہ بتائی ہے۔وہ اسی کی محبت میں یتیم، مسکین اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔بیمار کی عیادت اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔غرض کہ

ان کی زندگی کی تمام سرگرمیوں کا محور و مرکز اللہ پاک کی محبت ہوتی ہے۔

(6) اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ.(سورۃ الشوریٰ، آیت:13)

(اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے)

اللہ پاک کا سالکین کو اپنی طرف کھینچ لینا، محبت کی علامت ہے۔ایسے سالکین اللہ پاک کی مراد ہوتے ہیں۔انہیں خدا سے اور خدا کو ان سے شدید محبت ہوتی ہے۔بعض سالکین اللہ پاک کی اس شدید محبت کی تاب نہ لاتے ہوئے مجذوب بھی ہوجاتے ہیں۔

(7) وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ.

(سورۃ الاعراف، آیت:143)

(اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے اور ان کا رب ان سے ہم کلام ہوا تو وہ کہنے لگے: میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں تجھے دیکھ لوں)

قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک سے محبت انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی خاصہ رہا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش کا اظہار کرنا اور پھر تجلی حق سے بے ہوش ہوجانا، کمال محبت کی دلیل ہے۔

3۔ محبت حدیث کی روشنی میں

اللہ پاک سے محبت کے بارے میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے شمار احادیث مروی ہیں:

(1) عَنْ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ : مَنْ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَسَمِعَ وَأَطَاعَ فَقَدْ تَوَسَّطَ الإِيمَانَ، وَمَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ وَأَعْطَى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيمَانَ.

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:133)

(حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز قائم کرتا اور زکوۃ ادا کرتا ہے۔سنتا ہے اور اطاعت کرتا ہے۔

اس کا ایمان درمیانے درجہ کا ہے۔ جو شخص اللہ پاک کے لیے محبت رکھتا ہے اور اللہ پاک ہی کے لیے بغض رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے عطا کرتا ہے اور اللہ پاک ہی کے لیے روکتا ہے، اس کا ایمان مکمل ہو گیا)

(2) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ : إِنْ شِئْتُمْ لأُقْسِمَنَّ لَكُمْ : إِنَّ أَحَبَّ الْعِبَادِ إِلَى اللهِ الَّذِينَ يُحِبُّونَ اللهَ، وَيُحَبِّبُونَ اللهَ إِلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ يُرَاعُونَ الشَّمْسَ، وَالْقَمَرَ، وَالنُّجُومَ، وَالأَظِلَّةَ لِذِكْرِ اللهِ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:4802)

(حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں قسم کھا کر کہہ دیتا ہوں: بے شک اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سے محبوب ترین وہ ہیں جو اللہ پاک سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے بندوں کی محبت کرواتے ہیں۔ جو لوگ سورج، چاند، ستاروں اور سایوں کا خیال اللہ پاک کے ذکر کی وجہ سے رکھتے ہیں)

(3) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ وَطَعْمَهُ: أَنْ يَكُونَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ فِي اللهِ، وَأَنْ يُبْغِضَ فِي اللهِ، وَأَنْ تُوقَدَ نَارٌ عَظِيمَةٌ فَيَقَعَ فِيهَا أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُشْرِكَ بِاللهِ شَيْئًا"۔ (سنن نسائی، ج:2، رقم الحدیث:1296)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں تین چیزیں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس اور اس کا ذائقہ حاصل کرے گا: (i) اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھے، (ii) اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی کرے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے دشمنی کرے، (iii) اگر بڑی اور خوفناک آگ جلائی جائے تو اس میں گر جانا قبول کرلے لیکن اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دے)

(4) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ، وَالْعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنِي حُبَّكَ. اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي، وَأَهْلِي وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ"۔

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1444)

(حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے: اے میرے پروردگار! میں تجھ سے تیری اور ہر اس شخص کی محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ اور ہر وہ عمل مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچائے۔ اے میرے پروردگار! میرے لیے اپنی محبت کو میری جان و مال، اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ عزیز کردے)

(5) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيَّ، وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ أَخْوَفَ الْأَشْيَاءِ عِنْدِيْ، وَاقْطَعْ عَنِّيْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ إِلٰى لِقَائِكَ، وَإِذَا أَقْرَرْتَ أَعْيُنَ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاهُمْ فَأَقْرِرْ عَيْنِيْ مِنْ عِبَادَتِكَ. (کنز العمال، ج:1، رقم الحدیث:3640)

(اے میرے پروردگار! اپنی محبت کو میرے لیے سب چیزوں سے زیادہ محبوب کردے۔ اپنی خشیت اور اپنے خوف کو میرے لیے سب چیزوں سے زیادہ خوف والی کردے۔ مجھے اپنی ملاقات کا ایسا شوق دے جو مجھ سے دنیا کی خواہشات کو ختم کردے اور جب تو اہل دنیا کی آنکھیں ان کی دنیا سے ٹھنڈی کرے تو میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی کر)

(6) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا أَحَبَّ اللهُ الْعَبْدَ نَادٰى جِبْرِيلَ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ".

(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:469)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو ندا دیتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، لہٰذا تو بھی اس سے محبت رکھ تو حضرت جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام تمام اہل آسمان کو ندا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو دوست رکھتا ہے تم بھی اسے دوست رکھو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر دنیا میں (بھی) اس کی مقبولیت پیدا کردی جاتی ہے)

(7) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ، أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ، كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1454)

(حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں کرتا)

قَالَتْ عَائِشَةُ: أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ، قَالَ: "لَيْسَ ذَاكِ وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللهِ وَكَرَامَتِهِ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ وَأَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللهِ وَعُقُوبَتِهِ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ وَكَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ". (صحیح بخاری، ج:۳،رقم الحدیث:1454)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا ازواج رضی اللہ عنہن مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کی کہ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ کے ملنے سے مراد موت نہیں بلکہ جب ایماندار آدمی کو موت آتی ہے،تو اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی (رضا) اوراس کے ہاں اس کی عزت کی خوش خبری دی جاتی ہے۔ اس وقت مومن کواس سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی، جواس کے آگے (اللہ تعالیٰ سے ملاقات اوراس کی رضا اور جنت کے حصول کی صورت میں) ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہش مند ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ جب کافر کی موت کا وقت قریب آتا ہے،تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اورسزا کے متعلق بتایا جاتا ہے۔ اس وقت اس کے دل میں کوئی چیز اس سے زیادہ ناگوار نہیں ہوتی، جو (سزا) اسے ملنے والی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کو ناپسند کرنے لگتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے)

4۔ محبت کے درجات

محبت کے مندرجہ ذیل تین درجات ہیں:

(1) عام لوگوں کی محبت

یہ وہ محبت ہے جو اللہ پاک کے احسانات سے ان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان کا دل فطری طور پر اپنے محسن کی طرف مائل ہوتا ہے۔ حضرت سمنونؒ محبت کے اس درجے کے

بارے میں فرماتے ہیں کہ محبوب کو ہمیشہ یاد کرنے ہی سے محبت خالص حاصل ہوتی ہے۔جس نے واقعی محبت کی،اس نے ذکرِ حبیب کی کثرت کی۔(کتاب اللمع ،ص:99)

(2) صادقین کی محبت

جو اللہ پاک کی بے نیازی، جمال،عظمت اور علم وقدرت کو دیکھ کر ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔اس کی مثال شیخ ابوالحسن نوریؒ کے اس قول سے ملتی ہے: محبت کیا ہے؟ حجابات کا اٹھنا اور رازہائے سربستہ کا ظاہر ہونا۔(کتاب اللمع ،ص:100)

(3) عارفین کی محبت

عارفین کی محبت جو ان کی معرفتِ کامل کا نتیجہ ہوتی ہے،وہ بغیر کسی سبب کے اللہ پاک سے محبت رکھتے ہیں۔اس محبت میں نہ جنت کا لالچ ہوتا ہےاور نہ دوزخ کا خوف محض رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے۔ یہ محبت بڑی شدید ہوتی ہے۔یہ سالکین قرآن کی آیت:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ.(سورۃ البقرہ،آیت:165)

(اور ایمان والے اللہ پاک سے شدید محبت کرتے ہیں) کے مصداق ہوتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ محبت کے اسی درجے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ محبت،صفات محب کے صفات محبوب سے بدل جانے کو کہتے ہیں۔(کتاب اللمع ،ص:100)اس کی بہترین مثال حضرت رابعہ بصریؒ کا عمل ہے۔ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ اللہ پاک کی محبت میں مدہوش ایک ہاتھ میں آگ اور دوسرے ہاتھ میں پانی لیے ہوئے تھیں۔پوچھنے پر بتایا کہ میں آگ سے جنت کو جلانے اور پانی سے دوزخ کی آگ بجھانے جا رہی ہوں،تاکہ لوگ اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت جنت کے لالچ یا دوزخ کے خوف سے نہ کریں، بلکہ لوگوں کی عبادت کا مقصد محض اللہ پاک کی محبت ہو۔

5۔ محبت کی علامات

جب کسی سالک میں اللہ پاک کی محبت سما جاتی ہے تو اس میں اس محبت کی کچھ علامات آجاتی ہیں:

(1) سالک اپنے محبوب حقیقی کی کبریائی اور اپنی بندگی کا بصیرت قلب سے مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ نیک اعمال کو اللہ پاک کی جانب سے انعام سمجھتا ہے۔

(2) سالک اپنے اللہ پاک کے سامنے ہی گڑگڑاتا ہے۔ محبوب کی محبت و معرفت جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے، اسی قدر خوف وخشیت بڑھتی جاتی ہے۔ حضور نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: فَوَاللّٰہِ لَأَنَا أَعْلَمُهُمْ بِاللّٰہِ، وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً. (صحیح مسلم، ج: 3، رقم الحدیث: 1608) اللہ کی قسم! میں تو سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ پاک سے ڈرتا ہوں۔

(3) سالک اللہ پاک سے صرف اسی ہی کے طالب ہوتے ہیں۔

(4) سالک ہر وقت، ہر حال میں اور ہر جگہ محبوب حقیقی کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔

(5) سالک اللہ پاک کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے۔

(6) سالک اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل دل وجان سے کرتا ہے لیکن پھر بھی حیران و پریشان رہتا ہے کہ اس بندگی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں قبول ہوگی بھی یا نہیں؟

(7) سالک کسی بھی حال میں ہمت ہار کر اپنے محبوب حقیقی کی طلب کو ترک نہیں کرتا۔

(8) سالک محبوب حقیقی کی ہر ادا سے خوش اور راضی رہتا ہے۔

(9) سالک اللہ پاک کے بارے میں کسی قسم کے شک وشبہ کو دل میں جگہ نہیں دیتا۔

(10) سالک کا اللہ سے ایسا رابطہ قائم ہو جاتا ہے کہ جو اسے سارے جہاں سے بے پروا کر دیتا ہے۔

(11) محبت اللہ پاک کی اطاعت کا نام ہے اور اصل محبت یہ ہے کہ اللہ پاک کی اطاعت کی جائے۔ حضرت ابوطالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے نبی علیہ السلام نے محبت کو اللہ پاک کی اطاعت کی شرط بتایا

ہے۔ جب آپؓ نے یہ فرمایا کہ اللہ اور اس کے نبی علیہ السلام سے سب سے زیادہ محبت کی جائے۔

6۔ محبت کے بارے میں اقوال

محبت کے بارے میں اکابرین امتؒ سے بہت خوبصورت اقوال منسوب ہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(1) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: اصل محبت یہ ہے کہ تم اس چیز سے پیار رکھو جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اس چیز سے بغض رکھو جو اللہ پاک کو ناپسند ہے۔ ہر اس چیز کو چھوڑ دو جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص: 33-34)

(2) حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ پاک کی محبت تک جا پہنچا، وہ اس کا قرب پا گیا۔ جو قرب الٰہی کو ذریعہ بنالے تو اللہ پاک بندوں میں سے اسے چن لیتا ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص: 118)

(3) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ محبت دلوں کے جھکاؤ کا نام ہے۔ سالک کا دل اللہ تعالیٰ اور اس کی ہر چیز کی طرف بے دھڑک جھکاؤ کرلے۔ (کتاب التعرف، ص: 193) اور دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ تم اس سے محبت کرو جسے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے پسند کرتا ہے اور اسے ناپسند کرو جسے اللہ پاک اپنی مخلوق میں سے ناپسند کرتا ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص: 116)

(4) حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ سالک اپنی طرف سے بہت زیادہ عبادت کو معمولی سمجھے اور دوست کی تھوڑی سی عطا کو بہت زیادہ جانے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: 375)

(5) حضرت علی بن سہل اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک سے محبت کرنے والا ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص: 166)

(6) حضرت محمد بن علیانؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک سے محبت کرنے والا سالک عبادت سے خوش دکھائی دیتا ہے اور گناہوں کو بوجھ سمجھتا ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص: 294)

(7) حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ محبت اللہ پاک کی جانب سے ہر چیز پر راضی رہنے،

اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ پاک کے حضور مناجات اور ذکر میں دوام پیدا کرنے کا نام ہے۔
(کتاب اللمع ،ص:99-100)

7۔ محبت اور فنا

طریقت کے راستہ کا آخری مقام محبت اور فنا ہے۔ بعض اوقات یہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ کبھی محبت افضل بتائی جاتی ہے جبکہ کبھی معرفت کو افضل سمجھا جاتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کے بغیر عرفان ناممکن ہے۔ صرف عارف ہی محبت کر سکتا ہے۔

صوفیا کے ہاں عرفان عقل سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ الوہی رازوں تک اعلیٰ تفہیم ہوتی ہے۔ عام مسلمان اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی میں دیکھتا ہے جبکہ عارف صرف اور صرف اللہ کے حوالے سے دیکھتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ جہنم کا خوف، محبوب سے جدا ہونے کے خوف کے مقابلے میں ایسا ہے جیسا کہ ایک قطرہ سمندر کے مقابلے میں۔ اس طرح حضرت سری سقطیؒ نے ایک مناجات میں فرمایا ہے: یہ اللہ پاک کا دستور ہے کہ جو لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے دلوں کو وہ اس قابل کر دیتا ہے کہ اس کو دیکھ سکیں۔ وہ دیدار کی اس خوشی میں اس کی راہ کی تمام تکالیف برداشت کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں: ہمیں دنیا کی تمام تکالیف تیرے حجاب سے زیادہ پسند ہیں۔ جب تیرا جمال ہمارے دلوں پر ظاہر ہوتا ہے ہمیں کسی بھی تکلیف کا خیال تک نہیں آتا۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے محبت کی اصل حقیقت بیان کر دی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ دو کے درمیان محبت اس وقت تک درست نہیں ہے، جب کہ ایک دوسرے کو یوں نہ خطاب کرے: اے، آپ! میں۔

محبت کا عمل صوفیا کے لیے اتنا وسیع اور مشکل تھا کہ انہوں نے اس کے لیے مختلف اصطلاحات اور مقامات تجویز کیے۔ اس کے لیے حب، ود، مؤدت وغیرہ کی اصطلاحات بنائیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کی چار شاخیں ہیں: (ا) محبت اسی کی طرف سے آتی ہے اور اس کی رحمت و کرم سے آتی ہے، (ب) ایک محبت آپ کی طرف سے ہے اس میں اطاعت کی جاتی ہے، (ج) ایک محبت اس

کے لیے ہے جس میں اس کا ذکر ہوتا ہے، (د) ایک محبت آپ دونوں کے درمیان ہے، یہ اصل محبت ہے۔

8۔ محبت کے واقعات

ذیل میں بزرگانِ دین کے محبت کے واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ محبت کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ پاک کی راہ میں اپنا مال بے دریغ خرچ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک موٹا کرتا پہنا ہوا تھا جو کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے پھٹے ہوئے کرتے کو کانٹوں سے جوڑ رکھا تھا۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام بھیجا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو کہ پہلے وہ حالت تھی، اب یہ حالت ہے، تمہیں ہم سے شکایت تو نہیں؟

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام سنایا تو آپ رضی اللہ عنہ یہ پیغام سنتے ہی اللہ پاک سے محبت کی شدت سے بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو پھر دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ پھر بے ہوش ہوگئے۔ دوسری دفعہ ہوش میں آکر عرض کیا: یہ اللہ پاک کی کمال مہربانی ہے کہ میرا حال دریافت فرمایا۔ ایک بندہ کو اپنے آقا سے کیا شکایت ہوسکتی ہے۔ (تربیۃ العشاق، ص: 306-307)

(2) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیج دیں جو ہمیں قرآن وسنت کی تعلیم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ انصار میں سے ستر آدمی بھیج دیے جنہیں قراء (قرآن پاک کے قاری) کہا جاتا تھا۔ ان میں میرے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قرآن پڑھتے تھے اور رات کو درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ دن کے وقت پانی لاکر مسجد میں ڈالتے تھے۔ جنگل سے لکڑیاں لاکر انہیں فروخت کردیتے اور اس سے کھانے کی چیزیں خریدتے تھے۔ منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی کفار نے حملہ کرکے مسلمانوں کو شہید کرنا شروع کردیا۔ تو انہوں نے اللہ پاک کے حضور عرض کی: اے اللہ پاک! ہمارا یہ پیغام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچادے کہ ہم تجھ سے ملاقات کرچکے ہیں۔ ہم تجھ سے راضی ہیں

اور تو ہم سے راضی ہو چکا ہے۔ اسی دوران ایک آدمی نے آ کر حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے اس طرح نیزہ مارا کہ وہ آر پار ہو گیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے کہا: رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: بے شک تمہارے بھائیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ بے شک انہوں نے یہ کہا ہے: اے اللہ! ہماری طرف سے یہ پیغام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دے کہ ہم تجھ سے ملاقات کر چکے ہیں اور ہم تجھ سے راضی ہو چکے ہیں اور تو ہم سے راضی ہو چکا ہے۔

(صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:420)

(3) حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک جماعت نے مجھ پر آوازیں بلند کرنا شروع کر دیں: دیکھو پاگل جا رہا ہے۔ میں نے ان کے جواب میں کہا: تمہارے نزدیک میں دیوانہ ہوں اور تم میرے نزدیک تندرست ہو۔ اللہ تعالیٰ میری اس دیوانگی کو مزید بڑھائے۔ آپؒ اللہ پاک کی محبت میں مدہوش تھے۔ اس لیے لوگ آپؒ کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ اسی لیے آپؒ نے جواب دیا کہ بھائیو! میں اس دیوانگی سے شفا کا طلب گار نہیں، میں تو یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک میرے اس جنون کو اور بڑھائے۔ (کشف المحجوب، ص:228)

(4) حضرت بشر حافیؒ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ آپؒ کی ابتدائی زندگی غفلت میں گزری۔ ایک دن جب آپؒ نیم مدہوشی کی حالت میں کہیں جا رہے تھے راستے میں ایک کاغذ پڑا ملا جس پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی تھی۔ آپؒ نے اسے اٹھا کر جلدی سے صاف کیا، خوشبو لگائی اور ادب سے طاق پر رکھ دیا۔ اسی رات خواب میں ایک بزرگ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے بشر! تم نے نشے کی حالت میں میرا نام ادب سے زمین سے اٹھایا، اس کا بوسہ لیا اور اسے عطر لگایا۔ اس وقت بھی اس حالت میں بھی تم نے مجھے یاد رکھا۔ اس کے صدقہ میں میں تم کو اپنا ولی بناتا ہوں اور تمہیں اپنی محبت عطا کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت بشر حافیؒ کو ولایت نصیب ہوئی۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تب ننگے پاؤں تھے۔ پھر اس خیال سے ساری زندگی جوتا نہ پہنا کہ اللہ پاک نے انہیں جس وقت محبت کا پیغام بھیجا وہ اس وقت ننگے پاؤں تھے۔ (تذکرۃ الاولیا)

(5) ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ اللہ پاک کی محبت میں مدہوش بصرہ شہر کی گلیوں میں ایک ہاتھ میں

مشعل اور دوسرے ہاتھ میں پانی لیے جا رہی تھیں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپؒ کیا کرنے جا رہی ہیں؟ تو حضرت بی بی نے جواب دیا کہ میں آگ سے جنت کو جلانے اور پانی سے دوزخ کی آگ بجھانے جا رہی ہوں، تاکہ لوگ اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت جنت کے لالچ یا دوزخ کے خوف سے نہ کریں، بلکہ لوگوں کی عبادت کا مقصد محض محبتِ الٰہی ہو۔

(6) ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ سے پوچھا گیا: کیا آپؒ شیطان سے نفرت کرتی ہیں؟ آپؒ نے جواب دیا: اللہ پاک کی محبت نے میرے دل میں اتنی جگہ ہی نہیں چھوڑی کہ اس میں کسی اور کی نفرت یا محبت سما سکے۔

(7) بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے کسی دیوانے سے ایسا عمل سرزد ہوتے دیکھا جو خلافِ توقع تھا۔ اس نے حضرت معروف کرخیؒ کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا تو آپؒ نے فرمایا: اللہ پاک کے عشاق میں سے کچھ چھوٹے ہیں تو کچھ بڑے۔ کئی فرزانے ہیں تو کئی دیوانے۔ جس آدمی کو تم نے دیکھا ہے اسے عشقِ الٰہی نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔

(8) حضرت ابوبکر شبلیؒ کو شفا خانے میں علاج کے لیے داخل کروایا گیا تو کچھ لوگ ان سے ملنے گئے۔ آپؒ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپؒ کے دوست ہیں اور آپؒ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ آپؒ ان کے ساتھ ذرا سی سختی سے پیش آئے تو وہ آپؒ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر تمہیں میری محبت کا دعویٰ ہے تو میری طرف سے ملنے والی تکلیف پر صبر کرو اور پھر یہ شعر پڑھے: اے میرے پروردگار! تیری محبت میرے دل میں گھر کیے ہوئے ہے۔ اے میری آنکھوں سے نیند اڑانے والے! تو جانتا ہے کہ میرے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص:378)

اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (سورۃ انعام، آیت:162)

(بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے)

15۔ اللہ کی خشیت

1۔ خشیت کا مفہوم

خشیت کے لغوی معانی ڈر اور خوف کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں خشیت سالک کے دل کی وہ کیفیت ہے جس میں اللہ پاک کی عظمت وجلالت دل پر وارد ہوتی ہے۔ اس سے سالک کا دل اللہ رب العزت کی عظمت و ہیبت کے ادراک اور اس کے فیض کے انوار سے محروم ہونے اور ناراضی کے تصور سے کانپ اٹھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے اس کی ناراضی سے ڈرتے رہنا، خشیت کہلاتا ہے۔

یہ کیفیت اللہ پاک کی ذات وصفات کی معرفت اور ان میں غور وفکر سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت کریمہ (سورۃ فاطر، آیت: 28) اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط. (اللہ پاک سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں) میں خشیت الٰہی کے ساتھ اصحاب معرفت کو خاص کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں اور معرفت نہ رکھنے والوں کی کیفیت میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں خوف، خشیت، خشوع، رہبت اور اشفاق قریب کے مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان الفاظ کو ایک دوسرے کی جگہ بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے اور سب کو خشیت کے معنی ہی میں لیا جاتا ہے لیکن ان کے درمیان لطیف سا فرق ہے:

(i) خوف: خوف یہ ہے کہ انسان کو اپنی غلطی کی وجہ سے اللہ پاک کی طرف سے سزا ملنے کا ڈر ہو۔ جیسا کہ انسان جانتے بوجھتے ہوئے ساری زندگی گناہ ولغویات میں مگن رہے۔ پھر اپنے ان گناہوں کی طرف نظر کرے اور ان پر ملنے والی سزا سے ڈرے تو اسے خوف کہتے ہیں۔

(ii) خشیت: خشیت اس ہیبت کے لیے بولتے ہیں جو کسی کی عظمت وجلال کے تصور سے سالک کے دل پر خودبخود طاری ہو اور اس میں محبت و تعظیم کا عنصر شامل ہو۔ مومن کے دل میں اللہ پاک کا ڈر محض اس کی سزا کے خوف ہی سے نہیں ہوتا، بلکہ اس کے قرب سے دوری اور ناراضی کا احساس ہر وقت ایک ہیبت طاری کیے رکھتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں یہ ڈر خشیت کہلاتا ہے۔ اللہ پاک نے خشیت کو اصحابِ معرفت کے لیے خاص کیا ہے: **اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط** ۔(سورۃ فاطر، آیت: 28) اللہ پاک سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

(iii) خشوع: اللہ پاک کی عظمت کی وجہ سے دل پر رعب طاری ہونا، دل میں ہیبت ہونا اور تعظیم کا نور دل میں روشن ہونا، خشوع ہے۔ خشیت کو کچھ یوں سمجھنا چاہیے جیسا کہ ایک بادشاہ کا خادم ہے جس کو بادشاہ ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہے۔ اس کو اپنی اوقات کا بھی پتہ ہے اور بادشاہ کے اختیارات کا بھی علم ہے۔ بادشاہ کی عظمت اور اختیارات کی وجہ سے اس کے دل پر ایک ہیبت طاری ہوتی ہے۔ اسی طرح اصحاب معرفت کے دل پر اللہ پاک کی عظمت و ہیبت کی ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے جسے تصوف کی اصطلاح میں خشوع کہتے ہیں۔

(iv) رہبت: وہ ڈر ہے جو اللہ پاک کی قدرت کے پیشِ نظر انسان کی اپنی بے بسی کے احساس سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات سالک اپنی قلبی کیفیت کے سلب ہونے سے ڈرتا ہے۔

(v) اشفاق: اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی سے طاری ہونے والے اس ڈر کو کہتے ہیں جس میں انتہا درجے کی عاجزی وتواضع ہو۔

خشیت الٰہی کی حسب ذیل دو اقسام ہیں:

(i) عوام کی خشیت: عام مومن جب اپنے گناہوں کو دیکھتا ہے اور پھر قبر کے عذاب، روزِ محشر کی سختی، پل صراط اور جہنم کی آگ کا خیال دل میں لاتا ہے تو اس پر خشیت الٰہی طاری ہو جاتی ہے۔

(ii) خواص کی خشیت: اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور عظمت وجلالت سے اولیاء اللہ میں خشیت پیدا ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ کثرت عبادت کے باوجود کسی کو کسی غلطی، گستاخی کی وجہ سے راندہ درگاہ بنا دے۔

2۔ خشیت قرآن میں

قرآن پاک میں جابجا خشیت الٰہی کا ذکر آیا ہے:

(1) اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ. (سورۃ المومنون، آیات: 57-61)

(بے شک جو لوگ اپنے رب کی خشیت سے مضطرب اور لرزاں رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور جو لوگ (اللہ پاک کی راہ میں) دیتے ہیں جتنا وہ دے سکتے ہیں اور (اس کے باوجود) ان کے دل خائف رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ بھلائیاں کرنے میں جلدی کر رہے ہیں اور وہی اس میں آگے نکل جانے والے ہیں)

(2) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ. (سورۃ المومنون، آیات: 1-2)

(یقیناً مومن فلاح پا گئے۔ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں)

ان آیات پاک میں نماز میں خشیت اختیار کرنے والوں کو آخرت کی کامیابی کا پروانہ جاری کیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ دو خصلتیں تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں اٹل رہی ہیں۔ پہلی چیز طہارت ہے۔ اس میں ظاہر اور باطن کی ساری پاکیزگیاں شامل ہے۔ دوسری چیز اخبات (خشیت) ہے۔ اپنی نیازمندی اور کمزوری اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا خیال کرنا اخبات کہلاتا ہے۔ اسی کو خشوع و خضوع کہتے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج: 1، ص: 53؛ ہمعات، ص: 89)

(3) وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ. (سورۃ الرعد، آیت: 21)

(اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں)

یہ خوف اللہ پاک کی عظمت و محبت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ کہیں ہماری کوئی بات یا عمل اس کے

نزدیک ناپسند اور مکروہ نہ ہو جائے۔ صوفیائے کرامؒ کے نزدیک خشیت اسے کہتے ہیں جو اللہ پاک کی عظمت و محبت کی وجہ سے پیدا ہو۔ ایسی خشیت سالک کو خالق کے مزید قریب کر دیتی ہے۔

(4) وَهُمۡ مِّنۡ خَشۡيَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ.(سورۃ الانبیا، آیت:28)

(اور وہ اس کی خشیت سے برابر لرزتے رہتے ہیں)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک کے فرشتے ہر وقت خشیتِ الٰہی سے لرزتے رہتے ہیں۔ سالک کو عام طور پر اللہ پاک کی فرشتوں جتنی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے ان کی حالتِ خشیت میں کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے۔ جوں جوں سالک کی معرفت خداوندی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے توں توں اس کی خشیت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ پاک سے ڈرنے والا ہوں۔ (دیکھیے صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:57)

(5) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ.(سورۃ الزمر، آیت:23)

(اللہ پاک نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے۔ ایک ایسی کتاب جس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ جس کی باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں اپنے پروردگار کی خشیت ہے، ان کی کھالیں اس سے کانپ اٹھتی ہیں۔ پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں)

اس آیت پاک میں قرآن پاک کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ اس کی تلاوت سے سالکین پر خشیت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ان کے دل اس سے نرم ہو کر اللہ پاک کی یاد کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

(6) اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ.(سورۃ فاطر، آیت:28)

(اور اللہ پاک سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک سے اس کی معرفت رکھنے والے ہی ڈرتے ہیں۔ جو سالکین اللہ پاک کی ذات وصفات کو جانتے ہیں۔ ان پر اللہ پاک کی عظمت و بزرگی کی ہیبت اور محبت سے دوری یا محرومی کا خوف، خشیت کی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔

3۔ خشیت حدیث میں

ذیل میں خشیت الٰہی کے بارے میں کچھ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقل کی جاتی ہیں:

(1) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَدْ شِبْتَ، قَالَ: " شَيَّبَتْنِي هُودٌ، وَالْوَاقِعَةُ، وَالْمُرْسَلَاتُ، وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ، وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1245)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۃ ھود، الواقعہ، المرسلات، عَمَّ يَتَسَائَلُونَ اور إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ نے بوڑھا کر دیا ہے)

(2) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْأَرْبَعِ: مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ". (سنن ابوداؤد، ج:1، رقم الحدیث:5411)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اے میرے پروردگار! میں چار چیزوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں: ایسا علم جو نفع بخش نہ ہو، ایسا دل جس میں خشیت نہ ہو، ایسا نفس جو سیر نہ ہو، ایسی دعا جو سنی نہ جائے)

(3) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: " قَلَّمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتَّى يَدْعُوَ بِهَؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِأَصْحَابِهِ: اللَّهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا يَحُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ، وَمِنَ الْيَقِينِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مُصِيبَاتِ الدُّنْيَا، وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ

الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلَى مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلَى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا، وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا".

(جامع ترمذی، ج:2،رقم الحدیث:1456)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایسا کم ہی ہوا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مجلس سے یہ دعا کیے بغیر اٹھے ہوں: اے میرے پروردگار! ہم میں اپنی خشیت اتنی تقسیم کر دے کہ ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل ہوجائے۔ اپنی فرماں برداری ہم میں اتنی تقسیم کر دے کہ وہ ہمیں جنت تک پہنچا دے۔ اتنا یقین تقسیم کر دے کہ ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہوجائیں۔ جب تک تو زندہ رکھ ہمیں اپنے کانوں، اپنی آنکھوں اور اپنی قوتوں سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دیتا رہ، اور ان سب کو (ہماری موت تک) باقی رکھ۔ اے اللہ پاک! ہمارا انتقام اسی تک محدود کر دے جو ہم پر ظلم کرے۔ ہمیں دشمنوں پر غلبہ عطا فرما۔ ہمارے دین میں مصیبت نازل نہ فرما۔ دنیا ہی کو ہمارا اصل مقصد نہ بنا اور نہ دنیا کو ہمارے علم کی انتہا بنا۔ ہم پر ایسے شخص کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے)

(4) عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: عَلَيْكُمْ بِالسَّبِيلِ وَالسُّنَّةِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ عَلَى سَبِيلٍ وَسُنَّةٍ ذَكَرَ الرَّحْمٰنَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ فَمَسَّتْهُ النَّارُ أَبَدًا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9،رقم الحدیث:5731)

(حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ تم پر درست راستہ اور سنت کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ جو درست راستے اور سنت پر ہو وہ اللہ پاک کو یاد کرے اور اس کی خشیتِ الٰہی کی وجہ سے آنکھیں بہہ پڑیں پھر اس کو جہنم کی آگ چھوئے)

(5) عَنِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ، تَحَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ، كَمَا يَتَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا"۔ (کنز العمال، ج:2،رقم الحدیث:752)

(حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مومن کی

کھال خشیت الٰہی سے حرکت کرتی ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح خشک درخت سے اس کے پتے گرتے ہیں)

(6) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوعٌ، وَإِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ، مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، ثُمَّ تُصِيبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهِ، إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1077)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مومن کی آنکھ سے خشیت الٰہی سے آنسو بہہ نکلیں، خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، پھر وہ اس کے رخساروں پر بہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم پر حرام کر دے گا)

(7) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ".

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:1701)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک کی خشیت سے رونے والا انسان دوزخ میں داخل نہیں ہوگا حتیٰ کہ دودھ تھن میں واپس چلا جائے)

(8) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ: عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ". (جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:1708)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں آگ نہیں چھو سکتی: ایک وہ جو خشیتِ الٰہی سے روتی ہے اور دوسری وہ جو اللہ پاک کے راستہ میں پہرہ دیتی ہے)

4۔ خشیت کے درجات

خشیت کے مختلف درجات ہیں۔سالک اپنے مقام کے اعتبار سے ان درجات میں سے کسی ایک میں ہوتا ہے۔یہ درجات حسب ذیل ہیں:

(i) خشیت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ سالک کو اپنے متعلق احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو اور یہ احتمال مسلمانوں میں سے ہر شخص کو ہے۔خشیت الٰہی کا یہ درجہ عقلی ہے۔

(ii) خشیت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ سالک گناہ کی خواہش کے وقت قرآن پاک کی آیات اور احادیث کو یاد کرے جن میں گناہوں پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور اس طرح گناہوں سے بچے۔اللہ پاک کی خشیت کا یہ درجہ بھی عقلی ہے۔

(iii) خشیت کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ سالک مراقبات و اشغال سے آیات وعید اور عظمت و جلال حق کو ہر دم پیش نظر رکھے۔خشیت کا یہ درجہ بھی عقلی ہے اور مستحب ہے۔

خشیت کے یہ تینوں درجات کسبی و عقلی ہیں جنہیں کوشش سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(iv) خشیت کا چوتھا درجہ سالک کی وہ کیفیت ہے جو اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی ہیبت کے ادراک اور اس کے فیض کے انوار سے دور اور محروم رہنے کے خوف سے، وارد ہو جاتی ہے۔خشیت الٰہی کا یہ درجہ محض وہبی ہے جو محض اللہ پاک کی عطا ہے۔خشیت کا یہ درجہ سالکین حق کے احوال میں سے ہے۔

5۔ خشیت کے بارے میں اقوال

اکابرین امت اور صوفیائے کرامؒ سے خشیت کے بارے میں سنہری اقوال منسوب ہیں، ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(1) شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں خشیتِ الٰہی نہیں، وہ عالم نہیں۔

(تفسیر مظہری، ذیل سورۃ فاطر، آیت:28)

(2) خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ خشیت ایسا خوف ہے جس میں بیدار دلی اور فروتنی ہوتی ہے۔اس کے تین باب ہیں:

(i) معاملات میں ایثار وتحمل، یہ تین چیزوں سے عبارت ہے: (ا)۔گناہ گار اس سے محفوظ رہتے ہیں، (ب)۔نیک لوگ اس سے مسرور ہوتے ہیں، (ج)۔مخلوق اس سے آزاد رہتی ہے۔

(ii) خدمت میں حضوری اور عاجزی، اس کی تین علامتیں ہیں: (ا)۔ایمان کی وہ حلاوت جس کے باعث انسان کو بارگاہ الٰہی کے بغیر سکون نہ آئے، (ب)۔مقصود حقیقی کی طرف ایسی توجہ جس کے سبب خلق کی طرف توجہ نہ کر سکے، (ج)۔گناہوں کو نظر میں اس طرح رکھنا کہ خود کو نیکوکار نہ سمجھے۔

(iii) سر میں حیا و تعظیم، یہ تین چیزوں پر مبنی ہے: (ا)۔اللہ پاک کو اپنی ذات سے قریب سمجھے، (ب)۔خود کو ذات باری سے دور سمجھے، (ج)۔اس کی ہر آزمائش کو عظیم سمجھے۔

(صد میدان،ص:82-83)

(3) امام ابوعبید احمد بن ابی عبید قاشانیؒ فرماتے ہیں کہ خشیت دل میں خشوع وانکسار کی اس حالت کا نام ہے جو اللہ پاک کی عظمت کے تصور اور اسے دل میں حاضر کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

(تفسیر ذکر للعالمین، ذیل سورۃ فاطر، آیت:28)

(4) امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ خوف کی دو اقسام ہیں: رہبت اور خشیت۔رہبت والا جب ڈرتا ہے تو فرار کی راہ اختیار کرتا ہے، جب کہ خشیت والا اللہ پاک کے ہاں پناہ لیتا ہے۔(رسالہ قشیریہ،ص:184)

6۔ خشیت کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے اہلِ خشیت کے کچھ واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(1) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اکثر خشیتِ الٰہی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔حضرت عبداللہ بن خبر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت نماز میں مشغول تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک سے اس طرح کی آواز

محسوس ہو رہی تھی کہ جس طرح کی آواز ہانڈی میں سے آتی ہے۔(سنن نسائی، ج:1، رقم الحدیث:1219)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ کی قسم میں اللہ تعالیٰ سے دن میں ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1257)

اللہ پاک نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے پچھلے تمام گناہ (اگر بالفرض ہوں بھی تو) معاف فرما دیے تھے جیسا کہ نصوص سے ثابت ہے۔(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:1655) لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کثرت سے استغفار کرنا اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر خشیت الٰہی کی کیفیت طاری رہتی تھی۔

(3) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خشیت کا یہ عالم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک پرندے کو درخت پر بیٹھا ہوا دیکھا تو فرمایا: تجھے مبارک ہو، اے چڑیا! اللہ تعالیٰ کی قسم! کاش کہ میں بھی تیری طرح ہوتا۔ تو درخت پر بیٹھتا ہے۔ پھل کھاتا ہے پھر اڑ جاتا ہے۔ تجھ پر نہ حساب ہے نہ عذاب۔ کاش کہ میں راستے کے کنارے پر ایک درخت ہوتا۔ مجھے پر اونٹ گذرتا۔ مجھے اپنے منہ میں داخل کرتا، خوب چباتا پھر مجھے ہضم کر لیتا۔(کنز العمال، ج:6، رقم الحدیث:5329)

(4) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا تھا تو ان کے دل ہیبت زدہ ہو جاتے تھے۔ امام قرطبیؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے:

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ۔(سورۃ الحج، آیت:35)

(جن کے سامنے اللہ پاک کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ہیبت زدہ ہو جاتے ہیں)

(تفسیر قرطبی، ذیل: سورۃ الحج، آیت:35)

(5) ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قرآن کی سورۃ المطففین کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب آیت:

يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ. (آیت:6)

(جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے)

پر پہنچے تو خوف وخشیت الٰہی سے بے حال ہو گئے۔ گریہ طاری ہو گیا اور پھر اس طرح روئے کہ اس کے بعد کی آیتوں کی تلاوت جاری رکھنے پر قادر نہ ہو سکے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:5، رقم الحدیث:136)

(6) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیت:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ عَلَيۡهَا مَلٰۤئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ. (سورۃ التحریم، آیت:6)

(اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تندخو اور سخت گیر فرشتے مقرر کیے گئے ہیں وہ کبھی اللہ پاک کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں)

نازل فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ایک نوجوان یہ آیت سن کر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا تو وہ دھڑک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے نوجوان کہو: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس نے یہ کلمہ پڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جنت کی بشارت سنائی۔

(7) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز مسلمان آپس میں کہتے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کی سفارش لائی جائے۔ لہٰذا سب مل کر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ تمام انسانوں کے والد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو خود بنایا۔ فرشتوں سے سجدہ کرایا اور پھر تمام اشیا کے نام سکھائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سب کی سفارش فرمائیں تاکہ یہ مصیبت ختم ہو کر چین حاصل ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: آج مجھے اپنی خطا یاد آ رہی ہے۔ مجھے پروردگار کی بارگاہ میں جاتے ہوئے حجاب محسوس ہوتا ہے۔ لہٰذا تم سب حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

سب حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں گے۔ اپنی درخواست پیش کریں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام کہیں گے کہ آج مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے۔ میں خود اس کی بارگاہ میں جانے سے شرم کر رہا ہوں۔ لہٰذا تم سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ۔ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے اپنی حاجت بیان کریں گے۔ آپ علیہ السلام فرمائیں گے: میں اس قابل کہاں۔ تم سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ، وہ کلیم اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تورات دی ہے۔ سب لوگ آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ علیہ السلام کہیں گے کہ مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے۔ مجھے ایک آدمی کے خون ناحق کا خیال بارگاہ الٰہی میں جانے سے روکتا ہے۔ لہٰذا تم سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ روح اللہ، اللہ کے بندے اور کلمۃ اللہ ہیں۔

سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں۔ تم سب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ۔ اللہ پاک نے ان کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہیں۔ میں سب کو لے کر اللہ پاک کی بارہ گاہ میں حاضر ہونے کی اجازت چاہوں گا۔ اجازت ملنے پر میں سجدہ میں گر پڑوں گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، سجدہ میں رہوں گا۔ حکم الٰہی ہوگا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! سر کو سجدہ سے اٹھاؤ۔ مانگو کیا مانگتے ہو۔ ہم سنیں گے اور تمہاری سفارش قبول کریں گے۔ میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ پاک کی وہ تعریف کروں گا جو مجھے اس کی طرف سے سکھائی جائے گی۔ اس کے بعد سفارش کروں گا جس کی حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں ایک گروہ کو بہشت میں داخل کر کے آؤں گا۔ پھر سجدے میں گر جاؤں گا اور وہی کیفیت ہوگی جو پہلے ہوئی تھی۔ پھر ایک گروہ کو بہشت میں داخل کر کے آؤں گا۔ پھر تیسری مرتبہ بھی داخل کروں گا۔ پھر چوتھی مرتبہ بھی سفارش کروں گا۔ پھر اپنے رب سے عرض کروں گا کہ اب تو وہی باقی رہ گئے ہیں جن کو قرآن کریم نے منع کیا ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:1655)

انبیائے کرام علیہم السلام سارے کے سارے معصوم ہیں۔ اللہ پاک نے ان کی خطاؤں سے درگزر فرما دیا ہے۔ اس کے باوجود قیامت کے دن ان پر خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوگا کہ وہ اللہ پاک کے سامنے دوسروں کی شفاعت کرنے سے کترائیں گے۔

(8) حضرت زرارہؒ ایک جلیل القدر تابعی، بصرہ کے قاضی اور اپنے زمانے کے ممتاز علماء اور مشائخ میں سے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی۔ ان کی خشیت اور آخرت کے خوف کا یہ عالم تھا کہ ایک دن فجر کی نماز میں امامت کر رہے تھے۔ جب آیت:

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ. (سورۃ المدثر، آیت:8)

(پھر جب صور پھونکا جائے گا)

پر پہنچے تو چیخ مار کر گر پڑے اور وہیں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:5، رقم الحدیث:293)

(9) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک شخص بہت گناہ کیا کرتا تھا۔ جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر پیس ڈالنا۔ اس کے بعد مجھے (میری راکھ) ہوا میں اڑا دینا۔ اللہ پاک کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قابو پالے گا تو مجھے ایسا عذاب دے گا جو اس نے کسی کو نہ دیا ہوگا۔ جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس شخص کے جس قدر ذرات تجھ میں ہیں، جمع کر۔ زمین نے جمع کر دیے۔ یکدم وہ شخص صحیح سالم کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے اس (حرکت) پر جو تو نے کی، کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تیری خشیت نے (يَا رَبِّ خَشْيَتُكَ)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:740)

(10) بیان کیا جاتا ہے کہ امام شافعیؒ نے قرآن پاک کی آیات:

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ. (سورۃ المرسلات، آیات:35-36)

(یہ ایسا دن ہے جس میں یہ لوگ بول نہیں سکیں گے۔ اور نہ انہیں اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ کوئی عذر پیش کر سکیں)

سنیں تو خشیتِ الٰہی کی ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی۔ آپؒ اس کیفیت کے زیر اثر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (خطبات فقیر، ج:4، ص:180)

(11) امام غزالیؒ خشیت الٰہی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ امت مسلمہ کے ابتدائی دور میں ایک مشہور ڈاکو ڈاکہ ڈالنے کی غرض سے کسی مکان کی دیوار پر چڑھ رہا تھا۔ اتفاقاً اس وقت مالک مکان قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھا۔ اس نے قران مجید کی سورۃ الحدید کی آیت نمبر پڑھی۔ اس ڈاکو نے جونہی یہ آیتِ کریمہ سنی تو اللہ پاک کے خوف سے کانپنے لگا۔ پکارنے لگا: اے میرے پروردگار! اب اس کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ روتا ہوا دیوار سے اتر پڑا اور ایک سنسان کھنڈر نما مکان میں جا بیٹھا۔ ساری رات روتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ پھر اس نے سچی توبہ کی اور توبہ کی پختگی کی خاطر ارادہ کیا کہ اب ساری زندگی بیت اللہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاروں گا۔ وہاں علم حدیث پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ اپنے وقت کا بلند پایہ محدث (حدیث کا عالم) بنا۔ (مکاشفۃ القلوب، ص:89)

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ (سورۃ الرحمٰن، آیت: 46)

(اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں)

گویم 'ارنی' و زار گریم
ترسم ز جواب 'لن ترانی'

(جب میں کہتا ہوں کہ تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو زار زار رونے لگتا ہوں)
(خوف ہے کہ جواب میں یہ نہ کہا جائے کہ تو مجھے نہیں دیکھ پائے گا)

عدل کریں تے تھر تھر کنبن اچیاں شاناں والے
فضل کریں تے بخشے جاون میں جے وی منہ کالے

(اگر عدل (انصاف) کریں تو بڑے مرتبے اور شان والے کانپ اٹھیں)
(اگر فضل (کرم) کریں تو ہم جیسے کالے منہ والے بھی بخشے جا سکتے ہیں)

16۔ رسول اللہؐ سے محبت

1۔ محبت کا مفہوم

محبت کے لغوی معانی لگن، لو، لگاؤ، تعلق خاطر، میلان اور توجہ کے ہیں۔ اصطلاح میں طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذت حاصل ہو، محبت کہلاتا ہے۔ یہی میلان اگر قوی ہو جائے تو عشق میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ محبت کے بارے میں اہل تصوف کے ہاں ایک قول مشہور ہے کہ عشق وہ آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ محبت سالک کی توجہ کو ہر طرف سے ہٹا دیتی ہے۔ محبوب کے سوا ہر شے کا تصور مٹا دیتی ہے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی لگن جو سالک میں اعلیٰ صفات پیدا کرتی ہے، محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلاتی ہے۔ جب سالک کے دل میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحریک ملتی ہے تو جلوہ محبت کی ایک بجلی سی اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے مقابلے میں تمام دنیوی محبتیں ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔

2۔ محبت رسولؐ قرآن میں

اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں کئی جگہوں پر سالکین کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ذکر فرمایا ہے:

(1) اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔(سورۃ احزاب، آیت:6)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں)

کسی سے محبت کی ایک وجہ قرابت ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت سے قرابت کا اندازہ اس آیت مبارک ہوتا ہے۔

(2) قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۔(سورۃ التوبہ، آیت: 24)

(فرمادیں اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے)

سورۃ توبہ کی اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے آٹھ (8) طرح کے لوگوں اور چیزوں کا تذکرہ فرما کر انسانیت کے لیے اپنی ذات رحیم، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت کو واجب قرار دیا ہے اور اسے فوقیت نہ دینے والوں کو عذاب الٰہی کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ یہ آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جو آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نفس سے زیادہ عزیز نہ رکھے وہ مومن نہیں۔

(3) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (سورۃ آلِ عمران، آیت: 31)

(فرمادیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا)

اللہ پاک نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ محبوب کے احکام پر عمل کرنا اور اس کی خصوصیات کو اپنانا چاہتا ہے۔ وہ رضائے محبوب کے تحت ہی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ انسان خدا سے محبت کرنے کے باوجود اسے اپنے لیے اسوہ حسنہ نہیں بنا سکتا۔ انسان کو ایک ایسا نمونہ چاہیے کہ اللہ پاک کی محبت میں جس کی تقلید کی جا سکے۔ اس آیت کریمہ میں سالکین حق کی اسی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے کہ خدا کی محبت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری سے منسلک ہے۔

3۔ محبت رسولؐ حدیث میں

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے بارے میں بے شمار احادیث مروی ہیں:

(1) قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهٖ، وَوَالِدِهٖ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ". (سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:67)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

(2) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ هِشَامٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ". فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْآنَ يَا عُمَرُ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1571)

(حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے میری جان کے سوا تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (تمہارا ایمان کامل نہیں) جب تک کہ میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اب اللہ پاک کی قسم! آپ مجھ کو میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! اب تیرا ایمان کامل ہو گیا)

(3) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ وَطَعْمَهُ: أَنْ يَكُونَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ فِي اللهِ، وَأَنْ يُبْغِضَ فِي اللهِ، وَأَنْ تُوقَدَ نَارٌ عَظِيمَةٌ فَيَقَعَ فِيهَا أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُشْرِكَ بِاللهِ شَيْئًا". (سنن نسائی، ج:2، رقم الحدیث:1296)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں تین چیزیں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس اور اس کا ذائقہ حاصل کرے گا: (i) اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھے، (ii) اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی کرے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے دشمنی کرے اور (iii) اگر بڑی اور خوفناک آگ جلائی جائے تو اس میں گر جانا قبول کرلے لیکن اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دے)

(4) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ:

"وَمَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا"؟ قَالَ: لَا إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ. قَالَ: "فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ".
(مسند احمد، ج:5، رقم الحدیث:2333)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا: کچھ بھی نہیں، سوائے اس کے کہ میں اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت کرتے ہو)

4۔ محبت رسولؐ کے تقاضے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے کچھ تقاضے ہیں:

(1) ایثار و قربانی

جب محبت کا یہ عالم ہو جائے کہ وہ ہر چیز سے بڑھ جائے تو یہ محبت ایثار کا تقاضا کرتی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ سالک صرف محبوب کو دیکھنا، ملنا اور سننا چاہتا ہے۔ محبوب جو کہے اس کو مانتا ہے۔ جان دینی پڑے تو جان بھی دیتا ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے محبوب نے منع فرمایا ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے کہ اپنی ہر شے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر دی جائے۔

(2) محبوب کے محبوب سے محبت کرنا

وہ محبوب کو چاہتا ہے اور محبوب کے طرز زندگی کو اپناتا ہے۔ محبوب جن سے محبت کرتا ہے، وہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ میرے محبوب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام سے محبت کرتے ہیں۔ محبوب کی محبت جدھر جدھر جاتی ہے، محب کی محبت اس کے پیچھے پیچھے جاتی ہے۔

(3) غفلت سے احتراز

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والا کبھی غافل نہیں ہوتا۔ محبت اور غفلت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ محبت بے تاب رکھتی ہے۔ محبت محبوب کی اطاعت و فرماں برداری پر مستعد رکھتی ہے۔ محبت

قربت چاہتی ہے، دوری گوارا نہیں کرتی۔ محبت ایثار و قربانی چاہتی ہے۔

(4) تعلیمات میں فنائیت

جس شخص کی تمام دنیوی محبتیں مل کر بھی حضور نبی پاک ﷺ کی محبت سے کم ہوں تو وہ شخص ایمان میں کامل ہے۔ اسی لیے فرمایا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ (سورۃ آل عمران، آیت: 31)

(آپ ﷺ فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لے گا)

جب سالک ایسا کر لیتا ہے تو اللہ پاک اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ اللہ پاک کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے محبوب ﷺ سے ایسی محبت کرتا ہے کہ جو اس کے محبوب کا سچا محب ہو جاتا ہے، اللہ اسے بھی اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور اسے میدان محشر میں حضور نبی پاک ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔

5۔ محبت کی نوعیت

محبت کی تین قسمیں ہیں، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

(1) محبت طبعی

وہ محبت جس کی بنیاد کوئی طبعی وابستگی یا کوئی فطری تقاضا ہوتا ہے۔ اس میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اسے طبعی محبت کہتے ہیں۔ اس محبت پر انسان کو اختیار نہیں ہوتا۔ اس کی بہترین مثال والدین کی اپنی اولاد سے محبت ہے۔

(2) محبت عقلی

یہ محبت کسی طبعی و فطری وابستگی اور تقاضے کے تحت نہیں ہوتی بلکہ کسی عقلی ضرورت و مناسبت اور خارجی وابستگی کے تحت کی جاتی ہے۔ اس کی مثال مریض اور دوا ہے۔ بیمار آدمی دوا کو اس لیے پسند نہیں کرتا کہ دوا لینا اس کا فطری تقاضا ہے بلکہ یہ دراصل عقل کا تقاضا ہوتا ہے۔ اہل ایمان سے حضور نبی

پاک ﷺ سے اسی عقلی محبت کا تقاضا کیا گیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ

"لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ، وَوَالِدِهِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ".

(سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:67)

(تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

(3) جذباتی محبت

عقلی محبت بعض حالات میں اتنی شدید، اتنی گہری اور اتنی اہم بن جاتی ہے کہ بڑی سے بڑی طبعی محبت اور بڑے سے بڑے فطری تقاضے پر بھی غالب آجاتی ہے۔عقلی محبت اتنی پراثر، اتنی بھرپور اور اس قدر جذباتی وابستگی کے ساتھ ہو کہ طبعی محبت پر غالب آجائے، جذباتی محبت کہلاتی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حضور نبی پاک ﷺ سے محبت محض عقلی و اصولی ہی نہیں تھی بلکہ جذباتی بھی تھی۔لیکن یہ جذبات کبھی کتاب وسنت اور حدود سے متجاوز نہیں ہوتے تھے۔اس جذباتی محبت کا یہ حال تھا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین خود بڑی سے بڑی تکلیف اٹھا لیتے تھے لیکن آپ ﷺ کو ایک کانٹے کا چبھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔آپ ﷺ کی حفاظت میں ان کے اپنے جسم تیروں سے چھلنی ہو جاتے تھے لیکن وہ یہ نہیں برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے جیتے جی آپ ﷺ کا بال بھی بیکا ہو۔مرد تو مرد، عورتوں تک کے جذبات کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے بیٹے، شوہر، باپ اور بھائی سب کو قربان کر کے بھی آپ ﷺ کی سلامتی کی آرزو رکھتی تھیں۔

6۔ رسول اللہؐ سے محبت کے اسباب

انسان جس سے بھی محبت کرتا ہے، اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے جس کی بنیاد پر وہ کسی کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ان اسباب میں سے چار انتہائی قابل ذکر ہیں۔حضور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات میں یہ چاروں اوصاف جمیلہ بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔اس لیے ہر امتی ہر چیز سے بڑھ کر

آپ ﷺ سے محبت کرتا ہے۔اس اسباب کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

(1) محبت و پیار کا ایک سبب محبوب کا محسن ہونا بھی ہے۔دلوں کی یہ فطرت ہے کہ جو ان پر احسان کرتا ہے، وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔سالکین حق حضور نبی پاک ﷺ سے اس لیے بھی محبت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے امت پر بے شمار احسانات ہیں۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔(سورۃ التوبہ،آیت:128)

(بلاشبہ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول ﷺ آیا ہے جس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت شاق گزرتا ہے۔تمہاری بھلائی کے بارے میں بہت حرص رکھنے والا ہے، ایمان والوں پر بہت شفقت کرنے والا،نہایت مہربان ہے)

حدیث شریف ہے:

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "كُلُّ نَبِيٍّ سَأَلَ سُؤْلًا، أَوْ قَالَ: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَا بِهَا، فَاسْتُجِيبَ فَجَعَلْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1255)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور نبی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر نبی ﷺ نے اپنا اپنا مطلوب مانگ لیا یا یہ ارشاد فرمایا: ہر نبی ﷺ کی ایک دعا قبول ہوتی ہے۔چنانچہ انہوں نے دعا کی اور مقبول بھی ہوگئی لیکن میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ کر لی ہے)

(2) کسی سے بھی محبت کا سبب حسن و جمال ہوتا ہے۔انسان خوبصورت شخصیت، خوبصورت چیز یا خوبصورت منظر کو دیکھے تو دل بے اختیار اس کی طرف کھنچ جاتا ہے۔اللہ پاک نے حضور نبی کریم ﷺ کو ایسا حسن و جمال عطا فرمایا کہ قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ، وَأَجْوَدِ النَّاسِ،

وَأَشْجَعِ النَّاسِ. (جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:1758)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

وَأَحسَنِ مِنكَ لَم تَرَ قَطُّ عَينِی
وَأَجمَلُ مِنكَ لَم تَلِدِ النِساءُ
خُلِقتَ مُبَرَّءً مِن كُلِّ عَيبٍ
كَأَنَّكَ قَد خُلِقتَ كَما تَشاءُ

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسین میری آنکھ نے ہرگز نہیں دیکھا)
(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ جمیل کسی عورت نے جنا ہی نہیں)
(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر عیب سے پاک وصاف پیدا کیے گئے)
(گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی منشا کے مطابق پیدا کیے گئے)

(3) کسی سے محبت و پیار کی وجہ فضل و کمال بھی ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضل و کمال عطا فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ، أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ". (صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:1162)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے چھے (6) وجوہ سے انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جامع کلام عطا کیے گئے۔ رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا۔ میرے لیے تمام روئے زمین پاک کرنے والی اور مسجد بنا دی گئی۔ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی)

حضرت شیخ سعدیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ

بَلَغَ العُلیٰ بکمَالِہٖ
حَسُنَتْ جمِیعُ خِصَالِہٖ
کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
صَلُّوا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

(انسانی عظمت آپؐ کی ذات میں اپنے کمال تک پہنچی)
(آپؐ کے حسن و جمال کی روشنی سے اندھیرے چھٹ گئے)
(آپؐ کی تمام عادتیں نہایت عمدہ ہیں)
(اللہ تعالیٰ آپؐ پر اور آپؐ کی آل پر سلام بھیجتے ہیں)

(4) کسی سے محبت کی ایک وجہ قرابت ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت سے قرابت کا اندازہ سورۃ احزاب کی اس آیت مبارکہ سے ہوجاتا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ ۔(سورۃ احزاب، آیت:6)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں ان کی مائیں ہیں)

7۔ محبت کے واقعات

ذیل میں بزرگان دین کے محبت کے واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(1) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کے درمیان اپنا منہ رکھ کر بوسہ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلائیوں پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا: ہائے نبیا! ہائے صفیا! ہائے خلیلا۔ (کنز العمال، ج:4، رقم الحدیث:1081)

(2) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس دنیوی زندگی کے

آخری لمحات قریب آئے، تو انہوں نے پوچھا کہ آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ پیر۔ فرمایا اگر میں آج کی رات دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو کل کا انتظار نہ کرنا بلکہ رات ہی کو دفن کر دینا کیونکہ مجھے وہ دن اور رات زیادہ محبوب ہے جو حضور نبی پاک ﷺ کے زیادہ قریب ہو۔

(مسند احمد، ج:1، رقم الحدیث:44)

(3) حضرت حمران بن ابان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پانی منگوا کر وضو کیا اور فراغت کے بعد مسکرانے لگے اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو، میں کیوں ہنس رہا ہوں؟ ایک مرتبہ حضور نبی پاک ﷺ نے بھی اسی طرح وضو کیا تھا جیسے میں نے کیا اور آپ ﷺ بھی مسکرائے تھے۔ (مسند احمد، ج:1، رقم الحدیث:403)

(4) حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو چمڑے کے ایک سرخ خیمے میں دیکھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو میں نے دیکھا کہ وہ آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی لائے اور لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس وضو کے پانی کو ہاتھوں ہاتھ لینے لگے۔ جس کو اس میں سے کچھ مل جاتا تو وہ اسے (اپنے چہرہ پر) مل لیتا تھا اور جسے اس میں سے کچھ نہ ملتا وہ اپنے پاس والے کے ہاتھ سے تری لیتا۔

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:373)

(5) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم ﷺ کے لیے چمڑے کا فرش بچھایا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ ان کے پاس اس فرش پر قیلولہ فرماتے۔ جب آپ ﷺ سو جاتے تو میں آپ ﷺ کا پسینہ مبارک اور بال لے کر ایک شیشی میں جمع کر لیتا۔ پھر میں اس کو خوشبو میں جمع کرتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ اس خوشبو میں سے میرے حنوط (وہ خوشبو جو میت کو لگائی جاتی ہے) میں ملا دینا۔ چنانچہ ان کے حنوط میں وہ ملائی گئی۔ (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1234)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حضور نبی کریم ﷺ کے وضو کا پانی اپنے ہاتھوں پر لینا اور جسم پر ملنا، بالوں کو سنبھالنا، پسینہ مبارک بطور خوشبو استعمال کرنا غلبہ محبت کی وجہ سے تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کہتے ہیں کہ یہ محبت کے غلبہ کی وجہ سے طاری ہونے والی حالت تھی جو اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پیش

آتی رہتی تھی۔(حجۃ اللہ البالغہ،ج:4،ص:481)

(6) غزوہ احد کے موقع پر جب معرکہ گرم ہوا۔ اہل ایمان کی مٹھی بھر جماعت پر کفار کے لشکر نے پوری قوت سے حملہ کیا تو ایک انصاری صحابیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر، باپ اور بھائی تینوں شہید ہو گئے۔ یہ دل دہلا دینے والی خبر اس عورت کو بھی پہنچائی گئی۔ مگر ایمان کی پختگی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے زیر اثر اپنے لواحقین کی شہادت پر غم زدہ ہونے کے بجائے وہ میدانِ جنگ سے واپس آنے والے ہر شخص سے ایک ہی سوال کرتی رہی: خدارا! مجھے یہ بتاؤ کہ میرے آقا اور سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خیریت سے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت سے ہیں۔ اس سے بھی اس کی تسکین نہ ہوئی۔ بے تابانہ کہنے لگی: اچھا چلو! میں اپنی آنکھوں سے دیدار کرلوں تو یقین ہوگا۔ جب اس نے اپنی آنکھوں سے چہرہ انور کی زیارت کر لی تو محبت سے دیوانہ وار پکار اٹھی: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔(مفہوم حدیث، مشکوٰۃ المصابیح، ج:1، رقم الحدیث:6)

(7) ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنے اہل وعیال اور مال سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ مجھے آپ کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک کہ آپ کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہیں کر لیتا۔ مگر اب تو یہی غم کھائے جاتا ہے کہ دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد آپ تو انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے۔ وہاں میری آنکھیں آپ کا دیدار کیسے کریں گی۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا. (سورۃ النساء، آیت:69)

(اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ، یہ بہترین ساتھی ہیں)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کو یہ خوش خبری سنا دی۔

(مفہوم حدیث، مشکوٰۃ المصابیح، ج:1، رقم الحدیث:6)

(8) حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے۔ اسی حالت میں ان کے

صاحبزادہ نے آکر پریشانی والی خبر سنائی کہ حضور نبی کریم ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں۔ عشق نبوی ﷺ سے سرشار اور محبت رسول ﷺ سے سرمست، یہ صحابی رضی اللہ عنہ اس جان گداز خبر کی تاب نہ لا سکے۔ بے تابانہ ہاتھ فضا میں بلند ہوئے اور زبان سے یہ حسرت ناک الفاظ نکلے: اے میرے پروردگار! اب مجھے بینائی کی دولت سے محروم کر دے تا کہ یہ آنکھیں جو سرکار دو عالم ﷺ کے دیدار سے مشرف و منور ہوا کرتی تھیں اب کسی دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔

(مفہوم حدیث، مشکوٰۃ المصابیح، ج:1، رقم الحدیث:6)

(9) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ حلاق آپ ﷺ کے بال مبارک کاٹ رہا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ارد گرد کھڑے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ آپ ﷺ کا جو بال بھی گرے وہ کسی آدمی کے ہاتھ ہی پر گرے۔

(مسند احمد، ج:5، رقم الحدیث:1355)

تنم فرسودہ جاں پارہ ز ہجراں یا رسول اللّٰہ
دلم پژمردہ آوارہ ز عصیاں یا رسول اللّٰہ
چوں سوئے من گزر آری من مسکیں ز ناداری
فدائے نقش نعلینت کنم جاں یا رسول اللّٰہ
چوں بازوئے شفاعت را کشائی بر گنہ گاراں
مکن محروم جامی را درا آں یا رسول اللّٰہ

(یا رسول اللہؐ آپ کی جدائی میں میرا جسم بے کار اور جاں پارہ پارہ ہوگئی ہے)
(گناہوں کی وجہ سے دل نیم مردہ اور آورہ ہو گیا ہے)
(اگر کبھی آپؐ مجھ مسکین اور نادار کی طرف تشریف لائیں)
(میں آپؐ کی جوتیوں کے نشان پر جان قربان کر دوں)
(روزِ محشر جب آپ شفاعت کا بازو گناہ گاروں کے لئے کھولیں گے)
(یا رسول اللہؐ اس وقت جامی کو محروم نہ رکھیے گا)

17۔ رسول اللہؐ کی اطاعت

1۔ اطاعت کا مفہوم

اطاعت کا لغوی معنی حکم کی تعمیل، فرمان برداری، کسی کی سر براہی کا اقرار اور محکومی کے ہیں۔ اصطلاح میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے مراد سالک کا اپنی دینی و دنیوی تمام خواہشات و ضروریات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے تابع کر لینے کا نام ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہی اصل سعادت ہے۔ سالک تمام حرکات وسکنات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام افعال دو قسم پر ہیں:

(1) عبادات: جیسے نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ،

(2) عادات: مثلاً کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا وغیرہ۔

مسلمان کے لیے لازم ہے کہ دونوں قسم کے افعال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا کرے کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (سورۃ الحشر، آیت: 7)

(سو جو چیز تم کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو)

2۔ اطاعت رسولؐ قرآن میں

نبی کو نبی مان لینے کا لازمی نتیجہ ہے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنی کتاب میں خود واضح فرما دی ہے کہ نبی صرف عقیدت ہی کا مرکز نہیں، بلکہ اطاعت کا مرکز بھی ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت صرف ایک واعظ و ناصح کی نہیں بلکہ ایک واجب الاطاعت ہادی کی ہوتی ہے۔ اس کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں جو ہدایت وہ دے، اس کی بے چون و چرا تعمیل

کی جائے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں جگہ جگہ حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، ان میں سے کچھ آیات یہ ہیں:

(1) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.(سورۃ آل عمران، آیت:31)

(فرما دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اطاعت کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا)

اللہ پاک نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ محبوب کے احکام پر عمل کرنا اور اس کی عادات و خصوصیات کو اپنانا چاہتا ہے۔ وہ رضائے محبوب کے تحت ہی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ محبت الٰہی میں یہ معاملہ کچھ مختلف ہو جاتا ہے کہ یہاں عادات وخصوصیات انسانی عقل سے ماورا ہیں۔ انسان خدا سے محبت کرنے کے باوجود اسے اپنے لیے اسوہ حسنہ نہیں بنا سکتا۔ انسان کو ایک ایسا نمونہ چاہیے کہ اللہ پاک کی محبت میں جس کی تقلید کی جا سکے۔ اس آیت کریمہ میں سالکین حق کی اسی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے کہ خدا کی محبت حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری سے منسلک ہے۔

اس آیت پاک کا شان نزول یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے جواب میں کہا: ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹوں کی طرح ہیں۔ اس سے شدید محبت کرتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرمایا: ان سے کہہ دیجیے اگر تم اللہ پاک سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو۔ میں اللہ پاک کا رسول ﷺ ہوں۔ میری پیروی کرو گے تو اللہ پاک تم سے محبت کرے گا۔

(2) قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ.

(سورۃ آل عمران، آیت:32)

(آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ پاک انکار کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری ایک اکائی ہے، جن میں سے ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا، نہ رسول ﷺ کی نافرمانی اور ان کے احکام کا انکار کر کے اللہ کی اطاعت کی جا سکتی ہے اور نہ اللہ کی نافرمانی کر کے رسول ﷺ کی اطاعت۔ اس لیے اس کی اطاعت

بھی اللہ ہی کی اطاعت ہے اور اس کی نافرمانی بھی اللہ ہی کی نافرمانی۔

(3) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ.(سورۃ آل عمران، آیت:132)

(اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے)

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، اس میں رحمت الٰہی کے لیے جس طرح اللہ کی اطاعت کو ضروری اور لازم قرار دیا ہے، اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو بھی اسی طرح لازم اور ضروری قرار دیا ہے۔

(4) تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.(سورۃ النساء، آیت:13)

(یہ اللہ پاک کی (طے کردہ) حدود ہیں اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی زبردست کامیابی ہے)

(5) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا.(سورۃ النساء، آیت:59)

(اے ایمان والو! اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحبان امر ہوں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو جائے، اگر اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی طرف رجوع کرو اور یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے)

اس آیت میں پہلا درجہ اطاعتِ الٰہی کا ہے اور یہ اطاعت تمام انسانوں پر فرض ہے۔ یہ اطاعت ہر حالت میں ضروری ہے، اس میں کوئی استثنا نہیں، اس سے سرتابی کرنے والا نافرمان، مجرم اور جہنمی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق، مالک، مربی اور محسن ہے، لہٰذا اس کی اطاعت بہر صورت لازم ہے۔

دوسرے نمبر پر اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اور یہ بھی مطلق اطاعت ہے تاہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(6) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. (سورۃ النساء، آیت:64)

(اور ہم نے جو رسول علیہ السلام بھیجا وہ اسی لیے بھیجا کہ اللہ پاک کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ براہ راست معاملہ نہیں فرماتا۔ وہ اپنی ہدایت نبیوں اور رسولوں کی وساطت سے دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت تک پہنچنے کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی واحد ذریعہ ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کسی شک وشبہ اور غلطی سے پاک اور یقینی علم ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ ایسی کوئی دوسری ہستی موجود نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس بات کی گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے احکام ٹھیک ٹھیک سمجھتا ہے اور پھر انھیں آگے مخلوق کے سامنے بغیر کسی شبہ اور غلطی کے بیان کر دیتا ہے۔

(7) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا. (سورۃ النساء، آیت:69)

(اور جو اللہ پاک اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کریں پس وہ انعام یافتہ ہستیوں انبیاء علیہم السلام، صدیقین رضوان اللہ علیہم اجمعین، شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صالحینؒ کے ساتھ ہوں گے اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں)

قرب کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کامل اتباع کرنے والوں کے چار درجات ہیں: (i) اول درجہ کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جنت کے مقامات عالیہ میں جگہ عطا فرمائے گا، (ii) دوسرے درجہ کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ صدیقین کے ساتھ جگہ عطا فرمائے گا۔ صدیق اس کو کہتے ہیں جس کا دل اللہ تعالیٰ کے رسول کو بغیر کسی دلیل کے از خود سچا مانتا ہے، (iii) تیسرے درجہ کے لوگ شہداءؒ کے ساتھ ہوں گے۔ شہداء، شہید کی جمع ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کرتے ہیں، (iv) چوتھے درجے کے لوگ صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ صالحین، صالح کی جمع ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ظاہر و باطن میں اعمال صالحہ کے پابند ہوتے ہیں۔

جولوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع کریں گے، وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام، صدیقین رضوان اللہ علیہم اجمعین، شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صالحین کے ساتھ ہوں گے اور ان کا یہ شرف ان کے اعمال کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی بدولت ہوگا، البتہ اطاعت رسول ہی نے ان کو اللہ تعالیٰ کے فضل کا مستحق بنایا۔

(8) مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ.(سورۃ النساء، آیت:80)

(جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی، پس تحقیق اس نے اللہ پاک کی اطاعت کی)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا ہے۔ جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، کیونکہ رسول خدا کا نائب اور اس کا پیغام مخلوق تک پہنچانے والا ہوتا ہے اور وہ تمام امور اس کی رضا کے لیے انجام دیتا ہے، تاہم اطاعت اور عبادت میں فرق ہے۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوسکتی ہے اور اطاعت رسول کی بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی فرض ہے۔

(9) وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ.(سورۃ الانفال، آیت:1)

(اور اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اگر تم واقعی مومن ہو)

ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا تقاضا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں کرتا وہ مومن نہیں، جس کی اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ناقص ہے، اس کا ایمان بھی اتنا ہی ناقص ہے۔

(10) لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ.(سورۃ الاحزاب، آیت:21)

(تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ) ہیں)

(11) وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا.(سورۃ الاحزاب، آیت:36)

(اور جو کوئی اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرے، وہ صریح گمراہ ہوگیا)

(12) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا.(سورۃ الاحزاب، آیت: 71)

(اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی، تحقیق اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی)

(13) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا.(سورۃ الفتح، آیت: 17)

(جو کوئی اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور جو منہ پھیرے گا، اسے دردناک عذاب دے گا)

3۔ اطاعت رسولؐ حدیث میں

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے بارے میں سے بے شمار احادیث مروی ہیں:

(1) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُوْلُ: "جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هَذَا مَثَلًا، فَاضْرِبُوا لَهُ مَثَلًا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا وَجَعَلَ فِيهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا، فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ، فَقَالُوا: أَوِّلُوهَا لَهُ يَفْقَهْهَا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: فَالدَّارُ الْجَنَّةُ، وَالدَّاعِي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:2185)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فرشتے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے ہوئے تھے۔ بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ سوتی ہے اور قلب بیدار رہے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مثال ہے وہ مثال تو بیان کرو۔ بعض نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے ہوئے ہیں بعض نے کہا کہ آنکھ سوتی ہے

اور دل بیدار ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے گھر بنایا اور اس میں ایک دستر خوان بچھایا اور ایک شخص بلانے والے کو بھیجا۔ جس نے بلانے والے کی دعوت قبول کی تو وہ گھر میں داخل ہوا اور دستر خوان سے کھایا۔ جس نے بلانے والے کی دعوت قبول نہ کی وہ نہ تو گھر میں داخل ہوا اور نہ دستر خوان سے کھایا۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا کہ آنکھ سوتی ہے اور قلب بیدار ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ گھر تو جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جس نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی، اس نے اللہ پاک کی اطاعت کی۔ جس نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے درمیان جدا کرنے والے ہیں)

(2) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:1، رقم الحدیث:164)

(حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی دلی خواہشات اس چیز کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لے کر آیا ہوں)

(3) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ"۔ (سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:13)

(حضرت عبیداللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ اپنے والد ابو رافع رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ تکیہ لگائے اپنے پلنگ پر بیٹھا ہو اس کو کوئی ایسا معاملہ پہنچے جس کا میں نے حکم دیا ہو یا جس سے میں نے روکا ہو تو وہ یوں کہے گا میں نہیں جانتا ہم نے اس کو اللہ کی کتاب میں نہیں پایا کہ اس کی اتباع کر لیں، ہمیں جو کتاب اللہ میں ملے گا بس اس کا اتباع کریں گے)

(4) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَخُذُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ "۔ (مسند احمد، ج:4، رقم الحدیث:1489)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں جس چیز سے

روکوں اس سے رک جاؤ اور جس چیز کا حکم دوں اسے اپنی طاقت کے مطابق پورا کرو)

(5) عَنْ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ : مَنْ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَسَمِعَ وَأَطَاعَ فَقَدْ تَوَسَّطَ الإِيمَانَ، وَمَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيمَانَ.

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:133)

(حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز قائم کرتا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ سنتا ہے اور اطاعت کرتا ہے۔ اس کا ایمان درمیانے درجہ کا ہے۔ جو شخص اللہ پاک کے لیے محبت رکھتا ہے اور اللہ پاک ہی کے لیے بغض رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے عطا کرتا ہے اور اللہ پاک ہی کے لیے روکتا ہے، اس کا ایمان مکمل ہو گیا)

(6) قَالَ رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا وَطَاعَةُ اللَّهِ وَطَاعَةُ رَسُولِهِ أَنْفَعُ لَنَا. (مسند احمد، ج:6، رقم الحدیث:1652)

(حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک ایسی چیز سے منع فرمایا ہے جو ہمارے لیے نفع بخش ہو سکتی تھی لیکن اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہمارے لیے اس سے بھی زیادہ نفع بخش ہے)

(7) عَنْ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "أَنَا زَعِيمٌ، وَالزَّعِيمُ الْحَمِيلُ لِمَنْ آمَنَ بِي وَأَسْلَمَ، وَهَاجَرَ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ". (سنن نسائی، ج:2، رقم الحدیث: رقم الحدیث:1046)

(حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا: آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں ضمانت دیتا ہوں جو مجھ پر ایمان لائے اور میری فرماں برداری کرے اور ہجرت کرے تو اس شخص کو جنت کے کنارے پر ایک گھر ملے گا اور جنت وسط میں بھی ایک گھر ملے)

(8) عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا، فَقَالَ: يَا قَوْمِ، إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ، وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ، فَالنَّجَاءَ فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِنْ قَوْمِهِ، فَأَدْلَجُوا، فَانْطَلَقُوا عَلَى مَهَلِهِمْ، فَنَجَوْا

وَ كَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ، فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ، فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ، فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِي، فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهِ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِي وَ كَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ ".(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:2187)

(حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اور اس (دین حق) کی جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنی قوم کے پاس آ کر کہا: اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک فوج دیکھی ہے۔ میں تمہیں واضح طور پر اس سے ڈرانے والا ہوں۔ لہٰذا اپنی حفاظت کا سامان کرلو۔ اس کی قوم میں سے ایک جماعت نے اس کی بات مانی اور راتوں رات نکل کر اپنی پناہ میں جا چھپے اور بچ گئے جبکہ دوسری جماعت نے اسے جھٹلایا اور صبح تک اپنے اپنے مقامات ہی پر (بے فکری سے پڑے) رہے۔ منہ اندھیرے ایک لشکر نے ان پر حملہ کر دیا۔ انہیں ہلاک کر کے غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ سو یہ مثال ہے اس کی جس نے میری اطاعت کی اور جو (دین حق) میں لے کر آیا ہوں اس کی پیروی کی اور اس شخص کی مثال جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق میں لے کر آیا ہوں، اسے جھٹلایا)

4۔ اطاعت رسولؐ کے بارے میں اقوال

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے بارے میں اکابرین امتؒ سے بہت سے اقوال منسوب ہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(1) حضرت ابوالحسین وراقؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہے۔ (طبقات صوفیا، ص:210)

(2) حضرت ابوالحسین وراقؒ فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ پاک سے صرف اسی کی مدد اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابع داری کے ذریعے مل سکتا ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے بغیر راہ تلاش کرتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ (طبقات صوفیا، ص:209)

(3) حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا: تو اس چیز سے محبت کرے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور اس چیز کو ناپسند کرے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اور دین کے معاملہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی کر لے۔ (طبقات صوفیا، ص:34)

(4) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے ساتھ محبت کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ ایسا شخص حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق، افعال، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں پر چلنے میں فرماں برداری دکھاتا ہے۔ (طبقات صوفیا، ص:35)

(5) حضرت حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے باطن کو مراقبہ اور اخلاص کے ساتھ درست کیا تو اللہ پاک اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت کے ساتھ مزین کردے گا۔ (طبقات صوفیا، ص:53)

(6) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص بھی اللہ پاک تک اس کی توفیق کے بغیر نہیں پہنچا اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور تابع داری ہے۔ (مکاشفۃ القلوب، ص:106)

(7) حضرت شیخ احمد اطواریؒ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے بغیر ہر ایک عمل باطل اور ضائع ہے۔ (مکاشفۃ القلوب، ص:106)

(8) حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک سے محبت کی نشانی قرآن مجید سے محبت ہے۔ حب اللہ اور حب قرآن کی نشانی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی نشانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے محبت ہے۔ (مکاشفۃ القلوب، ص:107)

5۔ رسول ؐ کی اطاعت کے واقعات

ذیل میں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان افروز واقعات بیان کیے جاتے ہیں:

(1) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی، پھر اسے پہنا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوا کر پہننے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس انگوٹھی کو پہنتا تھا لیکن اب اس کو کبھی نہیں پہنوں گا اور پھر اس کو اتار کر پھینک دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں۔ (سنن نسائی، ج:3، رقم الحدیث:1473)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان

سے اعراض کیا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بھی اعراض کیا۔ پھر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول! آپ کی مراد ہم سے ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم انہیں سمندر میں ڈال دیں گے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ان کے سینے برک الغماد سے ٹکرا دینے کا حکم دیں تو ہم یہ بھی کر گزریں گے۔ (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:124)

(3) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی آدمی چاہتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں دوزخ کا انگارا رکھ لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اس آدمی سے کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور اس سے (بیچ کر) فائدہ اٹھاؤ۔ وہ آدمی کہنے لگا: نہیں، اللہ پاک کی قسم! میں اسے کبھی بھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھینک دیا ہو۔ (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:975)

(4) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت حمران رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وضو کے لیے پانی منگوایا اور وضو سے فراغت کے بعد مسکرانے لگے۔ پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو، میں کیوں مسکرا رہا ہوں؟ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی طرح وضو کیا تھا جیسے میں نے کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مسکرائے تھے اور دریافت فرمایا تھا کہ کیا تم جانتے ہو، میں کیوں ہنس رہا ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ پاک اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ وضو کرتا ہے اور کامل وضو کر کے نماز شروع کرتا ہے اور کامل نماز پڑھتا ہے تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے جنم لے کر آیا ہو۔ (مسند احمد، ج:1، رقم الحدیث:403)

(5) حضرت انس بن سیرینؒ بیان کرتے ہیں کہ میں میدان عرفات میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے تو میں بھی ساتھ چل پڑا۔ آپ رضی اللہ عنہ امام کے پاس پہنچے اور اس کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی پڑھی، پھر اس کے ساتھ وقوف کیا۔ میں اور میرے کچھ ساتھی بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے۔ یہاں تک کہ جب امام روانہ ہوا تو ہم بھی روانہ ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب ایک تنگ راستے پر پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔ ہم نے بھی اپنی اونٹنیوں کو بٹھا لیا۔ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھنا چاہتے ہیں لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے خادم نے جو آپ رضی اللہ عنہ کی سواری کو تھامے

ہوئے تھا، بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز نہیں پڑھنا چاہتے۔ دراصل آپ رضی اللہ عنہ کو یہ بات یاد آ گئی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس جگہ پر پہنچے تھے تو قضاء حاجت فرمائی تھی۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کی خواہش یہ ہے کہ اس سنت کو بھی پورا کرتے ہوئے قضاء حاجت کر لیں۔ (مسند احمد، ج:3، رقم الحدیث:1661)

(6) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی جس دن شادی ہوئی تو اگلی ہی صبح غزوہ احد کے لیے روانہ ہو گئے۔ اللہ پاک کا کرنا یہ ہوا کہ غزوہ احد میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ حضرت عاصمؒ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک تمہارے ساتھی (حنظلہ رضی اللہ عنہ) کو فرشتوں نے غسل دیا ہے۔ اس کی بیوی سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی بیوی نے جواب دیا کہ جب وہ گھر سے جہاد کے نکلے تو جنبی تھے۔ دراصل شادی کی پہلی رات ہم حجلۂ عروسی میں تھے کہ کسی پکارنے والے نے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر جہاد کے لیے پکارا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے بستر سے اٹھے۔ بیوی نے کہا کہ آج رات ٹھہر جاؤ، صبح جہاد پر روانہ ہو جانا۔ کہنے لگے: اے میری رفیقۂ حیات! مجھے جانے سے کیوں روک رہی ہو؟ اگر جہاد سے صحیح سلامت واپس لوٹ آیا تو زندگی کے دن اکٹھے گزار لیں گے ورنہ کل قیامت کے دن ملاقات ہوگی۔ بغیر غسل فرمائے فوراً آپ کی خدمت میں جہاد کے لیے حاضر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت سن کر ارشاد فرمایا: اسی وجہ سے فرشتوں نے اسے غسل دیا ہے۔ (دیکھیے سنن کبریٰ للبیہقی، ج:4، رقم الحدیث:1665)

(7) حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا پھر (حجر اسود کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا: میں جانتا ہوں تو محض ایک پتھر ہے تو نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ہرگز تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (سنن ابوداؤد، ج:2، رقم الحدیث:109)

(8) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ناعم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا۔ جب ہم لوگ مکہ مکرمہ کے کسی راستے میں تھے تو آپ رضی اللہ عنہ ارادۃً کسی چیز پر غور سے نظریں جمائے رہے۔ جب وہ چیز جو کہ ایک درخت تھا، واضح ہوگئی تو اس کے نیچے آ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔

(مسند احمد، ج:3، رقم الحدیث:2024)

18۔ اسلام کی صوفیانہ تعبیر

1۔ توحید

دین اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔صوفیا ان کی تعبیر بعض اوقات مختلف طریقے سے کرتے ہیں۔ دین کا پہلا رکن توحید ہے۔اللہ پاک کی معرفت کے سلسلے میں سب سے اہم اور بنیادی چیز اس کی توحید کا صحیح علم اور تصور ہے۔ جب تک اللہ کی توحید کا عقیدہ کامل نہ ہوگا، سالک کے عمل میں کجی اور رنگارنگی باقی رہے گی۔توحید کا پہلا قدم اللہ کے ساتھ ہر حیثیت سے اور زندگی کے ہر گوشے میں ہر شریک کی نفی کرنا ہے۔

اللہ پاک نے خود بار بار ارشاد فرمایا ہے:

وَاِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔(سورۃ البقرۃ، آیت:163)

(اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے)

دوسری جگہ پر ارشاد ہے:

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔(سورۃ الاخلاص، آیت:1)

(آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ یکتا ہے)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو بتا دیں کہ معبود ایک ہی ہے۔مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوۡۤا اِلٰهَيۡنِ اثۡنَيۡنِ‌ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ‌ۚ ۔(سوۃ النحل، آیت:51)

(اور اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو دو معبود نہ بنا بیٹھنا، وہ تو بس ایک ہی معبود ہے)

اللہ پاک پر سچا ایمان ہی اسلام کی جڑ اور اس کی بنیاد ہے اور جہاں یہ جڑ موجود نہ ہو، وہاں اسلام میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔توحید موجود ہو تو عمل میں کوتاہی سے درگزر کا امکان ہے لیکن توحید کے بغیر

تو کوئی عمل بھی مقبول نہیں ہے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز (دین) کی تابع نہیں ہوتیں جس کو میں اللہ کی جانب سے لایا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:1، رقم الحدیث:164)

(1) توحید کے کئی پہلو ہیں: ایک توحید خدا کی خدا کے لیے: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خدائی میں کسی دوسرے کی کسی قسم کی کوئی شرکت تسلیم نہیں کرنا۔ میدانِ محشر میں پکار کر پوچھا جائے گا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۔ (سورۃ غافر، آیت:16)

(آج کس کی بادشاہی ہے؟)

پورا عالم بیک آواز پکار اٹھے گا:

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۔ (سورۃ غافر، آیت:16)

(فقط اللہ واحد قہار کی)

اور مستقبل کے مستقل فیصلے اسی دن ہوں گے۔

اللہ پاک اس بات کو بھی برداشت نہیں فرماتا کہ مخلوق میں سے بھی کوئی اس کے سوا کسی اور کو خدا یا اس کی خدائی میں کسی قسم کا شریک مانے یا اپنے طرزِ عمل سے کسی کو ایسا تسلیم کرے۔ ارشاد ربانی ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۔ (سورۃ النساء، آیت:48)

(بے شک اللہ پاک اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہے گا معاف کردے گا)

(2) اللہ پاک کی سب مخلوق اس کے لیے یکساں ہے۔ اس کا اپنی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جو دوسروں سے نہ ہو۔ ہر شخص ہر وقت اس سے رجوع کرسکتا ہے۔ اس کے ہاں کوئی دربان نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔(سورۃ البقرۃ،آیت:186)

(اور(اے پیغمبرؐ) جب میرے بندے آپؐ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپؐ ان سے کہہ دیجیے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں)

(3) اللہ پاک کی توحید کے معنی یہ ہیں کہ عارف یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ وہ محدود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی باپ ہے جو اسے دبا سکے، نہ بیٹا جو اسے مجبور کر سکے اور نہ کوئی ہمسر جسے اسے ممنون کرنے کی ضرورت لاحق ہو۔ کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ سب کچھ اس کے ارادے کے تابع ہے۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے سوا سب مخلوق ہیں اور مخلوق کا اس پر کوئی تصرف نہیں۔ نفع اور نقصان، عزت و ذلت، زندگی اور موت، نیکی اور بدی سب اسی کی طرف سے مقدر ہے۔ اس لیے امید اور خوف کے لائق اس کے سوا کوئی نہیں۔

انسان کا نفس بھی بچوں والی کتیا کی طرح سے یہ سوچے بغیر کہ یہ جگہ اس کے لیے مناسب اور جائز بھی ہے یا نہیں، محض اسے دل پسند دیکھ وہاں اپنا ڈیرہ ڈال دیتا ہے اور پھر اگر اسے وہاں سے اٹھانے اور نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس طرح سے غصہ ہوتا ہے کہ جیسے اسے اس کے گھر سے نکالا جا رہا ہو۔ یہی وہ تصور ہے جو وطن کی ہجرت میں دیا گیا ہے۔

پھر انسان کے نفس کی انہی باتوں کی کمی بیشی کے لحاظ سے یہ اندازہ ہوگا کہ کسی شخص میں توحید کا کس درجہ کا اور کس قدر فہم و ادراک پایا جاتا ہے اور اللہ پاک سے اس کے تعلق کی نوعیت کیا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ توحید کے بارے میں فرماتے ہیں: توحید حادث (ختم ہونے والے) سے قدیم کو جدا کرنا ہے۔ اللہ پاک قدیم ہے اور اس کے سوا سب کچھ حادث ہے۔ گویا توحید کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو اللہ پاک کی کوئی صفت کسی مخلوق کی طرف منسوب کرے اور نہ مخلوق کی کوئی صفت (کمزوری) اللہ پاک کی طرف منسوب کرے۔

حضرت حسین بن منصور حلاجؒ بیان کرتے ہیں کہ توحید کی راہ کا سب سے پہلا قدم ہر اس کو چیز فنا کرنا ہے جو اللہ پاک سے الگ اپنے آپ کو منوانے کا داعی ہو کیونکہ توحید نفی کرنے والی شے ہے۔ اس لیے اس کا پہلا قدم شرک کی نفی ہی ہونا چاہیے کہ کلمہ اسلام شروع ہی لا الٰہ سے ہوتا ہے۔

حضرت حضریؒ فرماتے ہیں کہ توحید میں ہمارے نزدیک پانچ چیزیں بنیادی ہیں: (i) حدث: اللہ پاک کے ماسوا کی نفی، (ii) قدیم: اللہ پاک کا اثبات، (iii) وطن سے ہجرت: اپنی جن غلط خواہشات اور مرغوبات کو نفس نے اپنا وطن سمجھ کر وہاں پر مستقل ڈیرہ ڈال دیا ہے۔ ان کو چھوڑنے پر اسے مجبور کیا جائے۔ خواہشات اور مرغوبات نفس اللہ پاک کی نافرمانی کی طرف لے جاتے ہیں، (iv) بھائیوں کی مفارقت اور ان سے جدائی: یعنی اللہ پاک سے غافل لوگوں سے الگ اور بے پرواو بے نیاز ہو کر اللہ پاک کی طرف یکسو اور متوجہ ہو جانا، (v) معلوم اور نامعلوم سب کو بھول جانا: دنیا اور اس کے متعلقات کو بالکل بے وزن اور بے وقعت سمجھنا۔

حضرت ابراہیم خواصؒ توکل کو بھی ایمان کے لوازم میں سے فرماتے ہیں۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔(سورۃ المائدہ، آیت: 23)

(اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اگر تم مومن ہو)

فقہا کی طرح صوفیائے کرامؒ میں بھی اس بارے میں اختلاف ہے کہ ایمان کے لیے اطاعت بھی شرط ہے یا صرف زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کافی ہے۔ فقہا کا ایک گروہ جس میں حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ اور صوفیائے کرامؒ میں سے حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت بشر حافیؒ، حضرت خیر النساجؒ، حضرت ہمنون المحبؒ، حضرت ابوحمزہ بغدادیؒ اور حضرت ابومحمد بن حسین حریریؒ وغیرہ کے خیال میں ایمان کے معنی زبان سے اقرار، دل سے اس کی تصدیق اور اس کے مطابق عمل کرنے کے ہیں۔

دوسرا گروہ جس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت حسن بلخیؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت داؤد طائیؒ اور صوفیائے کرامؒ میں سے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ، حضرت ذوالنون مصریؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت سلیمان درانیؒ، حضرت حارث محاسبیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سہل تستریؒ، حضرت شفیق بلخیؒ اور حضرت حاتم اصمؒ کا خیال ہے کہ ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ہے۔

یہ اختلاف فی الحقیقت صرف عبارت اور الفاظ کا اختلاف ہے۔ اصل حقیقت کے لحاظ سے دونوں گروہوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اہل معرفت اور اہل السنۃ والجماعۃ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ

ایمان کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ ایمان کی اصل زبان سے اقرار اور اس کی دل سے تصدیق ہے اور فرع معاملات میں اس ایمان کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ہے۔

2۔ نماز

دین کا دوسرا رکن نماز ہے۔ اللہ پاک قرآن مجید میں بار بار ارشاد فرماتا ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت:110)

(اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو)

دوسری جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا۔ (سورۃ طٰہٰ، آیت:132)

(اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر قائم اور اس کے پابند رہو)

جو لوگ نماز میں بھی اللہ تعالیٰ سے غافل رہیں ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ○ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ۔ (سورۃ الماعون، آیت:4-5)

(بڑی تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں)

حضور نبی کریم ﷺ نے نماز کو مومن اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز قرار دیا ہے:

بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الشِّرْکِ أَوِ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلَاۃِ. (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:527)

(بندہ مومن اور مشرک کے درمیان صرف نماز کا فرق ہے)

حضور نبی پاک ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری لمحات میں جن دو باتوں کی تاکید فرمائی ان میں سے ایک نماز تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الصَّلَاۃَ وَمَا مَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ. (سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:1625)

(نماز قائم کرنا اور اپنے خادموں کے حقوق کا خیال رکھنا)

نماز اللہ پاک کی حضوری کے احساس کے ساتھ قائم کرنی چاہیے: نماز سے حضور نبی پاک ﷺ کو اس قدر محبت تھی کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔ (سنن نسائی، ج:2، رقم الحدیث:1302)

(اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے)

جب بھی نماز کا وقت آتا وہ حضور نبی پاک ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے:

قُمْ يَا بِلَالُ، فَأَرِحْنَا بِالصَّلَاةِ. (سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1578)

(اے بلال کھڑے ہو جاؤ اور نماز (کے لیے اذان دے کر) ہمیں راحت دلاؤ)

حضور نبی پاک ﷺ کے بارے میں مذکور ہے کہ

أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يُصَلِّي وَلِجَوْفِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ۔

(شمائل ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:300)

(رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو آپ رضی اللہ عنہ کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ حضرت حاتم اصمؒ سے ایک شخص نے ان کی نماز کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا: جب نماز کا وقت آتا ہے تو میں ایک وضو ظاہری کرتا ہوں اور ایک وضو باطنی۔ ظاہری وضو پانی سے کرتا ہوں اور باطنی توبہ سے۔ پھر مسجد میں آتا ہوں تو نماز کے لیے اس طرح کھڑا ہوتا ہوں کہ مسجد حرام میری آنکھوں کے سامنے ہو۔ جنت کو اپنے دائیں طرف اور دوزخ کو اپنے بائیں طرف اور اپنے قدموں کو پل صراط پر دیکھتا ہوں اور اپنی پشت پر موت کے فرشتے کو کھڑا یقین کرتا ہوں۔ تعظیم کے ساتھ تکبیر کہتا ہوں، ادب کے ساتھ قیام کرتا ہوں، ہیبت کے ساتھ قرات کرتا ہوں، خشوع اور تواضع کے ساتھ رکوع کرتا ہوں اور

مقام ابراہیم کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان سمجھتے ہوئے سجدہ کرتا ہوں، حلم اور وقار کے ساتھ قعدہ کرتا ہوں۔ شکر کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں۔

حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کے بارے میں روایت ہے کہ آپؒ رات دن میں چار سو نفل پڑھا کرتے تھے۔ کچھ لوگوں نے آپؒ سے عرض کیا: جس درجہ پر آپؒ ہیں اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں۔ آپؒ نے جواب دیا کہ فنا کی حالت میں دوست کی تکلیف کوئی اثر نہیں دکھاتی۔ جب دوستی دل میں قوی ہوتی ہے تو دوست کا فرمان، دوست پر آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اپنے بچپن کے زمانے میں، میں نے ایک عبادت گزار عورت کو دیکھا۔ نماز کی حالت میں ایک بچھو نے اسے تقریباً چالیس مرتبہ ڈنگ مارا لیکن اس نے ذرا سی بھی جنبش نہ کی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئی تو میں نے کہا: ماں! آپ نے بچھو کو خود سے الگ کیوں نہ کیا؟ اس نے جواب دیا: بیٹا! تو بچہ ہے، اللہ پاک کے کام میں، میں اپنا کام کیسے شروع کر سکتی ہوں۔

حضرت ابوالخیر اقطعؒ کے پاؤں میں ایک مرض لگ گیا۔ ڈاکٹروں نے پاؤں کاٹنے کا مشورہ دیا لیکن آپؒ راضی نہ ہوئے۔ مریدوں نے مشورہ کیا کہ نماز کی حالت میں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ ڈاکٹروں نے ایسا ہی کیا۔ آپؒ ایک روز نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کٹا ہوا پایا۔

فرض عبادت کی ادائیگی کے بغیر نوافل اور دوسری نفل عبادات فائدہ نہیں دے سکتیں۔ فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل بلندی درجات اور مزید عنایات کا ذریعہ ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: "مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1449)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں سے کوئی چیز مجھے فرض عبادات سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے)

بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ فرائض کو سب کے سامنے پڑھتے ہیں اور نوافل کو عوام سے چھپ کر ادا کرتے ہیں تا کہ ریا کاری سے بچا جا سکے اور یہی دین کا منشا بھی ہے۔

3۔ زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ ایمان کے بعد نماز کے علاوہ جو فرائض مومن پر عائد ہوتے ہیں، ان میں سے ایک زکوٰۃ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت: 110)

(اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو)

دوسری جگہ فرمایا:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ۔ (سورۃ التوبہ، آیت: 34-35)

(اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ پاک کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، اب چکھو اس خزانے کا مزہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تَأْتِي الْإِبِلُ الَّتِي لَمْ يُعْطَ الْحَقُّ مِنْهَا تَطَأُ صَاحِبَهَا بِأَخْفَافِهَا، وَتَأْتِي الْبَقَرُ، وَالْغَنَمُ تَطَأُ صَاحِبَهَا بِأَظْلَافِهَا، وَتَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا، وَيَأْتِي الْكَنْزُ شُجَاعًا أَقْرَعَ فَيَلْقَى صَاحِبَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ يَسْتَقْبِلُهُ فَيَفِرُّ، فَيَقُولُ: مَا لِي وَلَكَ، فَيَقُولُ: أَنَا كَنْزُكَ، أَنَا كَنْزُكَ، فَيَتَّقِيهِ بِيَدِهِ فَيَلْقَمُهَا". (سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث: 1787)

((قیامت کے دن) یہ آئے گا وہ اونٹ جس کی زکوٰۃ تو نے ادا نہیں کی ہوگی اور اپنے مالک کو اپنے کھروں سے روندے گا اور گائیں، بکریاں آ کر اپنے مالک کو اپنے کھروں سے روندیں گی اور سینگوں سے ماریں گی اور خزانہ گنجا سانپ بن کر آئے گا اور قیامت کے روز اپنے مالک کو ملے گا تو مالک دوبارا اس سے بھاگ نکلے گا پھر وہ سامنے آئے گا تو مالک بھاگے گا پھر مالک اس سے کہے گا تجھے مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ وہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں۔ خزانے کا مالک ہاتھ سے بچنا چاہے گا، وہ اس کا ہاتھ ہی نگل جائے گا)

زکوٰۃ کی حقیقت نعمت پر شکر گزاری کا اظہار ہے۔ اس لیے زکوٰۃ صرف سونے، چاندی، مال مویشی اور زمین کی پیداوار تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ہر نعمت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لکل شیء زکاۃ وزکاۃ الدار والبیت الضیافۃ۔ (کنز العمال، ج:8، رقم الحدیث:1700)

(ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے اور گھر کی زکوٰۃ مہمان نوازی ہے)

صوفیائے کرامؒ کے ایک گروہ کے نزدیک اگر آدمی کا مال زکوٰۃ کی حد تک پہنچ جائے تو یہ بخل کی علامت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے بڑھ کر بخل کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی کے ارد گرد ضرورت مند لوگ موجود ہوں اور وہ سال بھر تک مال کو اپنے پاس سمیٹے بیٹھا، ان کو اس حال میں دیکھتا رہے اور پھر سال کے بعد دوسو درہم میں سے صرف پانچ نکال کر ان کو دے دے اور یہ سمجھے کہ اس نے نعمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ مومن کی صفت سخی ہونا ہے اور سخیوں کی عادت مال کو خرچ کرنا ہے۔ سخی سال بھر تک اتنا مال اپنے پاس روکے گا ہی کیوں کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔

ایک شخص نے حضرت ابوبکر شبلیؒ سے پوچھا کہ دوسو درہم میں کتنے درہم زکوٰۃ نکالنی چاہیے؟ آپؒ نے فرمایا: تمہارے لیے بتاؤں یا اپنے لیے؟ اس نے کہا: میرے لیے کیا حکم ہے اور آپؒ کے لیے کیا؟ فرمایا کہ تجھے دوسو درہم سے پانچ درہم دینے چاہیں اور مجھے دوسو پانچ درہم۔ اس شخص نے حیرت سے پوچھا پانچ اوپر کیوں؟ آپؒ نے فرمایا کہ میرے پاس دوسو درہم جمع کیوں ہوئے۔ اس کی سزا کے طور پر پانچ درہم ادھار لے کر دینے چاہییں۔

4۔ روزہ

اسلام کا چوتھا رکن روزہ ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔

(سورۃ البقرۃ، آیت:183)

(اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا)

پھر فرمایا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت:185)

(رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ جو شخص بھی اس مہینے کو پائے اس کے لیے لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ إِنَّمَا يَذَرُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ مِنْ أَجْلِي فَالصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَّا الصِّيَامَ فَهُوَ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ۔ (مؤطا امام مالک، ج:1، رقم الحدیث:563)

(مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ پاک کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ میرا روزہ دار بندہ صرف میری خاطر اپنی شہوت اور اپنے کھانے پینے کو چھوڑتا ہے۔ پس جب وہ صرف میرے لیے روزہ رکھتا ہے تو میں خود ہی اسے اس کے روزے کی جزا دوں گا۔ میرے ہاں دوسری تمام نیکیوں کا بدلہ دس سے لے کر سات سو گناہ تک دیا جاتا ہے لیکن روزہ اس سے مستثنٰی ہے چونکہ روزہ خالصتاً میرے لیے رکھا جاتا ہے، لہٰذا اس کی جزا بھی میں خود ہی دوں گا)

روزے کی شرائط پیٹ کو کھانے پینے سے، آنکھوں کو شہوانی نظاروں سے، کان کو غیبت اور جھوٹ اور لغویات کے سننے سے، زبان کو لغو اور فضول باتوں سے اور سارے بدن کو شریعت کی مخالفت اور نفس کی موافقت سے باز رکھنا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: جب تو روزہ رکھے تو چاہیے کہ اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنی زبان، اپنے ہاتھوں اور اپنے جسم کے تمام اعضا کو اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ باتوں اور اس کے منع کردہ کاموں سے باز رکھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا:

رُبَّ صَائِمٍ حَظُّهُ مِنْ صِيَامِهِ الْجُوعُ وَالْعَطَشُ. (مسند احمد، ج:4، رقم الحدیث:1680)

(بہت سے روزہ دار ایسے ہوتے ہیں جنہیں ان کے روزے سے سوائے بھوکے اور پیاسا رہنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا)

روزے کی اسی تاثیر کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت روزے رکھتے تھے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود رمضان کے علاوہ بھی ناغہ کیے بغیر مسلسل روزے رکھتے اور بعض اوقات کئی کئی دن تک کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے لیکن جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنی چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ، إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ، قَالُوا: إِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي"۔ (مؤطا امام محمد، ج:1، رقم الحدیث:366)

(صومِ وصال[1] سے پرہیز کرو۔ صومِ وصال سے اجتناب کرو۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تو صومِ وصال رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں، مجھے تو میرا رب رات کو کھلاتا اور پلاتا ہے)

حضرت عثمان بن علی ہجویریؒ نے بہت سے لوگوں کو قمری مہینے کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے رکھتے دیکھا اور بعض صوم داؤدی (ایک دن چھوڑ کر ایک دن کا روزہ) رکھنے

۱۔ درمیان میں کچھ کھائے پیے بغیر روزے رکھتے چلے جانا صوم وصال کہلاتا ہے۔

پر عامل تھے۔اس لیے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے صوم داؤدی کو خیر الصیام فرمایا ہے۔

ایسے مشائخ بھی تھے جو اکثر روزہ رکھتے مگر کبھی کسی کو اس کی خبر نہ ہونے دیتے۔نفلی روزے کی حالت میں اگر کھانا ان کے سامنے لایا جاتا تو کھا لیتے تا کہ ان کا روزے سے رہنے کا راز دوسروں پر ظاہر نہ ہو۔

روزے کی حقیقت اپنی خواہشاتِ نفس کو روکنا اور قابو میں رکھنا ہے۔ساری طریقت اسی میں پوشیدہ ہے۔اسی لیے حضرت جنید بغدادیؒ نے روزے کو نصف طریقت فرمایا ہے۔

5۔ حج

اہل ایمان پر جو چیزیں فرض عین، ہیں ان میں سے ایک حج ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۔(سورۃ آل عمران، آیت:97)

(اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، ان پر اللہ تعالیٰ کے لیے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے)

حضور نبی پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا۔

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:796)

(جو شخص سامانِ سفر اور اپنی سواری کی ملکیت رکھتا ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکے، پھر اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی)

حج کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کامل طور پر اللہ پاک کے سپرد کر دے، جیسا کہ اس گھر کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ پاک کے سپرد کر دیا تھا۔قرآن مجید میں ہمیں بتایا گیا ہے:

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۙ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ۔(سورۃ البقرۃ، آیت:131)

(جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا کہ سرِ تسلیم خم کر دو! تو وہ (فوراً) بولے: میں نے رب العالمین کے (ہر حکم کے) آگے سر جھکا دیا)

حج کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؒ نے اس سے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ حج کر کے آیا ہوں۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے حیرت سے دریافت کیا: کیا تو نے حج کیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ حضرت جنیدؒ نے اس پوچھا کہ جب تم حج کے ارادے سے گھر سے چلے تو کیا تو نے اس وقت اپنے گناہوں سے بھی کنارہ کیا یا نہیں؟ اس شخص نے جواب دیا کہ نہیں، میں نے اس کا تو خیال نہیں کیا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ پھر تو تم حج کے لیے نکلے ہی نہیں۔ پھر پوچھا اس سفر میں تو نے جو منزلیں طے کیں اور راتوں کو جو مقام کیے تو کیا خدا کے تقرب کی منزلیں اور اس راہ کے مقامات طے کرنے کا بھی اہتمام کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس کا تو میں نے اہتمام نہیں کیا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ پھر تو تم نے اللہ پاک کے گھر کی طرف سفر نہیں کیا اور نہ اس کی طرف کوئی منزل طے کی۔ پھر آپؒ نے پوچھا کہ جب تم نے احرام باندھا اور اپنے روزمرہ کے کپڑے اتارے تو اس کے ساتھ تم نے اپنی بری صفات اور عادات سے بھی علیحدگی اختیار کی یا نہیں؟ اس نے کہا کہ اس طرف تو میں نے توجہ نہیں کی۔ آپؒ نے فرمایا کہ پھر تو تم نے احرام بھی نہیں باندھا۔ اس کے بعد حضرت جنیدؒ نے پوچھا کہ جب تو عرفات میں کھڑا ہوا تو کیا تجھے مشاہدے یا کشف حاصل ہوا یا نہیں؟ تو نے اپنے اندر یہ کیفیت پائی کہ اللہ پاک کو اپنے سامنے موجود دیکھ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں ایسا نہیں ہوا۔ آپؒ نے فرمایا کہ پھر تو تُو عرفات میں گیا ہی نہیں۔ اس کے بعد آپؒ نے اس سے پوچھا کہ جب تو مزدلفہ گیا تو کیا تو نے نفسانی خواہشات کو چھوڑا یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ تو پھر مزدلفہ بھی نہیں گیا۔ آپؒ نے پوچھا کہ جب تو نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تو کیا اس وقت تو نے جمال خداوندی کے لطائف دیکھے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں، میں نے تو ایسی کوئی شئے نہیں دیکھی۔ آپؒ نے فرمایا: پھر تو نے طواف بھی نہیں کیا۔ پھر آپؒ نے پوچھا کہ جب تو نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا اس وقت تو نے صفا اور مروہ اور ان کے درمیان سعی کے مقصود کا بھی ادراک کیا یا نہیں؟ اس شخص نے عرض کیا کہ نہیں، میں ان کے مقصود کو نہیں سمجھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ پھر ابھی تک تو نے سعی بھی نہیں کی۔ آپؒ نے پوچھا کہ جس وقت تو نے قربانی کی تو اس جگہ اپنے نفس اور اس کی خواہشات کو بھی اللہ پاک کی راہ میں قربان کیا یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپؒ نے فرمایا: پھر تو نے قربانی بھی نہیں کی۔ پھر آپؒ نے اس پوچھا کہ جب تو نے جمرات پر سنگریزے پھینکے تو کیا تو نے اپنے برے ہم نشین ساتھیوں اور برے خواہشات کو بھی اپنے سے دور پھینکا یا نہیں۔ اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ پھر تو نے رمی بھی نہیں کی۔ واپس جاؤ اور اس صفت کے مطابق پھر حج کرو، یہاں تک

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام تک پہنچ جاؤ۔ اس ابراہیم علیہ السلام کے مقامات تک جس کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے کہ

وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ۔(سورۃ النجم، آیت:37)

(اور ابراہیم علیہ السلام جس نے اپنے رب سے وفاداری کا حق ادا کر دیا)

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلی مرتبہ حج کرنے کے وقت بیت اللہ کے سوا کوئی چیز نہ دیکھی۔ دوسری مرتبہ بیت اللہ کو بھی دیکھا اور بیت اللہ کے مالک کو بھی دیکھا اور تیسری دفعہ جب حج کے لیے گیا تو بیت اللہ تو نہیں دیکھا صرف بیت اللہ کے رب کو دیکھا۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عرفات میں ایک جوان کو سر نیچے کیے ہوئے خاموش دیکھا جب کہ دوسرے سب لوگ دعا میں مشغول تھے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اے جوان! تو کیوں دعا نہیں مانگتا؟ اس نے جواب دیا میں پریشان ہوں کہ میں نے اصل وقت کو ضائع کر دیا۔ شرم کے مارے میرا ہاتھ دعا کے لیے نہیں اٹھتا۔ میں نے اس سے کہا کہ تو دعا مانگ تا کہ اللہ پاک تجھے ان سب لوگوں کی برکت سے اپنی مراد کو پہنچا دے۔ اس پر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور ساتھ ہی اس کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ایک دفعہ حج سے فارغ ہو کر حرم پاک ہی میں سو گئے۔ خواب دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے آئے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا: اس سال کتنوں کا حج قبول ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا کہ کسی کا بھی نہیں مگر دمشق میں ایک موچی علی بن موفق حج پر تو نہیں آیا لیکن اس کا حج قبول ہو گیا ہے۔ آپؒ نے دمشق جا کر اس موچی کو ڈھونڈا اور اپنا خواب بیان کیا۔ اس پر وہ بولا حج کے ارادے سے ساری عمر جوتیاں مرمت کر کے تیس ہزار درہم جمع کیے۔ حج پر جانے ہی والا تھا کہ ایک دن میری بیوی نے کہا: ہمسائے کے گھر سے گوشت پکنے کی خوشبو آ رہی ہے، ذرا سا لے آؤ۔ میں پڑوسی کے ہاں گیا اور تھوڑا سا سالن مانگا۔ اس نے کہا کہ یہ آپ پر حلال نہیں ہے، سات دن سے بچے بھوکے تھے، اس لیے تھوڑا سا مردار پکایا ہے۔ یہ سن کر میرا دل کانپ گیا۔ فوراً گھر سے وہ تیس ہزار دینار لا کر ہمسائے کو دیے تا کہ وہ انہیں اپنے بچوں پر خرچ کر سکے۔ یہ واقعہ سن کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا: فرشتوں نے سچ کہا۔

19۔ شریعت اور طریقت

تصوف میں بہت سی ایسی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں جو صرف اسی تک محدود ہیں اور انہیں دیگر اسلامی علوم کی بحث میں استعمال نہیں کیا جاتا۔ ان اصطلاحات میں یہ بہت اہم ہیں: شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت۔

1۔ شریعت

لغوی اعتبار سے شریعت کے معانی ہیں: قانون، دستور، سیدھا اور کھلا ہوا راستہ، جب کہ اصطلاح میں شریعت سے مراد قانونِ الٰہی ہے۔ وہ قانون جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے مقرر فرمایا۔ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور افعال کو شریعت کہتے ہیں۔

شرع اور شریعت سے مراد دین کے وہ معاملات واحکامات ہیں جو اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بندوں کے لیے بیان فرما دیے۔ شریعت سے اوامر ونواہی، حلال وحرام، فرض، جائز و ناجائز اور سزا و جزا کا ایک جامع نظام استوار ہوتا ہے جن کی تفصیلات فقہ میں مل جاتی ہیں۔ شریعت کے اعمال دین کے اندر ظاہری ڈھانچے اور جسم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شریعت نے انسان کو جن احکامات و اعمال کا پابند بنایا ہے وہ کئی طرح کے ہیں:

(i) ظاہری احوال سے متعلقہ احکام، ان سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق بدن اور جسم سے ہے۔ انہیں جسمانی اعمال بھی کہا جا سکتا ہے۔

(ii) باطنی احوال سے متعلقہ احکام، ان سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق قلب ورُوح کے ساتھ ہے۔ ان کو قلبی اعمال بھی کہا جا سکتا ہے۔

جسمانی اعمال کی مزید دو اقسام ہیں: (i) اوامر جیسے نماز، روزہ اور زکوۃ وغیرہ، (ii) نواہی جیسے

قتل، زنا، چوری اور شراب نوشی وغیرہ۔

یاد رہے کہ قلبی اعمال بھی اوامر ونواہی میں شامل ہیں۔ اوامر، جیسے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لانا۔ اسی طرح صدق، اخلاص، توکل خشوع وخضوع اختیار کرنا وغیرہ۔ نواہی، جیسے کفر وشرک، نفاق، تکبر، ریا، کینہ اور حسد وغیرہ سے پرہیز۔

تمام نمائندہ عظیم صوفیا کا اس بات پر اتفاق پر ہے کہ صوفی اور ولی کے لیے ظاہری شریعت کی پابندی لازمی ہے اور اس کے بغیر انسان صوفی/ ولی بن ہی نہیں سکتا۔ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں: 'انہیں بتایا گیا کہ اللہ کا ایک فلاں ولی فلاں گاؤں میں رہتا ہے، میں اس کی زیارت کو گیا۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو وہ مسجد کے حجرے سے نکلا اور صحن میں آیا اور مسجد کے فرش پر تھوک دیا۔ میں اسے ملے بغیر واپس آ گیا۔ جب تک صوفی شریعت پر رہتا ہے تو اللہ پاک اس کی روحانی حالت کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر یہ آدمی ولی ہوتا تو اللہ پاک اس کو مسجد میں تھوکنے سے روکے رکھتے اور شریعت کا احترام بھی اس کو تھوکنے سے منع کرتا'۔

بعض لوگوں نے یہ ضرور لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی ظاہری شریعت کا پابند نہیں ہے اور اس حوالے سے اس پر تنقید نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن یہ نقطہ نظر بہت کم صوفیا کا ہے۔ اکثریت شریعت کی مکمل اطاعت لازم سمجھتی ہے۔

سلوک میں شریعت کی پابندی لازم ہے۔ صوفیا نے شریعت کے واضح احکام کو نہیں چھوڑا بلکہ ان پر عمل کیا اور ان کو اپنی روح میں اتارا۔ سب عظیم صوفیا نے حج کیے، مگر ان کے خیال میں خدا کعبہ میں نہیں بلکہ مومن کے دل میں ہے۔ بہت سے صوفیا نے مکہ مکرمہ میں روحانی فیوض و برکات حاصل کیں۔ ان کو خاص تجربات ہوئے۔ بعض نے ان کو تحریر کیا۔ مثال کے طور پر شیخ ابن عربیؒ کی کتاب فتوحات مکیہ۔

تصوف کے مختلف سلاسل میں مختلف نظریات ان کے بانیوں کی مختلف تعلیمات کی وجہ سے بھی ہیں۔ اسی طرح ان کے اوراد اور اشغال بھی مختلف ہیں۔ زیادہ تر صوفیا نے قلب کے اعمال کے ساتھ ساتھ اعضا (جوارح) کے اعمال کو بھی اہم جانا ہے۔ جس سے اللہ پاک سے تعلق بہتر کیا جا سکتا ہے، جب کہ اقلیتی صوفیا کے ہاں اعضا کے اعمال (شریعت) صرف علامتی اور استعاراتی ہیں۔ بعض کے خیال میں

اعضا کے اعمال (شریعت) صرف مبتدیوں کے لیے ہے اور منتہی اچھائی اور برائی کے تصور سے آزاد ہے۔ایسا کہنے والے لوگ ہندو یوگیوں اور عیسائی عارفوں سے متاثر تھے۔

دوسری طرف صوفیا کو بھی احساس ہونے لگا اور انہوں نے ظاہری شریعت کی اطاعت شروع کرنے پر زور دینا شروع کر دیا اور اعلان کیا کہ یہ رویہ اصل تصوف کی نفی ہے۔ان کے خیال میں شریعت کے بغیر طریقت ممکن نہ ہے۔شریعت دروازہ ہے اور طریقت مکان۔ابونصر سراج طوسیؒ کی کتاب اللمع، حضرت ابوبکر الکلاباذیؒ کی التعرف لمذهب أهل التصوف، حضرت ابوطالب مکیؒ کی قوت القلوب، حضرت ابوالقاسم قشیریؒ کا رسالہ قشیریہ، حضرت علی ہجویریؒ کی کشف المحجوب، حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف نے شریعت اور طریقت کے اس تعلق کو واضح کیا اور ان کو الگ الگ سمجھے والے صوفیوں کی مذمت کی۔

امام محمد غزالیؒ (505ہجری/1111ء) نے شریعت اور تصوف کے تعلق کو نئی بنیادوں پر استوار کیا۔ آپؒ فقہ، تصوف اور فلسفہ کے امام تھے۔امام محمد غزالیؒ کی مشہور زمانہ کتاب احیاء علوم الدین نے تصوف کو تنہائی سے نکالا اور اس کو مسلمانوں کی زندگیوں میں ایک اہم عنصر کی حیثیت سے داخل کر دیا۔آپؒ نے علم الکلام کے مردہ جسم میں بھی نئی روح ڈال دی۔آپؒ کی وجہ سے غیر اسلامی صوفیانہ نظریات کا خاتمہ ہوا اور صوفیا نے شریعت کی نفی چھوڑ دی۔آپؒ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ شریعت کی دل سے اطاعت کریں۔

2۔ طریقت

لغوی اعتبار سے طریقت کا مطلب ہے: راہ، باٹ، رستہ، ڈگر۔اصطلاح میں طریقت درحقیقت شریعت ہی کا باطن ہے۔شریعت جن اعمال و احکام کی تکمیل کا نام ہے ان اعمال و احکام کو حسن اخلاص سے آراستہ کر کے درجہ احسان پر فائز کرنے کی کوشش طریقت ہے۔اہل علم کے نزدیک شریعت و طریقت کے مابین کوئی تضاد یا فرق نہیں ہے:

صوفیا نے شریعت پر عمل کرنے کے لیے کچھ تفصیلی نظامِ فکر اور عمل بنایا ہے جس کو طریقت کہتے ہیں۔اس میں ذکر، تفکر، مراقبہ محاسبہ اور مجاہدہ وغیرہ شامل ہیں۔طریقت اور شریعت ایک دوسرے کی عین ہیں اور بال برابر ان کے درمیان ان میں فرق نہیں ہے، فرق صرف اجمال اور تفصیل کا ہے۔جو کچھ

شریعت کے مخالف وہ مردود ہے اور جس حقیقت کو شریعت رد کر دے وہ زندقہ ہے۔ شریعت کو اپنی جگہ قائم رکھ کر حقیقت کو طلب کرنا بہادروں کا کام ہے۔ (مکتوبات امام ربانی، مکتوب: 43) یہ پوری کتاب طریقت پر ہے اس لیے یہاں مختصر لکھا ہے۔

3۔ معرفت

لغوی اعتبار سے معرفت کا مطلب ہے: شناخت، پہچان، حقیقت کا ادراک، جزئیات کا ادراک، فکر و تدبر سے کسی چیز تک پہنچنا، مہارت، استادی، ہنر مندی۔ اصطلاح میں معرفت سے مراد باری تعالیٰ کی معرفت ہے۔ (الکلیات، ص: 722) بہت سے علمائے کرامؒ اور صوفیائے عظامؒ نے معرفت کی تعریفیں کی ہیں، چند کے اقوال حسب ذیل ہیں:

(i) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: معرفت یہ ہے کہ تمہیں کسی چیز کو بھی دیکھ کر یا جان کر تعجب نہ ہو۔

(ii) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی ان اسرار اور حکمتوں کو سمجھنے لگتا ہے جو خدا کے کاموں میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

(iii) حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: معرفت یہ ہے کہ تو یہ جان لے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات اللہ کی طرف سے ہیں۔

(iv) حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ آدمی ہر لحظہ حیرت میں رہے۔

حیرت اللہ پاک کی ہستی اور اس کے وجود میں نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ تو واضح کفر ہے۔ بلکہ اس کی ذاتی کیفیت اور صفات کی حیرت ہونی چاہیے۔ جس قدر اللہ پاک کی کیفیت اور اس کی صفات میں اسے معرفت حاصل ہوگی اتنا زیادہ اسے اپنی کوتاہی و کم علمی کا احساس ہوگا۔ یہی چیز بندے کے اندر دائمی حیرت کا سبب ہوگی کہ وہ اپنے عظیم الشان مالک کی بندگی کا حق زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر انداز میں کیسے ادا کرے۔

جتنی بندے کی معرفتِ الٰہی بڑھتی ہے اتنی ہی اس کی عبادت میں لذت، اطمینان اور ذوق کا اضافہ ہونے لگتا ہے اور جونہی اس معرفت پر گناہ کی پرچھائیں پڑتی ہیں تو وہ بے رونق ہوجاتی ہے۔

حصولِ معرفت ہی درحقیقت صوفی کا مقصد حیات ہوتا ہے۔ معرفت کے بغیر کوئی سالک اللہ سے محبت نہیں کرسکتا کیونکہ محبت کے لیے پہلی شرط معرفت ہے اور اللہ تعالی کی معرفت مشاہدۂ باطنی کی بدولت حاصل ہوتی ہے اور یہ اس بات پر موقوف ہے کہ بندہ اللہ کو راضی کرے تو پھر اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فضل کرے گا، اسے وہ باطنی قوت عطا فرمائے گا جس کی بدولت اسے مشاہدہ حق ہوسکے گا اور عرفان خدا کی منزل تک رسائی ممکن ہوگی۔

معرفت الٰہی کے اسباب تو بہت سارے ہیں البتہ ان میں سے سب سے پہلا سبب علم ہے، چنانچہ مثل مشہور ہے 'بے علم نتوان خدا را شناخت' (بے علم شخص خدا تعالی کی شناخت حاصل نہیں کرسکتا) اور جب معرفت حاصل ہوجاتی ہے پھر ہر خیر کی طرف ایک کشش پیدا ہوجاتی ہے۔ اور ہر شر سے خود بخود پیچھے ہٹنے لگتا ہے۔ پھر اس حالت پر ایک خاص نور نصیب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنے اور اس کے قرب کی راہ پر چلنے میں جو پہلی چیز انسان کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے، وہ انسان کو اللہ تعالی کی معرفت کا نہ ہونا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ آدمی کو اللہ پاک کا علم بھی ہو اور وہ علم صحیح بھی ہو۔ جس آدمی کے اندر اللہ پاک کی معرفت صحیح ہوگی، اس کا عمل درست اور اللہ تعالی کی بارگاہ میں اس کا مقام بلند ہوتا چلا جائے گا۔ یہ بات ہر انسان سمجھ سکتا ہے اور یہ بالکل واضح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لو عَرَفْتُمُ اللہَ حَقَّ مَعْرِفَتِهِ ؛ لعَلِمْتُم العلمَ الذی لیس معه به جهلٌ، ولو عَرَفْتُمُ اللہَ حَقَّ مَعْرِفَتِهِ؛ لَزَالَتِ الجبالُ بدعائِکم ۔(کنز العمال، رقم الحدیث:5894)

(اگر تم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے جیسا کہ اسے پہچاننے کا حق ہے تو تم کو وہ علم حاصل ہوتا جس میں جہالت کا کوئی گزر نہیں، اگر تم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے جیسا کہ اسے پہچاننے کا حق ہے تو تمہاری دعا سے پہاڑ ہل جاتے)

معرفت الٰہی کی دو اقسام ہیں: ایک علمی اور دوسری حالی۔ علمی معرفت یہ ہے کہ اللہ پاک کے

بارے میں انسان کا علم صحیح ہو۔ اس میں کوئی ادھوراپن یا کوئی غلطی نہ رہے۔ معرفتِ حالی یہ ہے کہ بندے کا حال (اس کی عملی زندگی) بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کی آئینہ دار ہو۔ معرفتِ حالی، معرفتِ علمی پر فضیلت رکھتی ہے اور یہی مطلوب و مقصود ہے۔ علم، حال کے بغیر ہوسکتا ہے لیکن حال، علم کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ عارف جاہل نہیں ہوسکتا اور جاہل کبھی عارف نہیں ہوسکتا۔

اللہ پاک کو جاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے لیے اگر صرف عقل اور علم کافی ہوتے تو ہر عالم اور عاقل شخص عارف بھی ہوتا، اور کوئی بھی بے علم اور بے عقل آدمی خدا کو نہ پاسکتا، جبکہ یہ دونوں باتیں حقیقت کے خلاف ہیں۔ علم اور عقل، معرفت کی بنیاد نہیں بلکہ صرف اس کے ذرائع ہیں۔ معرفت کی اساس اور سبب صرف اللہ پاک کی عنایت ہے۔ اس کی عنایت کے بغیر علم اور عقل دونوں بے کار ہیں اور یہ دونوں مل کر بھی انسان کو حقیقت کے قریب نہیں کرسکتے۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اللہ کو اسی کی عنایت سے پہچانا اور جو کچھ اس کے ماسوا ہے اسے اس کے نور سے پہچانا۔ (بحر المعارف، ص:302)

حصول معرفت کی تین شرائط ہیں:

(i) صحبت اہل اللہ: اللہ پاک کے اولیا کی صحبت سب سے اچھی اور بنیادی چیز ہے۔

(ii) کثرت ذکر اللہ: جب ذکر کی کثرت ہوتی ہے تو پھر سالک اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور کرتا ہے۔ عالم کا ہر ذرہ اس کے لیے معرفت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

(iii) تفکر فی خلق اللہ: ذکر کی نسبت فکر سے زیادہ قرب بڑھتا ہے مگر فکر میں نورانیت ذکر ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ عارفین فکر سے مراتب طے کرتے ہیں اور تفکر اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۔ (سورۃ آل عمران، آیت:191)

(اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ نہیں بنایا)

حضرت ابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ معرفت کے سرچشمے ہیں: خوفِ خدا میں آنکھوں کا آنسو بہانا اور مقدور بھر مجاہدہ کرنا۔ (کتاب اللمع فی التصوف، ص:70) معرفت کا تعلق شریعت کے ساتھ بہت گہرا ہوتا ہے۔ حضرت ابوطالب مکیؒ لکھتے ہیں: معرفت کے سترہ مقامات ہیں اور ان میں سب سے ادنی پانی اور

ہوا پر چلنا ہے اور زمین کے خزانوں کا ظاہر ہونا ہے اور یہ سب دنیا کی ظاہری زینت ہے۔ اسی معنی میں حضرت جنیدؒ سے ایک حکایت منقول ہے کہ چار ابدال عید کی رات جامع منصور میں جمع ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میرا ارادہ عید کی نماز بیت المقدس میں پڑھنے کا ہے، دوسرے نے کہا میرا ارادہ طرطوس میں عید پڑھنے کا ہے، تیسرے نے کہا میرا ارادہ مکہ میں عید پڑھنے کا ہے۔ چوتھا خاموش رہا جو ان میں زیادہ معرفت والا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تو کہا میں نے آج تمام خواہشات چھوڑنے کا ارادہ کیا ہے میں اسی مسجد میں نماز پڑھوں گا جس میں، میں نے رات گزاری ہے، وہ کہنے لگے: تم ہم میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہو۔ (قوت القلوب، ج:1، ص:472)

صوفیا کو جو معرفت حاصل ہوتی ہے وہ قلب کے راستے سے ہوتی ہے۔ معرفت کا ایک راستہ حواس سے بھی آتا ہے، لیکن اس کے ساتھ جب قلب کی معرفت شامل ہوتی ہے تو بندہ عرفان کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ حواس کی معرفت اور قلبی معرفت کے درمیان فرق کو امام غزالیؒ نے بہترین الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ انسان کو تالاب کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور حواس کی معرفت کو اس پانی سے تعبیر کرتے ہیں جو ادھر ادھر سے بہتے ہوئے حوض میں جمع ہوتا ہے اور یہ پانی صاف بھی ہوتا ہے اور گدلا بھی ہوتا ہے، جب کہ قلبی معرفت کو ایسے چشمے سے تشبیہ دیتے ہیں جو عین حوض کے وسط میں پھوٹ رہا ہوتا ہے جو نہ صرف اس تالاب کو کفایت کر رہا ہوتا ہے بلکہ وہ شفاف بھی ہوتا ہے۔ گویا عارف صوفی ایک ایسے تالاب کی مانند ہوتا ہے جس کا پانی اس کے اندر کی گہرائیوں سے پھوٹ رہا ہوتا ہے۔ (احیاء علوم الدین، ج:3، ص:17-20)

کسی نے حضرت ابو سعید خزازؒ سے سوال کیا کہ معرفت کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: معرفت دو طرح سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک تو (اللہ تعالیٰ کی) سخاوت کے سرچشمے سے اور دوسرے کوشش صرف کرنے سے۔

اس معرفت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صوفی کو مکاشفہ حاصل ہو جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ صوفی اپنے قلب کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب پالیتا ہے۔ یہ ادراک اس کی اپنی ذات کا کمال نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ صوفیا کے دلوں کو اپنی معرفت سے منور کر دیتا ہے بلکہ ان کے دل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے نور کے کچھ اور باقی نہیں رہتا:

مَکَانُکَ مِن قَلبِی ھُوَ القَلبُ کُلُّہُ
فَلَیسَ لِشَیءٍ فیہِ غَیرُکَ مَوضِعُ

(میرے سارے قلب میں آپ ہی سمائے ہوئے ہیں)
(اس میں آپ کی ذات کے علاوہ کسی اور شے کی گنجائش ہی نہیں ہے)

عارف وہ ہوتا ہے جو وجود کی حقیقت کا ادراک ویسے ہی کرتا ہے جیسے اس کا جوہر ہے اور یہ وصف اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔ صوفیا کے ہاں روحانی مواصلات کے تین اعضا ہیں: (i) قلب: جو اللہ پاک کو جانتا ہے، (ii) روح: جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتی ہے، (iii) سر: روح کا اندرونی حصہ جو اللہ تعالیٰ پر غور کرتا ہے۔

انسان خدا کو کیسے جان سکتا ہے؟ انسان خدا کو اپنے حواس سے نہیں جان سکتا کیونکہ وہ مادی وجود نہیں رکھتا۔ انسان خدا کو اپنی عقل سے نہیں جان سکتا کیونکہ وہ عقل سے ماورا (اوپر) ہے۔ عقل اور منطق ازلی و ابدی چیزوں کو نہیں پہچان سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا علم صرف اور صرف اشراق (نور) کشف، الہام، وحی وغیرہ ہی سے آتا ہے۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ اپنے دل میں دیکھو کہ اللہ پاک کی بادشاہت آپ کے دل میں ہے۔ جو اپنے آپ کو جانتا ہے وہ خدا کو بھی جانتا ہے۔ دل کا آئینہ جب گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ اللہ پاک کو دیکھ سکتا ہے۔ گناہ سے تاریک دل اللہ تعالیٰ کی جھلک نہیں دیکھ سکتا۔

عمومی معلومات کو علم کہتے ہیں مگر روحانی و صوفیانہ علم کو معرفت یا عرفان کہتے ہیں۔ عرفان سے انسان اللہ پاک کو براہِ راست دیکھتا ہے۔ اس عمل کو یونانی فلسفہ کی زبان میں Genosis کہتے ہیں۔ عرفان کسی ذہنی عمل (کسب) سے نہیں حاصل ہوتا مگر اللہ پاک کے فضل و کرم سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اللہ پاک کا نور ہے جو انسان کے دل میں چمکتا ہے اور ہر انسانی صلاحیت کو ختم کر دیتا ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ جو خدا کو جانتا ہے وہ گونگا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو جاننے والے تین طرح کے ہوتے ہیں:

(1) وہ عبادت گزار جن کو اللہ پاک اپنے فضل سے اپنی پہچان کرواتا ہے۔ وہ جنت کے حصول کے لیے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ کوئی اچھے خواب آئیں اور کچھ کرامات ہوں۔

(2) فلسفیوں اور علما کو خدا اپنے جلال سے پہچان کرواتا ہے۔ وہ خدا کی اصل عظمت کو نہیں پا سکتے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ وہ خدا کو نہیں جان سکتے کیونکہ وہ جانے جانے سے بلند ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کا علم نہیں رکھتے اور یہی ہمارا علم ہے۔

(3) تیسرے عارف ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ وجد کے ذریعے اپنی پہچان کرواتا ہے۔ ان پر وجد و جذب کا غلبہ ہوتا ہے جو ان سے ان کی انفرادی شخصیت کا شعور چھین لیتا ہے۔

عرفان کا تعلق اللہ پاک کی صفات سے ہے اور اللہ خود ہی ان کا علم اپنے ولیوں کو عطا کرتا ہے جو اس میں غور و فکر کرتے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: عارف اپنی مرضی سے حرکت نہیں کرتے بلکہ اللہ پاک کے حکم سے حرکت کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ اللہ پاک کے الفاظ ہیں جو ان کی زبانوں پر آتے ہیں۔ ان کے دیکھنے کی صلاحیت اللہ پاک کی صلاحیت ہے جو ان کی آنکھوں میں ڈال دی جاتی ہے۔

معرفت کے چار ارکان ہیں جن پر معرفت کا دار و مدار ہے: (i) معرفت اللہ، (ii) معرفت نفس، (iii) معرفت دنیا اور (iv) معرفت شیطان۔ (حلیۃ الابدال از ابن عربیؒ) نفس، دنیا اور شیطان کی معرفت کے بغیر اللہ پاک کی صحیح معرفت حاصل نہیں ہوسکتی اور اللہ پاک کی معرفت کے بغیر نفس، دنیا اور شیطان کی صحیح معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

4۔ حقیقت

لغوی اعتبار سے حقیقت سے مراد ہے: اصلیت، ماہیت، اصل روح، اہمیت، حالت، کیفیت، سرگزشت، صداقت، حقانیت، سچّائی، سچ، حق پر مبنی ہونا (جھوٹ یا باطل کے مقابلے میں)۔ اصطلاح میں حقیقت کا باطن شریعت اور طریقت میں ہے جیسا کہ مکھن کا باطن دودھ میں ہے۔ جس طرح جب تک دودھ کو بلویا نہ جائے، مکھن حاصل نہیں ہوسکتا، اسی طرح جب تک شریعت و طریقت پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔ (ردالمحتار، ج:6، ص:290)

شریعت التزام عبودیت ہے اور حقیقت مشاہدہ ربوبیت ہے۔ ہر شریعت جس کی حقیقت سے

تائید حاصل نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور ہر حقیقت جو شریعت سے مقید نہ ہو وہ بھی غیر مقبول ہے۔ شریعت یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ کا مشاہدہ کرو۔ شریعت میں ظاہر احکام پر قائم رہنا اور حقیقت میں قضاوقدر اور ظاہر و مخفی چیزوں کا مشاہدہ کرنا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص:118)

ملت اسلامیہ کے ظاہر کو شریعت، باطن کو طریقت اور اس کے خلاصہ کو حقیقت کہتے ہیں۔ شریعت بدن کا حصہ ہے، طریقت قلب کا حصہ ہے اور حقیقت روح کا حصہ ہے۔ شریعت میں احکام کی اطاعت ہے، طریقت میں علم اور معرفت ہے، اور حقیقت میں مشاہدہ ربوبیت ہے۔ (مرقات، ج:1، ص:248)

شریعت ایک گھر ہے جس کے تین دروازے ہیں: توبہ، استقامت اور تقویٰ۔ طریقت بھی گھر ہے جس کے تین دروازے ہیں: اخلاص، صدق اور طمانیت۔ حقیقت بھی گھر ہے جس کے تین دروازے ہیں: مراقبہ، مشاہدہ اور معرفت۔ (البحر المدید، ج:2، ص:121)

نماز کو فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات سے ادا کرنا شریعت ہے۔ اس میں خشوع کرنا طریقت ہے۔ اس طور پر ادا کرنا کہ اللہ پاک دیکھ رہا ہے یا اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے یہ حقیقت ہے۔ حقیقت مغز ہے جس کا پوست شریعت ہے، طریقت مغز و پوست کے درمیان ایک برزخ ہے۔

جب انسان کے اندر کا نفس کمزور ہو جائے اور اس کی مزاحمت ختم ہو جائے تو یہ فنا کا مقام ہے۔ اس کے بعد اثبات کا سفر شروع ہوتا ہے۔ جس کو 'سیر فی اللہ' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی بقا کا مقام ہے جو حقیقت کا مکان اور ولایت کا اعلیٰ مقصد ہے۔ اس طریقت و حقیقت پر ولایت کا نام صادق آتا ہے اور نفس امارہ، نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔

صوفیا نے روحانی ترقی کو ایک سفر سے تشبیہ دی ہے۔ صوفی اللہ پاک کی تلاش کے سفر پر نکلتا ہے اس لیے اس کو سالک (سفر کرنے والا) کہتے ہیں۔ اس پر کئی احوال (حال) آتے ہیں۔ وہ کئی مقامات (مقام) طے کرتے ہوئے اور طریقت کے اس راستے پر چلتے ہوئے حقیقت تک پہنچ جاتا ہے (فنا فی الحق)۔ مختلف صوفیا نے اس راستے کی مختلف منزلیں لکھیں ہیں۔ میری رائے میں مقامات بارہ ہیں۔ یہ مقامات اصل میں روحانی و اخلاقی منزلیں ہیں: (i) مقام توبہ، (ii) مقام تقویٰ، (iii) مقام زہد، (iv) مقام صبر، (v) مقام رضا، (vi) مقام توکل، (vii) مقام صدق، (viii) مقام شکر،

(ix) مقام تواضع، (x) مقام سخاوت، (xi) مقام ذکر اور (xii) اخلاص۔

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ شریعت، حقیقت کے بغیر محض دکھاوا ہے اور حقیقت شریعت کے بغیر منافقت ہے۔ ان کا باہمی تعلق جسم اور روح جیسا ہے۔ جب جسم سے روح نکل جاتی ہے تو جسم صرف نقش رہ جاتی ہے۔ اس لیے زندہ بدن میں روح لازم ہے۔ اسلام میں دونوں چیزیں ہیں۔ جب مسلمان کہتا ہے: لا الہ الا اللہ یہ حقیقت ہے، جب وہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ شریعت ہے۔

عام مسلم اور صوفی دونوں یہ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے مگر دونوں کے ہاں اس کا مفہوم مختلف ہے۔ عام مسلمان کے نزدیک خدا اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا ہے۔ وہ سب چیزوں سے مختلف ہے۔ صوفی کا اصل مقصد خدا کی طرح بننا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اپنی خیالی ذات سے آزاد ہو کر اللہ پاک کی عظیم ازلی و ابدی حقیقت سے جا ملنا/قریب ہونا ہے۔ اس کی ذات کو اپنی ذات میں بسانا ہے۔ صوفی سب خیالات، علم، احساسات اور تصورات کو چھوڑ کر صرف اور صرف اللہ پر مرتکز ہونا چاہتا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ اللہ پاک کے علاوہ کسی بھی شے کا اس کو احساس و شعور ہی نہ رہے۔ صوفی وہ تمام اعمال و افعال کرتے ہیں جو عام مسلمان پر فرض ہیں مگر بعض اوقات وہ ان میں نئی معانی ڈال دیتے ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں حضرت جنید بغدادیؒ کے اس واقعہ پر غور کرنا چاہیے:

ایک آدمی حج سے واپس آیا اور حضرت جنیدؒ سے آ کر ملا۔ آپؒ نے فرمایا: جب آپ نے گھر سے سفر شروع کیا تو کیا گناہوں سے بھی سفر شروع کیا؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا: پھر تو آپ نے حج کا سفر نہیں کیا۔ پھر فرمایا: جب آپ سفر میں کسی مقام پر ٹھہرتے رہے تو کیا اللہ کی طرف بھی کوئی مقام طے کیا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا تو پھر تو آپ نے کوئی مقام طے نہیں کیا۔ پھر سوال کیا: جب آپ نے حج کے لیے احرام باندھا تو کیا اپنی بری عادتیں چھوڑ دیں جیسا کہ پرانا لباس اتار دیا؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا: تو پھر آپ نے احرام نہیں باندھا۔ آپؒ نے پوچھا کہ جب آپ مقام عرفات پر کھڑے ہوئے تو کیا آپ خدا کے مراقبے میں تھے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپؒ نے فرمایا: پھر تو آپ نے عرفات میں قیام نہیں کیا۔ پھر آپؒ نے پوچھا: جب آپ مزدلفہ گئے اور قربانی کی تو کیا اپنی نفسانی خواہشات کو بھی قربان کیا؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپؒ نے فرمایا تو پھر آپ نے قربانی بھی نہیں دی۔ پھر سوال کیا: جب آپ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو کیا اس پاک جگہ پر اللہ تعالیٰ کے جمال کو دیکھ رہے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ

نہیں۔آپؒ نے فرمایا تو پھر آپ نے طواف بھی نہیں کیا۔آپؒ نے پوچھا کہ جب آپ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر رہے تھے تو کیا آپ نے دل کی صفا (صفائی اور مروت) حاصل کی؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔آپؒ نے فرمایا تو پھر آپ نے سعی نہیں کی۔جب آپ منیٰ میں گئے تو کیا قربانی کے وقت آپ کی ساری خواہشات ختم ہو گئیں۔اس نے کہا کہ نہیں۔تو آپؒ نے فرمایا کہ پھر آپ نے منیٰ میں قربانی نہیں کی۔جب آپ نے شیطان کو کنکریاں ماریں تو کیا اپنی ساری نفسانی خواہشات پھینک دیں؟ اس نے کہا کہ نہیں۔آپؒ نے فرمایا تو پھر آپ نے شیطان کو کنکریاں نہیں ماریں اور آپ نے حج نہیں کیا۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے ظاہری احکام (شریعت) اور تصوف کی باطنی حقیقت ایک ہیں اور وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے مگر بعض اوقات ان کے مفاہیم مختلف ہو جاتے ہیں۔ عام آدمی ظاہری احکامات پر عمل تو کرتا ہے مگر اس کے عمل میں گہرائی کم ہوتی ہے۔اس کے برعکس جب صوفی وہ عمل کرتا ہے تو اس کی کیفیات وتجربات مختلف ہوتے ہیں۔

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است

(اپنے آپ کو مصطفیٰ ﷺ تک پہنچا، کہ دین سارا وہی ہیں)
(اگر تو اُن (ﷺ) تک نہیں پہنچا، تو سب کچھ ابولہبی ہے)

20۔ نبوت اور ولایت

1۔ نبوت کی تعریف

نبا کا معنی خبر دینا بھی ہوتا ہے۔ نبی بھی انسانوں کو ایسے اسرار و رموز کی خبر دیتا ہے جو ان کی ظاہری فکر و نظر سے اوجھل ہوتے ہیں۔ (المفردات، ص:257) اصطلاح میں نبی اس بشر کو کہا جاتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نزول ہوا اور اسے انسانوں کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا گیا ہو۔

(لوامع الانوار البهية، ج:1 ص:48)

نبوت کا لغوی معنی ہے رفعت و بلندی۔ اس لحاظ سے نبی کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا مقام و مرتبہ عام انسانوں سے بہت بلند و ارفع ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا. (سورۃ مریم، آیت:57)

(اور ہم نے انھیں رفعت دے کر ایک بلند مقام تک پہنچا دیا تھا)

نبوت اور رسالت خالصتاً اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جو اسے عطا کی جاتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی ذات خود اپنی مرضی سے منتخب کرتی ہے۔ کوئی بھی شخص اپنی محنت و ریاضت کے ذریعے سے اس منصب کو نہیں پا سکتا۔ جہاں تک منصبِ نبوت کی ذمہ داریوں کا تعلق ہے تو ان میں سب سے بنیادی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے پیغام کو انسانوں تک پہنچانا ہے۔ انہیں آخرت کی آنے والی زندگی کے متعلق خبر دینا ہوتا ہے۔ اس سارے کام کی انجام دہی میں وحی الٰہی ہمیشہ ساتھ ہوتی ہے۔

2۔ نبوت اور رسالت کا فرق

ویسے تو یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں مگر اہل علم نے ان کے مابین یہ فرق بیان کیا ہے کہ رسول اسے کہتے ہیں جسے نئی کتاب اور شریعت ملی ہوں، جب کہ نبی کے لیے نئی کتاب اور شریعت کا ہونا لازم نہیں

ہے۔رسول بیک وقت نبی بھی ہوتا ہے اور رسول بھی لیکن نبی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ رسول بھی ہو۔امام رازیؒ: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ . (سورۃ الحج، آیت: 52) کے تحت لکھتے ہیں: آیت میں نبی اور رسول کا الگ الگ ذکر ان کے مختلف ہونے کی واضح دلیل ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انبیا کی تعداد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ پھر پوچھا گیا: ان میں رسول علیہم السلام کتنے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین سو تیرہ۔(تفسیر کشاف، ج:3،ص:164)

3۔ نبوت کے خصائص

انبیائے کرام علیہم السلام اللہ پاک کے خاص بندے اور نمائندے ہوتے ہیں۔ان میں خاص صفات پائی جاتی ہیں جیسا کہ

(1) وحی

وحی انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔وحی کے ذریعے ہی نبی عالم غیب سے رابطہ کرتا ہے اور وہاں سے تعلیمات لے کر انسانوں کو منتقل کرتا ہے۔

(2) عصمت

نبی معصوم ہوتا ہے۔ وہ گناہ کے قریب بھی نہیں جاتا، کیونکہ کوئی بھی ایسا شخص اللہ کا نمائندہ اور پیغامِ الٰہی کا ترجمان نہیں بن سکتا جو برائیوں سے محفوظ نہ ہو۔شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: یہ بات کہ انبیائے کرام علیہم السلام کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، یہ علمائے اسلام کے جمہور اور تمام طبقات ومسالک کا موقف ہے۔صغائر کے بارے میں اکثر اہلِ علم کی رائے ہے کہ وہ ان سے معصوم نہیں ہوتے، اگر صغائر ان سے صادر ہو جائیں تو وہ ان پر اصرار نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں تنبیہ کر دیتا ہے اور وہ فوراً توبہ کر لیتے ہیں (فتاوی ابن تیمیہ، ج:4،ص:319)، جب کہ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام صغائر سے بھی پاک ہوتے ہیں۔

(3) دل نہیں سوتا

انبیا علیہم السلام کی نیند کے وقت آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔ اسی لیے انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں اور انہیں نیند کے دوران بھی الہام والقا یا وحی ہوسکتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي. (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1935)

(میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا)

(4) تبلیغ

انبیائے کرام علیہم السلام پر ایک اجتماعی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ اور اس کی ادائی ان کا ایک لازمی وصف ہے۔ تبلیغ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتو ان کی بعثت کا کوئی مطلب اور معنی باقی نہیں رہتا۔ (المواقف، ص:31)

(5) صدق

انبیائے کرام علیہم السلام نبوت کی بعثت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی سچے ہوتے ہیں۔ وہ کبھی بھی جھوٹ کے قریب نہیں جاتے۔ انہیں اپنے پیغام کے متعلق بھی پوری طرح صدق کا یقین ہوتا ہے۔

(الدین الخالص، ج:1، ص:60)

(6) بشریت

انبیائے کرام علیہم السلام بشر ہوتے ہیں، وہ ملائکہ یا کسی اور مخلوق سے نہیں ہوتے۔ شیخ محمد سبکیؒ کہتے ہیں: تمام رسول اپنے بشری اور فطری معاملات میں انسان ہوتے ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علوم، فضائل، آداب اور اخلاق کے اعتبار سے کمال انسانی کے ساتھ خاص کیا ہوتا ہے کیونکہ وہ تمام انسانیت کے لیے معلم اور اسوہ حسنہ ہوتے ہیں۔

(7) کمال

انبیائے کرام علیہم السلام ذاتی اور عقلی کمالات پر فائز ہوتے ہیں، جیسے ہر سہو ونسیان سے عمومی طور پر پاک ہونا جب تک کہ یہ اللہ پاک کے امر سے نہ ہو۔ تبلیغ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نبی ان مسائل سے پاک ہو۔

(8) معجزہ

نبی علیہ السلام کے پاس معجزہ کی طاقت ہوتی ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ظاہر کرتا ہے تاکہ بوقت ضرورت وہ عام لوگوں کو مطمئن کر سکے کہ انسانی قدرت سے باہر بھی کوئی طاقت موجود ہے۔ بعض اوقات معجزہ کے ذریعے لوگ نبی علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ بعض انبیائے کرام علیہم السلام نے معجزات کا اظہار نہیں فرمایا۔

(9) انبیاؑ کے جسم کو زمین نہیں کھاتی

انبیا علیہم السلام کی وفات کے بعد زمین ان کے جسم کو نہیں کھاتی اور وہ سلامت رہتے ہیں۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ.

(سنن نسائی، ج:1، رقم الحدیث:1379)

(اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جسم کو کھائے)

4۔ ولایت کی تعریف

لغت میں ولی کے اصل معنی دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا یکے بعد دیگرے آنا ہوتا ہے۔ عربی لغت میں موسم کی پہلی بارش کے لیے بھی ولی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (بیان اللسان، ص: 871) یہ لفظ استعارہ کے طور پر قرب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، خواہ وہ قرب بلحاظِ دین کے ہو، دوستی کے ہو، نصرت کے ہو یا باعتبار اعتقاد کے ہو۔ یہ لفظ قرآن کریم میں حب، قرب اور مدد کے معنوں میں آتا ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں 90 مقامات پر آیا ہے جن میں سے 54 مقامات پر اولیاء الرحمٰن کے لیے اور 36 مقامات پر اولیاء

الشیطان کے لیے۔(المعجم المفہرس لالفاظ القرآن)

قرآن کریم میں عام طور پر انسانوں کے لیے ولی کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور ہر مؤمن کو ولی اللہ کہا جاسکتا ہے لیکن مولیٰ کا استعمال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہوتا ہے، جیسے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ولی اور مولا دونوں کا استعمال ہوا ہے، لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک مومن کا ولی ومولیٰ ہے۔(المفردات،ص:885)

قرآن کریم میں 'ولی کا لفظ' خود اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے بہت جگہ استعمال ہوا ہے جیسا کہ

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (سورۃ البقرۃ،آیت:257)

(اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے)

صوفیائے کرامؒ کی اصطلاح میں ولی اللہ اس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہے۔اس کا دل محبتِ الٰہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی وہاں گنجائش تک نہ ہو۔ وہ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے، یہی وہ مقام ہے جسے فنا فی اللہ کہتے ہیں۔ 'ولی وہ ہیں جو اللہ پاک کی فرماں برداری سے اس کے قرب کی طلب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کرامت سے ان کی کارسازی فرماتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا حق بندگی ادا کرنے اور اس کی مخلوق پر رحم کرنے کے لیے وقف ہو گئے'۔(تفسیر خازن،ج:2،ص:322)

ولایت تصوف اور اسلام میں ایسی دینی اصطلاح ہے جس کے لیے کسی دوسری مذہبی و روحانی روایت میں کوئی متبادل یا مترادف لفظ نہیں ملتا۔ یہ ایک ایسی ممتاز اصطلاح ہے جو اپنے اندر ایسی جامع اور وسیع خصائص کی حامل ہے جس کا متبادل لفظ موجود نہیں ہے۔ انگریزی میں لفظ Saint اسی نوعیت کی ایک اصطلاح ہے مگر یہ بھی ولی اور ولایت کا مفہوم ادا نہیں کرتا لیکن اس لفظ کا خصوصی حیثیت میں اور ایک مخصوص ڈھانچے اور اصطلاح کے ساتھ استعمال حکیم ترمذیؒ (متوفی 320 ہجری) سے شروع ہوا۔ آپؒ نے اس موضوع پر اسی عنوان کے ساتھ کتب تصنیف کیں۔ آپؒ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ولایت کے مختلف پہلوؤں اور اس کے مسائل پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ شیخ ابن عربیؒ (متوفی 638 ہجری) کی کتب میں بھی حکیم ترمذیؒ کی فکر کے اثرات نمایاں ہیں۔ شیخ ابن عربیؒ کی اگرچہ یہ خصوصیت ہے کہ آپؒ نے اس کا

ایک مختلف وسیع تصور اور ڈھانچہ پیش کیا جس کی نظیر اس سے قبل نہیں ملتی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپؒ نے حکیم ترمذیؒ کے اٹھائے گئے کئی مسائل کو بھی موضوع بنایا ہے۔ جیسا کہ حکیم ترمذیؒ نے اپنی کتاب ختم الاولیا میں جو 157 سوالات اٹھائے ہیں، شیخ ابن عربیؒ نے فتوحات میں ان کے جوابات دیے ہیں۔ حکیم ترمذیؒ اور شیخ ابن عربیؒ کے ہاں تصور ولایت پر مباحث کی ایک مشترک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے ہاں نظریہ ولایت پوری طرح دینی نصوص سے ماخوذ نہیں بلکہ زیادہ تر شخصی تجربات اور ذوقی حالات و احساسات پر مبنی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک اپنے بندوں میں سے کچھ لوگوں کو مختص کر دیتا ہے، جو اس کی مخلوق میں سے روحانی طور پر زیادہ پاک صاف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ولایت کے لیے چنا ہے اور ان پر خاص کرم کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رکھنے کے لیے ازل سے تخلیق کیا ہے۔ تصوف میں تصور ولایت بہت اہم ہے۔ عام طور پر صوفی ولی بھی ہوتا ہے مگر کچھ ایسے عظیم صوفیا بھی گزرے ہیں جیسا کہ حضرت حارث محاسبیؒ جن کو ولی نہیں کہا گیا۔

ولایت اللہ پاک کا فضل اور تحفہ ہے۔ اس کا سلوک کی راہ سے لازمی تعلق نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی ولی اللہ ہو مگر صوفیانہ واردات نہ رکھتا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بہت اعلیٰ صوفیانہ احوال رکھتا ہو مگر وہ ولی اللہ نہ ہو۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا کسی ولی اللہ کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ولی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کو اس کا پتہ نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ ولی کو پتہ ہونا چاہیے کہ کیا اس کی نجات ہو جائے گی اور یہ بات قیامت کے دن سے پہلے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کسی کو بھی حتمی طور پر پتہ نہیں ہوتا کہ وہ ولی ہے۔

ولی اللہ، نبی علیہ السلام کی طرح معصوم نہیں ہوتا بلکہ اللہ پاک کی خصوصی حفاظت میں ہوتا ہے۔ وہ کبھی کبھار تو غلطی کر سکتا ہے مگر غلطی/گناہ مستقل طور پر نہیں کر سکتا۔ اس لیے بعض لوگوں نے یہاں تک کہا ہے کہ ولایت کا تعلق عقیدے کے ساتھ ہے اور عمل کے ساتھ نہیں۔ اس لیے صرف اور صرف کفر ولایت کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس تصور سے بہت سی گمراہیاں پیدا ہوئیں مگر عظیم ترین صوفیا اس تصور کے خلاف تھے اور نیک اعمال کو لازم قرار دیتے تھے۔

حضرت علی ہجویریؒ کے مطابق سب سے نیچے/ ابتدائی درجہ میں اخیار (اچھے لوگ) ہوتے ہیں، جن کی تعداد تین سو ہوتی ہے۔ ان سے اوپر ابدال ہوتے ہیں جن کی تعداد چالیس ہوتی ہے۔ ان سے اوپر ابرار (نیک لوگ) ہوتے ہیں جن کی تعداد سات ہے۔ ان سے اوپر اوتاد ہوتے ہیں جن کی تعداد چار ہوتی ہے۔ ان کے اوپر نقبا (دیکھنے والے) ہوتے ہیں جن کی تعداد تین ہوتی ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور باہمی مشاورت سے کام کرتے ہیں۔ اوتاد دنیا میں پھرتے رہتے ہیں اور جو بھی نقص ہو وہ قطب کو اطلاع دیتے ہیں تا کہ وہ اس کی اصلاح کر سکے۔

اولیاؒ کے درجوں، ناموں اور ان کے کاموں کے متعلق مختلف صوفیا نے مختلف لکھا ہے۔ اس لیے کہ ان کے بارے میں کوئی حتمی بات قرآن مجید میں نہیں ہے اگر چہ بعض اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ اسی طرح اکثر محقق علما کے نزدیک احادیث صحیحہ میں بھی اس طرح کی کوئی تفصیلات نہیں ہیں مگر صوفی ادب میں یہ اصطلاحات عام ہیں۔

5۔ ولی کی خصوصیات

اہل علم کے مطابق اولیائے کرامؒ کے نمایاں خصائص یہ ہیں:

(1) شریعت کی پابندی

ولی اپنی زندگی میں شریعت کے احکام کا پوری طرح پابند ہوتا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں: ولی اللہ وہ ہوتا ہے جو شریعت کے مطابق اعمال صالحہ بجا لاتا ہو۔ (تفسیر کبیر، ج: 17، ص: 126) حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: مجھے بتایا گیا کہ فلاں علاقے میں ایک ولی اللہ رہتا ہے۔ میں اس سے ملنے کو گیا۔ میں جب اس کی مسجد میں داخل ہوا تو وہ اپنے حجرے سے باہر نکلا اور اس نے مسجد کے صحن میں تھوک دیا۔ میں اس سے ملے بغیر واپس آ گیا اور میں نے خود سے کہا کہ ولی اللہ کو شریعت/ آداب کی پابندی کرنی چاہیے تا کہ اللہ پاک اس کو روحانی کیفیت میں رکھے۔ اگر یہ شخص اللہ پاک کا ولی ہوتا تو مسجد کے صحن میں نہ تھوکتا اور اللہ پاک اس کی حفاظت کرتا اور وہ یہ ادنیٰ اور ہلکا پن نہ کرتا۔

قدیم اور اصل صوفیا فرماتے تھے کہ جو شریعت پر عمل نہیں کرتا وہ جعل ساز ہے، مگر کچھ صوفیا سمجھتے ہیں کہ شریعت صرف مبتدی کے لیے ہے۔ جب آدمی اپنے روحانی مقامات طے کر لیتا ہے تو اس پر

شریعت کی پابندی لازم نہیں رہتی یا پھر یہ کہ اگر ولی ظاہری شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کی کوئی اور تعبیر/ وجہ ہوتی ہے۔ یہ اللہ پاک سے اعراض نہیں ہوتا۔اس سلسلے میں وہ قرآن پاک میں بیان کردہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔حضرت خضر علیہ السلام کا نام قرآن پاک نے نہیں لیا اور بعض لوگوں کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام ایک لافانی علامتی کردار ہیں۔

(2) ریاضت

ولی اللہ ریاضت کرنے والا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس وقت تک اپنے نفس کے ساتھ لڑائی کرتا ہے جب تک کہ اس کے دل سے دنیا کی محبت نکل نہ جائے۔حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: اولیاء اللہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ راتوں کو جاگنے کی وجہ سے ان کے چہرے زرد ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوتی ہیں، بھوک سے ان کے پیٹ سکڑے ہوئے اور پیاس سے ان کے ہونٹ خشک ہوتے ہیں۔(تفسیر قرطبی، ج:8،ص:228)

(3) نفلی عبادات

اولیاء اللہ جس طرح فرائض ادا کرنے والے ہوتے ہیں، اسی طرح نفلی عبادات بھی کثرت سے کرتے ہیں، یعنی کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہتے ہیں۔

(4) علم لدنی

اولیائے کرامؒ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم لدنی حاصل ہوتا ہے، یعنی انہیں اسرار و معارف کا خصوصی علم القا ہوتا ہے۔سورت کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں آتا ہے کہ جب آپ علیہ السلام پلٹ کر اسی مقام پر پہنچے جہاں مچھلی زندہ ہوئی تھی تو وہاں اللہ کے ایک نیکوکار مقرب بندے کو پایا جن کی خصوصیت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے:

فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا. (آیت:65)

(تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا اور خاص اپنی طرف سے ایک علم سکھایا تھا)

(5) انسانوں سے محبت

اولیائے کرامؒ ایک دوسرے سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔صلہ رحمی کرتے ہیں اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان (مشکوٰۃ المصابیح، ج: 4، رقم الحدیث: 941) ہے: اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کتنے ہی لوگ یعنی اولیاء اللہ ایسے ہیں جو اگرچہ نبی اور شہید نہیں ہیں لیکن قیامت کے دن اللہ پاک کے نزدیک ان کے مراتب ودرجات دیکھ کر انبیا علیہم السلام اور شہداؒ ان پر رشک کریں گے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں بتائیے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ لوگ ہیں جو اللہ پاک کی روح (قرآن کریم) کے سبب آپس میں میل جول اور محبت رکھتے ہیں حالانکہ ان کے درمیان کوئی ناطہ رشتہ نہیں ہے جس کا تقاضا انہیں ایک دوسرے سے محبت کرنے پر مجبور کرے اور نہ مال دولت کے لین دین کا معاملہ ہوتا ہے۔

(6) معرفت

اولیائے کرامؒ معرفت الٰہی کے حامل ہوتے ہیں۔ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو ممکنہ حد تک اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا عارف ہو۔انہیں عارف باللہ بھی کہا جاتا ہے۔(شرح العقائد،ص:144)

(7) تقویٰ اور سکینہ

اولیائے کرامؒ سکینہ کے حامل ہوتے ہیں۔انہیں کسی بھی دنیوی شے کا حزن وملال نہیں ہوتا اور وہ ان امور میں میلان نہیں رکھتے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ.(سورۃ یونس،آیت:62)

(یادرکھو کہ جو اللہ پاک کے دوست ہیں ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

(8) لوگوں کی عیب جوئی نہ کرنا

اولیاء اللہ لوگوں کی برائی اور ان کی عیب جوئی سے باز رہتے ہیں۔حدیث پاک میں ہے:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ: " أَمْسِكْ عَلَيْكَ

لِسَانَكَ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:299)

(حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! نجات کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو)

(9) محبوب خلائق

خواجہ بہاء الدین نقش بندیؒ فرماتے ہیں کہ حقیقی ولی کی تین نشانیاں ہیں: (i) ولی اللہ کی پہلی نشانی یہ ہے کہ اس کے چہرے کو دیکھنے والے کا دل اس کا گرویدہ ہو جائے، گویا اسے دوبارہ دیکھنے اور اس کی قربت اور محبت کی تمنا دل میں جاگزیں رہے، (ii) دوسری علامت یہ ہے کہ جب وہ مجالس میں اسرار و حقائق بیان کرے تو اس کی باتیں سامعین کے دل موہ لیں اور سنتے رہنے کو دل چاہے، (iii) ولی اللہ کی تیسری نشانی یہ ہے کہ اس کے اعضا سے ناشائستہ حرکات سرزد نہ ہوں گویا اس کی خلوت و جلوت میں کسی قسم کا تضاد نہ پایا جائے۔ (موسوعۃ الکسنز ان، ص:247)

(10) حکیم ترمذیؒ کے نزدیک ولی

حکیم ترمذیؒ نے ولی کے دس درجات کا ذکر کیا ہے۔ وہ ہر درجے کو مُلک کا نام دیتے ہیں کہ ولی اصل میں وہ ہوتا ہے جو درجہ بدرجہ ان مراتب پر فائز ہوتا جاتا ہے۔ وہ مراتب یہ ہیں: (i) مُلک جبروت: یہ وہ مرتبہ ہے جس میں ولی اللہ اپنے نفس پر جبر کرتا ہے اور لذات سے دور رہتا ہے، (ii) مُلک سلطان: یہ وہ مرتبہ ہے کہ جس میں ولی اللہ نفس کی شہوات سے کنارہ کشی کر لیتا ہے، (iii) مُلک جلال: یہ وہ مرتبہ ہے کہ جس میں ولی اللہ اپنے نفس کی تہذیب پر قدرت حاصل کر لیتا ہے، (iv) مُلک جمال: اس میں ولی اپنے نفس کو مزید خوبصورت بنانے پر آمادہ ہوتا ہے، (v) مُلک عظمت: اس میں ولی اپنی ذات کی تطہیر کا عمل انجام دیتا ہے، (vi) مُلک ہیبت: اس مرتبہ میں تزکیہ کی وہ حالت آتی ہے جس میں سرور کی کیفیت ہوتی ہے، (vii) مُلک رحمت: اس میں ولی اللہ رحمت الٰہی کے سرور کو محسوس کرتا ہے، (viii) مُلک بہا: اس میں اعمال صالحہ اور تربیت نفس کے لیے طرف طبعی میلان پیدا ہو جاتا ہے، (ix) مُلک بہجت: اس مرتبہ میں ولی قرب الٰہی کے ساتھ آسودگی کے احساس میں چلا جاتا ہے، (x) مُلک فرانیت: یہ وہ درجہ ہے جہاں ولی اپنی ذات میں ایک خاص حضوری اور تشخص کا حامل ہو جاتا ہے۔ (ختم الاولیاء، ج:1، ص:26)

6۔ نبوت اور ولایت کا تعلق

علم کلام میں نبوت اور ولایت کے درمیان فرق کا مسئلہ بہت لطیف اور دقیق نوعیت کا رہا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں یہ متفق علیہ ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہوتی ہے کیونکہ ولایت کا راستہ نور نبوت کی روشنی میں طے ہوتا ہے اور ولایت کا اتم درجہ اور کمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں متشکل ہوتا ہے۔

اہل علم کے مطابق انبیا علیہم السلام نبوت کے ملنے سے قبل اگرچہ نبوت کے مرتبے پر فائز نہیں ہوتے، لیکن باطنی و روحانی طور پہ وہ ولایت کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔ اس میں بھی عام اولیا کا مرتبہ انبیا علیہم السلام کی ولایت کے برابر نہیں ہوتا۔ نبوت ملنے سے پہلے انبیا و رسول علیہم السلام ان تمام روحانی و باطنی واردات اور حالات سے گزرتے ہیں جن سے ایک ولی گزرتا ہے، البتہ ان کی نوعیت اور درجے کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ یہ چیز واضح رہنی چاہیے کہ انبیا علیہم السلام کے حوالے سے یہ تمام حالات اکتسابی نہیں ہوتے جس طرح کہ عام انسانوں کے معاملے میں ہوتا ہے۔ یہ چیزیں انبیا علیہم السلام کے لیے وہبی اور عطائے الٰہی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جسے اللہ تعالی چاہتا ہے، نبوت سے سرفراز فرماتا ہے اور مخصوص حالات سے گزارتا ہے۔

نبوت و ولایت کے درمیان ظاہری تشابہ کے باوجود ان کے مابین واضح اور بہت زیادہ فرق ہے۔ اس فرق پر شعور نبوت اور شعور ولایت کے عنوان سے کچھ علما نے مباحث بھی اٹھائی ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے صوفی بزرگ مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ کے معروف قول پر یہ تبصرہ کیا ہے:

محمدؐ عربی بر فلک الافلاک رفت و باز آمد
واللہ اگر من رفتمے ہر گز باز نیامدے

علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں: شیخ موصوف کے اس ایک جملے سے ہم اس فرق کا ادراک نہایت خوبی سے کرتے ہیں جو شعور ولایت اور شعور نبوت میں پایا جاتا ہے۔ صوفی نہیں چاہتا کہ واردات اتحاد میں اسے جو لذت و سکون حاصل ہوتا ہے، اسے چھوڑ کر واپس آئے۔ اگر آئے بھی جیسا کہ اس کا آنا ضروری ہے تو اس سے نوع انسانی کے لیے کوئی خاص نتیجہ مرتب نہیں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس نبی علیہ السلام کی

باز آمد تخلیقی ہوتی ہے۔ وہ ان واردات سے واپس آتا ہے، اس لیے کہ زمانے کی رو میں داخل ہو جائے اور پھر ان قوتوں کے غلبہ وتصرف سے جو عالم تاریخ کی صورت گر ہیں، مقاصد کی نئ دنیا بیدار کرے۔ نبوت اور ولایت اگرچہ بظاہر روحانیت کے مقام ہیں لیکن باعتبار نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ نبوت وولایت کے بارے میں یہ طریق گفتگو ہی سرے سے غلط ہے۔ (خطبات اقبال، ص:104)

تصوف کے حلقے میں بعض شخصیات اور گروہوں کے ہاں نبوت و ولایت کے مابین تفضیل کی بحث رہی ہے۔ یہ بحث سب سے پہلے کوفہ کے امامیہ صوفیا نے اٹھائی تھی۔ اس کے بعد تیسری صدی ہجری میں شام میں حضرت ابوسلیمان دارانیؒ اور حضرت احمد بن ابی حواریؒ وغیرہ اس بات کے قائل تھے کہ اولیائے عظامؒ، انبیائے کرام علیہم السلام سے مرتبے میں افضل ہوتے ہیں۔ اسی طرح حکیم ترمذیؒ کا بھی یہی موقف ہے۔ ان کے علاوہ خراسان کا گروہ جو حشویہ کے نام سے مشہور تھا، وہ بھی انبیاء علیہم السلام پر اولیاؒ کی تفضیل کا قائل تھا۔ حضرت علی ہجویریؒ نے کہا ہے: ان کا کلام توحید کے خلاف ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ بے شک وہ اولیا ہیں لیکن اولیاء اللہ نہیں ہیں بلکہ اولیاء الشیطان ہیں۔ (کشف المحجوب، ص:235)

حضرت ہجویریؒ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی اولیائے عظامؒ پر فضیلت کے لیے دو دلائل دیے ہیں: (i) اولیاؒ، انبیائے کرام علیہم السلام کے تابع ہوتے ہیں، لہٰذا تابع متبوع سے افضل نہیں ہوسکتا، (ii) اولیائے کرامؒ اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف ایک سفر میں ہوتے ہیں، جب کہ انبیاء علیہم السلام شروع سے ہی اللہ تعالیٰ کا قرب پا چکے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اس کا پیغام لے کر لوگوں کے پاس آتے ہیں۔ لہٰذا منزل تک پہنچا ہوا گروہ سالکین سے افضل ہوگا۔

اس مسئلے میں ایک اہم نام شیخ ابن عربیؒ کا ہے۔ آپؒ کے نزدیک ولایت روحانی مراتب کی بنیاد اور اساس ہے۔ ولایت کا اہم ترین وصف معرفت اور علم باطنی ہے۔ آپؒ اسی لیے عارف باللہ کو ولی کہتے ہیں اور اس اصطلاح کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ اس میں انبیاء ورسل علیہم السلام کو بھی داخل کرتے ہیں جیسا کہ ولایت کے تمام قسم کے حاملین (امناء، ابدال اور وارث) کو بھی اس میں داخل کرتے ہیں۔ (فتوحات مکیہ، ج:2،ص:21) شیخ ابن عربیؒ ولایت کے لیے خلافت عامہ کی اصطلاح بھی استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک نبوت وولایت میں تفضیل کا معاملہ ہے تو شیخ ابن عربیؒ کے نزدیک ہر نبی علیہ السلام اور رسول علیہ السلام پہلے ولی ہوتا ہے، جب کہ اس کے بعد نبی علیہ السلام یا رسول علیہ السلام ہوتا ہے۔ یوں ہر نبی علیہ السلام و

رسول علیہ السلام ولی بھی ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام یا رسول علیہ السلام، ولی کی حیثیت میں محض نبی علیہ السلام اور رسول علیہ السلام کے مرتبے سے افضل ہوتا ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے اسی موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابن عربی مطلقاً ولایت کو نبوت پر افضل قرار نہیں دیتے۔ (الیواقیت والجواہر، ص: 13) البتہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صوفیا میں سے بہت سے ایسے نام ہیں جنھوں نے ولایت و نبوت کے مباحث میں کہیں کہیں افراط و تفریط سے کام لیا ہے، لہٰذا درست یہی ہے کہ نبوت تشریعی ہے اور ولایت اللہ پاک کا عمومی انعام ہے اور نبی ہر حالت میں ولی سے افضل ہے۔

اس موضوع پر کی جانے والی علما کے مباحث سے یہ نکات سامنے آتے ہیں: (i) نبوت ایک تشریعی مرتبہ ہے جس میں مخصوص اعمال طے ہوتے ہیں، جب کہ ولایت بنیادی طور پہ ایک عرفانی و روحانی سفر اور درجہ ہے، (ii) نبوت مستقل بالذات ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے، جب کہ ولایت مستقل بالذات نہیں ہوتی، یہ نبوت سے روشنی لیتی ہے، (iii) نبوت خالصتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا اور وہبی ہوتی ہے، جب کہ ولایت میں ریاضت کا عمل دخل بھی ہوتا ہے، (iv) نبوت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اجتماعی ذمہ داری ہوتی ہے، جب کہ ولایت شخصی اور ذاتی چیز ہوتی ہے، (v) نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے مگر اولیائے کرامؒ آتے رہیں گے اور (vi) نبوت ولایت سے افضل ہے۔

7۔ اولیا کی اقسام

نبی علیہ السلام اور رسول علیہ السلام کے علاوہ صدیقین، شہداء اور صالحین کی اصطلاحات ایک مخصوص معانی میں وارد ہوئی ہیں۔

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا. (سورۃ النساء، آیت: 69)

(اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمان برداری کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے: انبیائے کرام علیہم السلام، صدیقین، شہدا اور صالحین، یہ بہترین ساتھی ہیں)

(1) صدیقین

صدیق سے مراد ایسا شخص ہوتا ہے جو ہر حال میں سچ بولنے والا، سچ پر قائم رہنے والا اور سچ کے لیے ہر چیز قربان کر دینے والا ہو۔ امت میں اس مقام پر سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فائز ہوئے۔ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ اطہر سے ان کے اعزاز کا اعلان فرمایا۔ باقی لوگ درجہ بدرجہ اس مقام کے حامل ہو سکتے ہیں۔

(2) شہدا

عموی حوالے سے شہید یا شہدا کی اصطلاح ان لوگوں کے لیے مشہور ہو گئی ہے جو اللہ پاک کی راہ میں لڑتے ہوئے مارے جائیں لیکن قرآن کریم میں شہید مؤمنین کا ایک مقام بھی ہے جو صدیقیت کے بعد آتا ہے۔ علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں: یہاں شہدا سے مراد وہ شہید نہیں ہے جسے کفار نے میدانِ جنگ میں قتل کیا ہو۔ شہادت کا ضروری مفہوم قتل کے معنی میں نہیں ہوتا بلکہ شاہد کے معنی میں ہے۔ ایسا شخص کہ جو دینِ الٰہی کے حق ہونے کی شہادت کبھی دلیل اور بیان سے دیتا ہے اور کبھی تلوار اور نیزے کے ذریعے۔ شہدا وہ ہوتے ہیں جو انصاف پر قائم ہوتے ہیں۔ عدل وانصاف کے ماننے والے اور گواہی سے حق کی توثیق کرنے والے ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر، ج:5،ص:248)

(3) صالحین

صالح سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم ہو اور خلوصِ نیت کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنے والا ہو۔ صالحین وہ ہوتے ہیں جن کے عمومی اعمال نیک ہوتے ہیں اور یہ کافی ہوتا ہے کہ ان کی اچھائیاں، برائیوں پر غالب ہوں اور یہ کہ وہ جان بوجھ کر گناہ پر اصرار نہ کرتے ہوں۔ (المواقف،ص: 44) صالحیت کا مرتبہ ایسا ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام بھی دعا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا منقول ہے:

رَبِّ هَبۡ لِیۡ حُکۡمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ. (سورۃ الشعراء، آیت:83)

(اے میرے پروردگار! مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے اپنے صالحین میں شامل کر دے)

(4) حواری

حواری اس کو کہتے ہیں جو کسی نبی علیہ السلام کا خلیفہ بننے کی صلاحیت رکھے۔ اصل میں تو اس کا زیادہ استعمال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ خاص شاگردوں پر کیا جاتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللهِ. (سورۃ الصّف، آیت:14)

(اے ایمان والو! اللہ پاک کے مددگار بن جاؤ۔ جس طرح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے حواریوں کو کہا تھا: کون ہے اللہ تعالیٰ کے لیے میری مدد کرنے والا؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم ہیں اللہ پاک کے مددگار)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: وہ میری امت میں سے میرے حواری ہیں، یعنی وہ میرے اصحاب اور مددگاروں میں سے خاص ہیں۔ (معانی القرآن، ص:263)

(5) محدث

محدث وہ ہوتا ہے کہ جس پر اللہ کی طرف سے الہام ہو اور حق اس کی زبان پر جاری ہو جائے یا جس کی رائے بالکل صحیح ہو، محدث وہ بھی ہو سکتا ہے جو صاحب کشف ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ.

(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:933)

(تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے اور اگر میری امت میں کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے)

اہل علم کے نزدیک محدث کی تخصیص صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں ہے، البتہ آپ رضی اللہ عنہ اس امت میں اس مرتبے کے اولین فائز ہیں۔

(6) اخیار

بعض علما کے نزدیک اخیارِ امت کی تعداد پانچ سو ہے اور ابدال چالیس کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ نہ پانچ سو کی تعداد کم ہوتی ہے اور نہ چالیس کی۔ جب کوئی ابدال وصال کر جاتا ہے تو اس کی جگہ

اللہ تعالیٰ پانچ سو خیار امت میں سے کسی ایک کو مقرر کر دیتا ہے۔ یہ سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں ان کے اعمال کے بارے میں بتا دیجیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ خود پر ظلم کرنے والے کو معاف کر دیتے ہیں۔ اس شخص کے ساتھ بھی نیک سلوک کرتے ہیں جو ان کے ساتھ برا سلوک کرے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جو کچھ بھی دیتا ہے، اس کے ذریعہ وہ ضرورت مندوں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:1، ص:8)

(7) ابدال

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل شام کا تذکرہ ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا: امیر المومنین رضی اللہ عنہ! ان کے لیے بددعا کیجیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں! میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شام میں ابدال ہوتے ہیں۔ یہ کل چالیس آدمی ہوتے ہیں۔ جب بھی ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہوتا ہے، اللہ پاک اس کی جگہ بدل کر کسی دوسرے کو مقرر فرما دیتا ہے۔ ان کی دعا کی برکت سے بارش برستی ہے۔ ان کی برکت سے دشمنوں پر فتح نصیب ہوتی ہے اور اہل شام سے ان ہی کی برکت سے عذاب کو ٹال دیا جاتا ہے۔ (مسند امام احمد، ج:1، رقم الحدیث:854)

(8) قطب

لفظ قطب کے معنی ہیں چکی کی مرکزی کیل، یعنی وہ لوہے کی میخ جس کے گرد اور جس کے سہارے سے اوپر کا پاٹ گھومتا ہے۔ بعض صوفیا کہتے ہیں کہ دنیا کے درمیان ایک آدمی ہر زمانے میں ایسا ہوتا ہے کہ اس پر اللہ پاک کی ایک خاص نگاہ ہوتی ہے۔ سارے جہان کا انتظام اسی آدمی سے ہوتا ہے۔ اپنے زمانے کا سردار ہوتا ہے۔ وہ تمام احوال و منازل سلوک طے کر چکا ہوتا ہے۔ مخلوق کے تمام مقامات و احوال اس پر گردش کرتے ہیں۔ قطب کامل و اکمل انسان ہوتا ہے جسے مقام فردیت حاصل ہوتا ہے۔

(اجابۃ الغوث، ج:2، ص:265)

قطب عالم ہر زمانہ میں ایک ہوتا ہے اور اس کے قطب عالم ہونے کے سبب چیزیں قائم ہوتی ہیں۔ قطب عالم کو حق تعالیٰ سے بے واسطہ فیض پہنچتا ہے اور اسی کو قطب اکبر قطب الارشاد اور قطب الاقطاب اور قطب المدار بھی کہتے ہیں۔ (مرآۃ الاسرار، ص:91)

(9) غوث

غوث کے لغوی معنی ہیں فریاد رس یا مدد کرنے والا۔ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں: لفظ 'غوث' کا معنی ہے: مدد اور لفظ 'غیث' کا معنی ہے: بارش اور 'استغاثہ' کا مطلب ہے کسی سے مدد مانگنا یا بارش طلب کرنا۔ (المفردات فی غریب القرآن، ص: 617) ہماری تاریخ میں سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کو غوث کہا جاتا ہے۔ بعض علما کے نزدیک قطب عالم ہی غوث ہوتا ہے۔

(10) مجذوب

جذب کے معنی کشش کے ہیں لیکن تصوف کی اصطلاح میں جذب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے والی اس خاص کشش کا نام ہے جو پل جھپکتے ہی بندے پر معرفت کے راز کھول دے۔ اس کا دل مخلوق کے احوال سے بے خبر ہو کر مکمل طور پر عالم بالا سے متعلق ہو جائے۔ بعض صوفیا نے اس کو وجد سے بھی تعبیر کیا ہے۔ ایسا جذب رکھنے والے کو مجذوب کہتے ہیں۔

(11) ملامتی صوفی

تصوف کی اصطلاح میں ملامت سالک کے نفس پر اللہ پاک کی طرف سے وارد ہونے والا ایک حال ہے۔ اس حال کے زیر اثر وہ اخلاص کے حصول اور ریاکاری کے خوف سے اپنے نیک اعمال کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اپنے ظاہر کو دین کی حدود کے اندر رہتے ہوئے خراب رکھتے ہیں کہ دوسرے انہیں نیک تصور نہ کریں بلکہ ان کے خلاف اپنی زبان دراز کریں۔ خلق میں حقیر ہوں اور اپنے اعمال کا بدلہ دنیا داروں کی خوشامد اور تعریف کے بجائے اللہ پاک سے پائیں۔ جس سالک پر یہ حال وارد ہوتا ہے اسے ملامت کی نسبت سے ملامتیہ کہا جاتا ہے۔

اس نام سے سنی صوفیا کا ایک گروہ مشہور ہوا۔ تیسری صدی ہجری کے وسط میں تصوف کا مرکز بلخ سے نیشاپور کی طرف منتقل ہو گیا تھا جہاں اس ملامتیہ گروہ کا ظہور ہوا تھا۔ اس گروہ کے سب سے پہلے صوفی شیخ حمدون قصارؒ تھے جنہوں نے تیسری صدی ہجری میں نیشاپور میں زندگی گزاری۔ امام ذہبیؒ نے انہیں شیخ الصوفیہ کا لقب عطا کیا۔

اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب ابوعبدالرحمان السلمیؒ نے تصنیف کی جس کا نام ہے: 'اصول الملامتیہ'۔ شیخ ابن عربیؒ ملامتی صوفیا کو سلوک کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز قرار دیتے ہیں۔ شیخ ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا جو مرتبہ ہے وہ اگر لوگوں پر ظاہر ہو جائے تو وہ انہیں معبود بنانے پر اتر آئیں۔

ملامتی صوفیا لوگوں سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے۔ اس لیے وہ لوگوں کے سامنے جان بوجھ کر ایسی حرکت کرتے ہیں کہ جس سے لوگ ان سے متنفر ہو جائیں۔ صوفیا کسی گناہ پر اپنے نفس کو سزا دینے کے لیے ایسی حرکت کرتے ہیں تا کہ لوگ ان سے نفرت کریں۔ اس طرح سے یہ خود کو سزا دلواتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کو ملامتیہ گروہ میں سے سمجھا جاتا ہے۔ آپؒ کی زندگی کا واقعہ ہے[1]۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ایک دن عقیدت مندوں کی ایک جماعت آپؒ کے دیدار کے لیے حاضر ہوئی۔ جب خدمت گار نے حضرت بایزید بسطامیؒ کو اطلاع دی تو آپؒ نے رات کی بچی ہوئی روٹی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اسے کھاتے ہوئے دروازے پر تشریف لائے۔ جب لوگوں نے شیخ کو روٹی کھاتے ہوئے دیکھا تو پوری شدت کے ساتھ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ پھر جب لوگ اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے تو حضرت بایزید بسطامیؒ نے روٹی کا نوالہ زمین پر تھوک دیا۔ اس وقت حضرت شیخ روزے سے تھے مگر لوگوں کی عقیدت کا طلسم توڑنے کے لیے آپؒ نے خود کو بے روزہ ثابت کیا اور نفس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تو نے سن لیا کہ لوگ تجھے کیا کہہ رہے ہیں۔ یاد رکھ کہ میں آئندہ بھی تجھے اسی طرح اذیتیں پہنچاؤں گا اور ہرگز اس لذت سے سرشار نہیں ہونے دوں گا کہ دنیا والے مجھے متقی اور پرہیزگار کہہ کر پکاریں۔

بعض عظیم صوفیا نے ملامتیہ پر سخت تنقید کی ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ملامت بھی چھپی ہوئی منافقت ہے۔ ملامتی جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں تا کہ لوگ ان سے دور ہوں، جب کہ دکھاوے والے صوفی اس لیے اعمال کرتے ہیں کہ لوگ ان کے قریب آئیں۔ دونوں انسانوں پر نظر کرتے ہیں اور ان سے اوپر اٹھ کر خدا تک نہیں پہنچتے۔ اس لیے کہ صوفیا کے نزدیک انسانوں کے اچھے یا برے ردعمل پر توجہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ نفس پرستی کی نشانی ہے۔

---

[1] بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ واقعہ نیشاپور میں پیش آیا جب لوگ ان سے ملنے آئے تھے۔

21۔ تصوف کی حقیقت

تصوف، دین اسلام کی ایک بہت اہم روایت ہے جیسا کہ دوسری روایت فقیہانہ ہے۔ ہر روایت کا اپنا اپنا مزاج ہے۔اسی تناظر میں جب ہم تصوف کی اصل حقیقت پر غور کرتے ہیں تو ہمیں بہت سے دلچسپ پہلو نظر آتے ہیں جن سے اس کی اصل حقیقت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

1۔ سلوک کا طریقہ

حقیقت تصوف وجودی ہے، نظری نہیں ہے۔اس لیے اس کو انسانی جسم کی تمام صلاحیتوں کے بیک وقت استعمال سے سمجھا جا سکتا ہے۔اس میں عمل کے بغیر کوئی شے صرف اور صرف ذہنی کاوش سے نہیں سمجھی جا سکتی۔اس لیے تصوف میں حقیقت کو پانے کے لیے اعمال سماع، ریاضت، اذکار، مناجات وغیرہ اکٹھے استعمال کیے جاتے ہیں۔شیخ اپنے مریدوں کے حالات اور ان کے درجات کے مطابق اذکار اور اعمال تجویز کرتا ہے۔ جب مرید کا درجہ اور حالات بہتر ہو جاتے ہیں تو پھر ذرا آگے کے اذکار اور اعمال تجویز کیے جاتے ہیں۔صوفی عمل میں عقیدہ، رسم اور طرز زندگی کو اکٹھا کیا جاتا ہے۔جن کے مجموعی استعمال سے معرفت ملتی ہے۔

تصوف اصل میں ایک باطنی نظام ہے جو اہل سلسلہ کی مدد سے آگے بڑھتا ہے جو خاص مریدوں کو سکھایا جاتا ہے جو ایک تربیت سے گزرتے ہیں اور جن میں اللہ پاک کی خصوصی برکات اور فضل کا ظہور ہوتا ہے۔تصوف میں عمل و تجربہ ہے اور صرف خاص اصولوں کی تعلیم نہیں ہے۔تصوف اصل میں مجاہدہ کا طریقہ ہے۔مجاہدہ میں آہستہ آہستہ احوال شامل ہو جاتے ہیں جو صرف اور صرف اللہ پاک کے فضل سے سالک پر طاری ہوتے ہیں اور جن میں سالک کا اپنا کوئی کمال یا کوشش شامل نہیں ہوتی لیکن عام طور پر یہ مجاہدہ اور کشف سے منسلک ہوتے ہیں۔تصوف میں اگرچہ سالک کی ایک منظم کوشش ہوتی ہے مگر زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور کرم کا نتیجہ ہے جو اس نفس پر زیادہ ہوتی ہے جو خود کو غیر سے پاک کرتا چلا جاتا ہے۔

صوفیا کا طریقہ سلوک اصل میں ایک عملی طریقہ تھا جس میں ایک سالک (مرید) کو خاص فکر، مراقبہ، احساسات اور اعمال کے ذریعے کچھ نفساتی تجربات احوال (حال) اور مقامات (مقام) سے گزارتا تھا تاکہ وہ حقیقت کا تجربہ کر سکے۔ پھر آہستہ آہستہ اس مرشد کے گرد لوگ اکٹھے ہونے لگے اور تعلق اور ساتھ رہنے سے تربیت ہونے لگی مگر ابتدائی زمانے میں مرید مرشد کی بیعت نہیں کرتا تھا۔

صوفیانہ یا روحانی سفر فلسفیانہ یا عقلی طریقے سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس کو صرف قلب (عرفان) ہی کچھ حد تک سمجھ سکتا ہے۔ جب سالک اللہ پاک کی طرف چلتا ہے تو پھر وہ اپنی اندرونی روشنی میں سفر کرتا ہے۔ جوں جوں صوفی دنیا سے لاتعلق ہوتا جاتا ہے یہ روشنی بڑھتی جاتی ہے۔ صوفیا کے ہاں اس کو دل کی صفائی بھی کہا جاتا ہے۔ ایک طویل صفائی کے عمل کے بعد اسے عرفان اور ذات الٰہی کی محبت نصیب ہونے لگتی ہے۔ جس کے بعد اسے ذات الٰہی کا جمال نظر آنے لگتا ہے۔ خدا کا قرب محسوس ہوتا ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ جیسے صوفیا اسے جہالت کے پردوں کا اٹھنا کہتے ہیں۔

زیادہ تر صوفیا کا خیال ہے کہ صوفی علوم لکھے نہیں جا سکتے اور لکھے ہوئے کو پڑھ کر تصوف سمجھا یا نہیں جا سکتا۔ اس لیے مشہور صوفی عالم امام غزالیؒ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب احیاء علوم الدین کی ابتدا میں لکھا کہ یہ علم المعاملات کی کتاب ہے اور علم المکاشفہ (تصوف) کی کتاب نہیں ہے، حالانکہ اس کتاب میں پورے دین کی صوفیانہ تعبیر کی گئی ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ علم حقیقہ ہے جو شیخ سے غیر منسلک شخص پر ظاہر نہیں ہو سکتا اور صوفی شیخ علم نہیں پڑھاتے مگر ایک راستہ پر چلاتے ہیں۔ شیخ عبادات، اذکار، تلاوت، مجاہدہ، اجتماعی اجتماعات اور روحانی تجربات پر زور دیتا ہے جس میں شیخ کی توجہ، برکت اور فیض شامل ہوتا ہے۔

تصوف سے مراد باری تعالیٰ کی محبت کی کوشش ہے۔ اس محبت کی تلاش میں سالک خوشی و غمی برداشت کر لیتا ہے جو اللہ پاک اس کے امتحان کے لیے یا اس کو پاک و صاف کرنے کے لیے عطا کرتا ہے۔ اس عمل میں سالک خدا کی حضوری محسوس کرتا ہے۔

مقامات اور احوال کی سیڑھی سے سالک اپنے اور خالق کے درمیان فاصلے طے کرتا ہے یا ان فاصلوں سے ماورا ہو جاتا ہے۔ پھر مجاہدہ اور کشف سالک کی عمومی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ مگر یہ کشف مجاہدہ کے بعد ہی آتا ہے جیسا کہ ایک سائنس دان ایک طویل عرصہ اپنی لیبارٹری میں کام کرتا ہے اور پھر اس پر اچانک کشف ہوتا ہے اور وہ ایک بڑی سائنسی حقیقت جان لیتا ہے۔

تصوف کے راستے پر چلتے چلتے کشف ہوتا ہے جس سے انسان اور حقیقت کے درمیان پڑے پردے اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ سلوک کی راہ پر چلتے ہوئے اللہ پاک کی طرف سے خاص مہربانی سے سالک پر حال طاری ہوتے ہیں۔ احوال کوشش سے نہیں بلکہ اللہ پاک کے خاص کرم سے طاری ہوتے ہیں، مگر اس کے لیے ایک خاص طرح کی ایک منظم زندگی گزارنا لازم ہے، لیکن کبھی کبھی اچانک کشف ہوتا ہے جس سے حقیقتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

سالک کو مجاہدہ اور کشف کے بعد معرفت حاصل ہوتی ہے جس سے سالک پر حقائق اور نظر نہ آنے والے دنیا کے راز کھلتے ہیں اور وہ اپنے اور کائنات کے رازوں پر غور و فکر کرتا ہے۔ صوفی پر روحانی حقیقت آہستہ آہستہ ظاہر ہوتی ہے۔ یہ صوفی کی روحانی ترقی اور قبول کرنے والے خاص مزاج کے تناسب سے ظاہر ہوتی ہے مگر کچھ لوگوں میں ان کے بغیر بھی ظاہر ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ اور شہاب الدین یحییٰ سہروردی مقتولؒ۔ اس معرفت کے حصول کے لیے صوفیا نے ریاضتیں بنائی ہیں جس سے انسانی کائنات اور اللہ تعالیٰ کے تعلق کے راز کھلتے ہیں اور انسان اس میں مست رہتا ہے۔

صوفیا کے ہاں شریعت کے ظاہری اعمال کی اطاعت سے طریقت کا اعلیٰ راستہ ملتا ہے۔ طریقت کے راستے پر چلنے والوں کو حقیقت نصیب ہوتی ہے۔ چلتے چلتے انسان کو معرفت مل جاتی ہے جو اصل ہے۔ اس راستے سے علم الیقین ملتا ہے جو اس ظاہری اور سطحی علم سے مختلف ہے جس کا عام طور پر پرچار کیا جاتا ہے۔ علم الیقین کے بعد عین الیقین حاصل ہوتا ہے۔ جب عین الیقین آگے بڑھتا ہے تو وہ حق الیقین میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ صوفی صاحب وصال ہیں، صاحب استدلال نہیں ہیں۔ عقل سے عبودیت مل سکتی ہے مگر محبت سے ربوبیت ملتی ہے۔

تصوف ایک فلسفہ یا عقیدہ نہیں ہے بلکہ ایک عمل اور اندرونی روحانی سفر ہے۔ صوفیا نے یہ تجربہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے خاص اصطلاحات کا سہارا لیا اور یہ اصطلاحات ان اصطلاحات سے اضافی تھیں جن کو فقیہانِ اسلام نے بنایا تھا۔ صوفیا نے وحی کے ساتھ الہام کی اصطلاح استعمال کی۔ معجزات کے ساتھ کرامات کی اصطلاح بنائی گئی۔ اسی طرح قرآن مجید میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کو بھی الگ معنی پہنائے گئے۔ مثال کے طور پر حضرت ذوالنون مصریؒ سے پوچھا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ آپؒ نے فرمایا: عام آدمی کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے مگر صوفیا کی توبہ غفلت سے ہوتی ہے۔

تصوف نے ایسی بھی اصطلاحات بنائیں جو قرآن کریم سے براہ راست منسلک نہ تھیں۔ مثال کے طور پر معرفت، حقیقت، طریقت، وجد، مقام، حال، مراقبہ، مناجات اور توجہ وغیرہ۔ ان اصطلاحات کو بھی مختلف اکابر صوفیا نے مختلف مقاصد کے لیے مختلف معنوں میں استعمال کیا جس کی بنیاد ان کا اپنا ذاتی تجربہ تھا اور خارجی معروضی حقیقت نہ تھی۔ ویسے بھی چونکہ صوفی فکر حکمت الٰہیہ سے متعلق ہے اس لیے وہ اتنی زیادہ واضح ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے بعض اوقات ان کو اقوال کہا گیا اور مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کی گئی اور عام طور پر عظیم صوفیا یہ کرتے ہوئے کسی خاص نظریے کو بیان نہیں کر رہے ہوتے ہیں اور وہ حقائق بیان کر رہے ہوتے ہیں جو اللہ پاک کے فضل سے انہوں نے دیکھے ہوتے ہیں۔

2۔ تصوف کی اقسام

تصوف یا روحانی تجربہ کی دو عمومی قسمیں ہیں:

(1) لامحدودی تصوف

یہ تصوف مشہور فلسفی پلوٹائنس کی تعلیمات اور ہندو مذہب / فلسفے کی اپنشد وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ جس کی تشریح بہت اچھی طرح شنکر کی تعلیمات میں ملتی ہے۔ اس فلسفے کی روشنی میں خدا (حق) لامحدود ہے۔ زمان و مکاں سے آزاد ہے۔ مطلق اور واحد ذات ہے۔ اس کی مثال ایک غیر محدود سمندر کی ہے جس میں انسان (صوفی) کی ذات قطرے کی طرح جا کر فنا ہو جاتی ہے۔ اس تصوف پر بہت سے علما اس لیے تنقید کرتے ہیں کہ اس میں انسانی شخصیت کی قدر کا انکار کیا جاتا ہے اور شخصی ذمہ داری کو خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(2) شخصیت کا تصوف

اس تصوف میں خدا کو خالق سمجھا جاتا ہے اور صوفی (انسان) کو اس کی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ انسان اپنے خالق کے سامنے اس کا بندہ (غلام) ہے۔ ایک عاشق ہے جو اپنے محبوب کی محبت میں سرشار ہے۔ سالک خدا کی صفات اپنے اندر سموتا ہے۔ اللہ پاک کا بہتر سے بہتر اور گہرا علم حاصل کرتا ہے۔ یہ تصوف اسلام کے زیر اثر بڑھا ہے۔ اگرچہ اس پر نوافلاطونی اور عیسائی، ہندومت اور بدھ مت کے کچھ اثرات آ گئے ہیں۔ اس تصوف سے مراد اسلام کو اپنی روح میں اتارنا ہے اور توحید کا ذاتی تجربہ کرنا ہے۔ صوفیا اگرچہ فقیہانہ مکاتب فکر اور فلسفیانہ بحثوں سے تو آزاد ہے مگر ہمیشہ اسلام کے تابع رہے۔

3۔ تصوف میں تنوع

تصوف اپنے فکر وعمل میں ایک نہیں ہے۔اس کے مختلف مقاصد بیان کیے جاتے ہیں۔اس کی فکر وعمل میں تبدیلی ارتقائی مراحل میں ہوئی ہے اوراس ارتقاء میں اسلام کی اپنی فکر وسماج میں تبدیلی نے بھی اثر ڈالا ہے اور غیر اسلامی تہذیبوں وفلسفوں کے بھی اس پر گہرے اثرات ہیں۔تصوف کی اس روایت میں کچھ لوگ دنیا سے کنارہ کشی کو پسند کرتے ہیں۔کچھ جہاد کرتے ہیں۔کچھ خاموش رہتے ہیں۔کچھ تبلیغ بھی کرتے ہیں۔کچھ توبہ پر زور دیتے ہیں اور کچھ حمد ونعت پر۔کچھ کلامی وفلسفیانہ مباحث سے حقیقت کی تشریح کرتے ہیں اور کچھ حق سے عشق ومحبت میں سرشار ہوتے ہیں۔

صوفیا کے ہر گروہ کی تعلیمات اور وظائف ورسومات میں فرق ہے اور ہر طریقہ اپنے شیخ کی فکر وعمل پر چلتا ہے اور ہر طریقے کے اپنے اصول ہیں۔تصوف کے اندر بنیادی اختلاف کی ایک وجہ شریعت کی طرف مختلف صوفی طبقات کا رویہ ہے۔ایک گروہ نے کہا کہ دل کے افعال، اعضا (جوارح) کے افعال سے اعلیٰ ہیں مگر دونوں کا ہونا ضروری ہے مگر کچھ دوسرے صوفیا نے کہا کہ ظاہری شریعت محض علاماتی /تشبیہاتی اوراستعاراتی ہے۔اس لیے طریقت کے لیے لازم ہے کہ شریعت پر مکمل طور پر عمل کیا جائے مگر ان کی بھی کچھ نہ کچھ قدر ضرور ہے۔کچھ نے کہا کہ رسمی شریعت وقانون کی پابندی لازمی نہیں۔جنھوں نے عرفان حاصل کرلیا ہے، ان کے لیے کوئی قانون/شریعت نہیں ہے اور وہ اچھائی اور برائی سے اوپر ہیں۔اس ضمن میں وہ ہندو جوگیوں اور عیسائی عارفوں کی طرف ہو گئے جن کے بقول حق سے مل جانا انسان کو ظاہری مذہبی قوانین سے ماورا کر دیتا ہے۔

4۔ تصوف کا ماخذ

تصوف کی ابتدا اسلام کے اندر سے ہوئی۔قرآن مجید اور حدیث مبارکہ میں دیے گئے نیکی کے تصور نے انسانی زندگی میں ذکر اور زہد کی شکل اختیار کی۔جس کا مقصد اعلیٰ اخلاق حاصل کرنا تھا۔اس کا اصل ماخذ اصل میں اسلام کی روح تھی مگر اس نے دیگر مذاہب وفلسفوں سے راہبانہ وروحانی شعاعیں ضرور حاصل کیں جس کے نتیجے میں ایک ایسا تصوف ابھرا جس کی اپنی الگ اسلامی شناخت تھی مگر اس میں نوافلاطونیت، فلسفہ عرفان، عیسائی رہبانیت وغیرہ کے بھی کچھ اثرات آئے۔جس کے خلاف عظیم علما اور

صوفیا نے علمی وفکری جدوجہد کی تا کہ تصوف دین کے سانچے کے اندر رہے۔

اس ضمن میں بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ صوفی خدا سے براہ راست رابطہ کرتا ہے۔ اس لیے اس کو نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری رائے میں اسلامی تصوف میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ اسلامی تصوف میں خدا کا تعارف نبی کی ذات سے ہوتا ہے اور اس تعلق کی نوعیت بھی نبی طے کرتا ہے۔

صوفی کے ہاں حضور نبی کریم ﷺ کی بہت اہمیت ہے۔ اللہ پاک قرآن مجید میں اپنی تعلیمات دیتا ہے۔ حضور نبی پاک ﷺ امی تھے تا کہ کسی بھی طرح کے علم کی آمیزش کے بغیر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا کلام (علم) لوگوں تک منتقل کریں۔ آپ ﷺ کی معراج کی طرز پر صوفی اپنے روحانی منازل طے کر کے خدا تک جانا چاہتا ہے۔

صوفیا کے ہاں حضور نبی پاک ﷺ انسان کامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور آخرت میں شفاعت فرمائیں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور پاک ﷺ کی آنکھ سوتی تھی اور قلب نہیں سوتا تھا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ نماز پڑھنے اور ہر لمحے ذکر کرنے کی تلقین کی اور آپ ﷺ نماز اور ذکر کا بدرجہ کمال اہتمام فرماتے تھے۔

5۔ نفس کی تہذیب

تصوف میں تربیت کا سارا عمل نفس کے گرد گھومتا ہے اور نفس کا تزکیہ درکار ہے۔ بہت سے صوفیائے کرامؒ نے سلوک کے اس راستے کی منازل کو بیان کرنے کی کوشش کی ہیں۔ مختلف صوفی علما نے تھوڑے بہت تغیر وتبدل کے ساتھ اس طرح کی سات منازل بیان کی ہیں:

(1) نفس امارہ

یہ شہوات کا مقام ہے۔ اس منزل میں جہالت، کنجوسی، تکبر، حسد، نفرت، غفلت، غیر ضروری مشغولیت، دوسرے لوگوں کو جسمانی اور نفسیاتی نقصان پہنچانا جیسی روحانی ونفسانی بیماریاں ہوتی ہیں۔ انسان کوشش کر کے ان سے نکل سکتا ہے۔ اس میں سالک عالم الشہادہ میں رہتا ہے۔ سالک شہوات کو دباتا ہے اور یہ شریعت کا مقام ہے۔ اس میں السیر الیٰ اللہ ہوتی ہے۔

(2) نفس لوامہ

خود کو برا بھلا کہنا، عالم شہادت اور حالت محبت کا مقام ہے۔ اس میں الزام، تخیل، خفیہ منافقت، شہرت و عہدے کی خواہش وغیرہ غالب ہوتی ہے۔ سالک ان کو کرتا بھی اور ان پر شرمندہ بھی ہوتا ہے۔ اس مقام سے نکلنے کے لیے مسلسل ذکر اور مجاہدہ چاہیے۔ یہ طریقت کا مقام ہے، اس میں السیر باللہ ہوتی ہے۔

(3) نفس ملہمہ

الہام والا نفس، اس مقام پر فائز شخص میں سخاوت، اطمینان، علم، عاجزی، صبر، شریعت، برداشت، دوسروں کو معاف کرنا اور ان کے عذر قبول کرنا، یہ دیکھنا کہ خدا پاک نے ہر مخلوق کو اس کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے۔ اس لیے وہ مخلوق میں سے کسی پر بھی تنقید نہیں کرتا۔ اس روح کو ملہم اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اخلاقی اور غیر اخلاقی صفات الہام کی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس لیے ایسے لوگ مجاہدہ کرتے ہیں، غفلت نہیں کرتے تا کہ ان کو اگلا مقام حاصل ہو۔ یہ عالم الارواح کا مقام ہے جس میں عشق کی حالت کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ مقام معرفت کا ہے۔ اس میں السیر علی اللہ ہوتی ہے۔

(4) نفس مطمئنہ

اس مقام پر انسانی نفس/ روح مطمئن ہو جاتی ہے۔ اس کو قرار آ جاتا ہے۔ اس مقام کی خصوصیات میں سے درج ذیل اہم ہیں: مزاج کی نرمی، توکل، شرافت، شکر، قسمت پر راضی رہنا، مشکلات میں صبر، ہر حالت میں ثابت قدمی اور اسوہ رسول ﷺ پر چلنے کی کوشش۔ انسان عالم الحقیقت میں رہتا ہے۔ سالک وصال کی حالت میں رہتا ہے۔ یہ حقیقت کا مقام ہے۔ ان احوال و صفات کے ساتھ سالک اگلے مقام پر ترقی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں السیر مع اللہ ہوتی ہے۔

(5) نفس راضیہ

اس مقام پر سالک اللہ پاک کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے۔ اس میں درج ذیل صفات پیدا ہو جاتی ہیں: خدا کے علاوہ سب کو چھوڑ دینا، اللہ پاک سے وفاداری، خدا خوفی، ہر حال میں رضا، خدا کے مشاہدوں میں مجذوبی۔ اس مقام پر سالک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم میں ڈوب جاتا ہے۔ اس کی دعائیں

رد نہیں ہوتیں۔اس مقام کا ذکر یا حیی ہے۔یہ فنا اور ولایت کا مقام ہے۔اس میں سیر فی اللہ ہوتی ہے۔

(6) نفس مرضیہ

اس مقام پر انسانی نفسیات بہت عمدہ ہوجاتی ہیں۔انسان اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب کو چھوڑ دیتا ہے۔ تمام مخلوقات پر مہربان ہوجاتا ہے۔لوگوں کو عبادات کی تلقین کرتا ہے۔دوسروں کے گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔انسانوں سے محبت کرتا ہے۔ ہر ایک سے رحم دلی سے پیش آتا ہے۔لوگوں کی فطرت کی سیاہی کو کم کرتا ہے۔ان کے باطن کے نور کو ابھارتا ہے۔اس مقام پر سالک، اللہ پاک اور انسان کی محبت کو ملا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مقام کو قبول کر لیتا ہے۔اس لیے مرضیہ کہلاتا ہے۔سالک کی روح عالم الغیب سے اللہ پاک کی اجازت سے واپس عالم الشہادہ میں آجاتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے لوگوں کے بھلے کے لیے کام کرے۔ یہ حیات کا حال ہے۔یہ شریعت کی روح کا مقام ہے اس میں السیر عن اللہ ہوتی ہے۔

(7) نفس کاملہ

اس مقام پر سالک میں وہ تمام خصوصیات پختہ ہوجاتی ہیں جو پہلے بیان کی گئی ہیں۔وہ مکمل انسان بن جاتا ہے۔اس مقام کا ذکر القہار ہے۔یہ قطب کا مقام ہے۔اس مقام سے وہ لوگوں میں نور، تحائف اور خوشخبریاں بانٹتا ہے اور ان کے منہ اللہ پاک کی طرف موڑ دیتا ہے۔اس میں السیر للہ ہوتی ہے۔اس میں بقا کا حال ہوتا ہے اور ذات اکمل ہوجاتی ہے۔

6۔ عالم امثال

اس ضمن میں بعض صوفیا نے کائنات کو تمثیلی طور پر کئی عالم میں تقسیم کیا ہے تاکہ کچھ چیزوں کی تفہیم آسان ہوجائے۔اس عرفانی علم میں عالم کی چار اقسام ہیں:

(1) عالم ناسوت

انسانیت کی دنیا اور طبعی اشیا کا عالم، جس کو ظاہری آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ مادی ظاہری دنیا جسے امام غزالیؒ نے عالم الملک والشہادۃ کہا ہے۔

(2) عالم ملکوت

حاکمیت کی دنیا، یہ ظاہر آنکھ سے نظر نہیں آتی، یہ روحانی اور فرشتوں کی دنیا ہے جس کو دلی بصارت اور روحانی صلاحیتوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔

(3) عالم جبروت

طاقت کی دنیا، یہ آسمانی دنیا ہے جس کو صرف اللہ پاک کی صفات کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس عالم میں اللہ پاک کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفات کا ظہور رہتا ہے۔

(4) عالم لاھوت

یہ الوہی عالم ہے جس کو ظاہر کی آنکھ سے بالکل نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ عالم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی صفات سے ہے۔

اصل میں تو یہ عالم ایک خیالی اور تصوراتی ہیں مگر بہت سے صوفیا اس پر بہت زور دیتے ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے بقول: (i) عالم ناسوت ایک فطری انسانی عالم ہے جس میں شریعت کے مطابق زندگی بسر کی جاتی ہے، (ii) عالم ملکوت فرشتوں کا عالم ہے جس میں جانے کے لیے طریقت (پاکیزگی) کا راستہ چاہیے، (iii) عالم جبروت اللہ تعالیٰ کی طاقت کا عالم ہے جس میں جانے کے لیے معرفت کی روشنی چاہیے، (iv) عالم الغیب: راز کے اس عالم میں سالک اپنی ذات فنا کر دیتا ہے اور اللہ پاک کی صفات میں اپنے آپ کو ڈھال لیتا ہے اور یہ مقام حقیقت ہے۔

7۔ فنا اور بقا

جب روح خدا کے علاوہ سب سے آہستہ آہستہ الگ ہو جاتی ہے تو پھر خدا ہی رہ جاتا ہے۔ روح کا خدا سے وصال ہو جاتا ہے۔ نروان میں صرف اپنی ذات کا خاتمہ ہے، جسے فنا کہتے ہیں مگر مسلم تصوف میں فنا کے بعد بقا ہے، جس میں صوفی خدا میں رہتا ہے اور وہ اللہ کی صفات میں رنگ جاتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ وصال کا سب سے بہتر اعلان حسین منصور حلاج کے اس قول میں ہے: 'انا الحق' (میں حق ہوں) حلاج کے بقول انسان بنیادی طور پر الوہی ہے۔ اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی شبیہ پر بنایا ہے۔ اللہ پاک نے یہ شبیہ اپنی ذات کے اظہار کے طور پر بنائی۔ انسان اللہ پاک کا آئینہ ہے، اس لیے اللہ پاک نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں۔ حلاج کے بقول انسان ناسوت ہے اور وہ لاھوت (خدا) سے مل جاتا ہے۔ بعض نے اسے 'حلول' بھی کہا ہے۔ حلاج کے بقول میری ذات خدا میں اس طرح مل جاتی ہے کہ جیسا کہ چینی پانی میں مل جاتی ہے۔

حلاجؒ کے حامی صوفیا نے اس کے کئی توجیہات کی ہیں: (i) حلاج نے غلطی نہیں کی، اس کی غلطی اصل میں یہ ہے کہ اس نے حقیقت کا اہم راز ہر عام و خاص کے سامنے بیان کر دیا جو صرف خواص سمجھ سکتے تھے، (ii) یہ حلاج کی شطح ہے جو اس نے وجد میں کہی ہے، اگرچہ وہ خدا کی ایک صفت سے ملا تھا مگر اس کو محسوس ہوا کہ وہ خدا کے وجود (جوہر) سے مل گیا ہے، (iii) حلاج کے بقول خدا اور اس کی مخلوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب مخلوقات اللہ کی ذات سے آتی ہیں اور وہ ذات میں فنا ہو جاتی ہیں، (iv) یہ منصور نے نہیں کہا، بلکہ خدا اس کی زبان سے بول رہا تھا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اللہ پاک بول رہا تھا۔

بعض نے کہا ہے کہ اس طریقے کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کے خلاف ہے۔ اس لیے صوفیا نے کہا کہ یہ حلول نہیں تھا بلکہ اللہ کی ذات میں فنا اور پھر بقا کا تصور تھا۔ انسان الگ ہے اور خدا الگ ہے مگر انسان اللہ پاک کی صفت تخلیق کا مظہر ہے اور وہ خدا کا مکان ہے جس میں وہ ہے۔ انسان خدا کا سر (راز) ہے۔ انسان ایک حقیقت ہے یا ایک اعلیٰ حقیقت کا اظہار ہے مگر وہ مطلق حقیقت نہیں ہے۔ اس لیے اس کو 'انا الحق' کہنے کا حق نہیں ہے۔

8۔ پیری و مریدی

صوفیا کو علم تھا کہ سالک کو اس روحانی اور نفسی سفر میں بہت سے مقامات اور احوال سے گزرنا پڑتا ہے جن میں سالک کو غلط خیالات، خود فریبی وغیرہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ زور دیتے ہیں کہ یہ سفر کسی باقاعدہ تربیت یافتہ شیخ (روحانی معالج) کی سرپرستی میں ہی کرنا چاہیے اور سالک شیخ کے ہاتھ میں ایسا ہو جیسا کہ زندہ کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے۔ اس لیے شیخ ایک واسطہ کا کام کرتا ہے اور مرید کو حقیقت اور معرفت تک لے جاتا ہے۔

تصوف کے سلسلوں کی بنیاد مرشد اور مرید کے تعلق پر ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان میں حقیقت کے عرفان اور اللہ سے ملنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔جس کے لیے ایسے مرشد (استاد) کی ضرورت ہے جو اس کی ان صلاحیتیوں کو جگا دے اور جلا بخش دے اور یہ کام وہ شخص کر سکتا ہے جس نے خود یہ مقامات طے کر رکھے ہوں۔

مرشد اپنے مرید کی روحانی کیفیات و مقامات کا اندازہ لگاتا رہتا ہے۔مرید کے خواب سنتا رہتا ہے۔اس کو خاص اذکار بتاتا رہتا ہے۔بعض لوگوں کو حضرت خضر علیہ السلام سے رابطہ ہوتا ہے۔بعض لوگوں کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہیں۔بعض کے نزدیک حضرت الیاس علیہ السلام کا مقام ولیوں کے لیے اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا انبیاء علیہم السلام کے لیے ہے۔وہ سالکین پر ولایت کا نور دیتا ہے۔بعض عظیم صوفیا کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے براہ راست تعلیم پائی ہے۔حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ اور حضرت عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت خضر علیہ السلام نے ورد اور برکت دی اور تربیت کی۔بعض صوفیا اور علما حضرت خضر علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں یا اس کو محض علامتی سمجھتے ہیں۔

9۔ تصوف کا مقصود

تصوف اسلامی روایت کے اندر ایک خاص روحانی الٰہیاتی اور ادبی تحریک ہے۔تصوف کا مقصد اللہ پاک کی حضوری حاصل کرنا ہے۔اس کی شکلیں اور راستے مختلف صوفیوں کے لیے مختلف رہے ہیں۔بعض عرفان پر زور دیتے ہیں، بعض محبت پر، بعض زہد پر زور دیتے ہیں اور بعض وجد پر۔

تصوف اصل میں مذہب کے اجتماعی اظہار کے برعکس ذاتی مذہب کا اظہار ہے جس میں ایک انسان مراقبہ کی زندگی اختیار کر کے حقیقت سے رابطہ کر سکتا ہے اور اس مذہب سے بچ سکتا ہے جس میں خدا کا تعلق انسان سے آقا اور غلام کا سا ہے اور جس میں شریعت کے ظاہری احکام کی اطاعت پر اصرار کیا جاتا ہے۔

ابتدائی صوفیا کو علم تھا کہ زہد اپنی ذات میں مقصد نہیں ہے بلکہ اس سے اعلیٰ روحانی زندگی کی تیاری ہوتی ہے۔ابتدائی دور کے کچھ صوفیا کے قول نقل کیے جاتے ہیں تا کہ اندازہ ہو سکتے کہ وہ کیا سوچتے تھے اور کیا چاہتے تھے: (i) محبت انسانوں سے نہیں سیکھی جاتی بلکہ یہ اللہ پاک کا تحفہ ہے اور اس کے فضل سے آتی ہے، (ii) دینا کی خواہشات سے صرف وہی شخص بچ سکتا ہے جس کے دل میں ایسا نور ہو جو اس کو

آخرت دکھاتا رہتا ہے، (iii) جب عارف کی روحانی آنکھ کھلتی ہے تو اس کی جسمانی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا، (iv) جب دل کسی چیز کے کھونے پر روتا ہے تو روح خوش ہوتی ہے کہ اس کو کچھ مل گیا ہے، (v) اگر حق کسی شکل میں آجائے تو اس کے دیکھنے والے اس کے حسن کامل کے نظارے سے مر جائیں گے اور ہر روشنی تاریک ہو جائے گی اور صرف اور صرف اس کی شان باقی رہ جائے گی، (vi) اللہ پاک ازلی ابدی ہے جو بھی اس کو دیکھ لے گا وہ ابدی ہو جائے گا، (vii) اے خدا! میں جانوروں کی آوازوں، درختوں کے ہلنے، پانی کے شور، پرندوں کے چہچہانے، ہوا کی سرسراہٹ اور بادلوں کی گھن گرج میں صرف اور صرف تمہیں ہی دیکھتا ہوں، (viii) اے خدا! میں عوام الناس کے درمیان تمہیں آقا کی حیثیت سے پکارتا ہوں، جب کہ تنہائی میں محبوب کی حیثیت سے بلاتا ہوں۔

اگر ہم غور کریں تو حقیقی تصوف کے مقاصد یہ ہیں: (i) حقیقی تصوف ہمیں اپنے خالق سے محبت اور اس کی اطاعت سکھاتا ہے، (ii) ہم خدا کی اس طرح عبادت کریں جیسے ہم اسے دیکھ رہے ہیں یا کم از کم ہم یہ سمجھیں کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، (iii) تصوف یہ سکھاتا ہے کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کو اہمیت دیں، (iv) تصوف یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم اس اندھیرے کے پردوں کے پار دیکھیں، جو ہمارے نظامِ اخلاق کی شکل بگاڑتا ہے اور روحانی تربیت ہمیں چیزوں کو ان کے حقیقی روپ میں دیکھنے کے قابل بنا سکتی ہے، (v) ہم اس دنیا کے 'لیے' ہو سکتے ہیں لیکن اس دنیا کے نہیں، (vi) تصوف نظر کی پاکیزگی کا سبق دیتا ہے تا کہ ہم پاکیزگی روح کی ضمانت حاصل کر سکیں، (vii) تصوف دل میں محبت شفقت اور عدل جاگزیں کرتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ چالاکیوں، استحصال بددیانتی اور بے راہ روی سے کیسے محفوظ رہا جائے، (viii) تصوف ادب و احترام، خدمت اور سب سے یکساں سلوک سکھاتا ہے، (ix) تصوف انسانوں اور ماحول (جانوروں، پھولوں، پھلوں اور درختوں) سے محبت کا درس دیتا ہے، (x) یہ ہمیں اپنے تکبر، حرص، بے صبری، غصے اور خودنمائی کو کنٹرول کرنے میں مدد دیتا ہے، (xi) ہم اپنے ذہنوں کو غرور، حرص اور نمود و نمائش اور ماضی و مستقبل کے تفکرات سے آزاد کر سکتے ہیں، (xii) ہم دکھ درد میں صابر بننا سیکھ سکتے ہیں جیسا کہ اللہ ہمیں درد اور مسرت، خوشیوں اور غموں کے ذریعے صبر و ضبط کا درس دیتا ہے۔

22۔ تصوف میں غیر اسلامی نظریات

تصوف بطور علمی نظریے کے ایک وسیع جہان کا حامل شعبہ ہے جس پر قدیم وجدید میں بہت لکھا گیا ہے اور اب تک لکھا جا رہا ہے۔ اس میں مسلم روایت سے ہٹ کر بھی ایک بہت بڑا علم ہے جس کے اپنے خدوخال ہیں، تاہم سب میں ایک مشترک وصف یہی ہے کہ اس میں غیر مادی نفسی پہلوؤں کی تطہیر، ترقی اور انہیں کمال تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

صوفیا کے نزدیک تصوف کو قرآن کریم کی اصطلاح میں تزکیہ نفس اور حدیث مبارکہ کی اصطلاح میں احسان کا نام دیا گیا ہے۔ تصوف کا عمومی اور ابتدائی مفہوم تزکیہ نفس کے معنی میں استعمال ہوتا رہا ہے لیکن بعد میں جب ارتقائی شکل اختیار کرتے ہوئے تصوف ایک مستقل روایت بن گیا تو اس کی ایک اور حیثیت بھی سامنے آئی جس میں قلبی واردات، مقامات اور احوال وغیرہ جیسے تصورات شامل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۞ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۔ (سورۃ الشمس، آیات: 9-10)

(یقیناً فلاح پا گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ بنایا۔ اور ناکام ہوا وہ شخص جس نے اس کو آلودہ کر لیا)

اسی طرح حدیث جبریل علیہ السلام میں احسان کی جو تعریف بیان فرمائی گئی ہے اس میں قلبی خشوع کو اہمیت دی گئی ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

(صحیح بخاری، ج: 1، رقم الحدیث: 49)

اسلامی تصوف کتاب وسنت کے اصولوں کا پابند ہے، اس لیے اس کا اپنا ایک ڈھانچہ ہے جس کی رعایت رکھنا لازم ہوتا ہے۔ مسلم روایت میں تصوف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو الگ سے وجود میں آئی ہو بلکہ اس کا مختلف دینی شعبوں کے ساتھ ایک گہرا تعلق بھی ہے۔ اسی لیے اہل علم، تصوف کو شریعت ہی کا

وجدانی پہلو قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تصوف علمی اور عملی روحانیت کی ایک ایسی صورت کا نام ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی محبت، قرب، اخلاص اور دل کا تزکیہ ہوتا ہے۔

'تصوف تو درحقیقت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت بلکہ عشق کا نام ہے۔ عشق کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کے احکام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے بال برابر بھی انحراف نہ کیا جائے۔ تصوف دراصل رجوع الی اللہ اور معرفت خداوندی کا ایک ذریعہ ہے۔ حکم ربانی کے تحت تزکیہ نفس اور مادی، سفلی، شہوانی اور دنیوی خواہشات سے منہ موڑ کر، صفائے قلب اور روح کی پاکیزگی کے لیے کوشش کا نام ہے'۔

صوفیا کا مرکزی طبقہ ہر دور میں اعتدال کا حامی رہا ہے اور اس شعبے میں در آنے والے افراط وتفریط پر مشتمل افکار کی حوصلہ شکنی کرتا رہا ہے۔ تصوف اپنی اقدار کتاب وسنت، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل اور متقدمین صوفیا کے نظریات سے کشید کرتا ہے۔ صوفیا کا مرکزی حلقہ جس تصوف کی آبیاری کرتا ہے، وہ عملی، اخلاقی اور تربیتی ہے۔ اس میں ذکر، مجاہدہ اور توکل جیسے خصائص نمایاں ہوتے ہیں اور محض فلسفیانہ قسم کے تجریدی نظریات سے دوری اختیار کی جاتی ہے۔ اس میں عبادات کے اندر بھی افراط وتفریط سے منع کیا جاتا ہے۔ اس میں عبادات، معاملات، قضا اور سیاست شرعیہ سے متعلقہ احکامات کی حلت وحرمت کے حوالے سے کشف وکرامات کے کردار کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ صوفیا کے اقوال میں تاکید کی گئی ہے کہ تصوف میں کتاب وسنت کی روح سے انحراف غلط سمجھا جائے گا۔ ان میں سے چند اقوال یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

(1) شیخ ذوالنون مصریؒ (متوفی 245 ہجری/ 859ء) کا قول ہے: لوگوں میں فساد سات چیزوں کی وجہ سے داخل ہوا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ترک کر دیا۔

(2) حضرت شیخ سہل تستریؒ (متوفی 283 ہجری/ 896ء) فرماتے ہیں: ہمارے اصول سات چیزوں میں منحصر ہیں، ان میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

(3) حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 298 ہجری/ 910ء) فرماتے ہیں: جس شخص کو قرآن کریم یاد نہ ہو اور حدیث کو نہ لکھتا ہو، تصوف میں اس کی اتباع نہیں کی جائے گی کیونکہ ہمارا یہ علم قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مقید ہے۔

(4) حضرت وراق نیشاپوریؒ (متوفی 319 ہجری/ 931ء) فرماتے ہیں: آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات تک، شریعت میں اس کے رسول کی اتباع کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔

(5) حضرت ابن العلوی حدادؒ (متوفی 1132 ہجری/ 1720ء) کے ایک قصیدے کا مفہوم ہے: اہل تصوف کے طریقے میں شریعت کے خلاف کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ لہٰذا سنو اور خاموش رہو۔ ان لوگوں کی باتوں کو چھوڑ دو جو بھٹک رہے ہیں۔ ہمیشہ کتاب وسنت کے ساتھ رہو۔ جو شخص قرآن وسنت کے علم سے انحراف کرے، اسے دنیا میں ذلت ورسوائی کی بشارت دو۔ (سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر، 3/ 92)

تصوف کی روح شریعت کی روح سے متصادم نہیں ہے۔ تصوف فرد کے اندر یہ داعیہ پیدا کرتا ہے کہ وہ شریعت کے احکام کے جوہر اور ان کی حلاوت کو قلب میں محسوس کرے۔ یہ ایمان کو ایقان کی حدود تک لے جاتا ہے اور اعمال کی ادائیگی میں لطف ولذت پیدا کر دیتا ہے۔

البتہ یہ بھی درست ہے کہ مسلم تاریخ میں بعض مواقع پر تصوف کا خالص فلسفیانہ نقطہ نظر غالب آنے لگا اور شریعت کی روح سے ہم آہنگی کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔ ایسے میں ایک گونہ انحراف بھی دیکھنے کو ملا جس پر سخت گرفت کی گئی اور اہل علم اور معتدل صوفیا نے اصلاح کرنے کی کوششیں کیں۔

تصوف میں در آنے والا غیر اسلامی عنصر محض علمی ونظری ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اعمال واشغال کا ایک حصہ بھی ایسا شامل ہوا ہے جس کا اسلام کے تربیتی وروحانی ڈھانچے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض پہلوؤں سے تصوف اپنے موجودہ اداروں میں اور اپنے مظاہر میں ایک ایسی خطرناک روایت بن چکا ہے کہ جس کا دفاع کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ تصوف میں یونانی، فارسی اور ہندی فلسفوں کی ملاوٹ نے مسائل پیدا کیے۔

اس کے علاوہ ایک اور سبب یہ بھی ہوا کہ ہر دور میں تصوف کے شعبے میں ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے جو حقیقت میں دل سے صوفی نہیں تھے۔ وہ محض پیشہ ور متصوفین تھے جنہوں نے دین میں تحریف کرنے، مسلمانوں کو گمراہ کر کے معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے اور آزادی وبے قیدی کی تبلیغ کرنے کے لیے تصوف کو آلہ کار بنایا۔

اسی طرح کچھ لوگوں نے تصوف کے اہداف کے حصول کو منزل بنایا مگر اس کے ذرائع، طرق اور وسائل کے اختیار کرنے میں بے احتیاطی سے کام لیا حالانکہ تصوف کے طرق و اعمال و اشغال میں بھی ضروری ہے کہ شریعت کا لحاظ کیا جائے۔' ولی اللہ کو پہچاننے کے لیے اتباع سنت کسوٹی ہے۔ جو سنت کا اتباع کرنے والا ہے وہ اللہ پاک کا دوست ہے۔ اگر دین میں نئی باتیں بتاتا ہے تو محض بیہودہ ہے۔ خلاف عادات امور تو دجال سے بھی ظاہر ہوں گے'۔ (تصوف کیا ہے؟ مجموعہ مقالات، ص:28)

تصوف میں جن نظریات کے اثرات مرتب ہوئے، ذیل میں ان کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اگرچہ اس بارے میں علما کا اختلاف ہے:

1۔ باطنیت

تصوف کے اندر غیر اسلامی نظریات کی آمیزش کی ابتدا دوسری صدی ہجری کے آخر اور تیسری صدی ہجری کے شروع میں ہی ہو گئی تھی۔ اس میں سب سے بنیادی کردار کچھ مسلمان فرقوں کا تھا۔ اس ضمن میں باطنیہ کا نام بہت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ اسی لیے صوفیا مصلحین کی کتب میں بھی کثرت سے باطنیہ کے افکار سے بچنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

شیعہ اسماعیلیہ کا حلقہ باطنیہ وہ گروہ ہے جس نے مسلم روایت میں غیر اسلامی تصوف کی بنیاد رکھی۔ حضرت امام جعفر صادقؒ نے 148 ہجری میں وفات پائی۔ آپؒ کی وفات کے بعد دو گروہ پیدا ہو گئے: جس نے ان کے چھوٹے بیٹے امام موسی کاظمؒ (متوفی 183 ہجری/ 799ء) کو جانشین تسلیم کر لیا وہ آگے چل کر امامیہ اثنا عشریہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ جنھوں نے امام اسماعیلؒ (متوفی 138 ہجری/ 755ء) کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ فرقہ اگرچہ شیعیت ہی کی ایک شاخ ہے مگر یہ تحریک بعد میں اپنے اعتقادات اور اعمال کے لحاظ سے عمومی شیعیت سے بھی دور ہو گئی۔ یہی فرقہ دنیائے اسلام میں غیر اسلامی غالی تصوف کا بانی بنا۔

(اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، ص:22-23)

باطنیہ کی سیاسی تنظیم اور مذہبی عقائد کی تدوین کا سہرا عبداللہ بن میمون القداح کے سر ہے۔ یہ شخص

ایران کے شہر اہواز کا باشندہ تھا۔اس نے پہلے بصرے میں قیام کیا۔ پھر شام کو اپنا مرکز بنایا اور یہاں سے تمام دنیائے اسلام میں اپنے دعوت دینے والوں کو اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کے لیے روانہ کیا۔اس نے 261 ہجری/ 875 عیسوی میں وفات پائی۔ جناب القداح نے اپنی تحریک کو اسماعیلی فرقے کے ساتویں امام اسماعیل سے منسوب کیا۔اس لیے اس تحریک کا نام اسماعیلی تحریک ہوا۔اس کے خیال میں ہر اسلامی حکم کا ایک ظاہری مطلب اور ایک باطنی مطلب ہے اور باطنی تعبیر زیادہ بہتر ہے۔اس لیے یہ باطنی کہلائے۔

جناب عبداللہ بن میمون القداح کے بعد جناب حمدان قرمط وہ شخص تھا جو القداح کا بڑا حامی تھا۔ اس کا نام حمدان بن اشعث تھا۔ یہ دراصل عراقی کاشت کار تھا چونکہ اس کی ٹانگیں بہت چھوٹی تھیں اس لیے اسے قرمط کہتے تھے۔بعض نے کہا کہ اس کا مطلب 'خفیہ قائد' ہے۔اس نے اسماعیلی مذہب کو باطنی تحریک میں تبدیل کر دیا۔اسی لیے اسماعیلی باطنی فرقہ اس کے نام سے موسوم ہو گیا یعنی قرامطہ۔قرامطہ نے ابوسعید جنابی کی سربراہی میں بحرین میں اپنی آزاد ریاست بنالی اور پھر ملتان میں آزاد ریاست قائم کر لی گئی۔ جناب ابوسعید کے بیٹے ابوطاہر جنابی نے 317 ہجری/ 930ء میں مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے کعبے کا دروازہ اور حجر اسود کو بیت اللہ سے چرالیا اور پھر 340 ہجری میں کوفہ کی مسجد میں پھینک دیا۔

جس زمانے میں قرامطہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں مسلمانوں میں تصوف کا آغاز ہو چکا تھا اور مختلف سلسلے قائم ہو چکے تھے۔قرامطہ نے صوفیوں کے حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے خود کو صوفی ظاہر کیا۔تصوف کے لباس میں صوفیوں کو متأثر کرنا شروع کیا اور اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش کر کے ایران میں اس غیر اسلامی تصوف کی بنیاد رکھ دی جو رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں میں شائع ہو گیا اور اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گیا کہ اسلامی اور غیر اسلامی تصوف میں امتیاز کرنا عوام کے لیے ناممکن ہو گیا۔قرامطہ نے جو غیر اسلامی عقائد تصوف کے لبادے میں ایرانیوں کے سامنے پیش کیے مثلاً حلول، اتحاد، تجسیم، تناسخ وغیرہ، وہ سب ایسے تھے جو قبل اسلام ایران کے مختلف طبقوں میں مروج تھے۔اس لیے ان لوگوں نے ان عقائد کو بخوشی قبول کر لیا۔

(اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، ص:28-29)

کہا جاتا ہے کہ قرامطہ نے امہات تصوف کی کتب میں بھی تحریف کی۔ان میں اپنی طرف سے

ترامیم اضافے کردیے اور جن سے کئی غلط عقائد ونظریات شیوخ تصوف کی طرف منسوب ہو گئے۔اس کے علاوہ کئی اشعار اور رباعیات بھی اپنی طرف سے گھڑ کر صوفیا سے منسوب کردیے۔

عمومی شیعہ (جو امامی اثنا عشری) کہلاتے ہیں، نے باطنیوں کے ان عقائد سے اختلاف کیا اور عظیم شیعہ علما نے ان کی اصلاح کی بہت کوششیں کیں جو بعض اوقات سیاسی طاقت کے استعمال کی شکل میں بھی ظاہر ہوئیں۔سنی علما، جن میں امام غزالیؒ بھی شامل ہیں، نے اس پر بہت کتب لکھیں، جس کی وجہ سے اسماعیلیہ کے نظریات میں بھی نرمی آئی۔

باطنیہ وہ فرقہ ہے جس کے اثرات مسلم تصوف کی روایت پر سب سے زیادہ محسوس کیے گئے ہیں۔اس لیے اہل علم ہمیشہ یہ بتاتے آئے ہیں کہ تصوف کے اندر ان عقائد ونظریات کو اختیار کرنے یا ان سے ملتے جلتے افکار کو قبول کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔جو عقائد باطنی فلسفے میں مشترک ہیں، وہ حسب ذیل چار عقائد ہیں: (i) تشبیہ: خدا کا انسانی شکل میں ظہور، (ii) بدا: مشیت ایزدی میں تبدیلی، (iii) رجعت: امام کی واپسی، (iv) تناسخ: ایک امام کی روح کا دوسرے یعنی جانشین کی شخصیت میں حلول کر جانا۔(اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، 23-24)

مذکورہ بالا باطنی عناصر کے علاوہ، صوفی بکتاشی فرقہ بھی اہمیت کا حامل رہا ہے۔اس سلسلے کا بانی حاجی بکتاش ولی (متوفی 738ہجری/ 1337ء) تھا جو 680ہجری/ 1281ء میں خراسان (اسماعیلی دعاۃ کے مرکز) سے اناطولیہ آیا تھا۔ترکوں میں اس سلسلے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے: (i) اللہ تعالیٰ حقیقت واحدہ ہے، (ii) محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ دونوں اللہ کے مظاہر خاص ہیں، (iii) اللہ، محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ تینوں میں لزوم کا تعلق ہے، (iv) محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ حقیقت میں ایک ہیں یا ایک شخص کے دو نام ہیں۔

2۔ مسیحیت

مسیحیت میں رہبانیت کی روایت کو روحانی امور میں اہم سمجھا جاتا ہے۔مسیحیت میں رہبانیت کے ظہور کا سبب یہ بنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دین مسیحی اور مسیحی تعلیمات کو خطرات لاحق ہو گئے تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو قتل کرنے کی کوششیں کی جارہی تھیں۔تب بچے کھچے افراد نے

دینی تعلیمات کو محفوظ کرنے کے لیے رہبانیت اختیار کر لی اور لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر عبادات میں مصروف ہو گئے لیکن رفتہ رفتہ یہ ایک روایت بن گئی جس پر دین مسیحیت کے پیروکار چلنے لگے۔

اسلامی تصوف اور مسیحی تصوف میں جو ظاہری مشابہت ہے، اسے دیکھتے ہوئے بعض مغربی اہل علم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلامی تصوف بذات خود کوئی مستقل اور انفرادی اسلامی نظریہ نہیں ہے بلکہ اس کی اصل کا تعلق مختلف نظریات سے ہے جن میں سے ایک مسیحی تصوف ہے، مثلاً مشہور مستشرق تھیوڈر نولڈیکی[۱] اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے کہ کلمہ 'صوفی' صوف سے مشتق ہے اور دراصل ان زاہد مسلمانوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جنہوں نے عیسائی راہبوں کی تقلید میں زہد اور ترک دنیا کے طور پر موٹے پشمینے کا لباس پہنا[۲]۔ مستشرقین کا خیال ہے کہ اسلام میں حجرہ بنانے اور اس میں بیٹھ کر ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کا رواج بھی اسی عیسائی طریقہ تصوف سے ہوا ہے۔ (تاریخ تصوف اسلام، ص:92)

نولڈیکی کے خیال میں مسلمان صوفیا نے ذکر کے جو طریقے ایجاد کیے اور عمل میں لائے ہیں وہ بھی نصرانیت ہی سے لیے گئے ہیں۔ پروفیسر نکلسن[۳] کہتے ہیں کہ ذکر اور توکل کے نظریات قرآن مجید اور احادیث کی تعلیمات پر مبنی ہیں لیکن اس امر میں شبہ نہیں کہ تصوف اس سلسلہ میں مسحیت کا بہت حد تک رہین منت ہے[۴]۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تصوف کی اصل کے متعلق نہ تو یورپین مستشرقین کے نظریات تمام صحیح ہیں اور نہ ہی اسلامی تصوف عیسائی تصوف کا نتیجہ ہے، البتہ اس قدر کہنا صحیح ہے کہ مسیحی روایت سے اسلامی تصوف کسی نہ کسی حد تک متاثر بھی ہوا ہے، جس کا اقرار مسلمان علما نے بھی کیا۔

تصوف پر مسیحیت کا اثر بطور مذہب نہیں رہا بلکہ رہبانیت کے خصائص واطوار کے لحاظ سے نظر آتا ہے جو زیادہ تر اعمال وافعال کے زمرے میں آتا ہے، جب کہ نظری لحاظ سے ایک چیز البتہ ایسی ہے

۱۔Theodor Noldeke- AD 1930

۲۔Mystics of Islam, p.2

۳۔R.A Nicholson- AD 1945

۴۔The Idea of Personality in Sufism, p. 8

جس کے اثرات تصوف میں بھی ملتے ہیں اور وہ حلول وغیرہ کا نظریہ ہے۔ مثال کے طور پر شیخ ابن عربیؒ (متوفی 638ہجری/ 1240ء) کی نثر و نظم میں تثلیث کی اصطلاح کئی جگہ استعمال ہوئی ہے۔ جیسے آپؒ کا ایک فقرہ ہے: میرے محبوب کے تین مظاہر ہو گئے، جب کہ وہ حقیقت میں ایک تھا۔

صوفیا میں سے بعض طبقات نے رہبانیت، خلوت اور اپنے حلیے کے لحاظ سے کئی ایسے ظاہری اطوار اپنا لیے تھے جو مسیحی رہبانیت سے آئے تھے۔ دراصل دوسری صدی ہجری کے نصف کے بعد کچھ صوفیا مسیحی خانقاہوں اور ان کی عبادت گاہوں میں جاتے تھے اور وہاں لوگوں سے بات چیت بھی کرتے تھے۔ اس لیے اس ربط نے ان پر بھی اثرات مرتب کیے۔ اسی طرح صوفیا کے ہاں لاہوت و ناسوت کی اصطلاحات بھی ملتی ہیں جو اصل میں مسیحیت سے آئی ہیں۔ حضرت مالک بن دینارؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ صوفیا میں پہلے شخص تھے جو مسیحی رہبانیت اور اس کی تعلیمات کو جاننے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ مسیحیوں کے گرجا گھروں اور ان کی عبادت گاہوں میں جاتے تھے۔ ان کا قول ہے: 'میں کتابوں سے شغف رکھتا تھا۔ پس میں ایک مسیحی عبادت خانے میں داخل ہوا۔ انہوں نے اپنی کتب میں سے ایک کتاب نکالی۔ میں نے اس میں دیکھا تو یہ لکھا تھا: اے ابن آدم! تم ایسا علم کیوں تلاش کرتے ہو جس کا ادراک نہیں کر سکتے، جب کہ تم جس چیز کا علم رکھتے ہو اس پر عمل نہیں کرتے'۔

(الممتع فی اخبار العلم والعلماء، ص:83)

حضرت مالک بن دینارؒ (متوفی 130 ہجری/ 748ء) اپنے مواعظ میں تربیت نفس کے حوالے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال بھی ذکر کرتے تھے۔ مثال کے طور پر آپؒ کا یہ قول ذکر کیا جاتا ہے جس سے ملتا جلتا قول انجیل میں موجود ہے: 'اے لوگو! جب کسی کتے کی طرف سونا یا چاندی پھینکا جائے وہ نہیں پہچان پائے گا اور جب اس کی طرف ہڈی پھینکی جائے تو وہ اس پر ٹوٹ پڑے گا۔ اسی طرح تمہارے احمق و بیوقوف حق کو نہیں پہچانتے'۔ (حلیۃ الاولیا) انجیل میں اس سے ملتا جلتا قول یوں ہے: کتوں کو کچھ ایسا مت دو جو مقدس ہے اور اپنے قیمتی موتیوں کو خنزیروں کی طرف مت پھینکو کہ وہ انہیں اپنے پاؤں میں روند نہ دیں اور پھر تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں اور تمہیں چیر پھاڑ دیں۔ (انجیل متی، 7:6)

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ (متوفی 161 ہجری/ 778ء) کا مشہور قول ہے: میں نے معرفت ایک

راہب سے سیکھی جس کا نام سمعان تھا۔(اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین،10/ 214)

اسی طرح حضرت عبدالوحد بن زیدؒ (متوفی 177 ہجری/ 793ء) اور حضرت ذوالنون مصری (متوفی 245 ہجری/ 859ء) بھی مسیحی تعلیمات اور رہبانیت میں دلچسپی رکھتے تھے۔ حضرت ابن سماکؒ (متوفی 344 ہجری/ 955ء) کے خطبات میں اور شیخ محمد بن ابراہیم بغدادیؒ (متوفی 599 ہجری/ 1203ء) کے ہاں بھی بہ کثرت انجیل مقدس کے اقوال ملتے ہیں۔

اس طرح، خود صوفیائے کرامؒ سے اور بہت سے ایسے حوالے مل جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر کسی نہ کسی حد تک مسیحی رہبانیت، اس کے اطوار و تعلیمات کا ایک اثر رہا ہے۔ بعض نے توکل کے حوالے سے اس طرح مثالیں دی ہیں کہ جو انجیل مقدس میں موجود تھیں، جیسے پرندے فصل کاشت نہیں کرتے، نہ کاٹتے ہیں اور نہ ہی غلہ ذخیرہ کرتے ہیں لیکن آسمانی خدا پالتا ہے۔

4۔ فارسی عنصر

تصوف کے بعض نظریات سے متعلق یہ رائے موجود ہے کہ ان پر فارسی تہذیب اور فلسفے کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ایف اے ڈی تھلک[1] کا کہنا ہے کہ شمالی ایران میں اسلامی فتوحات کے بعد ایرانی فلسفہ بہت مشہور ہوا اور اس وقت تصوف کے بعض اکابرین کی اکثریت بھی شمالی ایران، خراسان میں سے آئی۔ لہٰذا یہ بعید نہیں تھا کہ فارسی فلسفے کے اثرات نہ پڑتے۔(مقدمۃ کتاب فی التصوف الاسلامی)

ہالینڈ کے مستشرق ڈوزی[2] لکھتے ہیں کہ تصوف مسلمانوں کی طرف فارس سے آیا ہے اور فارس میں اسلام ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) سے پہلے آیا تھا۔ ڈوزی کے نزدیک فارس میں ایک نظریہ عرصۂ دراز سے چلا آ رہا ہے: ہر چیز کا صدور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور عالم کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے اور موجود حقیقی صرف اللہ پاک کی ذات ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو اسلامی تصوف میں بھی ملتے ہیں۔

(مقدمہ کتاب فی التصوف الاسلامی، ص:26)

---

[1]۔ F.A.D Thuluk-AD 1862

[2]۔Dozy- AD 1883

میری رائے میں علامہ محمد اقبالؒ اسلامی تہذیب کے شارح ہیں۔ آپؒ کے یہ اشعار اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں:

تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتان عجم کے پجاری تمام!

حدیث دل کسی درویش بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بُوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؓ!

اسی طرح ایک عظیم صوفی شیخ احمد رفاعیؒ (متوفی 578 ہجری/ 1183ء) کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں:

شیخ احمد سید گردون جناب
کاسب نور از ضمیرش آفتاب

(شیخ احمد رفاعیؒ ایک بلند پایہ سید ہیں)
(سورج بھی ان کے ضمیر سے نور حاصل کرتا ہے)

با مریدے گفت اے جان پدر
از خیالات عجم باید حذر

(انہوں نے اپنے ایک مرید سے کہا: اے بیٹا)
(تجھے عجمی خیالات (غیر اسلامی نظریات) سے دور رہنا چاہیے)

زانکه فکرش گرچه از گردوں گذشت
از حد دین نبی بیروں گذشت

(اس لیے کہ عجمیوں کے خیالات آسمان سے بھی آگے چلے گئے ہیں)
(لیکن وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی حدود میں نہیں رہے)

اے برادر ایں نصیحت گوش کن
پند آں آقائے ملت گوش کن

(اے بھائی، تو اس نصیحت پر دھیان دے)
(ملت اسلامیہ کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت کو ہرگز نہ بھول)

قلب را زیں حرف حق گرداں قوی
با عرب در ساز تا مسلم شوی

(تو اپنے دل کو اس سچی بات سے مضبوط بنا)
(صحیح مسلمان ہونے کے لیے عرب (محمدؐ اور صحابہ) سے موافقت اختیار کر)

4۔ نوافلاطونیت

فلسفہ نو افلاطونیت قدیم یونانی فلسفی افلاطون کے خیال و افکار کی شرح وتفسیر میں تیسری صدی عیسوی میں ایک مستقل فکر کی صورت میں وجود میں آیا۔ اس مکتب کا حقیقی بانی افلاطینوس[1] ہے۔ اس کی تعلیمات 'انیڈز'[2] نامی کتاب میں ملتی ہیں۔ (تصوف اسلام، ص:272)

بعض مسلم اہل علم اور یورپین مستشرقین کی رائے ہے کہ تصوف کی اسلامی روایت نوافلاطنیت کے فلسفے سے بھی بہت متأثر ہوئی ہے۔ ان کے مطابق بالخصوص 'وحدت الوجود' کا نظریہ فلسفہ نو افلاطونیت سے لیا گیا ہے۔ اس نظریے کو اسلامی روایت میں 'ہمہ اوست' بھی کہا جاتا ہے۔ فلسفی تصوف پر نوافلاطونیت کے اثرات پر شیخ ابن تیمیہؒ نے بھی کئی جگہ اظہار خیال کیا ہے۔ (الرد علی المنطقیین، ص:521)

۱۔ Plotinus- AD 270

۲۔ Enneads

الکندی پہلے شخص ہیں جو مسلمانوں میں فلسفی کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ افلاطون کے پیرو اور ان کے فلسفہ کے شارح تھے۔ ان کے بعد مسلمانوں میں فلسفہ افلاطون کے بہت سے مفسرین پیدا ہوئے جن میں الفارابی، ابن مسکویہ اور ابن سینا کے نام معروف ہیں۔ مسلم صوفیا میں سے شیخ ابن عربیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ 'وحدت الوجود' کو نہایت وضاحت کے ساتھ اسلامی تصوف کے رنگ میں پیش کیا۔ وحدت الوجود کے نظریے کو اگرچہ صوفیا کی ایک بہت بڑی تعداد نے تسلیم نہیں کیا لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے اثرات بہرحال علمی اور فکری حوالوں سے تصوف کی پوری روایت میں نظر آتے ہیں۔

یونانی فلسفے یا نو افلاطونیت کے اسلامی تصوف پر اثرات کی طرف علامہ محمد اقبالؒ نے بھی اشارات دیے ہیں۔ ایک جگہ مسلم صوفیا میں افلاطونی افکار کے غلبے پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بر تخیلهای ما فرمان رواست
جام او خواب آور و گیتی رباست

(افلاطون ہمارے افکار پر حکمران ہے)
(اس کا جام خواب آور ہے اور نفی دنیا کی دعوت دیتا ہے)

گوسفندی در لباس آدم است
حکم او بر جان صوفی محکم است

(وہ انسان کے لباس میں ایک بھیڑ ہے)
(مگر اس کا حکم صوفی کے تخیّل پر مسلط ہے)

عقل خود را بر سر گردون رساند
عالم اسباب را افسانه خواند

(اس نے اپنی عقل کو آسمان تک پہنچایا)
(اور عالم اسباب کو محض افسانہ بتایا)

آہوش بے بهره از لطف خرام
لذت رفتار بر کبکش حرام

(افلاطون کا آہو خرام کے لطف سے بے بہرہ ہے)
(اس کا چکور لذت رفتار سے محروم ہے)

راہب ما چارہ غیر از رم نداشت
طاقت غوغای این عالم نداشت

(ہمارے راہب کے لیے فرار کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا)
(وہ اس دنیا کے ہنگامے کی طاقت نہ رکھتا تھا)

تصوف کی تاریخ اور اس کے اصولوں پر بحث کرنے والے تقریباً تمام مسلم اور غیر مسلم محققین اہل علم یہ بات کرتے ہیں کہ تصوف پر نو افلاطونیت کے اثرات واضح ہیں۔ فلسفی تصوف کے بہت سے افکار کا مصدر نو افلاطونیت ہے۔ خصوصاً وحدت الوجود اور اتحاد امتزاج کے نظریات کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ اسی مکتب فکر سے لیے گئے ہیں۔ وحدت الوجود اور اتحاد امتزاج کے نظریے پر حضرت بایزید بسطامیؒ سے لے کر حضرت سہل تستریؒ، حضرت حکیم ترمذیؒ، ابن عطا اسکندریؒ، ابن سبعینؒ، ابن الفارضؒ، منصور حلاجؒ، لسان الدین ابن الخطیبؒ، شیخ ابن عربیؒ، مولانا رومیؒ، مولانا جامیؒ اور شہاب الدین عمر سہروردیؒ تک جتنے صوفیا نے بھی کلام یا دعوے کیے ہیں، وہ اس ضمن میں نو افلاطونیت سے متأثر تھے۔

فلسفی تصوف میں بہت سی اصطلاحات ایسی ہیں جو نو افلاطونیت سے ماخوذ ہیں، جیسے عقل اول، عقل کلی اور علت و معلول وغیرہ۔ (مدخل الی التصوف الاسلامی، ص: 33-34) صوفیا میں سے کئی ایسے ہیں جنہوں نے اپنی کتب میں نو افلاطونیت یا یونانی فلسفے کی توصیف کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس فکر سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ اس سے متأثر بھی تھے۔ مثال کے طور پر عبدالکریم الجیلی ایک جگہ رقم طراز ہیں: 'میں نے افلاطون سے ملاقات کی جسے اہل ظاہر کافر سمجھتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اس نے عالم غیبی کو نور اور سرور سے بھر دیا ہے۔ میں نے اس کی وہ منزلت دیکھی جو سوائے کچھ اولیا کے کسی کے پاس نہیں دیکھی'۔ (الانسان الکامل فی معرفۃ الاوائل والاواخر، ج:2، ص:52)

بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ افلاطون کے شاگرد ارسطو کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی اور

وہ کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہا اور علوم و فیوض کا اکتساب کیا۔(ایضاً، ج:2 ص:117) مگر یہ دعویٰ علمی اور تاریخی لحاظ سے درست نہیں ہے، نہ اس پر کوئی اور مستند حوالہ موجود ہے بلکہ یہ نفسی وارادات ہوسکتی ہے جو ممکن ہے۔

ابن الخطیبؒ (متوفی 776 ہجری/ 1374ء) نے بھی واضح طور پر نو افلاطونیت اور یونانی فلسفے کی مدح سرائی کی ہے اور اس کے فلاسفہ کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ وہ ارسطو کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد وہ افلاطون کو معلم الخیر اور ارسطو کو امام المشائین[1] کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

(روضۃ التعریف بالحب الشریف، ص:569)

ابتدائی ادوار کے بعد مسلمان صوفیا میں سے ایک طبقے پر فلسفیانہ افکار کا غلبہ ہوگیا تھا جس کے ملاپ سے فلسفی تصوف نے جنم لیا۔ اس طبقے کے نزدیک فلسفے کے بغیر تصوف اور تربیت نفس ناقص تھے۔ حضرت یحییٰ بن حبیش سہروردیؒ (متوفی 587 ہجری/ 1191ء) کا قول ہے جس میں وہ واضح طور پہ یہی کہتے ہیں: 'ایسا تصوف جو فلسفہ میں شغف نہ رکھے وہ ناقص ہے۔ ایسے وہ فلسفی جو متصوف نہ ہو وہ بھی ناقص ہے۔ امام غزالیؒ فلسفی تھے، پھر تصوف اختیار کیا مگر آپؒ پر فلسفے کی جھلک باقی رہی جس سے خلاصی نہ پا سکے، بغیر شک و شبہے کہ اس کا تصوف پر اثر ہے۔ شیخ ابن عربیؒ نے اس بارے کہا ہے: ہمارے شیخ ابو حامدؒ نے فلسفہ نگل لیا تھا، پھر انہوں نے کوشش کی کہ وہ اسے قے کردیں مگر وہ ایسا کر نہ سکے'۔

(تعریف التصوف، ص:20)

اہل علم کا تصوف پر نو افلاطونی اثرات کے ہونے پر تو اتفاق ہے البتہ اس پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ اثرات اسماعیلی کتب سے آئے ہیں یا صوفیا اس سے براہ راست متأثر ہوئے اور اس سے اخذ کیا۔ بہر حال یہ علمی آرا ہیں جن سے اختلاف ممکن ہے۔

---

[1] ۔ مشائین کا معنی 'چلنے والا' ہوتا ہے۔ یہ لفظ ارسطو کی فلسفیانہ روایت کے حاملین اور شاگردوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جسے انگریزی میں Peripatetic school کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ چلتے ہوئے فلسفیانہ مسائل پر بات چیت کرتے تھے، اس لیے انہیں مشائین کہا گیا

۵۔ ہندومت

ہندومت کی قدیم تعلیمات میں روحانیت سے متعلق ایک بڑا ذخیرہ موجود ہےاوراہل علم میں سے بعض کا خیال ہے کہ ہندومت کے فلسفے نے بھی اسلامی تصوف پر اثرات مرتب کیے ہیں۔البیرونی نے اپنی کتاب 'کتاب الہند' اس پر تفصیل سے بات کی ہےاور بہت سی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

ہندومت میں ویدوں کوایک خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔ان ویدوں کے آخری حصہ میں 'اپنشد' ہوتی ہیں جن میں روحانیت کی تعلیمات ہوتی ہیں۔مغل بادشاہ داراشکوہ (متوفی 1069ہجری/ 1659ء) کو اپنشدوں میں بہت دلچسپی تھی۔ اس نے سنسکرت کے باون اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا تھا۔ اپنشدوں کی بعض تعلیمات یہ ہیں: (i) دنیا میں رہومگراس سے دل مت لگاو۔ویراگ (تبتل یاانقطاع عن ماسویٰ اللہ) بہترین طرز حیات ہے، (ii) دنیا کی نعمتوں سے تمتع جائز ہےمگرانہیں مقصودحیات بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ جوشخص فانی چیزوں سے دل لگاتا ہےوہ خودبھی فنا ہوجاتا ہے، (iii)انسان کے حقیقی دشمن باہرنہیں ہیں بلکہ اندر ہیں اوروہ حسب ذیل ہیں: کام (شہوت)،کرودھ (غضب)،موہ (حرص)،لوبھ (طمع) اوراہنکار (عجب)، (iv) جب تک ان دشمنوں (اورنفس امارہ انہیں کے مجموعے کا نام ہے) کو مغلوب نہیں کروگے،تب تک عرفان (برہم گیان) حاصل نہیں ہوسکتا، (v) جب انسان عارف ہوجاتا ہےتواس میں یہ چارصفات پیدا ہوجاتی ہیں:اطمینان، ہمت، طاعت،خدمت خلق۔پھروہ دسروں کوفائدہ پہنچانے کے لئے جیتا ہے، (vi) ایشورصرف انہیں کودرشن دیتا ہے جواس کے دیدار کے لیے بیتاب ہیں اوراسے حاصل کرنے کے لیے سراپا جستجو ہوں۔

ان تعلیمات کو پانے کی شرائط حسب ذیل ہیں: دم (ضبط نفس)، دان (ایثار)، دیا (شفقت)، جاپ (ذکر)،تپ (مجاہدہ)، دھیان (مراقبہ)، (vii) فانی سے دل لگانا سب سے بڑی نادانی ہے، (viii) حق تعالیٰ متحرک بھی ہے غیرمتحرک بھی ہے، چلتا بھی ہے، ساکن بھی ہے، دوربھی ہے،قریب بھی ہے،اندربھی ہے، باہربھی ہے۔(تاریخ تصوف،ص:39-46)

صوفیا میں حد سے زیادہ زہداصل میں عیسائی راہبوں اور ہندو بدھوں سے ہی آیا۔بعض کتابوں میں یہ بھی آیا ہے کہ عباسی دور میں عراق (بغداد) میں ہندوراہب عام تھے جوکسی بھی چیز کے قتل کے

خلاف تھے۔بعض علما نے یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ (متوفی 261 ہجری/ 874ء) کے شیخ السندھیؒ تھے جو سندھ (ہندوستان) سے آئے تھے اور حضرت بایزیدؒ پر اپنے اثرات چھوڑے، جن میں وحدت الوجود کے خیالات بھی ہیں۔حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی مثال بدھا سے ملتی ہے جنہوں نے بلخ کا تخت چھوڑ دیا اور بدھا کی طرح جنگلوں میں ریاضت کرنے لگے۔

ہندومت کے زیر اثر وحدت الوجود کے تصورات میں بھی شدت آ گئی اور فنا (محو اور استہلاک) کا تصور بھی ہندوں کے اتمان کے قریب ہے۔صوفیوں کا مراقبہ بدھوں کے دھیان سے ملتا جلتا ہے۔

جب اسلام ہندوستان میں آیا تو ہندو فلسفہ اور تصوف نے اسلامی تصوف کو متاثر کیا۔زہد کے تصور پر ہندومت کا اثر ہوا۔بعض نے لکھا ہے کہ خرقہ بھی ہندو بھکشوؤں سے آیا ہے۔اس لیے سانس بند کر کے ذکر کرنا بھی ہندومت سے لیا گیا ہے۔تسبیح بھی ہندومت سے لی گئی ہے۔اس لیے ابتدا میں علما اس کے بہت خلاف تھے۔اس لیے امام جلال الدین سیوطیؒ نے اس کے جواز کے لیے کتاب لکھی جس کے بعد اس کو آہستہ آہستہ قبول کر لیا گیا۔

مختصراً ہم کہ سکتے ہیں کہ ہمارے خیال میں تصوف ہر مذہبی اور اکثر فلسفیانہ روایات میں پایا جاتا ہے۔اسی طرح یہ اسلامی روایت میں بھی ہے اور اس کا اصل مرجع قرآن مجید اور احادیث مبارکہ ہیں لیکن جیسے جیسے مسلمان علما وصوفیا کا دیگر علاقوں، فلسفوں اور مذاہب سے واسطہ پڑا تو ان کے اثرات بھی فطری طور پہ اسلامی صوفی روایت میں سرایت کر گئے۔لیکن اساسی اور عمومی طور پہ اسلامی تصوف ایک روحانی روایت ہے جس کا ماخذ اسلام ہی ہے۔یہی نقطہ نظر ان تمام علما کا ہے جنہوں نے تصوف پر امہات کتب لکھی ہیں[1]۔

تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتان عجم کے پجاری تمام!

حدیث دل کسی درویش بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

[1]۔امہات کتب تصوف کی تفصیل باب: کتب تصوف میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حصہ سوئم

تصوف کے اعمال

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔ (سورۃ الکہف، آیت: 110)

(پس جو کوئی اپنے رب سے ملاقات کا امیدوار ہے، اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے)

قَالَ: مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ.

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:49)

(عرض کیا گیا کہ احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے)

23۔ مقامات تصوف

1۔ مقامات کا مفہوم

مقامات مقام کی جمع ہے۔لفظ مقام اقامت کے معنی میں ہے۔مقام سے مراد سالک کا وہ درجہ ہے جو اسے عبادات اور مجاہدات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہوتا ہے۔قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ۔(سورۃ ابراہیم،آیت:14)

(یہ اس کے لیے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور میں نے عذاب کا جو حکم سنایا ہے،اس سے خوف کرے)

متقین کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف قسم کی کیفیات کا ورود ہوتا رہتا ہے۔اصحاب تصوف ان میں سے بعض کو احوال کا نام دیتے ہیں اور بعض کو مقامات کا۔دراصل جب کوئی حال ثابت ہو جائے اور سالک کی زندگی کا لازمی جز بن جائے تو اس کو مقام کہتے ہیں۔ان مقامات کے حصول کے لیے انسان کو نفسانی خواہشات اور شیطان کے وسواس سے بچنے کے لیے مجاہدات کی ضرورت ہوتی ہے۔

نفس کو بدکرداری اور پرہیزگاری دونوں باتوں کا القا کیا گیا ہے اور نفس کی یہ حالت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔یعنی اس کا بدی کا جذبہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔جس پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہو جائے،اس پر نور ایمان قابض ہوتا ہے۔وہ انسان نفس کو زیر کر لیتا ہے اور اللہ پاک اس کے گھٹیا احوال کو عمدہ احوال سے بدل دیتا ہے۔نفس کو اس طرح سے جو مستقل کمالات حاصل ہوتے ہیں،وہ اس کے مقامات کہلاتے ہیں۔

مقام صوفی کے آداب کی وہ منزل ہوتی ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے حاصل کرتا ہے۔جسے وہ تلاش کر کے اور مشقت سے حاصل کرتا ہے۔ہر ایک کا مقام وہی جگہ ہوتی ہے جہاں اس وقت اس کا

قیام ہوتا ہے اور جس کی ریاضت میں وہ مشغول ہے۔ جب تک وہ اس مقام کے احکام حاصل نہیں کر لیتا، وہ اس مقام سے دوسرے مقام پر نہ پہنچے گا۔ اس لیے کہ جسے قناعت حاصل نہیں، اس کے لیے توکل سیکھنا مشکل ہے۔ جو توکل نہیں کر سکتا اس کی تسلیم و رضا درست نہیں ہو گی۔ جس کی توبہ ثابت نہیں، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ممکن نہیں اور جو رجوع سے خالی ہے، اس کے زہد کا اعتبار نہیں ہو گا۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اعمال علوم و عقائد کے ثمرات ہیں۔ یقین سے جہاد اور احسان (تصوف) کے مقامات پیدا ہوتے ہیں۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ مقام سے مراد ادب کی وہ منزل ہے جو محنت، مشقت اور برداشت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ حال کا درجہ مقام سے پہلے ہے۔ حال رفتہ رفتہ مقام کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بندہ مقام کو اس وقت حاصل کرتا ہے جب حال دوام حاصل کر لے۔

دراصل جب انسان اپنے اختیار و ارادہ سے کوئی اچھا یا برا کام کرتا ہے تو وہ عمل وجود میں آنے کے بعد ختم نہیں ہوتا بلکہ انسان کے نفس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے، یعنی دل اس سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ اسے انسان کے نفس کی کیفیت کہتے ہیں۔ پھر جب وہ کیفیات عارضی ہوتی ہیں تو انہیں احوال اور جب دل میں قرار پکڑتی اور راسخ ہو جاتی ہیں تو انہیں مقامات کہتے ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ مقامات محنت اور کوشش سے حاصل ہوتے ہیں اور احوال عطائے خداوندی سے۔

مقامات اگرچہ روحانی کیفیات اور اعمال ہیں مگر ان میں کمی وبیشی سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ مقامات اصل نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم ﷺ کی محبت و اطاعت کے حصول کے ذرائع ہیں۔ یہ ذرائع انسان کو وہ ذہنی و عملی کیفیت حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے انسان سے تقاضا کیا ہے[1]۔

1۔ مقام توبہ

توبہ کا معنی ہے شریعت کے منع کردہ کاموں سے رجوع کرنا اور جن کاموں کا شریعت نے حکم دیا ہے، ان کی طرف پلٹ آنا توبہ ہے، یعنی گناہ کے راستے سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف پلٹنے کا نام توبہ

---

[1]۔ یہاں پر مقامات کا مختصر تعارف دیا جا رہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مصنف کی کتاب: مقامات

ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توبہ کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ التَّوْبَةَ مِنَ الذَّنْبِ النَّدَمُ وَالِاسْتِغْفَارُ. (مسند احمد، ج:9، رقم الحدیث:6191)

(گناہ سے توبہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے گناہ پر پشیمان ہو اور اس کے لیے اللہ سے معافی مانگے)

توبہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں توبہ کرنے کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے اور توبہ نہ کرنے والوں کو ظالم قرار دیا ہے کیوں کہ وہ اللہ پاک کی صفت رحمان سے روگردانی کر کے اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر وقت معاف کرنے اور بخش دینے پر تیار رہتا ہے۔

2۔ مقامِ تقویٰ

تقویٰ (پرہیز گاری) سلوک کا ایک بلند مقام ہے، جس کا مطلب گناہوں سے بچنا ہے۔جب انسانی دل پر ایمان کا نور نازل ہوتا ہے، تو وہ انسان کو شک وشبہ میں ڈالنے والی چیزوں سے روکتا ہے۔ انہی شک وشبہ میں ڈالنے والے امور سے بچنا بھی مقام تقوٰی ہے۔اس مقام کو ورع (خوف) بھی کہتے ہیں۔تقویٰ کا ایک مفہوم اللہ کا شعور بھی ہے جس کی وجہ سے انسان اس کی حضوری میں رہتا ہے۔

3۔ مقامِ زہد

زہد کے لغوی (لفظی) معنی بے رغبتی کے ہیں۔انسان کا اپنی دنیوی خواہشات چھوڑ کر خود کو عبادت الٰہی کے لیے فارغ کر دینا زہد کہلاتا ہے۔زہد کے معنی ہیں کہ آدمی کی رغبت کا کسی ایک چیز سے ہٹ کر کسی دوسری چیز سے وابستہ ہو جانا اور جس چیز سے آدمی کی رغبت پھر گئی ہے، اس کا آدمی کی نظر میں کم وقعت (عزت) ہو جانا ہے۔

زہد ایک ذہنی اور قلبی کیفیت کا نام ہے۔ایسی کیفیت جس میں ہر وہ شے بے وقعت (قیمت) معلوم ہو، جس کی کوئی قدر و قیمت ہو، مثلاً ہمارے سامنے مٹی کا ڈھیر پڑا ہے تو اس کو بے قیمت جاننا زہد نہیں کہلائے گا لیکن اگر ہمارے سامنے پڑا سونے کا ڈھیر ہماری نگاہ میں بے وقعت ہو گیا ہے تو اس کو زہد کہیں گے۔

4۔ مقامِ صبر

صبر کے لغوی (لفظی) معنی رکنا اور روکنا ہیں اور اصطلاحی معنی میں، نفس کو شریعت کا پابند بنانا، صبر کہلاتا ہے۔ اللہ پاک کی اطاعت پر اپنے نفس کو روکنا اور شریعت کی حرام کردہ چیزوں سے باز رہنا صبر ہے۔

صبر کے دو مفہوم ہیں: ایک یہ کہ آدمی مشکلات میں حوصلہ و برداشت سے کام لے، مایوس نہ ہو، چیخے چلائے نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر حالت میں حق و انصاف پر قائم رہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے یہ دینی رویے کا ایک جز ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ پورے دین پر قائم رہنے کی ایک جدوجہد کا نام ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑانا صبر کے منافی نہیں۔ یہ ایک فطری اور غیر اختیاری امر ہے۔ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ مصیبت کے وقت رونا پیٹنا، چیخنا چلانا وغیرہ جاہلیت کے کام ہیں جو اسلام میں منع ہیں ورنہ صرف غمگین ہونا صبر کے خلاف نہیں ہے بلکہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں خدا کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگتے مانگتے سفید ہوگئی تھیں۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ. (سورۃ یوسف، آیت:56)

(میں تو اپنی پریشانی اور غم کا اظہار اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے کرتا ہوں)

5۔ مقامِ رضا

رضا کے معنی تسلیم کرنے اور خوش دلی کے ہیں۔ رضا سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے ارادے کو اللہ پاک کے ارادے میں ملا دے۔ اپنے دل کو اللہ پاک کے حکم کے سامنے جھکا دے۔ وہ وہی چاہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

رضا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان تدبیر اور محنت کرنا چھوڑ دے اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے بلکہ یہ سب کچھ تو رضا کے خلاف ہے۔ رضا تو یہ ہے کہ انسان کسی کام کی بہتری کے لیے اپنی طرف سے پوری کوشش کرے اور پھر جو بھی نتائج نکلیں ان پر راضی رہے۔

دعا مانگنا رضا کے خلاف نہیں ہے۔ دعا بذاتِ خود ایک عبادت ہے۔ اس لیے سالک محض اظہار بندگی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ جو مانگا ہے وہی مل جائے۔ دعا کے قبول نہ ہونے پر دل میں تنگی تک محسوس نہیں کرتے اور دعا کے قبول ہوجانے پر اتراتے نہیں بلکہ ہر حال میں خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔

6۔ مقامِ توکل

توکل کے لغوی معنی کسی پر بھروسہ کرنے کے ہیں۔ اسلام کی اصطلاح میں اس کا مطلب اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا، اسے اپنا مددگار اور وکیل بنانا اور ہر معاملے میں نتیجے کی امید اسی سے کرنا شامل ہیں، لیکن اس توکل کا مطلب اسباب (سبب) کے بغیر کوئی کام کرنا، مادی وسائل کی نفی کرنا اور تدبیر سے گریز کرنا ہرگز نہیں۔

عام طور پر توکل کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ تدبیر سے گریز کو توکل سمجھا جاتا ہے، جب کہ حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت تدبیر اور اسباب کے استعمال کا سبق دیتی ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے وقت مدینے کی مخالف سمت نکلنا، معاملہ خفیہ رکھنا، ایک راہ دکھانے والے سے مدد لینا، غارِ ثور میں پناہ لینا وغیرہ سب تدابیر تھیں۔ اسی طرح غزوہ بدر میں میدان کا انتخاب، غزوہ احد میں مدینے سے باہر نکلنا، غزوہ احزاب (خندق) میں خندقیں کھودنا وغیرہ وہ سب وسائل تھے جو جنگ جیتنے کے لیے لازمی سمجھے گئے اور آپ ﷺ نے استعمال کیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا بغیر باندھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی اونٹنی کو باندھو اور اللہ پاک پر بھروسا کرو۔ (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:417)

7۔ مقامِ صدق

صدق کے معنی گفتگو، کردار اور احوال (حال) میں سچائی کے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولنے والے کو صادق (سچا) کہتے ہیں۔ صدیق کا لفظ اسی سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بہت زیادہ سچ بولنے والا یعنی جس

میں سچائی غالب ہو۔ جو آدمی اپنے نفس کے ساتھ یا دوسروں کے ساتھ دھوکا کرتا ہے، وہ صادق نہیں ہو سکتا۔

صدق ایک ایسی بنیادی صفت ہے جس کے بغیر صحت مند اور اخلاق والی معاشرت کا قیام ناممکن ہے۔ صدق پر قائم معاشرہ ہی وہ معاشرہ ہے جس کا تنا مضبوط اور جڑیں گہری ہوتی ہیں۔ انسان کی زبان، دل اور عمل میں اگر صدق کا عنصر موجود ہے تو انسانی شخصیت عظمت سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

8۔ مقامِ شکر

شکر کا مطلب اچھے سلوک پر تعریف کرنا ہے۔ جب بندہ محسوس کرتا ہے کہ وہ تمام مادی اور روحانی نعمتیں جو اس کو حاصل ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اس کے دل میں حمد و ثنا (اللہ تعالیٰ کی تعریف) کا جذبہ پیدا ہوتا ہے یہی شکر گزاری ہے۔

احسان کرنے والے کے بارے میں صحیح احسان مندانہ رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ آدمی دل سے اس کے احسان کا اعتراف کرے۔ زبان سے اس کا اقرار کرے اور عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے۔ انہی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام شکر ہے۔

9۔ مقامِ تواضع

تواضع سے مراد انسان کا اپنے آپ کو دوسروں سے چھوٹا یا برابر یا عاجز سمجھنا، دوسروں کی تعظیم اور عزت کرنا، حقوق العباد (بندوں کے حقوق) کا خیال رکھنا، دوسروں کے حقوق کو اپنے حقوق سے پہلے رکھنا اور تکبر کو چھوڑنا ہے۔ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ انسان خود کو ناچیز، دوسروں سے کم درجے کا اور عاجز سمجھے۔ اپنے آپ کو بلندی کا اہل نہ سمجھے اور حقیقت میں اپنے آپ کو عاجز بنانے کا ارادہ کرے۔

بعض لوگ خودداری اور عزت نفس کو تکبر سمجھتے ہیں حالانکہ دونوں میں واضح فرق ہے۔ خودداری یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے اور حقیقت نفس کو پہچان کر اس کا احترام اس طرح کرے کہ دنیوی لالچ کے لیے خود کو ذلیل اور خوار نہ کرے۔ کبر یہ ہے کہ اپنے نفس سے ناواقف ہو اور اس کو اس کے مقام سے بلند سمجھے۔ کبر انتہائی نقصان دہ ہے اور عزتِ نفس اور خودداری ایک اچھی صفت ہے۔

بعض لوگ اچھے کپڑے اور اچھی جوتی پہننے، اچھا گھر بنانے، اچھی گاڑی رکھنے کو تواضع اور انکساری کے خلاف اور تکبر کی علامت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں نہ تو تکبر کی علامت ہیں اور نہ تواضع اور انکساری کے خلاف۔

10۔ مقامِ سخاوت

سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ مناسب موقعوں پر انسان اپنا ہاتھ اور دل کھلا کرلے اور وہ مالی وسائل جو اس کے اختیار میں ہیں انہیں صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھے بلکہ ان سے دوسروں کی مدد کرے۔ سخاوت کا الٹ بخل اور کنجوسی ہے۔

سخاوت سے مراد صرف وہ مال ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ وہ مال ہوتا ہے جو اللہ پاک کی محبت اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے نکالا جاتا ہے۔ اس سے مراد رفاہی اور فلاحی اداروں کے وہ عطیات نہیں جو نمود و نمائش (تشہیر) کے لیے خرچ کیے جاتے ہیں۔

انسان کا اپنی کسی چیز کا ضرورت کے باوجود کسی دوسرے شخص کو دے دینا ایثار کہلاتا ہے۔ اپنے مال یا اپنی کسی چیز کو جس کی خود اس کو بھی ضرورت ہو، لیکن اپنی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہوئے وہ چیز دوسروں کو دینا ایثار ہے۔

سخاوت اور ایثار رقم خرچ کرنے ہی کا نام نہیں بلکہ یہ تو غربت میں بھی ممکن ہے۔ انفاق (اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا) درحقیقت اللہ تعالیٰ سے متعلق ایک دلی جذبے کا نام ہے جس کا اظہار امیری اور غربت دونوں میں ہوسکتا ہے۔

11۔ مقامِ ذکر

ذکر کا لغوی معنی زبان سے یاد کرنا، اللہ پاک کی یاد، تسبیح اور دعا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں ہر وہ بات جس سے اللہ پاک کی یاد آئے ذکر کہلاتی ہے۔ صوفیائے کرامؒ کے مطابق ذکر یہ ہے کہ سالک اللہ پاک کی یاد میں اس قدر کھو جائے کہ غیر اللہ کو بھول جائے۔ اسی یاد سے دل خدا کا قرب اور معیت حاصل کرے۔ لہٰذا پوری توجہ سے یادِ الٰہی میں اس طرح منہمک ہو جانا کہ اپنی ذات سے بھی

بے خبر ہوجائے، حقیقی ذکر ہے۔

ذکر عبادات دینِ اسلام میں سے ایک عبادت ہے۔ ذکر اللہ پاک کے پاک ناموں کی تکرار، آیات قرآنی یا کتب وحدیث میں مذکور دعاؤں کے باآواز بلند یا آہستہ پڑھنے کو کہا جاتا ہے۔

12۔ مقامِ اخلاص

اخلاص کا معنی صاف اور ملاوٹ سے پاک ہونا ہے۔ دل کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے پاک کر لینا اخلاص ہے۔ انسان زندگی میں جو بھی عمل کرے اور جس سطح کی اور جس شکل کی بھی عبادت کرے، اس کا دل اس عمل اور عبادت میں اس بات پر مطمئن ہو کہ میں یہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے کر رہا ہوں۔

اخلاص یہ ہے کہ انسان کی تمام عبادات کا مقصد اللہ پاک کی رضا مندی ہو، نہ کہ مال اکٹھا کرنا، ریاست اور سرداری کی خواہش، اچھے عہدے کی خواہش، عزت اور خوبصورتی کی آرزو، اپنے ہم عمروں پر فوقیت، لوگوں کے نزدیک تعریف، لوگوں کی توجہ اپنی طرف کروانا، ہدیہ وتحفہ کی لالچ اور شہرت کی طلب وغیرہ۔

اخلاص تمام اعمال کی روح ہے اور وہ عمل جس میں اخلاص نہ ہو اس جسم کی طرح ہے جس میں روح نہ ہو۔ اخلاص عبادت اور باقی کاموں میں روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کی بنیادی خواہش یہی ہونی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرے اور یہی اخلاص ہے۔

عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

24۔ احوالِ تصوف

احوال کا مفہوم

احوال حال کی جمع ہے جس کا لغوی معانی کیفیت، حالت، قلبی کیفیت، واردات قلبی، سالک پر بیتنے والی کیفیت اور صورت حال کے ہیں۔ تصوف میں حال ایک روحانی کیفیت کا نام ہے۔ وہ الوہی کیفیت جس سے روحانی توازن پیدا ہو کر ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ جو سالک کے دل میں بغیر تصنع و اکتساب پیدا ہوتی ہے۔ کبھی حزن، کبھی قبض، کبھی بسط اور کبھی ہیبت و خوف کی صورت میں۔ سالک کے قلب کی دوسری صفات زائل ہو کر یہ کیفیت چھا جاتی ہے، مگر اصلاً عارضی ہوتی ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسری کیفیت اس کے بعد آئے یا نہ آئے لیکن اگر یہ کیفیت دائمی ہو جائے تو اسے مقام کہتے ہیں۔

نسبت قوی حاصل ہو جانے کے بعد مبدأ فیاض (فیض کا سرچشمہ اللہ پاک) سے سالک کے قلب کو تعلق ہو جاتا ہے۔ بوجہ تصفیہ قلب (دل کی صفائی) سالک پر کچھ علوم و اسرار اور کبھی حالات و آثار نازل ہوتے ہیں۔ ان علوم کو حقائق و معارف اور حالات و آثار کو احوال کہتے ہیں۔

جس طرح عام طبعی علوم کے ماہرین پر مختلف کیفیات طاری ہوتی رہتی ہیں کہ کسی وقت تو وہ مشکل ترین مسائل منٹوں میں سلجھاتے چلے جاتے ہیں اور کبھی انتہائی آسان باتوں کی طرف بھی ان کا خیال نہیں جاتا، بالکل اسی طرح صاحبِ دل لوگوں کا بھی کسی وقت یہ حال ہوتا ہے کہ اسرارِ الٰہی ان کے قلب و روح پر بلا کسی خاص کوشش کے کھلتے اور منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں اور دل خود بخود ہی اللہ تعالیٰ کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور کسی وقت خواہش اور کوشش کے باوجود دل کی کلی کھلتی ہے نہ روح ادھر راغب ہوتی ہے۔ سالک کی قلب پر وارد ہونے والی ایسی کیفیات کو احوال کہتے ہیں۔ یہ کیفیات صوفیائے کرامؒ ہی پر نہیں بلکہ شاعروں، موجدوں، فلسفیوں، فن کاروں اور موسیقاروں پر بھی گزرتی ہیں۔ یوں تو سالک کے بے شمار احوال ہیں البتہ کچھ احوال معروف اور انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، جن کا تعارف مختصر طور پر یہاں دیا جا رہا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مصنف کی کتاب: احوال)

1۔ استغراق

استغراق کے لغوی معانی گہری دل چسپی، محویت اور کسی فکر یا خیال میں غرق ہونے کے ہیں۔ اصطلاح میں کس فکر، خیال یا کام میں محو ہو کر سب کچھ بھول جانے کو استغراق کہتے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں اللہ پاک کی صفات و اسماء کے ذکر و فکر میں بے خودی کا عالم استغراق کہلاتا ہے۔

عبادت میں مصروف شخص کا دھیان ذاتِ الٰہی کی طرف ہوتا ہے۔ وہی مقصودِ عبادت ہے۔ اللہ پاک کی معرفت میں غوطہ زن شخص جب ہر طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر محض اسی کی طرف اپنا رخ کرتا ہے تو اس کی نظر سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز غائب ہو جاتی ہے۔ تجلیاتِ الٰہی کے غلبہ سے وہ محویت و استغراق کے عالم میں چلا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف دنیوی معاملات حتیٰ کہ بعض اوقات خود کو بھی بھول جاتا ہے۔

استغراق کی حقیت یہ ہے کہ سالک کا دل محبوب (اللہ پاک) کے خیال میں اس طرح مشغول ہو جائے کہ دوسری طرف توجہ ہی نہ رہے۔ اللہ پاک کے علاوہ کوئی چیز یہاں تک کہ اپنی ہستی بھی نظر نہ آئے۔ ہر تصور محبوب (اللہ پاک) میں فنا ہو جائے۔

2۔ استقامت

استقامت کے لغوی معانی قدم جمائے کھڑے رہنا، استقلال، پامردی اور ثابت قدمی کے ہیں۔ اصطلاح میں استقامت سے مراد یہ ہے کہ اچھے عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہا جائے، نفع دینے والے علم اور اعمال صالح پر مداومت اختیار کی جائے۔ ہر حال میں ماسوا سے دھیان ہٹا کر اللہ پاک سے لو لگائی جائے۔ تصوف کی اصطلاح میں استقامت سالک کے دل پر وارد ہونے والی وہ کیفیت ہے جس سے اسلام دل میں قیام پذیر ہو جاتا ہے اور کوئی بڑی سے بڑی تبدیلی یا تکلیف بھی اس کے دینی معاملات کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

سالک عالم اسباب میں رہتے ہوئے اور بدلتے ہوئے حالات سے متاثر ہوئے بغیر چٹان کی مانند اپنے اس یقین پر جما رہے کہ اللہ ہی کی قدرت ہر شے پر حاوی ہے۔ وہی فاعل حقیقی ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر پتا تک حرکت نہیں کرتا۔ پھر اس پر دل مطمئن ہو جائے اور اپنے معاملات اور اپنی کوششوں کو اللہ پاک کے حوالے کر دے۔

3۔ اطمینان

اطمینان کے لغوی معانی تسلی، تشفی، دل جمعی، قرار پکڑنا اور طمانیت کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں اطمینان اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ پاک کی طرف سے سالک کے دل پر سکون، ثبات واستقرار کی صورت میں وارد ہوتی ہے۔ سالک کا دل یادِ الٰہی میں محو ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کے سوا ہر چیز دل سے نکل جاتی ہے۔ یہ کیفیت کامل ایمان کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ اطمینان، ایمان کی اعلیٰ ترین کیفیت اور دل میں ثبات واستقرار کا نام ہے۔

اطمینان کا ایک معنی کسی چیز کا اپنی اصل جگہ پر بالکل ٹھیک اس طرح جم جانا ہے کہ اس کے ادھر یا ادھر جھکنے یا لڑھکنے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔ جو نفس اپنے عقائد اور اعمال میں بالکل مطمئن رہے۔ حالات کے تغیر و تبدل سے اس کے اطمینان اور دلجمعی میں کوئی فرق واقع نہ ہو، اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

اطمینان سے ملتا جلتا ایک لفظ سکینت ہے۔ سکینت یا سکینہ اس وارد کو کہتے ہیں جس سے دل کو قرار آ جائے اور ہر قسم کے قلق اور تشویش کا قلع قمع ہو جائے۔ اطمینان، طمانیت، سکینت، سکینہ اور تسکین کے الفاظ قرآن کریم میں اکثر جگہ استعمال ہوئے ہیں۔

4۔ انابت

انابت کا لغوی معنی رجوع ہے۔ اصطلاح میں جملہ امور میں اللہ پاک ہی سے راست بازی و صداقت اور توفیق و امداد طلب کرنا غرض کہ یکسر اسی کی طرف متوجہ ہونا انابت کہلاتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں انابت ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو اللہ پاک کی طرف سے سالک کے دل پر وارد ہوتی ہے۔ اس کیفیت کے زیر اثر سالک کے خیالات اور ارادے اللہ تعالیٰ کی مرضی کی کے تابع ہو جاتے ہیں اور پھر بدن ان کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ وہ دل و جان سے پوری یکسوئی اور خلوص کے ساتھ اللہ پاک کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ ایسے میں تمام جسمانی اعضا فرماں برداری اختیار کر لیتے ہیں۔

توبہ اور انابت میں بڑا لطیف سا فرق ہے۔ توبہ اللہ پاک سے اپنے گناہوں پر معافی مانگنے کو اور انابت اس کی طرف رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ تائب اسے کہتے ہیں جو خوف کی وجہ سے اللہ پاک کی طرف رجوع کرے، یعنی سزا اور عقوبت سے ڈر کر گناہوں سے تائب ہوا اور اطاعت

کی طرف رجوع کرے۔ منیب اس رجوع کرنے والے کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے انعامات وکرم سے شرما کر اس کی طرف رجوع کرے۔ (معارف القرآن، ذیل سورۃ الزمر، آیت: 53)

5۔ انس

انس کے لغوی معانی مانوس ہونے کی کیفیت، محبت اور الفت کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں جمالِ الٰہی اور مشاہدے کو دیکھ کر سالک کا قلب میں خوشی اور فرحت محسوس کرنا، انس کہلاتا ہے۔ انس، رغبت اور محبت کے مترادف ایک ایسی لطیف اور غیر محسوس کشش کا نام ہے جو اپنی پسندیدہ ہستی کی طرف ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب سالک کے قلب پر شہود جمال کی تجلی ڈالتا ہے تو سالک کا دل اللہ پاک کی یاد سے مانوس ہو جاتا ہے اور وہ جمالِ الٰہی سے خوش ہو کر نفسِ مطمئنہ کے اندر ایک لطیف محبت کے تحت اللہ تعالیٰ کا قرب محسوس کرتا ہے۔

6۔ بوادہ وہجوم

تصوف کی اصطلاح میں بوادہ اس کیفیت کو کہتے ہیں جو اچانک غیب سے سالک کے دل پر گھبرا دینے والی صورت میں وارد ہوتی ہے۔ یہ خوشی کا سبب بنتی ہے یا پھر غمی کا۔ طریقت کی وادی میں صوفی کو مختلف کیفیات سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے کچھ کیفیات گھبرا دینے والی صورت میں وارد ہوتی ہے۔ سالک کا دل بغیر کسی ظاہری وجہ کے خوشی محسوس کرتا ہے یا پھر غمگین ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ محسوس کرتا ہے کہ اس پر تجلیاتِ الٰہی کی بارشیں ہونے لگی ہیں اور سارے پردے اٹھ گئے ہیں۔ کبھی گھٹن، روحانی بندش اور تاریکی کا احساس ہوتا ہے۔ سالک کی اس کیفیت کو بوادہ کہتے ہیں۔

ہجوم کے لغوی معانی کثرت، زیادتی، کسی پر دفعتاً ٹوٹ پڑنا، ازدحام اور جمِ غفیر کے ہیں۔ اصطلاح میں ہجوم سے مراد انسان کے دل میں طرح طرح کے وسواس وخیالات آنا، کسی ایک چیز میں ذہن نہ جمنا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں ہجوم ایک کیفیت کا نام ہے جو سالک کے دل پر قوت سے وارد ہوتی ہے اور اس میں سالک کے اپنے عمل کا دخل نہیں ہوتا اور بعض اوقات بعض طبائع کو وسواس وخطرات کا ہجوم ہوتا ہے۔ وہ یکسوئی کے طالب ہوتے ہیں۔

7۔ بیم ورجا

بیم کے لغوی معانی خوف، اندیشہ اور ڈر کے ہیں۔ مستقبل میں کسی بری چیز کے پیش آنے کا خیال خوف کہلاتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کو بیم کہتے ہیں۔ سالک جب اللہ پاک کی عظمت، جلال اور شان بے نیازی پر نظر کرتا ہے یا پھر اس کے قہر و عذاب کو یاد کرتا ہے اور پھر خیال کرتا ہے کہ کہیں شامت اعمال سے وہ خود ان عذابوں کا مستحق نہ ہو تو اس سے سالک پر خوف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اسے بیم کہتے ہیں۔

رجا کا لغوی معنی امید ہے۔ کسی پسندیدہ اور محبوب چیز کے انتظار میں دل کا خوش ہونا رجا کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اچھا بدلہ پانے کی توقع کرنا رجا ہے۔ سالک جب اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت پر نظر کرتا ہے۔ اس کی عنایات کا سوچتا ہے۔ رحمٰن، رحیم اور غفور ہونے کا احساس کرتا ہے تو اس پر رجا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس رجا کی کیفیت میں سالک خود کو اللہ پاک کے انتہائی قریب اور اللہ پاک کا انعام یافتہ تصور کرنے لگتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ خوف ضروری ہے کہ وہ کسی بھی وقت گرفت فرما سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے عفو کی امید بھی نہیں ٹوٹنی چاہیے کہ وہ رحیم (رحمت کرنے والا) ہے، ستار (عیب چھپانے والا) ہے، غفار (معاف کرنے والا) ہے اور سب سے بڑھ کر ہمارا رب ہے، جس نے ہمیں سب کچھ بغیر ہمارے استحقاق کے عطا فرمایا ہے۔

8۔ تجلی وستر

تجلی کے لغوی معانی روشنی، نور، ظہور، جلوہ اور جھلک کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں سالک کے قلب پر غیب سے جو انوار وارد ہوتے ہیں انہیں تجلی کہتے ہیں۔ جب سالک فرائض و واجبات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ذکر اللہ میں ڈوب جاتا ہے تو قلب مثل آئینہ کے چمک جاتا ہے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح، ج:2، رقم الحدیث: 806) تجلی کا متضاد ستر ہے۔ ستر عوام کے لیے سزا ہے اور خواص کے لیے رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ سالکین حق کے سامنے جن امور کو کھولتا ہے اگر ان پر پردہ نہ ڈالے، تو وہ حقیقت کے سامنے فنا ہو جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ جس طرح ان امور کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح ان پر پردہ بھی ڈالتا ہے۔

9۔ تصرف وتاثیر

تصرف وتاثیر کے لغوی معانی قبضہ، دخل دینا، اختیار، کسی کام میں ہاتھ ڈالنا اور اپنی ہمت وتوجہ سے کسی شخص یا چیز کو متاثر کرنے کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں شیخ کا اپنی قوت ارادی اور قلبی طاقت سے طالب کے دل پر اثر ڈال کر اس کی باطنی حالت میں تبدیلی پیدا کر دینا تصرف وتاثیر کہلاتا ہے۔ اسے توجہ اور صرف وہمت بھی کہا جاتا ہے۔ سلوک کی منزلوں میں شیخ توجہ کے ذریعے طالب پر فیض القا کرتا ہے۔

10۔ تلوین

تلوین کے لغوی معانی رنگ دینا اور رنگنا کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں تلوین سالک کا ایک حال سے دوسرے حال یا ایک وصف سے دوسرے بالاتر وصف کی جانب ترقی کرنے کا نام ہے۔ جب سالک کی تربیت ہو رہی ہوتی ہے تو اس پر عجیب عجیب انکشافات ہوتے ہیں، جس سے اس کے احوال تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تلوین طریقت کے لوازمات میں سے ہے۔ تلوین کے دوران میں مختلف احوال کا غلبہ ہوتا ہے۔

11۔ تمکین

تمکین کے لغوی معانی ضبط، برداشت، وقار، ٹھہراؤ، استقامت اور ثبات کے ہیں۔ اصطلاحی معنی میں کسی چیز کی جگہ بنا دینا کہ وہ اس میں ٹھہر جائے، تمکین کہلاتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اہل حقیقت کی استقامت وثبات کی صفت کو تمکین کہتے ہیں۔ اس حال میں سالک کے دل میں اللہ پاک کے صفاتی ناموں کی تجلیات کا اثر ظاہر ہوتا ہے، جو بارگاہ الٰہی میں حضور قلب کا ایک اور مرحلہ ہے۔ سالک اطاعت و فرماں برداری میں ہمیشگی اور کثرت اذکار میں استقامت کے ساتھ مشغول رہنے سے آخر کار حسب استعداد میں مناسب حالت محمودہ پر قرار پکڑ لیتا ہے۔ وہ روحانی احوال سے گزر چکا ہوتا ہے اور مغلوب الحال نہیں ہوتا۔ تمکین میں عارف کا دل اللہ پاک کے قرب میں متمکن ہوتا ہے۔ اس کے لیے حقیقت کا کشف دوام ہوتا ہے۔

12۔ جذب

جذب کا لغوی معنی کشش ہے۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کا بندے کو اپنی طرف کھینچ لینا جذب کہلاتا

ہے۔جس بندہ پر اللہ پاک کی طرف سے ایسا جذبہ طاری ہوجائے کہ کوشش اور مجاہدہ کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے باطنی مقامات طے ہوجائیں اور واصل باللہ ہوجائے لیکن فنا کے بعد بقا کے مرتبے تک نہ پہنچ سکے، اسے مجذوب کہتے ہیں۔ مجذوب کو ولی کی ایک قسم میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو تجلی الٰہی کی تاب نہیں لا پاتے۔ عام آدمی سا ادراک، ذکا اور آگاہی جیسی کیفیات یا تو کم ہوتی ہیں یا نہیں ہوتیں۔

13۔ جمع وفرق

جمع کے لغوی معانی کل، تمام، جمیع اور یکجائی کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں جمع سے مراد یہ ہے کہ سالک اللہ پاک کے پسندیدہ اوصاف سے اس طرح متصف ہو کہ ان اوصاف اور سالک کے افعال میں کوئی تناقض نہ پایا جائے۔ جمع الجمع، جمع سے بھی بلند درجہ ہے جو فنائے کلی اور غلبہ حقیقت کے موقع پر ماسویٰ اللہ کے احساس کے فنا ہونے کا نام ہے۔ جب سالک مخلوق کے مشاہدہ سے الگ ہو چکا ہو اور اپنی ذات سے بھی کٹ چکا ہو اور اس سلطان حقیقت کی وجہ سے جو اس پر ظاہر ہوئی، اپنے احساس سے بھی مکمل طور پر غافل ہوجائے، تو یہ جمع الجمع ہے۔

فرق کے لغوی معانی جدائی، علیحدگی، فاصلہ، دوری، بعد اور ہجر کے ہیں۔ اصطلاح تصوف میں فرق مشاہدہ عبودیت کو کہتے ہیں۔ اپنے ارادے اور تصرف کی جو آزادی اللہ پاک نے اسے عطا فرمائی ہے، اسے استعمال کرتے ہوئے مخلوق کو فاعلِ مجازی اور اللہ پاک کو فاعلِ حقیقی سمجھنا فرق ہے۔

14۔ حضور وغیاب

حضور کا لغوی معنی حاضر ہونا، ظاہر ہونا، آشکارا ہونا اور موجود ہونا ہے۔ اصطلاح میں اس سے مراد سالک کی وہ حالت ہے جس میں اسے ہر چیز میں اللہ پاک کا جلوہ اور شان نظر آتی ہے۔ یہ دیکھتے ہوئے وہ متعلقہ شے سے غافل ہو کر معرفتِ الٰہی میں گم ہوجاتا ہے۔ اسے حضورِ حق اور شہود بھی کہا جاتا ہے۔

غیاب کا لغوی معنی غیر موجودگی و غیر حاضری ہے۔ اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ جب سالک ہر چیز میں اللہ پاک کی شان و معرفت کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ اس چیز سے اس طرح غافل ہوجاتا ہے جیسے وہ موجود ہی نہ ہو، اسے ہی غیاب کہتے ہیں۔ غیاب سے مراد یہ ہے کہ سالک کا دل اللہ کے علاوہ

سے، یہاں تک کہ خود سے بھی غائب ہو اور اللہ پاک کے حضور حاضر ہو۔

15۔ حیا

حیا کے لغوی معانی شرم، حجاب، لاج، غیرت اور برائی پر گھٹن کے ہیں۔ اصطلاح میں حیا سے مراد یہ ہے کہ انسان ان باتوں سے جھجکے جن کو لوگ برا جانتے ہیں اور ان پر عمل کرنے سے باز رہے۔ گویا حیا انسان کی ایک صفت ہے جس کی وجہ سے انسان قبیح اور ناپسندیدہ کاموں سے پرہیز کرتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں حیا سے مراد اللہ پاک کی عظمت و جلالت کے تصور، سالک کی اپنی عاجزی و درماندگی، اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں کوتاہی کے احساس اور پھر اپنی بشری کمزوریوں کے پیشِ نظر وارد ہونے والی کیفیت کا نام ہے۔

16۔ حیرت

حیرت کے لغوی معانی تعجب، حیرانی میں غرق ہونا، اچنبھا، حیران اور ششدر ہونا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں حیرت سے مراد ہے سالک کا کسی چیز کو احاطۂ ادراک میں لانے سے عاجز ہونا۔ توحید میں محو ہونے اور دیدۂ دل سے تجلی اسم ھُو کے مشاہدہ کرنے کو بھی حیرت کہتے ہیں۔ دراصل جب سالک، سلوک کی منازل طے کرنی شروع کرتا ہے تو اس پر اللہ پاک کی قدرت کے اسرار و رموز اور دنیا کی حقیقت آشکارا ہونے لگتی ہے۔ بعض اوقات وہ کسی حقیقت کا ادراک نہیں کر پاتا تو وہ اس کے بارے میں حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال میں غور و فکر اسے حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ تب وہ عاجز ہو کر اپنے مالکِ حقیقی کی طرف ایسے پلٹتا ہے جیسے کہ بچہ خوف زدہ ہو کر اپنی ماں کی طرف دوڑتا ہے۔

17۔ خشیت

خشیت کے لغوی معانی ڈر اور خوف کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں خشیت سالک کے دل کی وہ کیفیت ہے جس میں اللہ پاک کی عظمت و جلالت دل پر وارد ہوتی ہے اور اس کی ہیبت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اس کے زیرِ اثر سالک کا دل اللہ رب العزت کی عظمت و ہیبت کے ادراک اور اس کے فیض کے انوار سے محروم رہنے اور ناراضی کے تصور سے کانپ اٹھتا ہے۔ وہ خود کو اللہ پاک کے حضور پست و عاجز محسوس کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے اس کی ناراضی سے ڈرتے

رہنا، خشیت کہلاتا ہے[1]۔

18۔ خواطر و ہواجس

خواطر، خاطر کی جمع ہے۔ خاطر کے لغوی معانی دل پر گزرنے والی باتیں اور خیالات کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں سالک کے دل پر وارد ہونے والے خطاب کو خاطر کہتے ہیں جو عالمِ غیب سے انسانی ضمیر یا باطن پر نازل ہوتا ہے۔ اس کا نہ کوئی باقاعدہ آغاز ہوتا ہے اور نہ ہی تادیر باقی رہتا ہے۔

اسی طرح ہواجس جو کہ ہاجس کی جمع ہے۔ ہواجس کے لغوی معانی شیطانی وسوسے اور نفسانی خواہشات ہیں۔ اصطلاح میں سالک کے دل و دماغ میں بغیر کسی کوشش اور ارادہ کے کسی گناہ یا ایمان و یقین کے منافی کسی خیال کا اچانک اور بے اختیار گزرنا، ہاجس کہلاتا ہے۔

19۔ ذکر

ذکر کے لغوی معانی زبان سے یاد کرنا، اللہ پاک کی یاد، تسبیح اور دعا کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں ہر وہ بات جس سے اللہ پاک کی یاد آئے ذکر کہلاتی ہے۔ صوفیائے کرامؒ کے مطابق ذکر یہ ہے کہ سالک اللہ پاک کی یاد میں اس قدر کھو جائے کہ غیر اللہ کو بھول جائے۔ اسی یاد سے دل خدا کا قرب اور معیت حاصل کرے۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے: جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر کے لیے اپنے دونوں ہونٹ ہلاتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج: 2، رقم الحدیث: 805) لہٰذا پوری توجہ سے یادِ الٰہی میں اس طرح منہمک ہو جانا کہ اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو جائے، حقیقی ذکر ہے۔ اسے قلب کا جاری ہونا بھی کہا جاتا ہے[2]۔

20۔ ذہاب

ذہاب کے لغوی معانی جانا اور گزرنا کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں مشاہدہ محبوب کی محویت میں دل کا ہر محسوس شے کی حس سے بے خبر ہو جانا، ذہاب کہلاتا ہے۔ ذہاب اپنے معنی کے اعتبار سے غیاب کے

1۔ تفصیل کے لیے دیکھیے باب: اللہ پاک کی خشیت

2۔ تفصیل کے لیے دیکھیے باب: ذکر

قریب تر ہے لیکن ذہاب کی کیفیت غیبت سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ ذہاب مشاہدہ حق کے بعد سالک کا محسوسات کی حس سے جاتے رہنا، پھر ذہاب کی کیفیت کے احساس سے بھی مبرا ہو جانا اور پھر اس مبرا ہونے سے بھی مبرا ہو جانا ہے۔ غرض کہ ذہابات کا یہ سلسلہ لا متناہی ہے۔

21۔ ذوق وشوق

ذوق کے لغوی معنی رغبت اور شوق کے لغوی معنی اپنی پسندیدہ چیز کو چاہنے اور طلب کرنے کے ہیں۔ کسی محبوب چیز کو حاصل کرنے یا محبوب کا قرب حاصل کرنے کے لیے دل کا بےقرار ہونا ذوق وشوق کہلاتا ہے۔ اصطلاحی مفہوم میں سالک کا اپنے پروردگار کے دیدار کا خواہش مند ہونا ذوق وشوق کہلاتا ہے۔

22۔ رقت

رقت کے لغوی معانی اثر پذیری کی صلاحیت، نرمی، ملائمت، ہمدردی، رحم دلی اور رونے کے ہیں۔ اصطلاح میں اللہ پاک کی یاد یا خوف میں رونے کو رقت کہتے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں سالک کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہونے والی وہ کیفیت ہے جس سے سالک کا دل رحم دلی، طبیعت کی نرمی اور اثر پذیری جیسی اعلیٰ خصوصیات سے مزین ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں نیکی کا شوق پیدا ہوتا ہے اور برائی کے تصور سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ حالت اللہ پاک کی یاد میں آہ وبکا تک پہنچ جاتی ہے۔

23۔ صحو وسکر

صحو کے لغوی معانی ہوش میں ہونا، بیداری کی حالت میں ہونا اور ہر قسم کی کجی، جنون اور مدہوشی سے پاک ذہنی حالت میں ہونا ہے۔ سکر کے لغوی معانی نیم خوابی، اپنے آپ سے گم ہونا، غلبہ شوق میں آنا یا غلبہ محبت میں کچھ عرصہ کے لیے بےخود ہو جانا کے ہیں۔ سکر میں بشریت کے تمام لوازمات، دنیوی تدابیر، اختیارات اور انسانی کوششوں سے دوری ہو جاتی ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں سکر یہ ہے کہ نور ایمان پہلے عقل میں، پھر دل میں اس درجہ غالب ہو کہ دنیا کی مصلحتیں ہاتھ سے نکل جائیں۔ ان سے توجہ ہٹ جائے اور عموماً لوگ جو چیزیں ناپسند کرتے ہیں، ان کو پسند کرنے لگے، جیسے موت، بیماری اور محتاجی وغیرہ۔ سالک اس مدہوش جیسا ہو جائے جو عقل کی سنتا ہے نہ عرف وعادت کی پروا کرتا ہے۔

24۔ فتوت

فتوت کے لغوی معانی جواں مردی، ہمت، ایثار، سخاوت، مروت اور مردانگی کے ہیں۔ اصطلاح تصوف میں دنیا و آخرت میں اللہ پاک کی مخلوق سے ایثار کرنا فتوت کہلاتا ہے۔ فتوت فیاضی کا سب سے بڑا اور آخری درجہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سالک دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھے۔ خود بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلائے۔ خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔ صوفیائے کرامؒ بعض اوقات فتوت کے لیے اخوت کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ اخوت سے مراد ہر ایک کے ساتھ حسن خلق سے پیش آنا، ایثار کرنا، خود مشکلات برداشت کر کے دوسرے کی مشکلات و تکالیف دور کرنا، ہر ایک کی خدمت کرنا، اپنے حقوق دوسرے پر قربان کرنا، ہر لمحہ اپنے بھائیوں بہنوں اور والدین کی خدمت کرنا ہے۔

25۔ فنا و بقا

فنا کے لغوی معانی فانی، ناپائیدار اور نیستی کے ہیں۔ اس کے مقابلے میں بقا کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی باقی رہنا ہے۔ فنا و بقا صوفیا کے احوال میں سے ہے۔ جس میں سالک پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کے زیر اثر اس کی اپنی ذات کا کوئی تقاضا باقی نہیں رہتا وہ اللہ پاک کی رضا میں محو ہو جاتا ہے۔ اس کا ہر عمل اللہ پاک کی رضا کے تابع ہو جاتا ہے۔ عارفین ہر وقت اللہ تعالیٰ کے دھیان میں ڈوب کر اپنی اور تمام عالم کی نیستی (ناپائیداری) اور اللہ تعالیٰ کی ہستی معلوم کرتے رہتے ہیں۔ جو انسان اس درجہ پر پہنچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کچھ ایسا کھو جاتا ہے کہ اس کا اپنا وجود بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے عشق اور محبت میں ایک نئی زندگی حاصل کرتا ہے جسے بقا کہتے ہیں۔

26۔ قبض و بسط

قبض کے لفظی معانی تنگی، سکڑنے، بند ہونے اور بسط کے معانی کھلنے، کشادہ ہونے اور وسعت کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں مومن کے دل کی یہ حالتیں عطائے الٰہی ہوتی ہیں۔ واردات قلبی کا نہ ہونا قبض اور ہونا بسط کہلاتا ہے۔ سالک (اللہ پاک کی طرف چلنے والے) کے دل پر اس ذات پاک کی

طرف سے جو کیفیات القا کی جاتی ہیں، انہیں کو وارداتِ قلبی کہتے ہیں۔ سالک کے دل پر اللہ پاک کے خوف کا غلبہ ہو جانے سے قبض کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی جلالی (آثار عظمت واستغناء) کے وارد ہونے سے قلب کی تنگی ہونا قبض کہلاتا ہے اور اس کے برعکس حالت کا نام بسط ہے یعنی اللہ پاک کی تجلی جمالی (آثار لطف وفضل) کے نزول سے دل کو جو فرحت حاصل ہوتی ہے اسے بسط کہتے ہیں۔

27۔ قرب

قرب کے لغوی معانی نزدیک، قریب، محبوب، پسندیدہ اور مرتبہ ومنزلت والا کے ہیں۔ اصطلاح میں سالک کے دل کا اللہ پاک سے نزدیک ہونا اور قریب سے مشاہدہ کرنا قرب کہلاتا ہے۔ بعد کا لغوی معنی دوری ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں بعد سے مراد اللہ پاک کی مخالفت سے حاصل ہونے والی پلیدی اور اس کی عبادت سے علیحدگی کا نام ہے۔ قرب کا اولین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہمہ وقت متصف ہونا ہے۔ مشاہدہ کرنے والے بندے کے قرب کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ پاک سے اس کا دل قریب ہوتا ہے اور یہ قربت اسے اللہ پاک کی اطاعت وفرماں برداری اور ظاہری وباطنی طور پر ہر وقت اس کا ذکر کرنے اور اس کے حضور اپنے ارادے پیش کرنے کے باعث حاصل ہوتی ہے۔

28۔ کشف وشہود

کشف کا لغوی معنی ظاہر کرنا، پردہ اٹھنا، کھولنا، عیاں کرنا، نمایاں کرنا، بیان کرنا اور اظہار کرنا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں سالک پر اللہ پاک کی طرف سے بعض اسرار کا ظاہر ہونا، کشف کہلاتا ہے۔ اسی طرح شہود کا لغوی معنی حاضر ہونا، ظاہر ہونا، آشکارا ہونا اور موجود ہونا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں شہود سالک پر اللہ پاک کی طرف سے وارد ہونے والا وہ حال ہے جس میں اسے ہر شے میں جلوہ حق نظر آتا ہے۔ کشف کے بعد الہام کا درجہ ہے۔ یہ وہ علم ہے جو محنت، تلاش، تحقیق، غور وفکر اور ترتیب مقدمات کے بغیر ہی دل پر وارد ہوتا ہے۔

29۔ محبت

محبت کے لغوی معانی لگن، لو، لگاؤ، تعلق خاطر، میلان، توجہ کے ہیں۔ اصطلاح میں طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذّت حاصل ہو، محبت کہلاتا ہے۔ یہی میلان اگر قوی ہو جائے تو عشق

(شدید محبت) میں تبدیل ہوجاتا ہے۔تصوف کی اصطلاح میں اللہ پاک کی لگن جو انسان میں اعلیٰ صفات پیدا کرتی ہے محبت کہلاتی ہے۔ جب سالک کے دل میں جذبہ محبت جوش مارتا ہے تو جلوہ محبت کی ایک بجلی سی اس کے رگ وپے میں پوری طاقت سے دوڑتی اور سرایت کرجاتی ہے۔سوائے اللہ پاک کی ذات کے ہر شے اس کے لیے معدوم ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ اس کو اپنا عزیز ترین وجود بھی لاشئ اور ہیچ معلوم ہوتا ہے[1]۔

30۔ مراقبہ

مراقبہ کے لغوی معانی سوچ وبچار، دھیان لگانے اور تصور کرنے کے ہیں۔اصطلاح میں یہ خیال کہ اللہ پاک مجھ کو دیکھتا ہے اور میں اس کو دیکھتا ہوں، مراقبہ کہلاتا ہے۔تصوف کی اصطلاح میں مراقبے سے مراد ہے کہ سالک کا دل کو حق تعالیٰ کے ساتھ حاضر رکھنا اور قلب کو حضوری حق میں ایسا رکھنا کہ خطرات دوئی اور خودی نہ آنے پائیں اور اگر آئیں تو دفع کرے۔

31۔ مشاہدہ

مشاہدہ کے لغوی معانی دیکھنا، نظارہ کرنا اور ملاحظہ کرنا ہیں۔اصطلاح میں تجلیات حق اور انوار الٰہی کو بغیر کسی حجاب کے دیکھنا مشاہدہ کہلاتا ہے۔اسے مشاہدہ حق بھی کہا جاتا ہے۔اللہ پاک کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر دل میں حضور حق کا پیدا ہونا اور اللہ پاک سے قربت کا نام مشاہدہ ہے۔حدیث جبریل علیہ السلام (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:49) میں ہمیں احسان کی کیفیت کے اعتبار سے حالت مشاہدہ کا ذکر ملتا ہے۔

32۔ ملامت

ملامت کے لغوی معانی لعن طعن کرنا، برا بھلا کہنا، ڈانٹ پھٹکار، سرزنش اور فضیحت کے ہیں۔ اصطلاح میں شریعت کی مخالفت کو ملامت کہتے ہیں۔تصوف کی اصطلاح میں ملامت سالک کے نفس پر اللہ پاک کی طرف سے وارد ہونے والا ایک حال ہے۔اس حال کے زیر اثر وہ اخلاص کے حصول اور

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے باب: اللہ سے محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت

ریا کاری ودکھاوے کے خوف سے اپنے نیک اعمال کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔اپنی کسی خوبی کو ظاہر نہیں کرتے۔اپنے ظاہر کو دین کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ایسا خراب رکھتے ہیں کہ دوسرے انہیں نیک تصور نہ کریں بلکہ ان کے خلاف اپنی زبان دراز کریں۔خلق میں حقیر ہوں اور اپنے اعمال کا بدلہ دنیاداروں کی خوشامد اور تعریف کی بجائے اللہ پاک سے پائیں۔جس سالک پر یہ حال وارد ہوتا ہے اسے ملامت کی نسبت سے ملامتیہ کہا جاتا ہے۔

33۔ وجد

وجد کے لغوی معانی وجود میں آنا، وجود رکھنا، موجود ہونا اور حاصل کرنا کے ہیں۔اصطلاح میں وجد سے مراد خوشی یا ذوق وشوق سے بے خود ہو کر جھومنے کی کیفیت یا سرمستی اور بے خودی کی کیفیت طاری ہونے کو کہتے ہیں۔سالک کا کسی خبر پر خوشی سے بے خود ہو کر بغیر کسی تصنع کے جھوم جانا تصوف کی اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے۔

34۔ وصول الی اللہ

وصول الی اللہ کے لغوی معانی اللہ تعالیٰ تک رسائی، معرفت اور عرفان الٰہی کے ہیں۔تصوف کی اصطلاح میں وصول اِلی اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قلب پر اپنے نور سے نظر فرمائے اور اپنے ماسویٰ سے بے نیاز کر کے اپنی ذات میں محو اور اپنے لیے خاص کر لے۔ایسے سالک کو واصل باللہ کہتے ہیں۔

35۔ یقین

یقین کے لغوی معانی جاننا، کسی ایک نقطہ پر مکمل یکسوئی کے ساتھ جم جانا اور ایسا علم جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو، کے ہیں۔تصوف کی اصطلاح میں یقین کا مطلب کسی پوشیدہ چیز کو قوت ایمانی سے بعینہٖ صحیح طور پر دیکھ لینا اور اس کے لیے کسی دلیل اور حجت کی ضرورت محسوس نہ کرنا ہے۔یہ یقین سالک کی عقل پر اس درجہ غالب آجاتا ہے کہ اس کی عقل اس سے لبریز ہو جاتی ہے اور اس کے ترشحات قلب و نفس پر اتنے اثرات چھوڑتے ہیں کہ ایمانیات اس کے لیے مشہود ومحسوس ہو جاتی ہیں۔

36۔ تسلیم ورضا

تسلیم کے لغوی معانی عقیدے کے طور پر اقرار کرنا، قبول کرنا، ماننا اور رضا کے لغوی معانی خوشی، رغبت، خوشنودی اور مرضی کے ہیں۔ اصطلاح میں تسلیم ورضا سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے ارادے اور مرضی کو اللہ پاک کے ارادے میں ضم کر دے۔ اپنا سر حکم الٰہی کے آگے خم کر دے۔ تصوف کی اصطلاح میں تسلیم ورضا اللہ پاک کی طرف سے وارد ہونے والی ایک کیفیت کا نام ہے جس کے زیر اثر سالک کی رضا اللہ پاک کی رضا ومشیت میں فنا ہو جاتی ہے۔ اس کا دل ہر حال میں اللہ پاک کی مشیت الٰہی کے سامنے جھک جاتا ہے۔ راضی برضائے الٰہی اور خوش رہنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا رضائے الٰہی، سالک کی رضا بن جاتی ہے[1]۔

37۔ تواضع

تواضع کے لغوی معانی فروتنی، انکساری اور عاجزی کے ہیں۔ اصطلاح میں سالک کا خود کو دوسروں سے چھوٹا یا برابر یا عاجز سمجھنا، دوسروں کی تعظیم اور عزت کرنا، دوسروں کے حقوق کو اپنے حقوق سے پہلے رکھنا اور تکبر کو چھوڑنا ہے۔ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ انسان خود کو ناچیز، دوسروں سے کم درجے کا اور عاجز سمجھے۔ اپنے آپ کو بلندی کا اہل نہ سمجھے اور حقیقت میں اپنے آپ کو عاجز بنانے کا ارادہ کرے۔ تواضع مقام بھی ہے اور حال (احوال کا واحد) بھی۔ اگر سالک تواضع پر جم جائے تو مقام ہے اور اگر سالک کے دل میں تواضع کی کیفیت تبدیل ہوتی رہے تو حال ہے[2]۔

38۔ سخا

سخا کے لغوی معانی فیاضی اور بخشش کے ہیں۔ اصطلاح میں سخا سے مراد یہ ہے کہ مناسب موقعوں پر انسان اپنا ہاتھ اور دل کھلا کر لے اور وہ مالی وسائل جو اس کے اختیار میں ہیں، انہیں صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھے بلکہ ان سے دوسروں کی مدد کرے، دوسروں کی مشکلات دور کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جو

۱۔ دیکھیے مصنف کی کتاب: مقامات، باب: مقام رضا

۲۔ دیکھیے مصنف کی کتاب: مقامات، باب: مقام تواضع

نعمتیں اسے عطا کی ہیں ان سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ سخاوت کو دوسرے لفظوں میں صدقات، خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ (اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا) بھی کہتے ہیں۔ سخاوت کا الٹ بخل اور کنجوسی ہے۔ سخاوت مقام بھی ہے اور حال بھی[۱]۔

39۔ شکر

شکر کے لغوی معانی کسی عنایت اور نوازش کرنے والے کا احسان ماننا اور اچھے سلوک پر تعریف کرنا کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں سالک کا خود کو نابود اور اللہ تعالیٰ کو موجود جاننا اور تمام افعال اور صفات و کمالات اسی کی طرف منسوب کرنا، شکر کہلاتا ہے۔ جب سالک محسوس کرتا ہے کہ وہ تمام مادی اور روحانی نعمتیں جو اس کو حاصل ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اس کے دل میں حمد وثنا (اللہ تعالیٰ کی تعریف) کا جذبہ پیدا ہوتا ہے یہی شکر گزاری ہے[۲]۔

40۔ صبر

صبر کے لغوی معانی کسی صدمے، حادثے یا تکلیف کو خاموشی سے برداشت کر لینا اور ضبط وتحمل سے کام لینا کے ہیں۔ اصطلاح میں، نفس کو شریعت کا پابند بنانا، صبر کہلاتا ہے۔ اللہ پاک کی اطاعت پر اپنے نفس کو روکنا اور شریعت کی حرام کردہ چیزوں سے باز رہنا صبر ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اللہ پاک کی محبت میں ثابت قدم رہنا، اللہ پاک کے وصال کے لیے تکلیف اٹھانا اور اس پر نالاں نہ ہونا صبر کہلاتا ہے۔ صبر کے دو مفہوم ہیں: ایک یہ کہ آدمی مشکلات میں حوصلہ و برداشت سے کام لے، مایوس نہ ہو اور چیخے چلائے نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر حالت میں حق و انصاف پر قائم رہے۔ کسی خاص بات پر اللہ پاک صبر عطا فرمادے تو یہ حال ہے۔ اگر صبر اپنی ریاضت سے ایک مستقل کیفیت بن جائے تو یہ مقام ہے[۳]۔

۱۔ دیکھیے مصنف کی کتاب: مقامات، باب: مقامِ سخاوت
۲۔ دیکھیے مصنف کی کتاب: مقامات، باب: مقامِ شکر
۳۔ دیکھیے مصنف کی کتاب: مقامات، باب: مقامِ صبر

25۔ فضائل ورذائل

1۔ اخلاقیات کی اہمیت

اخلاقیات زندگی کے طریقے، سلیقے اور قرینے کا نام ہے۔ اس طریقے کا تعین اور اس سلیقے اور قرینے کا حصول ہی دراصل اخلاقیات کا حقیقی موضوع ہے۔ اسلام نے اخلاقیات میں ان چیزوں کو متعین حد تک طے کر دیا ہے جنہیں اختیار کرنا ہر انسان اور مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اسلام کا نظامِ اخلاق اپنا مخصوص تصورِ کائنات، معیار خیر وشر، قوت نافذہ اور قوت محرکہ رکھتا ہے۔ یہ سب مل کر اس کے فلسفہ اخلاق کو ایک مکمل عملی نظام کی شکل دیتے ہیں۔ حسن اخلاق انسانی تہذیب اور انسان کے عمومی فطری مزاج کے بہت قریب ہوتا ہے۔ یہ چیزیں ایک معقول شخص کو آسانی سے سمجھ آسکتی ہیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ، وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ.

(صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2016)

(نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگ اس سے آگاہ ہوں)

تصوف کا ابتدائی مرحلہ زہد اور ترک دنیا سے عبارت تھا، جس میں عبادت الٰہی اور آخرت کا غلبہ رہا، لیکن تیسری صدی ہجری کی شروعات ہی سے صوفیا نے باطنی صفات اور احوالِ نفس میں غور کرنا شروع کیا اور تصوف میں اخلاقیات، فضائل ورذائل کا پہلو غالب آنے لگا۔ اس مرحلے میں تصوف دراصل علم اخلاق سے عبارت ہو گیا۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں شیوخ کے ہاں مریدین جمع ہونے لگے اور تصوف کے طریق بننے لگے۔ ان کی حیثیت گویا ایسے مدارس کی تھی جہاں تصوف اور اخلاق سیکھے جاتے ہیں۔

اخلاقیات تصوف کا بنیادی رکن ہے بلکہ صوفیا تصوف کو حسن اخلاق کی ہی ایک خوبی سے تعبیر

کرتے تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے استاد محمد بن علی انصاریؒ جو ابن قصابؒ کے نام سے معروف ہوئے، وہ تصوف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تصوف اخلاق کریمہ کا نام ہے، جو بھلے زمانے میں ایک کریم شخصیت سے ایک کریم قوم میں ظاہر ہوئے۔ حضرت ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں: تصوف اخلاقیات کا نام ہے، جو تمہارے اندر اخلاقیات کا اضافہ کرے، وہ تمہارے اندر قلبی صفائی کو بڑھائے گا۔ جس نے اپنا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مکارمِ اخلاق پر استوار نہیں کیا، اس کی دنیا اور آخرت کی زندگی آسان نہ ہوگی۔ (رسالہ قشیریہ، ص:280) شیخ ابوعبداللہ محاسبیؒ سے کسی شخص نے پوچھا کہ اولیا اللہ کی شناخت کیسے ہوسکتی ہے؟ ارشاد فرمایا: میٹھی زبان، خوش خلقی، خندہ پیشانی، مسکراتا ہوا چہرہ، خوہ مخواہ کسی سے نہ الجھنا، عفو و درگزر کا شیوہ اور دوسروں سے ہمدردی۔ یہ اعلیٰ اوصاف جن میں پائے جائیں، وہ اولیاء اللہ ہیں۔ (سفینۃ الاولیاء، ص: 19) شیخ ابومحمد جریریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ تصوف کیا ہے؟ آپؒ نے فرمایا: تصوف ہر اعلیٰ خلق کو اپنانے اور اخلاق رذیلہ کو ترک کردینے کا نام ہے۔ حضرت ابن عطاؒ نے فرمایا: صرف اسی کو بلند مراتب حاصل ہوتے ہیں جس کے اخلاق عمدہ ہوں۔

بنیادی طور پر اخلاق کی دو اقسام ہیں: وہ عادات جنہیں اپنے مزاج کا حصہ بنانے پر زور دیا گیا ہے، انہیں فضائل کہا جاتا ہے۔ وہ تمام اطوار و عادات جن سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے، انہیں رذائل کہتے ہیں۔ فضائل ورذائل ہمیشہ سے صوفیائے کرامؒ کی تعلیمات کا مرکز رہے ہیں۔

2۔ فضائل اخلاق

فضائل اخلاق کے بہت سے پہلو ہیں۔ فضائل اخلاق میں سے بعض اہم امور کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1) صبر

قرآن کریم میں کسی بھی نبی علیہ السلام اور رسول علیہ السلام کی دعوت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کو اور ان کے پیروکاروں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جن ابتدائی چیزوں کی تلقین کی گئی، ان میں صبر بھی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت کی ذمہ داری دینے کے بعد ہی حکم دیا گیا:

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔ (سورۃ المدثر، آیت: 7)

(آپ اپنے رب کے لیے صبر کیجیے)

کئی احادیث مبارکہ میں بھی صبر کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ، دَعَاهُ اللهُ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حَتَّى يُخَيِّرَهُ فِي أَيِّ الْحُورِ شَاءَ۔ (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1045)

(حضرت سہل بن معاذ بن انس رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنا غصہ استعمال کرنے کی طاقت رکھتا ہو مگر اسے روک لے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن لوگوں کے سامنے بلائے گا اور اس کو اختیار دے گا کہ وہ جس حور کو چاہے پسند کر لے)

(2) میانہ روی

اس امت کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ میانہ روی اور اعتدال پر گامزن ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔ (سورۃ البقرۃ، آیت:143)

(اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا ہے)

احادیث مبارکہ میں بھی میانہ روی کو ایک اہم صفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَنْ يُنَجِّيَ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ". قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: "وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِرَحْمَةٍ سَدِّدُوا، وَقَارِبُوا وَاغْدُوا، وَرُوحُوا وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوا۔ (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1410)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔ پس تمہیں چاہیے کہ درستی کے ساتھ

عمل کرو اور میانہ روی اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ سے قربت اختیار کرو، صبح وشام اور رات کے آخری حصہ میں عبادت کے لیے نکلو۔ اعتدال اختیار کرو۔ اعتدال اختیار کرو۔ منزل تک پہنچ جاؤ گے)

(3) خیرخواہی

دین اسلام فقط عبادات کا نام نہیں بلکہ بندوں کے ساتھ خیرخواہی بھی دین کا اہم ترین حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۔(سورۃ الحجرات، آیت:10)

(مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کراؤ)

(4) نرم مزاجی

نرمی اسلامی تعلیمات کا ایک بنیادی جز ہے۔ قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی نرمی کی صفت کو نہایت تاکید کے ساتھ بار بار پیش کیا گیا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔(سورۃ التوبہ، آیت:128)

(تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا جس کو تمہارا نقصان میں پڑنا تکلیف دیتا ہے اور وہ تمہاری بھلائی کا خواہش مند رہتا ہے اور ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں)

احادیث مبارکہ میں بھی نرم مزاجی کو مؤمن کا وصف قرار دیا گیا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَيْهِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ۔(سنن ابوداود، رقم الحدیث:1047)

(حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نرمی فرمانے والا ہے اور نرمی کرنے والے کو پسند فرماتا ہے۔ اسے وہ کچھ عطا فرماتا ہے جو سختی کرنے والے کو عطا نہیں کرتا)

(5) عاجزی وانکسار

تواضع سے الفت ومحبت اور عدل ومساوات کے پیغام کو عام کیا جا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوتواضع اپنانے کی تلقین کی ہے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔(سورۃ الشعراء،آیت:215)

(اور ایمان والوں کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکائے رکھیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تکبر سے نہایت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ ثَوْبِي يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذٰلِكَ مِنْهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّكَ لَسْتَ تَصْنَعُ ذٰلِكَ خُيَلَاءَ۔(صحیح بخاری،رقم الحدیث:912)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص تکبر سے اپنے کپڑے کو لٹکا کر چلے، قیامت کے دن خداوند تعالیٰ اسے رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے کپڑے کا ایک کونہ خود بخود انجانے میں لٹک جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک تم تکبر نہیں کرتے)

(6) قناعت

انسانی فضائل میں ایک اہمیت کا حامل وصف قناعت ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مال کی حرص کو ناپسند فرمایا ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۔(سورۃ التکاثر،آیت:1-2)

(تمہیں مال کی ہوس نے ہلاک کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ تم قبروں تک پہنچ گئے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انسان کو معاش میں قناعت اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے:

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَأَعْطَانِي. ثُمَّ سَأَلْتُهُ؟ فَأَعْطَانِي. ثُمَّ سَأَلْتُهُ؟ فَأَعْطَانِي. ثُمَّ قَالَ يَا حَكِيمُ: "إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى۔(صحیح بخاری، رقم الحدیث:6443)

(حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا۔ میں نے دوبارہ مانگا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ عطا فرمایا۔ میں نے تیسری مرتبہ مانگا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری مرتبہ بھی عطا فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ مال سرسبز اور میٹھا نظر آتا ہے۔ پس جو شخص اسے نیک نیتی سے لیتا ہے، اس میں برکت ہوتی ہے۔ جو لالچ کے ساتھ لیتا ہے، اس کے مال میں برکت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس شخص جیسا ہو جاتا ہے جو کھاتا جاتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے)

(7) والدین کا احترام

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں اپنی عبادت کا حکم دیا، وہاں ساتھ ہی والدین کے ساتھ احسان کرنے کا بھی حکم دیا۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۔(سورۃ الاسراء، آیت:23-24)

(اور تیرے رب نے حکم دیا کہ تم صرف اسی ہی کی عبادت کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی اف نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے خوب ادب سے بات کرو اور ان کے سامنے شفقت و محبت سے انکسار کے ساتھ جھکے رہو اور یوں دعا کرتے رہو: اے ہمارے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا)

احادیث مبارکہ میں بھی والدین کے ساتھ احسان کرنے کی بہت تلقین کی گئی ہے، مروی ہے کہ

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 939)

(ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں۔ پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر تمہارا باپ)

(8) عفو و درگزر

عفو و درگزر انسان کی بہت بڑی خوبی ہے۔ یہ عمل فرد کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول بناتا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔ (سورۃ الشوریٰ، آیت: 40)

(پھر جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے)

حدیث میں ارشاد ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (مشکوٰۃ المصابیح، رقم الحدیث: 1044)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے غصہ کو روک لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اپنے عذاب سے بچائے گا)

(9) تزکیہ

قرآن و سنت میں بارہا تزکیہ نفس حاصل کرنے کی ترغیب کی گئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ (سورۃ الاعلیٰ، آیت: 14)

(بے شک جس نے خود کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہوگا)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک غزوہ سے لوٹتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أَتَيْتُمْ مِّنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ۔ (مسند احمد، رقم الحدیث: 3255)

(تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہو)

(10) یتیموں کا خیال رکھنا

اسلام میں یتیم و نادار اور لاوارث بچوں کے حقوق کی پاس داری کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت: 220)

(اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یتیموں کے بارے پوچھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجیے کہ ان کا بھلا کرنا بہتر ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ یتیم کو اپنے قریب رکھا اور اس کا خیال رکھنے کا حکم فرمایا:

عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ، وَقَرَنَ بَيْنَ أُصْبُعَيْهِ الْوُسْطَى وَالَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ۔ (سنن ابوداود، رقم الحدیث: 1739)

(حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا شخص جنت میں اس طرح ہوں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو انگلیوں درمیانی اور شہادت کی انگلی کو ملایا)

(11) عبادات پر استقامت

عبادت سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو بندہ اللہ پاک کی رضا اور اپنی بندگی ظاہر کرنے کے لیے کرتا ہے۔ انسان کو اللہ پاک کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (سورۃ الذاریات، آیت: 56)

(اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں)

حدیث پاک میں ارشاد ہے:

عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حِمَارٍ يُقَالُ لَهُ عُفَيْرٌ، فَقَالَ: يَا مُعَاذُ، هَلْ تَدْرِي حَقَّ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ، وَمَا حَقُّ العِبَادِ عَلَى اللهِ؟، قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى العِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلاَ يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث:144)

(حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک گدھے پر سوار تھا جسے عفیر کہا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ رضی اللہ عنہ! جانتے ہو، بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے اور اللہ پر بندوں کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی بندگی کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں)

(12) اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

اسلام میں صدقہ وخیرات کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ صدقہ کرنا گویا اللہ کو قرض دینا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً۔ (سورۃ البقرۃ، آیت:245)

(کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے پھر اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا کر لوٹائے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَالَ اللهُ عزوجل: أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ. (صحیح بخاری، رقم الحدیث:4407)

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تو میری راہ میں مال خرچ کر، میں تمہیں کشادگی عطا کروں گا)

(13) باہمی اصلاح

اسلامی تعلیمات کا بنیادی مقصد انسانی معاشرے کی اصلاح کرنا ہے تاکہ دنیا میں تمام انسان عمدہ زندگی بسر کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورۃ الذاریات، آیت:55)

(اور نصیحت کرتے رہیں کیونکہ ایمان لانے والوں کے لیے نصیحت فائدہ مند ہے)

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَتَبَ كِتَابًا بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ عَلٰى أَنْ يَعْقِلُوا مَعَاقِلَهُمْ وَيَفْدُوا عَانِيَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَالْإِصْلَاحِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ۔ (مسند احمد، رقم الحدیث: 577)

(حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد اور وہ دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان یہ تحریر لکھ دی کہ اپنی دیت ادا کیا کریں۔ اپنے قیدیوں کا بھلے طریقے سے فدیہ ادا کریں اور مسلمانوں میں اصلاح کی کوشش کیا کریں)

(14) حیا

اسلام میں اعلیٰ کردار کی تکمیل کے لیے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

(سورۃ النور، آیت: 19)

(جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے)

حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولٰى، إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ"۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 6120)

(حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے پاس جو اگلے پیغمبروں کے کلام میں سے رہ گیا ہے، وہ یہ ہے: جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو جی میں آئے وہ کر)

(15) مظلوم کی حمایت

اسلامی بھائی چارہ ایک دوسرے پر حقوق اور فرائض عائد کرتا ہے اور انہیں میں سے ایک اپنے مظلوم بھائی کی حمایت ہے جو شخص ظالم کا ہاتھ نہیں روکتا، وہ اس کا خیر خواہ نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا". قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، نَصَرْتُهُ مَظْلُومًا، فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: "تَكُفُّهُ عَنِ الظُّلْمِ فَذَاكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث:139)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ میں نے عرض کیا: میں مظلوم کی مدد تو کروں لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اسے ظلم سے روک دو، یہی تیری طرف سے اس کی مدد ہے)

3۔ رذائل

بہت سے رذائل سے اسلام نے منع کیا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(1) تکبر

اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر تکبر کی مذمت فرمائی ہے۔ متکبرین کے برے انجام کے متعلق فرمایا گیا ہے:

فَادْخُلُوْا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ۔ (سورۃ النحل، آیت:29)

(تم دوزخ کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ، تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو، سو تکبر کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:1053)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر غرور ہو۔ وہ شخص دوزخ میں نہ جائے گا جس کے دل

میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو)

(2) لغویات

قرآن کریم میں کئی مقامات پر اہل ایمان کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ لغویات سے بچتے ہیں۔ لغویات اصلاً گناہ کے کام نہیں ہوتے بلکہ یہ وہ پست رویے ہوتے ہیں جو اعلیٰ انسانی شرف کو مجروح کرتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔(سورۃ المؤمنون،آیات:1-3)

(یقیناً مومن فلاح پا گئے اور جو اپنی نماز میں دل سے جھکنے والے ہیں اور جو لغو(فضول) چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں)

حدیث پاک میں آتا ہے:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيهِ. (جامع ترمذی،ج:2،رقم الحدیث:203)

(کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لغو(فضول) باتوں کو چھوڑ دے)

(3) غصہ

غصہ ایمان وعمل کے لیے انتہائی مہلک ہے۔اس لیے غیظ وغضب سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ۔(سورۃ آل عمران،آیت:134)

(اور(متقین) غصہ پی جانے اورلوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهٗ سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاذَا

يُبَاعِدُنِي مِنْ غَضَبِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: "لَا تَغْضَبْ"۔(مسند احمد، رقم الحدیث:2131)

(حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کون سی چیز اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچا سکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غصہ نہ کیا کرو)

(4) جھوٹ

جھوٹ ایک کبیرہ گناہ ہے اور اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ۔(سورۃ الزمر، آیت:3)

(بے شک اللہ پاک کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا ہو، کفر پر جما ہوا ہو)

حدیث مبارکہ میں جھوٹ بولنے والے کو منافق کہا گیا ہے۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا، اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:33)

(چار باتیں جس کسی میں ہوں گی، وہ خالص منافق ہے۔جس میں ان چار میں سے ایک بات ہو، اس میں ایک بات نفاق کی ہے، جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔وہ چار باتیں یہ ہیں: (i) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے، (ii) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، (iii) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور (iv) جب جھگڑا کرے تو بدکلامی کرے (گالیاں دے))

(5) حسد

حسد کے معنی ہیں کسی دوسرے شخص کی نعمت یا خوبی کا زوال چاہنا یا اس کے نقصان کے درپے ہونا ہے۔قرآن کریم میں حسد سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ۔(سورۃ الفلق، آیت:5)

(میں پناہ مانگتا ہوں حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ

إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔

(سنن ابوداود، رقم الحدیث:1498)

(حسد سے بچتے رہو، کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے)

(6) غیبت

غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کی برائی بیان کی جائے کہ اگر وہ سن لے تو برا مانے اگرچہ وہ عیب اس میں موجود ہو۔ اگر وہ بری بات اس میں موجود نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔ اسلام میں غیبت کرنے کی سخت وعید آئی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۔

(سورۃ الحجرات، آیت:12)

(اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں کوئی ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے؟ اس کو تو تم ناپسند کرتے ہو)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ"؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ". قِيلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ"؟ قَالَ: "إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث:2092)

(کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو۔ عرض کیا گیا کہ اگر وہ عیب میرے بھائی میں موجود ہو، جو میں کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا: اگر وہ عیب اس میں ہے

جوتم کہتے ہو،تبھی تو وہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ عیب نہ ہو پھر تو تم نے اس پر بہتان لگایا ہے)

(7) بدگمانی

اسلام میں یہ مطلوب ہے کہ ہم لوگوں کے بارے میں ایسی رائے قائم نہ کریں، جس کی ہمارے پاس کوئی ٹھوس بنیاد نہ ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيث" ۔(جامع ترمذی، رقم الحدیث:2073)

(بدگمانی سے پرہیز کرو کیونکہ یہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے)

(8) ریاکاری

اللہ رب العزت نے ریاکاری کی مذمت مختلف آیات میں بیان فرمائی ہے:

كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ ۔(سورۃ البقرۃ، آیت:264)

(جو شخص اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال اس صاف پتھر کی سی ہے جس پر معمولی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار بارش برسے اور وہ اسے بالکل صاف کر دے، ایسے ریاکاروں کو اپنی کمائی سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا)

ریاکاری کرنے والا چاہے اللہ کی راہ میں جان بھی دیدے، پھر بھی اس کا عمل قبول نہ ہوگا:

عَنْ أَبِي مُوسَىٰ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شَجَاعَةً وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً أَيُّ ذَلِكَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث:422)

(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو بہادری کے لیے لڑتا ہے اور دوسرا تعصب کی بنا پر لڑتا ہے اور تیسرا دکھاوے کے لیے لڑتا ہے کہ

ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی بلندی کے لیے لڑتا ہے۔ حقیقتاً وہی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑنے والا ہے)

(9) کینہ پروری

جنتیوں کی بہت سی صفات بیان کی گئی ہیں، ان میں سے ایک نمایاں صفت یہ ہوگی کہ ان کا دل کینہ سے پاک ہوگا:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۔(سورۃ الحجر، آیت:47)

(اوران کے سینوں میں جو کچھ رنجش ہوگی، اسے ہم نکال پھینکیں گے، وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے اونچی نشستوں پر بیٹھے ہوں گے)

ایسا شخص جو دل میں بغض نہ رکھے اسے جنت کی نوید سنائی گئی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا، إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا ۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث:6544)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوموار اور جمعرات کے دن جنت کے دروازوں کو کھول دیا جاتا ہے۔ ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ سوائے اس آدمی کے جو اپنے بھائی کے ساتھ بغض رکھتا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو/ چھوڑے رکھو، یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں)

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

26۔ دعا و مناجات

1۔ دعا اور مناجات کا مفہوم

صوفیا کے مسلک میں دعا و مناجات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ دعا و مناجات میں صوفی اپنے لیے استغفار کرتے ہیں اور اپنے مالک کی حضوری حاصل کرتے ہیں۔ وہ اس کے ذریعے اپنے محبوب سے ہم کلام ہوتے ہیں، اس کا قرب پاتے ہیں اور اپنے سینوں کو محبت الٰہی اور نور الٰہی کے لیے کھول لیتے ہیں۔

دعا کے معانی پکارنا، آواز دینا، منسوب کرنا، کسی کام کی ترغیب دینا، مدد طلب کرنا اور عبادت کرنا کے ہیں۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور بارگاہ الٰہی سے کسی اچھی چیز کی خواہش یا بری شے کا خاتمہ، اپنے یا کسی دوسرے کے لیے درخواست کرنے کو دعا کہتے ہیں۔ سادہ الفاظ میں دعا، بندے کا اللہ پاک سے اپنی حاجتیں طلب کرنا ہے۔

لغت کے اعتبار سے مناجات کا معنی ہے کسی سے خفیہ طور پر راز کی باتیں کرنا۔ اسی طرح بلندی پر جا کر کسی سے خلوت میں راز و نیاز کی باتیں کرنے کو بھی مناجات کہا جاتا ہے۔ مناجات کا اصطلاحی مفہوم سرگوشی میں اللہ پاک سے دعا کرنا ہے۔ اپنے دل کا حال بیان کرنا، اپنی ضرورت کے پورا ہونے کی آرزو کرنا اور اپنے لیے نجات اور دنیا و آخرت کی کامیابی چاہنا ہے۔ اس لفظ کو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے مفہوم میں بھی بولا جاتا ہے۔ دعا، مناجات، التجا، گزارش، دہائی، فریاد، معاونت یا استعانت، یہ سارے الفاظ بہت حد تک ایک جیسے ہیں۔ ایسی تمام دعائیں جس میں بندہ اپنے رب کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے دعا مانگتا ہے یا جس کے پڑھنے سے خود بخود رقت طاری ہو جائے اور اسے اپنے گناہ یاد آنے لگیں مناجات کے زمرہ میں آتی ہیں۔ مناجات میں عام طور پر ایسے مخصوص الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن سے احسن طریقے سے اللہ رب العزت کی حمد و ثنا کے بعد اس سے دعا مانگی جائے، مدد

طلب کی جائے اور بہتری کی درخواست کی جائے۔ (مفردات القرآن، ص:773)

مناجات میں بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ مانگنا، آہ وزاری کرنا، پچھتانا اور معافی مانگنا اللہ پاک کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو معافی مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اپنے جلال اور عزت کی قسم کھا کر کہا ہے کہ تم مجھ سے مانگو میں عطا کروں گا۔ مجھ سے معافی چاہو، میں معاف کروں گا۔ گناہوں پر شرمندگی سے آنسو بہاؤ، میں معاف کر دوں گا بلکہ انہیں نیکیوں سے تبدیل کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ گار بندے کو بہترین گناہ گار کہا ہے جو اپنے گناہ پر پچھتائے اور معافی مانگے۔

مناجات چاہے نثر میں ہو یا نظم کی صورت میں، ان میں عاجزی، انکساری اور خاکساری کا جذبہ کارفرما رہوتا ہے۔ دل میں اللہ پاک کی ہیبت وجلال اور اس کا خوف ہوتا ہے۔ اسلوب بیان اور الفاظ سے مسکینی اور بے کسی کا اظہار ہوتا ہے۔

دعا کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پکارنے اور مدد مانگنے کے سادہ مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر اس میں گناہوں کا اعتراف اور محبت کی شدت ہو اور مذکورہ شخص کی حالت ملایم اور خصوصی گفتگو کا تقاضا کرے تو اس صورت میں مناجات کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اسی کے علاوہ یہ فرق بھی ہے کہ دعا انفرادی اور اجتماعی دونوں حالتوں میں ہوتی ہے۔ یہ نماز اور غیر نماز دونوں صورتوں میں ہوسکتی ہے جب کہ مناجات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوت میں راز و نیاز اور گفتگو کی شکل ہوتی ہے۔ اس میں یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ کوئی چیز طلب کی جارہی ہو جیسا کہ دعا میں ہوتا ہے۔

2۔ قرآن میں دعا و مناجات

دعا کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ ہدایت دی ہے جیسا کہ

(1) اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قریب ہے۔ جب بندہ اپنے پروردگار کو دعا کے لیے پکارتا ہے، تو وہ اس دعا قبول فرماتا ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ۔

(سورۃ البقرۃ، آیت:186)

(جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں بتادیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں)

(2) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کو عاجزی وخوف سے پکارنے کا حکم دیا گیا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۔ (سورۃ الاعراف، آیت:55)

(لوگو! اپنے پروردگار سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو)

(3) ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے کا حکم دیا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔ (سورۃ المؤمن، آیت:60)

(اور تمہارے رب نے فرمایا: مجھ سے مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا)

(4) قرآن کریم میں انبیائے کرام علیہم السلام کی مثالوں کے توسط سے دعا کی ترغیب دی گئی ہے:

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۔ (سورۃ القمر، آیت:10)

(پھر (حضرت نوح علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا کہ میں کمزور ہوں، پس میری مدد کر)

قرآن کریم میں کئی مقامات پر انبیائے کرام علیہم السلام کی زبانی مناجات و دعائیں ملتی ہیں:

(5) حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو جب جنت میں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے مناجات کیں:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔

(سورۃ الاعراف، آیت:23)

(اے پروردگار!، ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے)

(6) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مناجات کا ذکر اس طرح ہوا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَي الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۔(سورۃ ابراہیم، آیات:35-41)

(اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت کرنے سے بچانا۔ اے ہمارے پروردگار! ان بتوں نے لوگوں کی بڑی تعداد کو گمراہ کیا ہے۔ لہٰذا جو کوئی میری راہ پر چلے، وہ تو میرا ہے اور جو میرا کہنا نہ مانے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا، مہربان ہے۔ اے ہمارے پروردگار! بے شک میں نے اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس اس وادی میں بسایا ہے جو کسی کھیتی باڑی کے لائق نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ بس لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور انہیں پھلوں سے رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر کریں۔ اے ہمارے پروردگار! تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے، نہ زمین میں نہ آسمانوں میں۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام جیسے بیٹے دیے۔ اے ہمارے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا۔ اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کردینا جب حساب قائم ہوگا)

(7) حضرت یونس علیہ السلام کی مناجات جو آپ علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔(سورۃ الانبیا، آیت:87)

(تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے، بے شک میں قصوروار ہوں)

(8) حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا تو آپ علیہ السلام نے یوں پکارا:

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (سورۃ الانبیا، آیت: 83)

(اور ایوب علیہ السلام کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا: مجھے یہ تکلیف لگ گئی ہے اور تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے)

3۔ حدیث میں دعا و مناجات

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی عظمت و برکت، دعا کے آداب اور دعا مانگنے کے بارے میں واضح ہدایات دی ہیں:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بہتر نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 382)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔ (جامع ترمذی، ج: 2، رقم الحدیث: 1323)

(3) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعا کارآمد اور فائدہ مند ہوتی ہے۔ ان حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، پس اے خدا کے بندو! دعا کا اہتمام کرو۔ (جامع ترمذی، ج: 2، رقم الحدیث: 1503)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی اللہ پاک سے نہ مانگے، اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی، ج: 2، رقم الحدیث: 1325)

(5) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ مناجات کثرت سے پڑھتے تھے:

"أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ". (صحیح بخاری، ج: 1، رقم الحدیث: 804)

(حضور نبی پاک ﷺ نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے: اے میرے پروردگار! میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور مسیح الدجال کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور زندگی کے اور موت کے فتنوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہوں سے اور قرض سے)

4۔ دعا ومناجات کے آداب

دعا ومناجات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ عظیم الشان نعمت ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ جب بندے کو دعا جیسی خصوصی نعمت حاصل ہو تو وہ پوری احتیاط، خشیت اور یقین کے ساتھ اپنی درخواست اللہ رب العزت کے حضور پیش کرے۔

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں دعا ومناجات کے کچھ آداب یوں ہیں:

(1) دعا کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثنا سے کرنی چاہیے۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا چاہیے اور یہی عمل دعا کے آخر میں بجا لانا چاہیے۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ایک شخص کو سنا: اس نے نماز میں دعا کی، جس میں نہ اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور نہ ہی آپ ﷺ پر درود بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس آدمی نے دعا میں جلد بازی کی۔ (سنن ابوداود، ج: 1، رقم الحدیث: 1477) اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب تک حضور نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے، دعا زمین وآسمان کے درمیان ٹھہری رہتی ہے، درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی۔

(جامع ترمذی، ج: 1، رقم الحدیث: 473)

(2) دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا چاہیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے قبولیت کے یقین کے ساتھ مانگا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور فضولیات میں مشغول دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ (جامع ترمذی، ج: 2، رقم الحدیث: 1432)

(3) دعا پورے اعتماد اور قبولیت کے کامل یقین کے ساتھ کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ انسان سے اس کے گمان کے مطابق سلوک فرماتا ہے:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي۔ (صحیح بخاری، ج: 3، رقم الحدیث: 2303)

(میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں)

(4) دعا میں صبر ہونا چاہیے اور جلد بازی سے بچنا چاہیے۔ اگر دعا قبول نہ ہو رہی ہو تو مایوس نہیں ہونا چاہیے، جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ دعا بذاتِ خود اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی شخص کی دعا تب قبول ہوتی ہے، جب وہ دعا مانگنے میں جلدی نہیں کرتا اور یہ نہیں کہتا کہ میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1339)

(5) دعا ہاتھ اٹھا کر مانگنی چاہیے کہ یہ عاجزی کی علامت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس طرح ہاتھ اٹھا کے مانگا کرو کہ ہتھیلیوں کا رخ سامنے ہو۔ ہاتھ الٹے کر کے نہ مانگا کرو اور جب دعا کر لو تو اٹھے ہاتھ چہرے پر پھیر لو۔

(سنن ابوداود، ج:1، رقم الحدیث:1481)

(6) اللہ تعالیٰ رحیم ہے، کریم ہے، مانگنے والے بندے پر اسے پیار آتا ہے۔ بندہ اپنے رب سے خاموشی کے ساتھ، عاجزی کے ساتھ، اطاعت کے ساتھ، فقیری کے ساتھ، چپکے چپکے، دھیمی آواز کے ساتھ، خشوع و خضوع کے ساتھ، اعتراف گناہ اور احساس ندامت کے ساتھ، گڑگڑا کر دعا کرے، یہ افضل ہے اور اللہ پاک کو بے حد پسند بھی ہے۔

(7) عام طور پر بزرگان دین کے ہاں مناجات کے لیے سحری کے وقت کو بہترین قرار دیا جاتا ہے کہ بندے کو اس وقت مناجات کرنی چاہیے۔ سحری کے اندھیرے کا وقت اللہ تعالیٰ کے تقرب کا بہترین وقت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو مناجات کی تھیں، ان کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ اس کے ضمن میں خصوصی طور پر رات کے وقت کو بیان کیا گیا ہے۔

(8) مناجات کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان صفاتی ناموں سے مخاطب کیا جائے جس ضمن میں مناجات کی جارہی ہے، مثلاً اگر توبہ واستغفار کا موقع ہے تو یا غفور، یا ستار اور یا علام الغیوب جیسی صفات کے ساتھ پکارنا چاہیے۔

(9) مناجات کا ایک ادب یہ بھی ہے جب اس کے لیے بیٹھنے کا ارادہ کیا جائے تو پہلے دل میں رقت طاری کی جائے یا اس کی کوشش کی جائے۔

(10) دعا کے دوران حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے مانگا جائے۔

5۔ دعا کی شرائط

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو چاہیں (جائز یا ناجائز) مانگ سکتے ہیں۔ توقع بھی رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد از جلد ان کی حاجات کو پورا کرے حالانکہ دعا کے لیے کچھ شرائط ہیں:

(1) انسان جس چیز کے بارے میں دعا کر رہا ہے، وہ گناہ یا غلطی کا نتیجہ نہ ہو۔ مثال کے طور پر ایک آدمی فی الحال بری حالت میں ہے اور وہ تمنا کرتا ہے کہ اس کی بری حالت اچھی حالت میں تبدیل ہو جائے۔ جب تک انسان اپنی بری حالت کے اسباب کو ختم نہیں کرتا اور گناہوں سے توبہ نہیں کرتا، تب تک اس کی وہ حالت نہیں بدلتی۔

(2) دعا نظام تکوینی یا تشریعی کے خلاف نہ ہو کیونکہ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ نظامِ الٰہی کے مقرر کردہ اہداف تک پہنچے۔ اگر انسان اس دنیا میں ہمیشہ باقی رہنے کے لیے دعا مانگے یا پھر انسان دعا مانگے کہ اسے کبھی بھی موت نہ آئے یا قطع رحمی کے لیے دعا مانگے تو یہ دعائیں قبولیت کے قابل نہیں ہیں۔

(3) دعا انسان کی جدوجہد کے خلاف نہ ہو۔ بغیر عمل کے دعا کسی کو فائدہ نہیں پہنچاتی۔ دعا کا معنی یہ نہیں ہے کہ انسان کام اور کوشش چھوڑ دے اور گھر بیٹھ کر فقط دعا کرتا رہے جیسا کہ ارشاد مبارک ہے:

عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ، سَمِعْتُهُ ، يَقُولُ، مَثَلُ الَّذِي يَدْعُو بِغَيْرِ عَمَلٍ، كَمَثَلِ الَّذِي يَرْمِي بِغَيْرِ وَتَرٍ ۔(کتاب الزہد والرقائق، رقم الحدیث:320)

(حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سنا: عمل کے بغیر دعا کرنے والا اس تیر چلانے والے شخص کی مانند ہے جو بغیر کمان کے تیر چلا رہا ہو)

(4) قبولیتِ دعا کے لیے ضروری ہے کہ انسان گناہ چھوڑ دے، سابقہ حقوق جو اس کے ذمے ہوں، ان

کوادا کرے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ پاک سے معافی کا طلب گار ہو۔

(5) دعا کی قبولیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان کا کھانا پینا، لباس حلال کمائی سے ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے آدمی کا ذکر فرمایا جو لمبے لمبے سفر کرتا ہے۔ پریشان بال، جسم گرد آلود، اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف دراز کر کے کہتا ہے: اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام اور اس کی غذا حرام ہے تو اس کی دعا کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔ (صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:3239)

(6) انسان کی دعا میں خلوص اور بندگی کا اظہار ہونا چاہیے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ (سورۃ غافر، آیت:14)

(پس اے لوگو! صرف ایک اللہ ہی کو پکارو، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے)

6۔ دعا کے ارکان

دعا کے تین ارکان ہیں:

(1) مدعو

دعا میں جس کو پکارا جاتا ہے، وہ خداوند قدوس کی ذات ہے اور اس کا خزانہ ختم نہیں ہوتا۔ وہ اپنی کبریائی میں کوئی بخل نہیں کرتا۔ کسی چیز کے عطا کرنے سے اس کی ملکیت کا دائرہ تنگ نہیں ہوتا اور وہ بندوں کی حاجتوں کو قبول کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتا۔ ارشاد ربانی ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۔ (سورۃ الاسراء، آیت:30)

(ہم ہر ایک کو نوازتے ہیں، ان کو اور اُن کو بھی۔ یہ تیرے رب کی عطا ہے اور تیرے رب کی عطا کبھی ختم نہیں ہوتی)

(2) داعی

دعا کرنے والے کو ہمیشہ اپنے محتاج اور خداوند عالم کے مختار ہونے کا احساس ہونا چاہیے۔ جتنا انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محتاج رہے گا، اتنا ہی اللہ پاک کی رحمت سے قریب رہے گا۔ بندہ ہر چیز کا

محتاج ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰأَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ۔ (سورۃ فاطر، آیت:15)

(انسانو! تم سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ پاک صاحبِ دولت اور قابلِ حمد وثنا ہے)

(3) دعا

مسلمانوں کے لیے اللہ پاک کے نزدیک ضرورتیں پوری کرنے کے لیے دعا مانگنا اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہے:

(ا) اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ (سورۃ الفاتحہ، آیت:4)

(اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)

(ب) أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ۔ (سورۃ النمل، آیت:63)

(بھلا وہ کون ہے جو مجبور کی فریاد سنتا ہے، جب وہ اس کو آواز دیتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے)

سب سے اچھی بات یہ ہے کہ انسان انبیائے اکرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بزرگانِ دین کے بتائے ہوئے کلمات اور الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرے۔ انسان کے لیے پروردگار عالم سے چھوٹی سے چھوٹی حاجت طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اپنے لیے جوتا اور جانوروں کے لیے چارہ اور اپنے لیے آٹا نمک بھی مانگ سکتا ہے۔

7۔ دعا کے مخصوص اوقات

دعا اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک ایسا مخصوص تعلق ہوتا ہے۔ جس میں بندہ اپنے معبود سے اپنے دل کا حال بیان کرتا ہے۔ اپنی مشکل کا اظہار کرتا ہے، اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہے، بخشش کی درخواست کرتا ہے۔ دعا دراصل بندے اور اس کے خالق کے درمیان براہ راست رابطہ ہوتی ہے۔ دعا کے لیے مخصوص الفاظ ضروری نہیں۔ بندہ اپنے پروردگار سے دن یا رات کے کسی بھی حصے میں دعا مانگ سکتا

ہے۔کوئی خاص وقت اس مقصد کے لیے مقرر نہیں، تاہم احادیث مبارکہ سے دعا کے لیے خاص احوال و اوقات ثابت ہیں۔ان احوال واوقات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کی خاص امید کی جاتی ہے۔

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی۔(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:205)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت (لمحہ) ہے،جس کو مسلمان نماز کے دوران پالے تو وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا،اس کو ضرور پالے گا۔(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:1963)

(3) شبِ قدر کی قرآن وحدیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔

لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۔(سورۃ القدر، آیت:3)

(شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے)

(4) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا: کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات کے آخری حصے میں مانگی گئی دعا اور فرض نمازوں کے بعد مانگی گئی دعا (جلد قبول ہوتی ہے)۔(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1453)

(5) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔اس لیے تم سجدہ میں زیادہ سے زیادہ دعائیں مانگا کرو۔

(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:1078)

(6) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: جو شخص قرآن پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے ذریعہ اللہ پاک ہی سے مانگے اور وہ وقت آنے والا ہے جب لوگ قرآن کریم پڑھیں گے اور اس کے ذریعہ دوسروں کے آگے دست سوال دراز کریں گے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:2، رقم الحدیث:734)

(7) عمرو بن شعیبؒ عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہترین دعا یوم عرفہ کی دعا ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث: 3585)

(8) رمضان شریف کے مہینے میں اور روزہ افطار کرتے وقت دعا کرنا مفید ہے۔

(اشعۃ اللمعات، ج:2، ص:72)

8۔ دعا کے مخصوص مقامات

دعا کے لیے مخصوص مقامات کی بھی قید نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہر جگہ ہر مقام پر سنتا ہے۔ پھر بھی بعض مقامات پر دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں: (i) بیت اللہ شریف میں طواف کرتے ہوئے، (ii) مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، (iii) ملتزم[1] پر چمٹ کر دعا کرنا، (iv) میزابِ رحمت[2] کے نیچے، (v) بیت المقدس میں، (vi) حجر اسود اور مقام ابرہیم علیہ السلام کے درمیان، (vii) صفا و مروہ کے پہاڑیوں پر، (viii) مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے، (ix) مقام سعی میں، (x) میدان عرفات میں، (xi) زمزم کا پانی پیتے وقت، (xii) مشعر الحرام مزدلفہ میں، (xiii) رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان، (xiv) دونوں جمروں، یعنی جمرہ صغریٰ اور جمرہ وسطیٰ کے پاس کنکریاں مارنے کے بعد۔

9۔ بزرگوں کی مناجات

بزرگانِ دین نے مناجات کی کتب تصنیف کی ہیں۔ بعض کتب میں قرآنی دعاؤں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ بعض صوفیا نے نظم کی صورت میں بھی مناجات مرتب کی ہیں۔ صالحینِ امت کی مشہور مناجات میں سے چند یہ ہیں:

(1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ[3] کی ایک مشہور مناجات کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

---

[1]۔ باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان بیت اللہ کی دیوار کا حصہ ملتزم کہلاتا ہے۔

[2]۔ خانہ کعبہ کی چھت سے پانی بہہ کر نیچے آنے کا جو پرنالہ ہے، اسے میزابِ رحمت کہتے ہیں۔

[3]۔ یہ مناجات دعائے ابوبکر صدیقؓ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

خذ بلطفك يا إلهی من له زاد قليل
مفلس بالصدق يأتی عند بابك يا جليل
كيف حالی يا إلهی ليس لی خير العمل
سوء أعمال كثير زاد طاعاتی قليل

(اے الٰہی، جس کا توشہ قلیل ہے، اس کا ہاتھ اپنے کرم سے تھام لے)
(اے رب جلیل، صدق کی دولت لے کر مفلس تیرے در پر آیا ہے)
(میرا حال کیا ہے؟ اے الٰہی، میرے پاس اچھا عمل نہیں ہے)
(برے اعمال زیادہ ہیں اور اطاعت کم ہے)

(2) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ[1] کی یہ مناجاتیں مشہور ہیں:

(i) اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْاَمَانَ يَوْمَ لَايَنْفَعُ مَالٌ وَلَابَنُونَ إِلَّامَنْ أَتَى اللهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ـ وَأَسْأَلُكَ الْاَمَانَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يَالَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيلاً ـ

(اے میرے پروردگار! میں اس دن تیری پناہ چاہتا ہوں کہ جس میں مال اور اولاد کام نہ آئیں گے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کے حضور پاک دل لے کر آئے۔ میں اس روز سے پناہ چاہتا ہوں جب ظالم اپنے ہاتھوں کو چباتے ہوئے کہے گا: کاش کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ اختیار کیا ہوتا)

(ii) اللهم اغفر لی ما تقربت به إليك بلسانی ثم ألفه قلبی ۔ (نہج البلاغہ، ص:127)

(اے میرے پروردگار! اگر میں نے اپنی زبان سے خود کو تیرے نزدیک کیا ہے اور میرے دل نے اس کی مخالفت کی ہے تو مجھے اس کے لیے بھی بخش دینا)

(iii) يا سَرِيعَ الرِّضا، اِغْفِرْ لِمَنْ لا يَمْلِكُ إلاَّ الدُّعاءَ، فَإِنَّكَ فَعّالٌ لِما تَشاءُ، يا مَنِ اسْمُهُ

[1] ۔ یہ مناجات بھی نثر کی شکل میں ایک دعا ہے جو حضرت علی جامع مسجد کوفہ میں پڑھا کرتے تھے۔ یہ مناجات بتیس حصوں پر مشتمل ہے۔

دَواءٌ وَذِكْرُهُ شِفاءٌ وَطاعَتُهُ غِنيً۔

(اے جلدی راضی ہو جانے والے، اس بندے کو معاف کر دے جس کے پاس دعا کے سوا چارہ نہیں، آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اے وہ ذات کہ جس کا نام دوا ہے اور اس کا ذکر شفا ہے اور اس کی اطاعت ہر شے سے بے پروا کرنے والی ہے)

(3) امام زین العابدینؒ (متوفی 95 ہجری/ 713ء) کی ایک مناجات جو صحیفہ سجادیہ[1] سے ہے:

إلهِي أَلْبَسَتْنِي الْخَطايا ثَوْبَ مَذَلَّتِي وَجَلَّلَنِي التَّباعُدُ مِنْكَ لِباسَ مَسْكَنَتِي۔ فَوَعِزَّتِكَ ما أَجِدُ لِذُنُوبِي سِواكَ غافِراً وَلاَ أَرَىٰ لِكَسْرِي غَيْرَكَ جابِراً وَقَدْ خَضَعْتُ بِالْإِنابَةِ إلَيْكَ، وَعَنَوْتُ بِالْإِسْتِكانَةِ لَدَيْكَ۔

(اے معبود! میرے گناہوں نے مجھے ذلت کا لباس پہنا دیا۔ تجھ سے دوری کے باعث بے چارگی نے مجھے ڈھانپ لیا۔ تیری عزت کی قسم! میرے گناہوں کو تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔ میری ٹوٹی ہڈی کو کوئی اور جوڑنے والا نہیں۔ میں توبہ کرتے ہوئے تیرے سامنے جھک گیا ہوں اور تیرا ہی سہارا طلب کرتا ہوں)

(4) خواجہ عبداللہ انصاریؒ (متوفی 481 ہجری/ 1089ء) کا مناجات نامہ اور الٰہی نامہ بہت مشہور ہیں۔ آپؒ کی مناجات سے چند یہ ہیں:

(i) الٰہی! کدام محنت از بی خبری؟ از محنت آب و گل خلاص یابم، گر در من نگری۔

(الٰہی! بے خبری سے بڑھ کر کون سی بڑی مصیبت ہے؟ اگر تو مجھ پر اپنی نظرِ کرم کر دے تو میں آب و خاک کے تمام دکھوں سے نجات پا جاؤں)

(ii) الٰہی! یقین ده که در خلاب طمع نمانیم، بنمای تادر روی کس ننگریم، بکشای تا بردر کس نگذریم۔

---

[1] صحیفہ سجادیہ امام زین العابدینؒ سے منقول مناجاتوں اور دعاؤں پر مشتمل کتاب ہے۔

(الٰہی! یقین دے کہ طمع کی دلدل میں نہ پھنس جائیں، اپنا ظہور فرما تا کہ غیر کی جانب نہ دیکھیں، اپنا در کھول تا کہ کسی اور در کی طرف نہ جائیں)

(iii) الٰہی از کشتہ ی تو بوی خون نیاید واز سوختہ تو بوی دود، چراکہ سوختہ ی توبہ سوختن شادست وکشتہ ی تو بہ کشتن خوشنود۔

(الٰہی، تیری راہ میں جان دینے والوں سے خون کی بو نہیں آتی اور تیرے عشق میں جلنے والوں سے دھوئیں کی بو نہیں آتی، کیونکہ تیرے عشق میں جلنے والا جلنے پر شاد ہے اور تیری راہ میں قربان ہونے والا اپنی قربانی پر مسرور ہے)

(5) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی 561ہجری/ 1165ء) کی مناجات کے چند فقرے یہ ہیں:

اللّٰهمَّ حُلَّ هذه العُقْدة و أزل هذه العُسْرة. اللهم حجتي حاجتي، وعدتي فاقتي، ووسيلتي انقطاع حيلتي، ورأس مالي عدم احتيالي، وشفيعي دموعي، و كنزي عجزي. إلهي قطرة من بحار جودك تغنيني، وذرة من تيار عفوك تكفيني، فارحمني وارزقني، واهدني وعافني واعفُ عني واغفر لي واقض حاجتي ونفّس كربتي وفرّج همي وا كشف غمي برحمتك يا أرحم الراحمين.

(اے میرے پروردگار! اس گرہ کو کھول دے اور اس مشکل کو دور کر دے۔ اے میرے پروردگار! میری دلیل میری حاجت ہے، میرا زادِراہ میرا فاقہ ہے۔ میرا وسیلہ تدبیر کا ختم ہونا ہے۔ میرا سرمایہ میری چالاکی کا نہ ہونا ہے۔ میرے سفارشی میرے آنسو ہیں۔ میرا خزانہ میری کمزوری ہے۔ اے میرے پروردگار! تیری سخاوت کے سمندروں سے ایک قطرہ مجھے غنی کر دیتا ہے۔ تیری بخشش کے دھارے میں سے ایک ذرہ میرے لیے کافی ہے۔ مجھ پر رحم فرما اور مجھے رزق عطا فرما دیجیے۔ مجھے ہدایت عطا کر اور عافیت دے۔ مجھ سے درگزر فرما اور میری مغفرت کر دیجیے۔ میری حاجت پوری فرما اور میری پریشانی ختم کر دیجیے۔ میری تکلیف کا ازالہ فرما اور میرا غم دور کر دیجیے۔ تیری رحمت کے صدقے، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے)

(6) دعائے حزب البحر ایک خاص دعا ہے جو قطبِ عالم حضرت ابوالحسن شاذلیؒ (متوفی 656ہجری /1258ء) سے منسوب ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

اللّٰهُمَّ یا علیُّ یا عظیمُ یا حلیمُ یا علیمُ أنت ربی وعلمُكَ حسبی۔ فنعمَ الربُّ ربی ونعمَ الحسْبُ حَسبی تنصرُ من تشاءُ وأنت العزیزُ الرحیمُ۔

(اے میرے پروردگار! اے بلند مرتبہ، اے عظیم، بردبار اور علم والے تو ہی میرا رب ہے اور تیرا علم مجھے کافی ہے۔ تو سب سے بہترین رب ہے اور تو ہی مجھے کافی ہے۔ تو جس کی چاہے مدد کرتا ہے اور تو ہی غالب ورحیم ہے)

(7) مناجات حضرت احمد بن محمد بن العجیبہؒ (متوفی 1224ہجری/1809ء)[1] کے آخری الفاظ یہ ہیں:

إِلٰهِي كَيْفَ لَا أَفْتَقِرُ إِلَيْكَ وَأَنْتَ الَّذِي فِي الْفَقْرِ اَقَمْتَنِي أَمْ كَيْفَ أَفْتَقِرُ إِلىٰ غَيْرِكَ وأَنْتَ الَّذِي بِجُودِكَ أَغْنَيْتَنِي أَنْتَ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُكَ تَعَرَّفْتَ لِكُلِّ شَيْءٍ فَمَا جَهَلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الَّذِي تَعَرَّفَ إِلَيَّ فِي كُلِّ شَيْءٍ فَرَأَيْتُكَ ظَاهِرًا فِي كُلِّ شَيْءٍ فَأَنْتَ الظَّاهِرُ لِكُلِّ شَيْءٍ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ لِكُلِّ شَيْءٍ ، يَا مَنِ اسْتَوٰى بِرَحْمَانِيَّتِهٖ عَلَى عَرْشِهٖ فَصَارَ الْعَرْشُ غَيْباً فِي رَحْمَانِيَّتِهٖ۔

(اے معبود! میں تیرا محتاج کیسے نہ رہوں جب کہ تو نے ہی مجھ کو محتاجی میں قائم کیا ہے یا میں تیرے غیر کا محتاج کیسے ہو جاؤں جب کہ تو نے ہی اپنے فضل وکرم سے مجھ کو بے نیاز کر دیا ہے؟ تو ہی وہ ذات پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو نے ہر شے کو اپنی پہچان کرائی، لہٰذا کوئی شے تجھ سے ناواقف نہیں رہی۔ تو ہی وہ پاک ذات ہے کہ تو نے ہر شے میں مجھ کو اپنی پہچان کرائی۔ میں نے ہر شے میں تجھے ظاہر دیکھا۔ تو ہی ہر شے کا ظاہر ہے۔ تو ہی ہر شے کا باطن ہے۔ اے وہ پاک ذات جو اپنی رحمانیت کے ساتھ اپنے عرش پر قائم ہے)

چار چیز آورده ام شاہا کہ در گنج تو نیست
بی کسی و نا کسی عجز و گناه آورده ام

(چار چیزیں ایسی لے کر آیا ہوں جو اے شاہ تیرے خزانے میں نہیں ہیں)
(بے کسی، ناکسی، عذر اور گناہ لے کر آیا ہوں)

[1] ۔ یہ مناجات 'ایقاظ الہمم فی شرح الحکم' کے نام سے بھی معروف ہے۔

27۔ کرامات

1۔ کرامت اور معجزہ

کرامت کا لغوی معنی دلی خوشی، عزت نفس ہے، جب کہ اصطلاح میں کرامت سے مراد وہ خرق عادت امور ہیں جنہیں اللہ تعالی اپنے اولیا کے ہاتھوں جاری فرماتا ہے۔ کرامت کا ظہور کسی فرد کی عظمت کو اجاگر کرنے کے لیے، یا کسی کو ششدر کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔ کرامت بھی بادشاہت، سلطنت اور مال و دولت کی طرح ایک امتحان اور آزمائش ہے۔ (فوائد، ج:1، ص:155)

ولی جب اپنی ذات کو مٹا کر فنا ہو جاتا ہے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول میں مگن رہتا ہے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں زندگی گزارتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کے ساتھ اس کی تکریم و تصدیق کے لیے کبھی کبھار اس کے ہاتھ پر کرامت اظہار فرما دیتا ہے۔ کرامت کسی ولی کا ذاتی عمل نہیں ہوتا اور نہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ محض اپنی مرضی سے جب چاہے جس طرح کے بھی خلاف عادت کام کا چاہے وہ اس کے ہاتھ پر ظاہر ہو جائے۔

کرامت کبھی علم و کشف کی صورت میں ہوتی ہے اور کبھی قدرت و تاثیر کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ علم و کشف کی صورت یہ ہے کہ کسی ولی کو ایسا علم حاصل ہو جائے جو عام لوگوں کو حاصل نہیں ہوتا یا اس کے سامنے ایسے امور ظاہر و منکشف ہو جائیں جو عام لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں ہوتے، جب کہ قدرت و تاثیر کی شکل یہ ہوتی ہے کہ خوارقِ عادت کا کوئی حسی سطح پر ظہور ہو جائے۔ اس کی مثال حضرت سلیمان علیہ السلام کا ساتھی ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ میں سبا کے تخت شاہی کو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دوں گا۔

بہت سے عظیم صوفیا کرامات کو ناپسند کرتے تھے، مگر آہستہ آہستہ تصوف میں کرامات کا مطالبہ بھی بڑھتا گیا اور کرامات کے بارے میں غیر معمولی قصے کہانیاں بیان ہونا شروع ہو گئے۔ آج تو ولی کی شناخت کرامت بن گئی ہے حالانکہ عظیم صوفیا کو ناپسند کرتے تھے اور آزمائش سمجھتے تھے۔

کرامت پہلی امتوں کے نیکوکار افراد میں بھی ظاہر ہوتی تھی۔اس کی دلیل وہ واقعات بھی ہیں جو احادیث مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں۔مثال کے طور پر اصحاب الاخدود والا واقعہ[1]۔اسی طرح تین نیک لوگوں کا واقعہ جو ایک غار میں پھنس گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا[2]۔حضرت مریم علیہا السلام کے پاس غیر موسمی پھلوں کا آنا ان کی کرامت تھی[3]۔اسی طرح سلیمان علیہ السلام کے نیک ساتھی کا بلقیس کے تخت کو لانا[4] یا خضر علیہ السلام کے ہاتھ پر کرامات کا ظہور[5] بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

کرامت کے برخلاف معجزہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔معجزہ عجز سے ہے اور اس کے معنی عاجز کرنے والے عمل کے ہیں۔وہ خارق العادت اور غیر معمولی اعمال جو انبیائے کرام علیہم السلام انجام دیتے ہیں اور دوسرے ان کے انجام دینے سے عاجز ہیں، معجزہ کہلاتے ہیں۔بنیادی طور پر معجزہ اور کرامت کے مابین فرق یہ ہے کہ اگر خارق عادت اور خلاف عادت فعل کسی نبی سے فعل صادر ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں اور کسی غیر نبی یا ولی سے ظاہر ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔

اگر کوئی خلافِ عادت بات یا خارقِ امر چیز کسی غیر مسلم یا ایسے شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہو جو فاسق، فاجر اور خلاف سنت و شریعت کام کرتا ہو تو اس کو 'استدراج' کہتے ہیں۔(شرح العقائد، 347) جب دجال آئے گا تو اس کے ہاتھ پر بہت کچھ ایسا ظاہر ہوگا جو خرق عادت ہوگا۔وہ بادلوں کو حکم دے گا تو وہ اکٹھے ہوکر بارش برسانا شروع کر دیں گے، زمین پر پاؤں مارے گا تو وہ سونا چاندی اگل دے گی۔جو لوگ اس کو خدا مانیں گے، وہ ان کے گھروں کو دولت سے بھر دے گا۔ایسی کئی قسم کی عجیب و غریب چیزیں اس سے صادر ہوں گی، یہ استدراج ہے۔یہ اصل میں دوسرے لوگوں کے لیے امتحان ہوتا ہے کہ وہ غیر شرعی خوارق اور خلاف عادت چیزوں کو پہچانیں اور خود کو فتنے سے محفوظ رکھیں۔

---

[1] سورۃ البروج، آیات: 4-7

[2] صحیح مسلم، باب الادب المفرد، رقم الحدیث: 6949

[3] سورۃ آل عمران، آیت: 37

[4] سورۃ النمل، آیت: 40

[5] سورۃ کہف، آیات: 65-82

2۔ قرآن میں کرامات

قرآن کریم سے اولیاء اللہ کے ہاتھوں کرامات کا ظہور ثابت ہے۔

(1) کرامت کا ایک واقعہ سلیمان علیہ السلام کی مجلس سے منسوب ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے درباریو! تم میں سے کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں۔ایک جن بولا کہ میں وہ تخت آپ کی خدمت میں آپ کے اس مقام سے کھڑے ہونے سے پہلے حاضر کر دوں گا اور میں بے شک اس پر قوت رکھنے والا، امانت دار ہوں۔جس کے پاس کتاب کا علم تھا، اس نے عرض کی کہ میں اسے آپ کی بارگاہ میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا۔پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا: یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟ (سورۃ النمل، آیات: 38-40)

(2) حضرت مریم علیہا السلام کے پاس گرمی کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمی میں موجود ہوتے تھے: جب حضرت زکریا علیہ السلام، مریم علیہا السلام کے پاس، اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے تو ان کے پاس نیا رزق پاتے۔اس پر حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا: اے مریم علیہا السلام! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ حضرت مریم علیہا السلام بولیں: وہ اللہ کے پاس سے ہے۔(سورۃ آل عمران، آیت: 37)

(3) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام نے اکٹھے سفر کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے دریا پار کرتے ہوئے کشتی کے ایک تختے کو توڑ دیا۔پھر آگے گئے تو ایک بچہ جو دیگر بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، اسے قتل کر دیا۔پھر ایک بستی میں گئے تو وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا تو کسی نے مہمان نوازی نہ کی۔حضرت خضر علیہ السلام نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے والی تھی، اسے بغیر اجرت کے صحیح کر کے بنا دیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پوچھنے پر حضرت خضر علیہ السلام نے بتایا کہ کشتی کو اس لیے عیب دار کر دیا کہ قریبی بادشاہ ہر اچھی کشتی کو چھین لیتا تھا اور عیب دار کو چھوڑ دیتا تھا۔بچے کو اس لیے قتل کیا کہ اس کے والدین نیک لوگ ہیں اور بچے نے بڑا ہو کر اپنے والدین کو کفر میں مبتلا کر دینا تھا۔دیوار اس لیے صحیح کر کے بنا دی کہ یہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ان کا والد نیک آدمی تھا۔اس دیوار کے نیچے ایک خزانہ دفن تھا، اگر یہ گر جاتی تو لوگ اسے نکال کر لے جاتے۔اللہ پاک نے چاہا کہ وہ بچے بڑے ہو کر اس خزانے کو نکال لیں۔(دیکھیے سورۃ الکہف، آیات: 71، 74، 77، 79، 80، 81، 82)

(4) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے کچھ نیک افراد نے فتنہ وفساد سے بچنے اور اپنے ایمان کی حفاظت کرنے کے لیے ایک غار میں پناہ لی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند کی حالت طاری فرمادی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِئَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ۔(سورۃ الکھف، آیت:25)

(اور وہ اپنے غار میں تین سو برس ٹھہرے اور اس پر نو برس زیادہ کیے)

3۔ احادیث میں کرامات

احادیث مبارکہ میں ایسے واقعات کا بیان ہے جو کرامت ہیں:

(1) ایک حدیث میں سابقہ امتوں میں سے کسی امت کے کچھ نیک لوگوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جسے غار والوں کا واقعہ بھی کہا جاتا ہے۔ وہ ایک مشکل میں پھنس گئے تھے جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نکال دیا۔ یہ ان نیکوکار افراد کی کرامت تھی: تین افراد پیدل چل رہے تھے، اچانک بارش آ گئی تو ان نے ایک غار میں پناہ لے لی۔ پھر ایک بڑا پتھر گرا اور اس نے غار سے نکلنے کے راستے کو بالکل بند کر دیا۔ تینوں آدمیوں نے اپنی اپنی اس نیکی کو یاد کر کے اللہ پاک سے دعا مانگی جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کی لیے کی تھی۔ پروردگار! نے اس پتھر کو غار کے منہ سے ہٹا دیا۔ اس طرح وہ تینوں غار سے باہر نکل آئے۔

(دیکھیے صحیح مسلم، رقم الحدیث:6940)

(2) ایک حدیث مبارکہ میں حضرت سارہ علیہا السلام کی کرامت کا ذکر آتا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ایک ایسے ظالم بادشاہ کی سلطنت سے گزر ہوا جو دوسروں سے ان کی خوبصورت بیوی چھین لیتا تھا اور شوہر کو قتل کروا دیتا تھا۔ اگر عورت کے ساتھ اس کا بھائی ہوتا تو عورت تو چھین لیتا لیکن بھائی کو چھوڑ دیتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت سارہ علیہا السلام کے رشتہ کے بارے میں پوچھا تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہم دینی بہن بھائی ہیں۔ اس بادشاہ نے آپ علیہ السلام کو تو چھوڑ دیا لیکن حضرت سارہ علیہا السلام کو چھین لیا۔ پھر جب بادشاہ نے بری نیت سے حضرت سارہ علیہا السلام کی طرف رجوع کیا تو اللہ پاک نے اس کے پاؤں زمین میں دھنسا دیے حتیٰ کہ وہ

اپنی اس بری نیت سے باز آیا اور توبہ کی۔ (دیکھیے صحیح بخاری، رقم الحدیث: 2217)

4۔ رسولؐ کے معجزات

حضور نبی پاک ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بہت سی خلافِ عادت چیزوں کو ظاہر کیا تھا۔ ان میں سے چند معجزات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

(1) حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ أَنَّهُمْ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيرٍ فَأَدْلَجُوا لَيْلَتَهُمْ حَتَّى إِذَا كَانَ وَجْهُ الصُّبْحِ عَرَّسُوا، فَغَلَبَتْهُمْ أَعْيُنُهُمْ حَتَّى ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ فَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ مِنْ مَنَامِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَكَانَ لَا يُوقِظُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَنَامِهِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ فَاسْتَيْقَظَ عُمَرُ فَقَعَدَ أَبُو بَكْرٍ عِنْدَ رَأْسِهِ فَجَعَلَ يُكَبِّرُ، وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ حَتَّى اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَ وَصَلَّى بِنَا الْغَدَاةَ فَاعْتَزَلَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّ مَعَنَا فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: يَا فُلَانُ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَنَا، قَالَ: أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَيَمَّمَ بِالصَّعِيدِ، ثُمَّ صَلَّى وَجَعَلَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رُكُوبٍ بَيْنَ يَدَيْهِ وَقَدْ عَطِشْنَا عَطَشًا شَدِيدًا، فَبَيْنَمَا نَحْنُ نَسِيرُ إِذَا نَحْنُ بِامْرَأَةٍ سَادِلَةٍ رِجْلَيْهَا بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ، فَقُلْنَا لَهَا: أَيْنَ الْمَاءُ، فَقَالَتْ: إِنَّهُ لَا مَاءَ، فَقُلْنَا: كَمْ بَيْنَ أَهْلِكِ وَبَيْنَ الْمَاءِ، قَالَتْ: يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، فَقُلْنَا: انْطَلِقِي إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: وَمَا رَسُولُ اللهِ فَلَمْ نُمَلِّكْهَا مِنْ أَمْرِهَا حَتَّى اسْتَقْبَلْنَا بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثَتْهُ بِمِثْلِ الَّذِي حَدَّثَتْنَا غَيْرَ أَنَّهَا حَدَّثَتْهُ، أَنَّهَا مُؤْتِمَةٌ فَأَمَرَ بِمَزَادَتَيْهَا فَمَسَحَ فِي الْعَزْلَاوَيْنِ فَشَرِبْنَا عِطَاشًا أَرْبَعِينَ رَجُلًا حَتَّى رَوِينَا فَمَلَأْنَا كُلَّ قِرْبَةٍ مَعَنَا وَإِدَاوَةٍ غَيْرَ، أَنَّهُ لَمْ نَسْقِ بَعِيرًا وَهِيَ تَكَادُ تَنِضُّ مِنَ الْمِلْءِ ثُمَّ، قَالَ: هَاتُوا مَا عِنْدَكُمْ فَجُمِعَ لَهَا مِنَ الْكِسَرِ وَالتَّمْرِ حَتَّى أَتَتْ أَهْلَهَا، قَالَتْ: لَقِيتُ أَسْحَرَ النَّاسِ أَوْ هُوَ نَبِيٌّ كَمَا زَعَمُوا فَهَدَى اللهُ ذَاكَ الصِّرْمَ بِتِلْكَ الْمَرْأَةِ فَأَسْلَمَتْ وَأَسْلَمُوا".

(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث: 825)

(حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی پاک ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ رات

پھر سب لوگ چلتے رہے، جب صبح کا وقت قریب ہوا تو پڑاؤ کیا چونکہ ہم تھکے ہوئے تھے، اس لیے سب لوگ اتنی گہری نیند سو گئے کہ سورج پوری طرح نکل آیا۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جاگے۔ لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے ہوتے تو جگاتے نہیں تھے تا آنکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی جاگتے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی جاگ گئے۔ آخر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کے قریب بیٹھ گئے اور بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے لگے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جاگ گئے اور وہاں سے کوچ کا حکم دے دیا۔ پھر کچھ فاصلے پر تشریف لائے اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترے اور ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ ایک شخص ہم سے دور کونے میں بیٹھا رہا۔ اس نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس سے فرمایا: اے فلاں! ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ اس نے عرض کیا: مجھے غسل کی حاجت ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ پھر اس نے بھی تیمم کے بعد نماز پڑھی۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے چند سواروں کے ساتھ آگے بھیج دیا تا کہ پانی تلاش کریں کیونکہ ہمیں سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ اب ہم اسی حالت میں چل رہے تھے کہ ہمیں ایک عورت ملی جو دو مشکوں کے درمیان سواری پر اپنے پاؤں لٹکائے ہوئے جا رہی تھی۔ ہم نے اس سے کہا کہ پانی کہاں ملتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہاں پانی نہیں ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ تمہارے گھر سے پانی کتنے فاصلے پر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک دن ایک رات کا فاصلہ ہے۔ ہم نے اس سے کہا کہ اچھا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چلو۔ وہ بولی رسول اللہ کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، آخر ہم اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی وہی کہا جو ہم سے کہہ چکی تھی۔ ہاں اتنا اور کہا کہ وہ یتیم بچوں کی ماں ہے، اس لیے واجب الرحم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اس کے دونوں مشکیزوں کو اتارا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دہانوں پر دست مبارک پھیرا۔ ہم چالیس پیاسے آدمیوں نے اس میں سے خوب سیراب ہو کر پیا اور اپنے تمام مشکیزے اور بالٹیاں بھی بھر لیں۔ صرف ہم نے اونٹوں کو پانی نہیں پلایا، اس کے باوجود اس کی مشکیں پانی سے اتنی بھری ہوئی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا ابھی بہہ پڑیں گی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے، کھانے کی چیزوں میں سے میرے پاس لاؤ۔ اس عورت کے لیے روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں لا کر جمع کر دی گئیں۔ پھر جب وہ اپنے قبیلے میں آئی تو اپنے آدمیوں سے اس نے کہا کہ آج میں سب سے بڑے جادوگر سے مل کر آئی ہوں یا پھر جیسا کہ اس کے

ماننے والے لوگ کہتے ہیں، وہ واقعی نبی ہے۔آخر اللہ تعالیٰ نے اس کے قبیلے کو اسی عورت کی وجہ سے ہدایت دی۔وہ خود بھی اسلام لائی اور تمام قبیلے والوں نے بھی اسلام قبول کر لیا)

(2) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: "أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَاءٍ وَهُوَ بِالزَّوْرَاءِ فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ".

(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:826)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک (پانی کا) برتن حاضر کیا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت (مدینہ کے نزدیک) مقام زوراء میں تشریف رکھتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس برتن میں ہاتھ رکھا تو اس میں سے پانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹنے لگا اور اسی پانی سے پوری جماعت نے وضو کیا)

(3) حَدَّثَنِي جَابِرٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّ أَبَاهُ تُوُفِّيَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: إِنَّ أَبِي تَرَكَ عَلَيْهِ دَيْنًا وَلَيْسَ عِنْدِي إِلَّا مَا يُخْرِجُ نَخْلُهُ وَلَا يَبْلُغُ مَا يُخْرِجُ سِنِينَ مَا عَلَيْهِ فَانْطَلِقْ مَعِي لِكَيْ لَا يُفْحِشَ عَلَيَّ الْغُرَمَاءُ، فَمَشَى حَوْلَ بَيْدَرٍ مِنْ بَيَادِرِ التَّمْرِ فَدَعَا ثُمَّ آخَرَ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: انْزِعُوهُ فَأَوْفَاهُمُ الَّذِي لَهُمْ وَبَقِيَ مِثْلُ مَا أَعْطَاهُمْ". (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:834)

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کا انتقال ہوا اور ان پر کچھ قرض تھا۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میرے والد نے اپنے او پر کچھ قرض چھوڑا ہے۔میرے پاس بجز اس کے جوان کے کھجور کے درختوں سے پیدا ہو، کچھ نہیں ہے۔اس کی پیداوار کئی سال تک ان کے قرض کی ادائیگی کے لیے کافی نہ ہوگی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ چلیے تا کہ قرض خواہ مجھ پر سختی نہ کریں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے اور ان کھجور کے ڈھیروں میں سے ایک کے گرد گھومے اور دعا کی، پھر دوسرے ڈھیر پر (ایسا ہی کیا)۔اس کے بعد ایک ڈھیر پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ چھوہارے نکالو۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا قرض پورا کر دیا اور جتنا ان کو دیا، اتنے چھوہارے بچ بھی رہے)

(4) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَخْطُبُ إِلَى جِذْعٍ فَلَمَّا اتَّخَذَ الْمِنْبَرَ

تَحَوَّلَ إِلَيْهِ فَحَنَّ الْجِذْعُ فَأَتَاهُ فَمَسَحَ يَدَهُ عَلَيْهِ". (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:837)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کی لکڑی سے ٹیک لگا کے خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب منبر بنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے تو یہ ستون زار و قطار رونے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس آئے اور اپنا دست مبارک اس پر پھیرا)

5۔ صحابہؓ کی کرامات

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھ پر کئی مرتبہ کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ ان میں سے بعض واقعات کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

(1) ایک جنگ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز لشکر کے امیر تک پہنچ گئی:

وعن ابن عمر أن عمر بعث جيشا وأمر عليهم رجلا يدعى سارية فبينما عمر يخطب فجعل يصيح: يا أمير المؤمنين لقينا عدونا فهزمونا فإذا بصائح يصيح: يا ساري الجبل. فأسندنا ظهورنا إلى الجبل فهزمهم الله تعالى. (مشکوٰۃ المصابیح، ج:5، رقم الحدیث:544)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روانہ کیا اور ساریہ نامی شخص کو اس کا امیر مقرر کیا۔ اس اثنا میں کہ عمر رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ زور سے کہنے لگے: ساریہ! پہاڑ کی طرف، پھر لشکر کی طرف سے ایک قاصد آیا تو اس نے کہا: امیر المومنین! ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس نے ہمیں شکست سے دوچار کر دیا تھا مگر اچانک کسی نے زور سے آواز دی: ساریہ! پہاڑ کو نہ چھوڑو۔ ہم نے اپنی پشتیں پہاڑ کی جانب کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست سے دوچار کر دیا)

(2) عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: "كَانَ رَجُلٌ، يَقْرَأُ سُورَةَ الْكَهْفِ وَعِنْدَهُ فَرَسٌ مَرْبُوطٌ بِشَطَنَيْنِ، فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدُورُ وَتَدْنُو، وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ مِنْهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ".

(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:1850)

(حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسید حضیر رضی اللہ عنہ، سورہ کہف کی تلاوت کر رہے تھے

اوران کے نزدیک ایک گھوڑا دو رسیوں میں بندھا ہوا تھا۔ انہیں ایک بادل نے ڈھانپ لیا اوران کے نزدیک سے نزدیک تر ہونے لگا۔ ان کا گھوڑا اس کی وجہ سے بدکنے لگا۔ پھر جب صبح ہوئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ سکینت تھی، جو تلاوت قرآن مجید کی وجہ سے اتری تھی)

(3) صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو لوگوں نے ان کی نعش کو ڈھونڈا لیکن نہ ملی۔ ان کی نعش کو آسمان پر اٹھالیا گیا تھا: بئر معونہ کے حادثہ میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گئے تھے۔ جب بئر معونہ کے حادثہ میں قاری صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید کیے گئے اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ قید کیے گئے تو حضرت عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے ایک لاش کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ یہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس پر حضرت عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ شہید ہو جانے کے بعد ان کی لاش آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ میں نے اوپر نظر اٹھائی تو لاش آسمان وزمین کے درمیان لٹک رہی تھی۔ پھر وہ زمین پر رکھ دی گئی۔ (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:1316)

(4) صحابی رسول حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کو شیر نے راستہ دکھایا اور ان کی حفاظت بھی کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سفینہ رضی اللہ عنہ سرزمین روم میں لشکر سے بچھڑ گئے یا انہیں قید کر لیا گیا۔ بعد میں وہ لشکر کی تلاش میں دوڑنے لگے تو اچانک شیر سے سامنا ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا: ابوالحارث (شیر کی کنیت) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں، میرے ساتھ یہ مسئلہ بنا ہے۔ شیر دم ہلاتا ہوا آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا، حتیٰ کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ جب وہ کہیں سے خوفناک آواز سنتا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ پھر وہ ان کی طرف آجاتا حتیٰ کہ وہ لشکر کے ساتھ جاملے پھر شیر واپس چلا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح، رقم الحدیث:5949)

(5) دو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی لاٹھیوں سے رات کے وقت روشنی نکلنے گی اور وہ اس کی مدد سے گھر پہنچے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن بشیر رضی اللہ عنہ اپنے کسی مسئلہ کے بارے میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرتے رہے حتیٰ کہ شدید تاریک رات میں

رات کا کافی حصہ گزر گیا۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں چھوٹی سی لاٹھی تھی۔ ان دونوں میں سے ایک کی لاٹھی نے روشنی پیدا کر دی، حتیٰ کہ وہ اس کی روشنی میں چلنے لگے لیکن جب ان دونوں کی راہیں الگ الگ ہوئیں تو دوسرے کے لیے اس کی لاٹھی نے روشنی پیدا کر دی۔ دونوں میں سے ہر ایک اپنی لاٹھی کی روشنی میں چلنے لگا حتیٰ کہ وہ اپنے گھر پہنچ گیا۔

(مشکوٰۃ المصابیح، رقم الحدیث: 5944)

6۔ کرامات اور معجزے کی وجہ

جب انسان اللہ پاک کی اطاعت کرتا ہے تو اس میں کچھ اللہ کی قدرت ہو جاتی ہے۔ اس سے معجزہ و کرامت ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، اس کے ساتھ میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 6502)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ دین میں جب کوئی ضرورت لاحق ہوتی ہے تو اس کے لیے اور اسلام و مسلمانوں کی منفعت کی خاطر کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ حضور نبی پاک ﷺ کی اتباع و پیروی کے سبب ان کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کا فائدہ اور نتیجہ حق ظاہر کرنا اور باطل کا زور توڑنا ہوتا ہے۔

(زاد المعاد، ص: 76)

اولیاء اللہ کے ہاتھوں کرامت کے ظہور کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر

(1) کبھی کرامت کا ظہور کسی نیک بندے کو مشکل سے نکالنا ہوتا ہے۔ اس کی مثال غار والوں کا واقعہ

ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان تین افراد کو محفوظ رکھا جن کے بچنے کی امید ختم ہو چکی ہوتی ہے۔

(صحیح بخاری، جلد 2، رقم الحدیث: 684)

(2) کبھی کرامات کا ظہور حق کو ظاہر کرنے اور اس کو پھیلانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ اس کی مثال اصحاب الاخدود والا واقعہ ہے۔ (سورۃ البروج، آیات: 4-7)

(3) کبھی کرامت کا اظہور اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ کا ولی دعا کرتا ہے۔ اس کی مثال اروی بنت اویس کا واقعہ ہے جس نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف دعویٰ کیا کہ انہوں نے اس کی کچھ زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے اور اسے اس کی زمین ہی میں ہلاک کر دے۔ روایت میں ہے کہ وہ اس وقت تک نہ مری یہاں تک کہ اس کی بینائی ختم ہو گئی۔ پھر ایک مرتبہ وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی کہ ایک گڑھے میں جا گری اور مر گئی۔

(4) کبھی کبھی کرامت کا ظہور کسی انسان کی تکریم کے لیے بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ صحابی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو فرشتے سلام کرتے تھے۔

معجزہ کے ضمن میں یہ نکات اہم ہیں: (i) صاحب معجزات (انبیائے کرام علیہم السلام) معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں، (ii) نبی کا مشن سچا ہے۔ معجزات کا ظہور انبیائے کرام علیہم السلام کے ایمان کو تقویت دینے کی غرض سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد لوگوں پر حجت قائم کرنا ہوتا ہے، (iii) معجزہ، کو رسول اپنی رسالت کے سچے ہونے کی قطعی دلیل بناتا ہے کہ وہ اپنے دعوی رسالت میں سچا ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اس لیے اس کا انکار کرنا کفر ہے، (iv) معجزہ پیغمبروں کو تبلیغ میں بطور مددگار دیا جاتا ہے، (v) معجزات کا سلسلہ خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منقطع ہو گیا۔

7۔ صوفیا کے ہاں کرامت

تاریخ میں بہت سے صوفیا ایسے رہے ہیں جن کے ہاتھ پر کرامتوں کا ظہور ہوا۔ کرامات کے معاملے میں اسلاف صوفیا کا طرز عمل اور موقف یہ رہا ہے کہ وہ اس میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔ کرامت ہی کو بلندی مرتبہ خیال کرنے کو نامناسب سمجھتے تھے اور اس کے ظہور کی خواہش کو بھی صحیح نہیں

سمجھتے تھے کیونکہ ان کے مطابق کرامت کا ظہور ایک ذمہ داری عائد کرتا ہے اور کئی طرح سے صوفی کے لیے آزمائش بھی ہوتا ہے۔ وہ سب سے بڑی کرامت یہ سمجھتے تھے کہ مؤمن کو ایمان اور اعمال صالحہ نصیب رہیں۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ اولیا کی سب سے بڑی کرامت یہ ہوتی ہے کہ انہیں اطاعت پر توفیق اور گناہوں سے بچنے کی ہمیشگی نصیب ہو۔ (رسالہ قشیریہ، ص:356)

کرامت ایک تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی پانی پر چلنے لگے یا کھانا پانی بڑھ جائے، بغیر موسم کے پھل حاضر کر لینا، دعا کے ذریعے بارش کرا دینا وغیرہ۔ یہ تمام کرامات وہ ہیں جو ظاہری ہیں۔ مگر ان کے علاوہ بھی کچھ کرامات ہوتی ہیں جو زیادہ بہتر ہیں۔ یہ معنوی کرامات ہیں: جیسے معرفت الٰہی، خشیت الٰہی، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سننا، اس کی ذات پر ہمیشہ اعتماد رکھنا، توکل کی سچائی وغیرہ۔ (لطائف المنن، ص:43) اگر کوئی شخص پانی پر مصلیٰ بچھا دے اور ہوا میں چوکڑی مار کے بیٹھ جائے، اس سے دھوکہ مت کھاؤ، جب تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر اور نواہی کے معاملے میں کیسا ہے۔ (کتاب اللمع فی التصوف، ص:402)

اسلاف صوفیائے کرام، صاحب کرامت ولی کو ان اولیا سے افضل نہیں سمجھتے جن کے ہاتھ پر کرامت ظاہر نہ ہوتی ہو۔ یعنی کرامت افضلیت کی دلیل نہیں ہے۔ افضلیت کا مدار یقین کی قوت اور معرفت الٰہی کے کمال میں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا ولی وہ جو صاحب کرامت نہ ہو مگر وہ کسی صاحب کرامت ولی سے افضل ہو۔ نبی کا معجزہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نبی جو دین لے کر آئے ہیں وہ دین سچا ہے۔ کرامت اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہے کہ ولی اللہ معصوم ہے اور نہ اس بات کی غماز ہے کہ ولی کی ہر بات قابل اطاعت ہے۔ (مجموعۃ الرسائل ابن تیمیہ، ج:4، ص:155)

بعض عظیم صوفیا نے کرامات کو ناپسند کیا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میرے سلوک کے ابتدائی دنوں میں اللہ پاک میرے سامنے کرامات اور غیر معمولی واقعات لاتا تھا مگر میں نے ان پر توجہ نہ کی۔ جب اللہ پاک نے میرا یہ عمل دیکھا تو مجھے خود کو جاننے کا علم عطا فرمایا۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ کرامات ایک پردہ ہے جس کی وجہ سے ولی کو حقیقت کو دیکھنے میں مشکل ہوتی ہے۔ اصل میں یہ سوچ تھی مگر بعد میں عامیانہ تصورات غلبہ پانے لگے اور بعد میں آنے والوں نے کرامات کو ولایت سے جوڑ دیا اور طرح طرح کی کہانیاں بن گئیں۔

8۔ اولیاءؒ کی کرامات

صوفیا کے تذکروں میں صوفیا سے منسلک بہت سی کرامات کا ذکر ملتا ہے۔[1]

(1) حضرت حسن بصریؒ ایک مرتبہ حجاج کی نظر سے ایسا اوجھل ہوئے کہ چھ مرتبہ لوگ ان کے پاس گئے اور انہیں نہ دیکھ سکے۔

(2) مشہور تابعی حضرت عمرو بن عتبہؒ ایک دن نماز پڑھ رہے تھے، گرمی سخت تھی، اچانک بادل ان پر سایہ کرنے لگا۔ جب وہ جہاد میں اپنے ساتھیوں کی سواریوں اور جانوروں کو چراتے تھے تو چیر پھاڑ کرنے والے جانور بھی سواریوں کی حفاظت کرتے تھے۔

(3) ایک آدمی حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: آپ امام اوزاعیؒ کو لکھیں کہ وہ مجھے حدیث روایت کریں۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے بذریعہ کشف دیکھ لیا کہ امام اوزاعیؒ کے وصال کا وقت قریب آ چکا ہے اور اس شخص کی ان سے ملاقات نہ ہو پائے گی۔ آپ نے اس لیے اسے جواب دیا: میں انہیں تمہارے لیے لکھ دیتا ہوں لیکن میرا نہیں خیال کہ تم انہیں زندہ پا لو گے کیونکہ میں نے ایک گلدستہ دیکھا جو مغرب کی طرف سے اٹھا لیا گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ امام اوزاعیؒ کی موت کی طرف اشارہ ہے۔ پھر وہ شخص امام اوزاعیؒ کے پاس آیا تو آپ وفات پا چکے تھے۔

(4) حضرت ابومسلم خولانیؒ ایک مرتبہ دجلہ کی طرف تشریف لائے۔ اس وقت دجلہ نے اپنے اندر تیرتی لکڑیوں کو پھینکنا شروع کر دیا اور آپؒ نے پانی پر چلنا شروع کر دیا اور پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اگر تمہارے سامان سے کوئی چیز کم ہوگئی تو ہم اللہ سے دعا کریں گے تمہیں لوٹا دے گا۔

(5) امام احمد بن منصورؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے استاد ابویعقوب السوسیؒ نے کہا کہ میں نے خود اپنے ایک مرید کو غسل دیا تو اس نے میرے انگوٹھے کو مضبوط پکڑ لیا اور وہ تختہ غسل پر تھا۔ پس میں نے کہا: اے بیٹے میرا ہاتھ چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے اور تیری موت تیرے لیے صرف نقل مکانی ہے۔ پس میرا ہاتھ یہ سننے کے بعد چھوڑ دیا۔

---

[1]۔ دیکھیے: علامہ ابن تیمیہ، الفرقان بین اولیاء الرحمان واولیاء الشیطان۔

(6) یمن کے ایک تابعی کو جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والے اسود عنسی نے بلایا اور کہا: تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انہوں نے کہا کہ میں تیری بات نہیں سن رہا۔ اس نے کہا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ چنانچہ آگ دہکا کر انہیں اس میں ڈال دیا گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ جلتی ہوئی آگ میں اطمینان سے نماز ادا کر رہے ہیں اور وہ آگ ان کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی کی جگہ بن گئی۔

(7) ایک بزرگ کا ایک قافلہ کے پاس سے گزر ہوا جس کو ایک شیر نے روک رکھا تھا۔ آپؒ نے شیر کے پاس جا کر اپنے کپڑے سے اس کا منہ پکڑا اور اس کی گردن پر اپنا پیر رکھ کر فرمایا: تو اللہ تعالیٰ کے کتوں میں سے ایک کتا ہے اور مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ اس کے سوا کسی اور چیز سے ڈروں' اور یوں قافلہ گزر گیا۔ انہوں نے اللہ پاک سے دعا کی کہ ان کے لیے سردی میں وضو کرنا آسان ہو جائے۔ اس کے بعد ان کے پاس جو بھی پانی پیش ہوتا اس سے بھاپ نکلتی رہتی۔

(8) محمد بن مبارک صوریؒ سے مروی ہے کہ میں بیت المقدس جاتے ہوئے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے ساتھ تھا۔ ہم نے قیلولہ کے وقت انار کے درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالا اور نماز کی چند رکعات ادا کیں۔ تھوڑی دیر بعد چھوٹے قد والے انار کے درخت کی جڑ سے میں نے آواز سنی: اے ابو اسحاق! مہربانی فرما کر میرا کچھ پھل کھا لو! یہ سن کر حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے اپنا سر نیچے کر لیا۔ اس درخت نے یہی بات تین بار دہرائی۔ پھر اس نے کہا: اے محمد! میری سفارش کر دیں کہ میرا تھوڑا سا پھل کھا لیں۔ میں نے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے مخاطب ہو کر کہا: اے ابو اسحاق! میں نے درخت کی آواز کو سن لیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اٹھ کر دو انار لیے۔ ان میں سے ایک خود کھایا اور دوسرا مجھے دے دیا۔ میں نے کھایا تو وہ انار ترش تھا۔ کچھ عرصہ بعد واپسی پر ہم وہاں سے گزرے اور اس انار کے پودے کو دیکھا: وہ ایک بلند درخت بن چکا تھا اور اب اس کے انار میٹھے تھے اور اس پر سال میں دو بار پھل لگتا تھا۔ لوگ اسے رمان العابدین (عابدوں کا انار) کہتے اور عابد لوگ اس کے سایہ میں پناہ لیتے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کارآفریں، کارکُشا، کارساز

28۔ خواب

1۔ خواب کیا ہے؟

انسان کبھی نیند کی حالت میں بہت سی ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو بیداری کی حالت میں نہیں دیکھ سکتا اور اس کو خواب کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے لیے 'حُلم' اور 'رُؤیا' کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ بعض اہل علم کے نزدیک حُلم وہ خواب ہوتا ہے جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور برا ہوتا ہے۔ رُؤیا وہ خواب ہوتا ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا ہے اور سچا ہوتا ہے، جب کہ وہ خواب جو نہ شیطان کی طرف سے ہوں اور نہ اللہ تعالی کی طرف سے ہوں، انہیں حدیث نفس کہا جاتا ہے، یہ وہ خواب ہوتے ہیں جن کی کوئی معنویت یا تعبیر نہیں ہوتی، یہ انسان کے ذہن کی اختراع ہوتے ہیں۔ یعنی جو جذبات و احساسات پوشیدہ طور پر دماغ میں موجود ہوتے ہیں، وہی خواب کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ (متوفی 751 ہجری/ 1350ء) فرماتے ہیں: خوابوں کی تین اقسام ہیں۔ ایک خواب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ دوسرے شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ جبکہ تیسری قسم کو حدیث نفس کہا جاتا ہے۔ (کتاب الروح، ص:40)

حدیث مبارکہ میں بھی انہی تین انواع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ: مِنْهَا أَهَاوِيلُ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ بِهَا ابْنَ آدَمَ، وَمِنْهَا مَا يَهُمُّ بِهِ الرَّجُلُ فِي يَقَظَتِهِ فَيَرَاهُ فِي مَنَامِهِ، وَمِنْهَا جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْأً مِنَ النُّبُوَّةِ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:787)

(خواب تین قسم کا ہوتا ہے: ایک شیطان کی طرف سے ہول ناک اور ڈراؤنا خواب تا کہ انسان رنجیدہ اور

پریشان ہو، دوسرا آدمی بیداری میں جو سوچتا ہے، اسی کے بارے میں خواب میں دیکھتا ہے اور تیسرا نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک ہے)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (متوفی 852 ہجری/ 1449ء) نے خواب دیکھنے والوں کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا ہے: (i) انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب: ان کے خواب سچے ہوتے ہیں، (ii) نیک لوگوں کے خواب: ان کے خواب سچے ہوتے ہیں، جب کہ کبھی کبھار اس کے برعکس صورت حال بھی ہو سکتی ہے اور (iii) عام لوگوں کے خواب: ان کے خواب سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں اور حجت بھی ہوتے ہیں، جب کہ غیر نبی کے خواب کے بارے میں پہلے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سچا ہے، لہٰذا وہ بعد میں سچا ثابت ہونے کے باوجود بھی حجت نہیں بن سکتا۔ پھر نبی علیہ السلام کا خواب چونکہ وحی کی ایک قسم ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، لیکن غیر نبی کا خواب نہ وحی ہوتا ہے نہ خواب دیکھنے والے پر اس پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔

سوتے ہوئے خواب دیکھنا ایک ایسا عمل ہے جس سے ہر انسان گزرتا ہے اور یہ تجربہ تمام انسانوں میں مشترک ہے، البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمام انسانوں کا تجربہ اور ذوق اس عمل میں ایک جیسا نہیں ہوتا۔ خوابوں کی حیثیت اور ان کی اہمیت کے بارے میں بھی نظریات کبھی ایک جیسے نہیں رہے۔

بہت سے لوگ خوابوں کے تجربات کو حسی اور جسمانی امور کے ساتھ بھی جوڑتے ہیں۔ بہت سے یونانی حکماء جب کسی مریض کی تشخیص کرتے تو اس سے یہ بھی پوچھتے تھے کہ تمہیں جس طرح کے خواب آتے ہیں ان میں سے چند بتاؤ۔ اس طرح وہ مرض کی تشخیص بہتر انداز میں کر سکتے تھے۔ اسی طرح عصر حاضر کا علم نفسیات بھی خوابوں کو انسان کے حسی حالات اور علامات کے ساتھ جوڑ کر دیکھتا ہے۔

مسلم تاریخ میں امام ابن سیرینؒ (متوفی 110 ہجری/ 729ء) بھی خوابوں کی حسی معنویت کے بہت قائل ہیں۔ آپؒ کی کتاب 'تعبیر الرؤیا' غالباً خوابوں کی تعبیر کے علم پر دنیا کی پہلی کتاب ہے[1]۔ اس

---

[1]۔ جو سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud) کی کتاب خواب (The Interpretation of Dreams) سے بارہ سو سال پہلے لکھی گئی۔

سارے تناظر میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خوابوں کا انسان کی عملی زندگی میں ایک کردار ہوتا ہے اور اس میں ایک پیغام بھی ہوتا ہے۔ مسلم روایت میں تعبیر کا فن اسی پر دلالت کرتا ہے۔

2۔ قرآن میں خواب

اسلام میں سچے خوابوں کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ قرآن کریم میں انہیں بشریٰ اور احادیث میں مبشرات کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ چھ خوابوں کا ذکر آیا ہے ان میں سے تین خواب تین پیغمبروں (حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہیں۔ دو خواب جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دو ساتھیوں کے اور ایک خواب وہ ہے جو عزیز مصر نے دیکھا تھا۔

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بوڑھے ہو گئے تھے اور آپ کو اس وقت اپنے بیٹے کی اشد ضرورت تھی، تب اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لیے آپ کو خواب میں اشارہ فرمایا کہ اپنے بیٹے کو میری راہ میں ذبح کر دیں۔ (سورۃ الصافات، آیات: 102-105)

(2) حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا موجد کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند آپ علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ خواب سن کر آپ علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتائیں۔ اس خواب کی تعبیر اس وقت سامنے آئی جب کئی سالوں کی جدائی کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملے اور والدین اور گیارہ بھائی تعظیماً آپ علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔ (سورۃ یوسف، آیت: 4)

(3) حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالہ سے ایک اور خواب کا ذکر بھی قرآن کریم میں ہے۔ آپ علیہ السلام کو جب عزیز مصر نے اپنی بیوی کے کہنے پر جیل بھیج دیا تھا تو وہاں دو قیدی ایسے تھے جنہوں نے کوئی خواب دیکھا تھا اور وہ آپ کے پاس تعبیر پوچھنے کے لیے آئے:

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَآ إِنِّيٓ أَرَىٰنِيٓ أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ وَقَالَ الْاٰخَرُ إِنِّيٓ أَرَىٰنِيٓ أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۖ إِنَّا نَرَىٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ۔

(سورۃ یوسف، آیت: 36)

(آپ علیہ السلام کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں خود کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے اور دوسرے نے کہا: میں نے خود کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں۔ آپ علیہ السلام ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجیے۔ ہمیں آپ علیہ السلام خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں)

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں جواب دیا:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۔ (سورۃ یوسف، آیت: 41)

((حضرت یوسف علیہ السلام جواب دیا) اے میرے قید خانے کے ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا لیکن دوسرا سولی (پھانسی) پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ تم دونوں جس کے بارے میں پوچھ رہے ہو، اس کا فیصلہ ہو چکا ہے)

(4) اسی طرح قرآن کریم میں بادشاہ مصر کے ایک خواب کا ذکر بھی ہوا ہے۔ عزیزِ مصر نے ایک خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات کمزور گائیں کھا گئیں اور یہ کہ سات ہری اور سات خشک بالیاں ہیں۔ بادشاہ نے درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھی لیکن سب نے اسے خواب پریشاں قرار دیا[1]۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل کے ساتھیوں میں سے ساقی عزیز مصر کے ہاں نوکری پر بحال ہو گیا تھا اس کے ذہن سے آپ علیہ السلام کا خیال نکل گیا تھا لیکن اس خواب کے موقع پر یاد آیا۔ اس نے بادشاہ سے اجازت لی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گیا اور خواب کا تذکرہ کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر بتائی کہ آئندہ سات سال تم خوب لوگ کھیتی کرو گے اور اس کے بعد سات سال سخت قحط سالی کے ہوں گے۔ اس قحط سے بچنے کی تدبیر یہ کرو کہ جو بھی غلہ بوئے اور اسے جب کاٹو تو اسے بالیوں ہی میں رہنے دینا تا کہ اس میں گھن نا لگے اور قحط سالی کے دوران کام آئے۔ تھوڑا سا اناج جو تمہارے کھانے کے کام آئے اسے بالیوں سے نکال لیا کرو۔ (سورۃ یوسف، آیات: 43-49)

(5) قرآن کریم میں ایک جگہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خواب کا بھی ذکر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[1] ایسا خواب جس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

حدیبیہ سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ حلق اور قصر (سر مونڈ کر اور بال کترا کر) مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ جب آپ ﷺ نے اس کا تذکرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور یہ سمجھا کہ شاید اسی سال حج کے لیے ہم مکہ میں داخل ہوں گے کیونکہ نبی علیہ السلام کا خواب برحق ہوتا ہے۔ جب اس سال مسلمان مکہ میں داخل نہ ہو سکے تو عبداللہ بن ابی، عبداللہ بن کفیل اور رفاعہ بن حرث جیسے منافقین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر فقرے کستے۔ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے خواب کا کیا ہوا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا۔

(سورۃ الفتح، آیت:27)

(یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا خواب سچ کر دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوں گے سر منڈواتے ہوئے بے خوف ہو کر، وہ ان امور کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے، پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمہیں عطا کی)

3۔ حدیث میں خواب

کتب حدیث میں بہت سی ایسی احادیث موجود ہیں جو خواب کے بارے میں ہیں۔ ان میں سے بعض رسول اللہ ﷺ کے اقوال ہیں، کچھ میں آپ ﷺ نے اپنے خواب بیان فرمائے ہیں اور بعض میں آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی ہے۔ ان میں سے بعض احادیث درج ذیل ہیں:

(1) حضور نبی پاک ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ

لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ. (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1908)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے، وہ صبح کی روشنی کی طرح سامنے آجاتا تھا)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

"لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ، قَالُوا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟، قَالَ: الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ".
(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1916)

(نبوت میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: مبشرات کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اچھے خواب)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا قَرُبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ، وَأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا، وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:797)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: قرب قیامت میں مومن کا خواب جھوٹا نہ ہوگا اور اسی کا خواب سچا ہوگا جو گفتگو میں (بھی) سچا ہوگا اور مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے)

(4) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ رَأْسِي قُطِعَ قَالَ، فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: "إِذَا لَعِبَ الشَّيْطَانُ بِأَحَدِكُمْ فِي مَنَامِهِ، فَلَا يُحَدِّثْ بِهِ النَّاسَ. (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:1430)

(ایک آدمی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر کاٹ دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیے اور ارشادفرمایا: جب تم میں سے کسی کے

ساتھ اس کے خواب میں شیطان کھیلے تو وہ لوگوں کو نہ بتائے)

(5) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ كَأَنِّي اللَّيْلَةَ فِي دَارِ رَافِعِ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ حَسَنٌ فِي دَارِ عُقْبَةَ بْنِ رَافِعٍ فَأُوتِينَا بِتَمْرٍ مِنْ تَمْرِ ابْنِ طَابٍ فَأَوَّلْتُ أَنَّ لَنَا الرِّفْعَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْعَاقِبَةَ فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّ دِينَنَا قَدْ طَابَ۔ (مسند احمد، ج:5، رقم الحدیث:2183)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ہم عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ہمارے پاس ابن طاب کی کھجوریں لائی گئیں۔ میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ (رافع کے لفظ سے) دنیا میں رفعت (عقبہ کے لفظ سے) آخرت کا بہترین انجام ہمارے لیے ہی ہے اور (طاب کے لفظ سے) ہمارا دین پاکیزہ ہے)

(6) حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهَلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرُ فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ وَرَأَيْتُ فِي رُؤْيَايَ هَذِهِ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ، فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ ثُمَّ هَزَزْتُهُ بِأُخْرَى فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللهُ بِهِ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ".

(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:872)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مکہ سے ہجرت کر کے ایک ایسی جگہ کی طرف جا رہا ہوں جہاں کھجور کے درخت ہیں تو میرا خیال ہوا وہ مقام یمامہ ہے یا ہجر لیکن درحقیقت وہ مدینہ منورہ تھا یعنی یثرب۔ میں نے اپنے خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک تلوار ہلائی تو اس کی دھار ٹوٹ گئی پس یہ وہی مصیبت تھی جو احد کے دن مسلمانوں کو پہنچی۔ پھر اس تلوار کو دوبارہ ہلایا تو پہلے سے زیادہ اچھی ہو گئی اور وہ یہی دن تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے فتح دی اور مومنوں کو اکٹھا کر دیا)

(7) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ مِنْ أَفْرَى الْفِرَى أَنْ يُرِيَ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1967)

(بدترین افترا پردازی (جھوٹ) یہ ہے کہ انسان اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھائے جو اس نے نہ دیکھی ہو) یعنی ایسا خواب بیان کرے جو اس نے دیکھا ہی نہ ہو۔

(8) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْأَسْحَارِ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:159)

(سحری کے وقت دیکھے جانے والے خواب زیادہ صحیح ہوتے ہیں)

(9) حضرت ام علاء انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

قَالَتْ: فَنِمْتُ فَأُرِيتُ لِعُثْمَانَ عَيْنًا تَجْرِي، فَجِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: ذَاكِ عَمَلُهُ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:2575)

(میں نے خواب میں دیکھا کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے لیے ایک چشمہ بہہ رہا ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ اس کا عمل ہے)

(10) حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّهُ رَأَى فِيمَا يَرَى النَّائِمُ أَنَّهُ سَجَدَ عَلَى جَبْهَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَاضْطَجَعَ لَهُ وَقَالَ: "صَدِّقْ رُؤْيَاكَ" فَسَجَدَ عَلَى جَبْهَتِهِ. (مشکوٰۃ المصابیح، ج:4، رقم الحدیث:556)

(انہوں نے خواب دیکھا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خاطر لیٹ گئے اور ارشاد فرمایا: اپنا خواب سچا کر دکھاؤ۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کیا)

4۔ انبیاؑ کے خواب

انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب سچے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے خوابوں کے سچے ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب وہ نیند میں ہوتے ہیں تو صرف ان کی آنکھیں

سوتی ہیں، جب کہ ان کا دل ہر وقت بیدار رہتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد سے فارغ ہونے کے بعد سو جاتے اور پھر رات کے آخری حصے میں بیدار ہو کر وضو کیے بغیر وتر پڑھتے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں اور پھر وضو کیے بغیر وتر پڑھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! میری صرف آنکھیں سوتی ہیں، جب کہ میرا دل بیدار رہتا ہے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: 2013)

جس طرح انبیا علیہم السلام پر جاگتے ہوئے وحی نازل ہوتی ہے، اسی نیند میں بھی خواب کی صورت وحی نازل ہوسکتی ہے: اللہ کے رسولوں پر جاگتے اور سوتے ہر دو حالتوں میں وحی ہوتی ہے کیونکہ انبیا علیہم السلام کے دل نہیں سوتے۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج:3،ص:214)

5۔ صوفیاؒ کے ہاں خواب

صوفیائے کرامؒ کی خوابوں سے متعلق مباحث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس پر کوئی ایک متفقہ رائے نہیں ہے۔ بعض صوفیاؒ خوابوں کو ایک شخصی واردات خیال کرتے ہیں۔ کچھ صوفیاؒ انہیں اشارہ ربانی گردانتے ہیں۔ بعض کے نزدیک ان خوابوں میں موجود پیغامات کو ذات تک محدود نہیں رکھا جاسکتا کیونکہ یہ آفاقی پیغام ہوتے ہیں۔ بعض صوفیاؒ اپنے سالکین سے ان کے خواب سنتے ہیں۔ اس سے ان کی روحانی ترقی کے بارے میں اندازہ لگاتے ہیں اور اس حساب سے اذکار وغیرہ تجویز کرتے ہیں۔

بعض اولیائے کرامؒ نے تو اپنے خواب کتابوں میں لکھے ہیں۔ ان میں حضرت روزبہان بقلی شیرازیؒ (متوفی 606 ہجری/ 1209ء) کی کتاب 'کشف الاسرار' اور شیخ نجم الدین کبریٰؒ (متوفی 618 ہجری/ 1221ء) کی کتاب 'التاویلات النجمیہ' مشہور ہیں۔ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کا سلسلہ 'کبراویہ' کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ اپنے مریدوں کے خواب سنتا ہے اور اس سے ان کی روحانی حالت کا اندازہ لگاتا ہے اور پھر ہدایات جاری کرتا ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے شاگرد حضرت مجدد الدین بغدادیؒ (متوفی 607 ہجری/ 1219ء) نے اپنی کتاب 'تحفۃ البررہ فی اجوبۃ المسائل العشرۃ' میں خواب پر عالمانہ بحث کی ہے۔

حکیم ترمذیؒ (متوفی 255ہجری/ 869ء) نے اپنے خواب اپنی کتاب 'بدوالشان' میں خواب بیان کیے ہیں۔ حضرت سیف الدین بھارزیؒ (متوفی 659ہجری/ 1261ء) کی کتاب 'وقائع الخلوۃ' میں بھی خواب بیان کیے گئے ہیں۔ ایسے ہی خواجہ فریدالدین عطارؒ کی 'تذکرۃ الاولیا'، حضرت علی ہجویریؒ کی کتاب 'کشف المحجوب' اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی کتاب 'عوارف المعارف' میں خوابوں کا ذکر ہے۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے شاگردوں کے خواب سنتے تھے اور ان کی رہنمائی کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب 'فیوض الحرمین' میں بھی خواب بیان کیے گئے ہیں۔ اکثر بزرگوں کے تذکروں میں ان سے منسوب خواب ملتے ہیں جو انہوں نے خود دیکھے یا ان سے متعلق لوگوں نے دیکھے۔

صوفیائے کرامؒ کے ہاں خواب صرف وہ نہیں ہوتے جو نیند کی حالت میں دیکھے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک 'رُؤیا' کا تعلق کشف والہام کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ کشف صوفیا کا ایک بڑا ذریعہ علم ہے جسے وہ علم لدنی اور الہام کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس پر بہت انحصار کرتے ہیں۔ اکثر صوفیا کے ہاں کشف کا کتنا اہتمام اور اہمیت ہے اس کا اندازہ ان کی تالیفات سے لگایا جاسکتا ہے جو کہ اکثر کشف اور اس کے مماثل ناموں سے موسوم ہوتی ہیں۔ مثلاً فتوحات، نفحات، مکاشفہ القلوب اور کشف المحجوب وغیرہ۔ صوفیاؒ کے نزدیک کشف پر استدلال عقل کی بنیاد پر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ واردات ہوتی ہیں اور انہیں وہی معلوم کرسکتا ہے جو ان احوال سے گزرا ہو یا ان مقامات میں اترا ہو۔ (التعرف لمذھب اھل التصوف، ص: 100) کشف میں بعض صوفیاؒ کا منہج یہ ہے کہ وہ اسے قرآن وسنت پر پیش کرتے ہیں اور اگر وہ اس کے خلاف ہو تو اسے چھوڑ دیتے ہیں۔

صوفیاؒ کی زندگیوں، ان کے اقوال، کتب اور تعلیمات یہی بتاتی ہیں کہ ان میں سے اکثریت کے نزدیک نیند اور بیداری کے خوابوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ بعض صوفیاؒ نے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت خضر علیہ السلام سے روحانی بیعت کرنے کا اعلان بھی کیا ہے۔

صوفیاؒ کے ہاں خواب کے ذریعے اپنے شیوخ سے بھی رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ مرید کا شیخ کے ساتھ ربط جتنا قوی ہوگا، خواب کے ذریعے وہ ایک دوسرے سے ملاقات اتنی زیادہ کرسکیں گے۔ یہ گویا ایک قسم کا روحانی وصال ہوتا ہے۔ صوفیاؒ کے بہت سے خواب ایسے ہیں جو ملتے جلتے ہیں۔ صرف تفصیلات اور ماحول کے اعتبار سے کچھ فرق ہوتا ہے۔ شیخ ابن عربیؒ کے خواب اور ان کی حکایات صوفیاؒ کے لیے ہمیشہ ایک زاد

راہ کی حیثیت میں رہے ہیں۔ وہ انہیں مبشرات کہتے تھے جو بچپن سے ہی ان پر منکشف ہوتے تھے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نزدیک صوفیؒ میں خواب، کشف اور الہام کی نوعیت ایک جیسی ہوتی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں: عارفین باللہ اولیا ہوتے ہیں۔ انہیں وحی تو نہیں لیکن الہام عطا کیا جاتا ہے جس سے وہ نیند کی حالت اور بیداری میں کشف پاتے ہیں۔ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی، ص: 124)

بعض صوفیا اس بات کے قائل ہیں اور اس عقیدہ کے حامل ہیں کہ جس طرح شیطان کو یہ اختیار اور قدرت نہیں ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں خواب میں ظاہر ہو اسی طرح اسے یہ بھی طاقت نہیں کہ وہ شیخ کی صورت میں خواب میں ظاہر ہو، کیونکہ شیخ نبی کا قائم مقام ہوتا ہے۔

6۔ بزرگان کے خواب

اسلامی تاریخ میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں اسلاف کے خوابوں کا اور ان کی تعبیر کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ذیل میں کچھ واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

(1) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (متوفی 181 ہجری/ 797ء) ایک مرتبہ حج سے فارغ ہونے کے بعد حرم ہی میں سو گئے۔ خواب دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے آئے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا: اس سال کتنوں کا حج قبول ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا کہ کسی کا بھی نہیں، مگر دمشق میں ایک موچی علی بن موفق حج پر تو نہیں آیا لیکن اس کا حج قبول ہو گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے دمشق جا کر اس موچی کو ڈھونڈا اور اپنا خواب بیان کیا۔ اس پر وہ بولا کہ حج کے ارادے سے ساری عمر جوتیاں مرمت کر کے تیس ہزار درہم جمع کیے۔ حج پر جانے ہی والا تھا کہ ایک دن میری بیوی نے کہا: ہمسائے کے گھر گوشت پکنے کی خوشبو آ رہی ہے، ذرا سا لے آؤ۔ میں پڑوسی کے ہاں گیا اور تھوڑا سا سالن مانگا۔ اس نے کہا کہ یہ آپؒ پر حلال نہیں ہے۔ سات دن سے بچے بھوکے تھے، اس لیے تھوڑا سا مردار پکایا ہے۔ یہ سن کر میرا دل کانپ گیا۔ فوراً گھر سے وہ تیس ہزار دینار لا کر ہمسائے کو دیے تا کہ وہ اپنے بچوں پر خرچ کر سکے۔ یہ واقعہ سن کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا: فرشتوں نے سچ کہا۔ (البدایہ والنہایہ، ج: 10، ص: 178)

(2) حضرت ابوعبداللہ محمد بن خزیمہ اسکندریؒ بیان کرتے ہیں کہ جب امام احمد بن حنبلؒ (متوفی 241 ہجری) فوت ہوئے تو مجھے انتہائی شدید افسوس ہوا۔ میں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ اکڑ اکڑ کر چل

رہے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا: یہ کیسی چال ہے؟ انہوں نے کہا: خدام دارالسلام (جنت) میں اسی طرح چلتے ہیں۔ میں نے پھر پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے کہا: اللہ رب العزت نے مجھے بخش دیا، عزت والا بنادیا اور مجھے سونے کے جوتے پہنائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا: اے احمد! یہ تمہارے اس قول کا صلہ ہے جو تم کہتے تھے: اَلْقُرْآنُ كَلَامِي (قرآن میرا کلام ہے)، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: اے احمد! مجھے ان دعاؤں کے ساتھ یاد کرو جو تمہیں سفیان ثوریؒ کی طرف سے پہنچی ہیں اور جنہیں پڑھ کر تم مجھ سے میرا فضل و کرم مانگتے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ! ہر چیز تیری قدرت سے ہے تو ہر چیز کا رب ہے۔ تو میرے تمام گناہ بخش دے حتیٰ کہ تو قیامت کے دن مجھ سے کسی چیز کے بارے میں کوئی مؤاخذہ نہ فرما۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: اے احمد! یہ جنت ہے، اٹھو اور اس میں داخل ہو جاؤ۔ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں حضرت سفیان ثوریؒ وہاں پہلے سے موجود ہیں۔ ان کے دو سبز پر ہیں، وہ ان پروں سے ایک کھجور سے دوسری کھجور کی طرف اڑ رہے تھے اور یہ مقدس جملے پڑھ رہے تھے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ۔ (سورۃ الزمر، آیت:74)

(سب تعریفیں اللہ پاک کے لیے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنادیا کہ ہم جنت میں سے جہاں چاہیں جگہ بنالیں، چنانچہ عمل کرنے والوں کا یہ اچھا اجر ہے)

میں نے حضرت بشر حافیؒ کے متعلق پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ انہوں نے جواب دیا: ارے واہ، بشرؒ کی طرح کون ہے؟ میں نے اسے بزرگی والے رب کے سامنے چھوڑ دیا۔ اس کے سامنے کھانے کا دسترخوان تھا۔ رب جلیل اس کی طرف متوجہ ہوا، وہ فرما رہا تھا: کھائے جس نے کھایا نہیں اور پیے جس نے پیا نہیں۔ نعمت سے فائدہ اٹھالے جس نے اٹھایا نہیں۔ (البدایہ والنہایہ، ج:10، ص:342)

(3) حضرت بایزید بسطامیؒ (متوفی 261 ہجری) کو کسی نے وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا: آپؒ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: جب میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا گیا تو پوچھا گیا کہ اے بایزید کیا لائے ہو؟ میں نے سوچا کہ نماز روزہ وغیرہ سب اعمال تو اس قابل نہیں کہ پیش کروں، البتہ ایمان تو میرے پاس موجود ہے۔ اس لیے عرض کیا کہ 'توحید'۔ ارشاد ہوا: کیا تمہیں دودھ والی رات یاد نہیں؟ قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک رات حضرت بایزید بسطامیؒ کے پیٹ میں درد ہوا تو ان کی زبان سے نکل گیا کہ

دودھ پیا تھا، اس سے درد ہو گیا۔ لہٰذا اس پر شکایت ہوئی کہ درد کو دودھ کی طرف منسوب کیا اور فاعل حقیقی کو بھول گئے۔ پھر ارشاد ہوا کہ اب بتلاؤ کیا لائے؟ عرض کیا: اے میرے پروردگار! میرے پاس کچھ نہیں۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ تمہارا ایک عمل ہم کو پسند آیا۔ ایک مرتبہ بلی کا بچہ سردی میں مر رہا تھا، تم نے اس کو لے کر اپنے پاس لٹا لیا۔ اس کی وجہ سے بخشش کی جاتی ہے۔

(4) کچھ لوگوں نے حضرت بایزید بسطامیؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ حضرت آپؒ سے کیا سلوک ہوا؟ آپؒ نے جواب دیا کہ مجھ سے اللہ پاک نے پوچھا: اے بوڑھے تم کیا لائے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جو فقیر بادشاہ کی بارگاہ میں آئے اس سے یہ سوال نہیں کیا جاتا بلکہ پوچھتے ہیں کہ کیا چاہتے ہو۔ اللہ پاک یہ سن کر مسکرا دیا۔

(5) حضرت ابوبکر شبلیؒ (متوفی 334 ہجری/ 945ء) کہتے ہیں کہ جہاں حضرت منصور حلاجؒ کو پھانسی دی گئی تھی وہاں میں نے ساری رات نماز پڑھی اور صبح کے وقت میں گڑگڑا کر دعا کی: اے میرے پروردگار! حلاج تو تیرا بندہ تھا، تجھ پر ایمان رکھتا تھا، تیری واحدانیت کا قائل تھا، پھر اس پر یہ مصیبت کیوں آئی؟ شبلیؒ کہتے ہیں پھر مجھے نیند آ گئی تو میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے اور ایک آواز سنائی دیتی ہے: حلاجؒ ہمارے بندوں میں سے تھا، اس نے ہمارے اسرار میں سے ایک راز کو پا لیا تھا لیکن اس نے وہ راز لوگوں پر منکشف کر دیا تو اس کے ساتھ یہ ہوا۔

(6) حضرت شرف الدین بوصیریؒ (متوفی 694 ہجری/ 1294ء) کو فالج ہو گیا۔ آپؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ کہنا شروع کیا۔ قصیدہ کے دوران ایک مصرع کہا:

وَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق علم کی حدود یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں)

اوران میں اس کے دوسرے مصرع کو مکمل کرنے کی طاقت نہ رہی۔ انہوں نے بہت کوشش کی، لیکن دوسرا مصرع ان کی زبان پر نہیں آیا۔ جب وہ رات کو سوئے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت بوصیریؒ نے عرض کی کہ دوسرا مصرع موزوں نہیں ہو سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دوسرا مصرع اس طرح بنا دو:

وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں)

پھر آپ ﷺ نے انہیں چادر پہنائی اور جس جگہ ان کے جسم پر فالج تھا، اس جگہ پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ حضرت بوصیریؒ جب نیند سے بیدار ہوئے تو وہ اپنے مرض سے مکمل شفایاب ہو چکے تھے۔ انہوں نے اس قصیدہ کا نام ’البُرْ دَۃ‘ رکھا جس کے معنی چادر کے ہیں۔ اس قسم کے خوابوں کا ابن سینا، ابن رشد اور ابن خلدون نے بھی اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ بہت سے خواب ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

(7) حضرت مجدد الف ثانیؒ (متوفی 1034 ہجری) کے مرید مولانا عبدالمؤمنؒ نے آپؒ کو اپنا خواب بیان کیا: اگر میں زمین کی طرف نظر کرتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا ہوں اور اگر آسمان کی طرف نظر کرتا ہوں تو اس کو بھی نہیں پاتا ہوں بلکہ جس کسی کے آگے جاتا ہوں تو اس کے وجود کو بھی محسوس نہیں کر پاتا۔ ایسے ہی عرش و کرسی اور جنت و جہنم کا بھی وجود نہیں پاتا ہوں۔ یہ خواب سننے کے بعد شیخ احمد سرہندیؒ نے مرید کو جواب دیا: تم نے جو اپنی کیفیت بتائی ہے یہ قلب کی مختلف تغیر پذیر کیفیات اور حالتیں ہیں جو اس منزل میں وارد ہوتی ہیں۔ اس خواب کو سننے کے بعد مجھے یہ محسوس ہوا ہے کہ تم نے قلب کے مقامات میں سے ابھی چوتھے حصے کو بھی طے نہیں کیا۔ ابھی قلب کے مقامات میں سے تین مراحل کو پار کرنا ہے۔

(مکتوبات امام ربانی، ج:1، ص:510-511)

تصوف میں خواب، کشف اور الہام کے حوالے سے بہت سی مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ اس ضمن میں احتیاطی اور بہتر نقطہ نظر یہ ہے کہ خوابوں کو اور اسی طرح کے الہامات اور کشف کو شخصی واردات سمجھا جائے کیونکہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے یہی پتہ چلتا ہے۔ اگر کسی پر ذاتی حیثیت میں کچھ منکشف ہوتا ہے تو اسے اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہیے کیونکہ خواب کے نتائج آفاقی نہیں ہو سکتے۔ اس لیے یہ اپنی ذات تک رہنے چاہئیں، اسی میں احتیاط ہے۔ خواب کسی کے لیے بھی حجت نہیں ہو سکتا۔ خواب کی بنیاد پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا، کوئی چیز جائز یا ناجائز نہیں کی جا سکتی۔ بس یہ ایک ذاتی، نفسی اور روحانی تجربہ ہے جو ہر طرح کے (نیک و بد) لوگوں کو ہوتا ہے، البتہ نیک لوگوں میں اس کی ذرا اور طرح کی اہمیت ہے مگر یہ حجت نہیں ہیں۔

29۔ سماع

1۔ سماع کی تعریف

سماع کا لفظی مفہوم تو سننے کے معنی میں آتا ہے، جب کہ اصطلاحی حوالے سے سماع اس سننے کے مفہوم میں مشہور ہو گیا ہے، جو صوفیائے کرامؒ اپنی مجالس میں قرآنی آیات، احادیث یا کسی اور طرح کی نظم یا نثر کو ایک خاص انداز میں پیش کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ قوالی سماع کی ہی ایک صورت ہے۔ قدیم زمانے میں ایران، ہندوستان اور ترکی سماع کے حوالے سے اہم مراکز رہے ہیں۔ جہاں صوفیا و مشائخ کے ہاں سماع کی محافل منعقد کی جاتی تھیں، اور اب بھی ان کا رواج ہے۔

بہت سے بزرگان سماع کی جمالی کیفیات کے قائل رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم خواصؒ (291ہجری/ 904ء) کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ جنگل میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایسے میں کچھ اونٹ سامنے پانی پینے کے لیے آئے۔ سردار نے غلاموں سے پوچھا کہ ان اونٹوں نے کتنے روز سے پانی نہیں پیا؟ انہوں نے بتایا کہ یہ تین روز کے پیاسے ہیں۔ سردار نے اس غلام کو حدی خوانی کا حکم دیا۔ جب اس نے آواز نکالی تو تمام اونٹ پانی چھوڑ کر اس کی آواز کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس کے بعد کسی نے پانی کی طرف منہ نہ کیا اور انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا اور جنگل میں پھیل گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ اونٹوں اور گدھوں والے جب گاتے ہیں تو اونٹوں اور گدھوں میں ایک قسم کی خوشی پیدا ہوتی ہے اور اس کا اثر ان کی چال ڈھال سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام غزالیؒ (505ہجری/ 1111ء) نے سماع کے باب میں اس کے حسن و جمال پر بحث کی ہے: 'جاننا چاہیے کہ بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے۔ جس طرح پتھر میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے۔ جب لوہے کو زور سے پتھر پر مارتے ہیں تو وہ پوشیدہ آگ ظاہر ہو جاتی ہے اور بسا اوقات سارے صحرا میں پھیل جاتی ہے، اسی طرح خوبصورت اور سریلی آواز کے سننے سے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور

اس میں ایسی کیفیات پیدا ہوتی ہیں جن میں آدمی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اور اس کا سبب وہ مناسبت ہے جو آدمی کے گوہر کو عالم ارواح اور عالم جمال ہے۔ موزوں اور متناسب آواز بھی اس عالم سے مشابہت رکھتی ہے اور اس عالم کے عجائبات میں سے ہے۔ اس بنا پر دل میں اس قسم کی آگاہی پیدا ہوتی ہے اور ایک طرح کی حرکت اور شوق ظاہر ہوتا ہے۔ وہ دل جو عشق و شوق سے خالی نہ ہو بلکہ پہلے ہی سے شوق کی کسی کیفیت میں مبتلا ہو تو سریلی آواز سننے سے اس میں مزید حرکت پیدا ہوتی ہے۔ جس شخص کے دل میں شوق الٰہی ہو، اس کے لیے سماع ضروری ہے تاکہ وہ شوق تیز تر ہو جائے، مگر جس شخص کے دل میں بری باتوں سے پیار و الفت ہو سماع اس کے لیے زہر قاتل ہے'۔ (کیمیائے سعادت، ص352)

قرآن مجید اور تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دوسری چیزوں کے سماع کے بارے میں یہ اصولی بات سمجھ لینی چاہیے کہ جس طرح سے سب حلال و مفید خوبصورت چیزوں کو دیکھنا اور خشبو دار چیزوں کو سونگھنا اور سب حلال و طیب چیزوں کو کھانا اور جسم کے لیے نرم اور آرام دہ سب حلال چیزوں کو استعمال کرنا جائز اور مباح ہے، اسی طرح ان آوازوں کو چھوڑ کر جو انسانی اخلاق کو بگاڑنے والی ہوں، باقی تمام آوازوں کا سماع بالکل جائز اور مباح ہے۔ خواہ وہ نثر ہو یا نظم اور شعر کی صورت میں، خواہ وہ ایسے ہی روانی سے پڑھی جائیں یا سُر کے ساتھ۔

بندے کے لیے بعض چیزوں کا سماع فرض ہے۔ بعض کا پسندیدہ، بعض کا مباح اور بعض کا حرام اور بعض کا مکروہ (ناپسندیدہ) ہے۔ قرآن مجید کا سماع بندے کے لیے فرض ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (سورۃ الاعراف، آیت:204)

(جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے)

2۔ قرآن میں سماع

قرآن مجید کے سماع کے غیر معمولی اثرات ہوتے ہیں۔ ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے۔ اٹھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھا اور زور لگایا۔ وہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھ کر عرض کی:

یارسول اللہ! یہ آپ کو کیا ہو گیا، ابھی تو آپ جوان اور تندرست ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"شَيَّبَتْنِي هُودٌ، وَالْوَاقِعَةُ، وَالْمُرْسَلَاتُ، وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ، وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1245)

(مجھے سورۃ ھود، واقعہ، مرسلات عم یتساءلون اوراذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے)

ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے اس آیت کو پڑھا:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ۔ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ۔ (سورۃ الطور، آیات:7-8)

(بے شک تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے۔ اسے کوئی ٹالنے والا نہیں)

آپ رضی اللہ عنہ نے اسے سنا تو آپ کے منہ سے چیخ نکلی اور بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر گھر لے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ اللہ پاک کے خوف سے ایک ماہ تک بیمار رہے۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ (96ہجری/ 714ء) بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں کوفہ کے ایک دیہات میں واقع کسی گاؤں میں گیا۔ میں نے وہاں ایک بڑھیا کو نماز میں کھڑے دیکھا۔ نیک بختی کے آثار اس کی ہر چیز سے ظاہر تھے۔ وہ نماز سے فارغ ہوئی تو میں نے برکت کے لیے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: بیٹا! تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ میں نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ اس نے کہا کہ مجھے کچھ سنا۔ میں نے ابھی ایک دو آیتیں ہی پڑھی تھیں کہ اس کے منہ سے چیخ نکلی اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

کسی شخص نے حضرت ابوبکر شبلیؒ (334ہجری/ 946ء) کے سامنے یہ آیت پڑھی:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ۔ (سورۃ الکھف، آیت:24)

(جب تم بھول جاؤ تو اپنے رب کا ذکر کرو)

تو آپؒ نے سن کر فرمایا: میرے رب کا ذکر تو تمام جہان مل کر کرنے سے عاجز ہیں اور نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا: مجھے اس شخص کی جان پر حیرت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنے اور اپنے جسم سے جدا نہ ہو۔

3۔ حدیث میں سماع

سماع / موسیقی کے جواز کے قائلین کچھ روایات بھی پیش کرتے ہیں۔ ان میں یہ شامل ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ، فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ وَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ فَانْتَهَرَنِي وَقَالَ: مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامِ، فَقَالَ: دَعْهُمَا، فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا. (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:913)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے تو دولڑکیاں میرے پاس جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر پر لیٹ گئے اور چہرہ مبارک دوسری طرف کر لیا،اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے اور آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے ڈانٹا کہ یہ شیطانی گانا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں،لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ انہیں گانے دو، پھر جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسری طرف متوجہ ہو گئے تو میں نے ان لڑکیوں کو اشارہ کیا اور وہ چلی گئیں)

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلَ حِينَ بُنِيَ عَلَيَّ، فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَجْلِسِكَ مِنِّي، فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ، إِذْ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ: وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ، فَقَالَ: دَعِي هَذِهِ، وَقُولِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُولِينَ.

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:135)

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور جب میں دلہن بنا کر بٹھائی گئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھے اسی طرح جیسے تم اس وقت میرے پاس بیٹھے ہوئے ہو۔ پھر ہمارے یہاں کی کچھ لڑکیاں دف بجانے لگیں اور میرے باپ اور چچا جو جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے، ان کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔ اتنے میں، ان میں سے ایک لڑکی نے پڑھا' اور ہم میں ایک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو ان باتوں کی خبر رکھتے ہے جو کچھ کل

ہونے والی ہیں'۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو۔ اس کے سوا جو کچھ تم پڑھ رہی تھیں وہ پڑھو)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ۔

(جامع ترمذی، رقم الحدیث:1098)

(اس نکاح کا اعلان کرو، اس کو مسجدوں میں کرواور اس پر دف بجاؤ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كان في حجري جارية من الأنصار، فزوجتها. قالت: فدخل على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يوم عرسها، فلم يسمع غناء ولا لعبا. فقال: يا عائشة! هل غنيتم عليها أو لا تغنون عليها؟ ثم قال: إن هذا الحي من الأنصار يحبون الغناء۔

(صحیح ابن حبان، 13/18)

(میرے پاس ایک انصاری لڑکی رہا کرتی تھی، میں نے اس کی شادی کروائی۔ وہ فرماتی ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی شادی کے روز میرے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نغمہ سنا نہ کوئی تفریح دیکھی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے عائشہ! تم اس کے لیے شادی کے گیت کا اہتمام کر چکے ہو؟ یا فرمایا: کیا تم اس کے لیے شادی کے گیت کا اہتمام نہیں کرو گے؟ پھر فرمایا: یہ انصاری قبیلہ ایسے مواقع پر ترنم کے ساتھ کلام سننا پسند کرتا ہے)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شعر کے بارے میں لوگوں نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هو كلامٌ فحَسَنُهُ حسنٌ وقبيحُه قبيحٌ۔ (مسند ابویعلیٰ، رقم الحدیث:4760)

(شعر بھی ایک کلام ہے، جو اس میں اچھا ہو وہ اچھا ہے اور جو برا ہو وہ برا ہے)

روایات میں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شعر کہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل عرب میں سے جو سب سے سچی بات کسی نے کہی وہ لبید کا یہ شعر ہے:

ألا کل شیئ ما خلا اللہ باطل
و کل نعیم لا محالۃ زائل

(اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں)
(اور دنیا کی ساری نعمتیں بہر حال ختم ہو جانے والی ہیں)

حضرت عمرو بن شرید رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

رَدِفْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، فَقَالَ: هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ أُمَيَّةَ بْنِ أَبِي الصَّلْتِ شَيْءٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: هِيهْ، فَأَنْشَدْتُهُ بَيْتًا، فَقَالَ: هِيهْ، ثُمَّ أَنْشَدْتُهُ بَيْتًا، فَقَالَ: هِيهْ، حَتَّى أَنْشَدْتُهُ مِائَةَ بَيْتٍ. (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:1388)

(ایک دن میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سوار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں امیہ بن ابی صلت کے شعروں میں سے کچھ یاد ہے؟ میں نے عرض کی، جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: تو سناؤ، میں نے آپ کو ایک شعر سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اور سناؤ، میں نے ایک اور شعر سنایا، آپ نے فرمایا: اور سناؤ، میں نے ایک اور شعر سنایا، یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سو اشعار سنائے)

شعر کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے کا نام، گانا اور مل کر گانے کا نام راگ ہے۔ فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جب راگ کے ساتھ ساز و سامان نہ ہو اور اس کے سننے سے دل میں فسق پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کا سننا مباح ہے، یعنی اس کے سننے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے ثبوت میں وہ جو آثار اور احادیث پیش کرتے ہیں ان میں سب سے اہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے:

"قالت کانت عندی جاریۃ تغنی فاستاذن عمر فلما احستہ وسمعت حسہ فرت فلما دخل عمر تبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال لہ عمر ما اضحکک یا رسول اللہ؟ قال کانت عندنا جاریۃ تغنی فلما سمعت حسک فرت، فقال عمر: لا ابرح حتی اسمع ما کان سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسمع"۔
(مسند البزار، رقم الحدیث:2112)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک باندی بیٹھی گا رہی تھی کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ

آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ جب باندی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کا پتا چلا تو وہ اٹھ کر بھاگ گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اندر تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ باندی ہمارے پاس بیٹھی گا رہی تھی، جب اسے معلوم ہوا کہ آپ آ رہے ہیں تو وہ بھاگ گئی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تک میں اس چیز کو نہ سن لوں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا ہے، میں یہاں رہوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلایا اور دوبارہ سنا)

جو علما سماع کو جائز سمجھتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ احادیث میں اس سماع (موسیقی) کی مذمت ہے جس میں بے حیائی اور فحاشی پائی جاتی ہو، اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ مباح ہے۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: 'حرمت سماع و مزامیر سے متعلق بے شمار روایات مروی ہیں، جن کو بعض علماء مثلاً امام ابن حزمؒ، امام ابن طاہرؒ اور امام ذھبیؒ وغیرہ نے اپنی اپنی تصانیف میں یکجا کیا ہے۔ ان میں زیادہ تر وہ احادیث ہیں جو آلات لہو کی ممانعت سے متعلق ہیں۔ ان ساری احادیث کا جواب ان علما نے دیا ہے جو غنا کو جائز بتاتے ہیں۔ ظاہریہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ میں سے ایک جماعت نے ان تمام احادیث کو ضعیف بتایا ہے جو حرمت غنا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور ان احادیث کو نہ آئمہ اربعہؒ نے حجت مانا ہے، نہ داوود ظاہریؒ نے اور نہ سفیان ثوریؒ نے۔ ابوبکر ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ غنا اور آلات لہو کی حرمت سے متعلق جتنی بھی حدیثیں آئی ہیں، ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔ علامہ ابن حزمؒ نے قسم کھا کر کہا ہے کہ اس بارے میں جتنی بھی احادیث ہیں، سب کی سب من گھڑت ہیں۔ اگر کوئی حدیث صحیح ہوتی تو سب سے پہلے ہم اسے مانتے'۔ (ابطال دعوی الاجماع فی تحریم السماع، ص:40)

4۔ صوفیا کے ہاں سماع کا جواز

حضرت جنید بغدادیؒ (215ہجری/830ء) فرماتے ہیں کہ صوفیا پر تین موقعوں پر خدا کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اول: کھانے کے وقت کیونکہ وہ فاقہ کشی (کی صعوبت برداشت کرنے) کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ دوم: جب باہم مل کر ذکرِ الٰہی کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ اس وقت صدیقین اور انبیاء کے احوال میں کلام کرتے ہیں۔ سوم: سماع کے وقت، اس لیے کہ اس وقت وہ اس کو روحانی کیفیتوں کے

ساتھ سنتے ہیں اور باری تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوتے ہیں۔

امام غزالیؒ (505 ہجری/ 1111ء) فرماتے ہیں: جو شخص سماع اور وجد کے اثرات سے انکار کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی کوتاہ علمی ہے۔ اس شخص کے پاس وہ علم نہیں جس کے ذریعے وہ صوفیائے کرامؒ کے احوال جان سکے۔ (کیمیائے سعادت، ج:2،ص:198)

'سماع کا سامع حجاب اور تجلی (مشاہدہ) کے درمیانی مقام پر ہوتا ہے، حجاب سے اس کے اندر سوز پیدا ہوتا ہے اور تجلی سے مزید نور پیدا ہوتا ہے، اور یہ مقام اور درجہ ان لوگوں کا ہے جن کو اس راہ میں استقامت حاصل ہے'۔ (عوارف المعارف،ص:341-342)

مشائخ نے سماع کو اس کا قیود اور آداب کے ساتھ اختیار کیا تھا اور اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ سالکین آخرت کو یاد کر کے جنت کی طرف راغب ہوں اور دوزخ سے محفوظ رہیں، طلبِ حق میں اضافہ ہو اور ان کے احوال میں حسن و درستی آجائے، پھر اس طرح کی محفلیں کبھی کبھار ہوتی تھیں، ان حضرات نے اس کو اپنا معمول اور عادت نہیں بنایا تھا کہ اس کی وجہ سے اوراد و وظائف کو ترک کر دیا جائے، لیکن اب صورت حال تبدیل ہو چکی ہے، اس لیے اگر سماع پوری طرح شرائط پر نہیں اترے تو اس سے اجتناب بہتر ہے۔ (عوارف المعارف،ص:354-355)

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ (632 ہجری/ 1235ء) کی وفات سماع کے دوران ہوئی تھی، جب قوال نے شیخ احمد جامؒ کا یہ شعر پڑھا تو آپؒ وجد میں آکر بے ہوش ہو گئے اور انتقال فرما گئے:

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جان دیگر است

(جو تسلیم و رضا کے خنجر سے قتل ہوتے ہیں)
(انہیں غیب سے ہر آن ایک نئی جان عطا ہوتی ہے)

شیخ بدرالدین غزنویؒ نے حضرت فریدالدین گنج شکرؒ (666 ہجری/ 1265ء) سے سوال کیا کہ

اہل سماع کی بے ہوشی کہاں سے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ بے ہوشی 'آلستُ بربکم' سے ہے، جب یہ ندا سنی تھی تو ساری خلقت بے ہوش ہوگئی تھی، اسی زمانے سے یہ بے ہوشی اہل سماع سنتے ہیں تو بے ہوشی ان پر اثر کر جاتی ہے اور وہ وجد میں آجاتے ہیں۔ (سیر الاولیاء، ص: 805)

حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کا قول ہے: 'سماع ایک موزوں آواز ہے، اسے حرام نہیں کہہ سکتے، خصوصا اس وقت جب یہ یادِ حق کے لیے ہو'۔ (سوانح حیات حضرت بابا فریدالدین گنج شکر، ص: 235)

حضرت نظام الدین اولیا دہلویؒ (725 ہجری/ 1325ء) کے مطابق سماع کے منکرین تین قسم کے لوگ ہیں: (i) جاہل لوگ جو سنت و احادیث سے واقف نہیں، (ii) وہ لوگ جو اپنے اعمال نیک پر مغرور و متکبر ہیں اور (iii) وہ لوگ جو ذوق سماع سے محروم ہیں، ورنہ حسنِ صوت تو جانور کو بھی متاثر کرتی ہے، اونٹ حدی کے نغمے سن کر مست ہو جاتا ہے۔ (سیر الاؤلیاء، ص: 235)

شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے تھے کہ سماع کی چار قسمیں ہیں: حلال، حرام، مکروہ اور مباح۔ اگر صاحبِ وجد کو حق کی طرف زیادہ میلان ہے تو سماع اس کے لیے مباح ہے۔ اگر اس کا میلان مجاز کی طرف زیادہ ہے تو اس کا سماع مکروہ ہے، لیکن جس کا دل بالکل مجاز ہی کی طرف مائل ہو، اس کے لیے سماع حرام ہے۔ جب میلانِ طبع بالکل حق کی طرف ہو تو یہ حلال ہے۔ (امیر خورد، سیر الاؤلیاء، ص: 491)

حضرت نظام الدین اولیاؒ کے ہاں مجلس ہو رہی تھی اور سماع و قوالی کا مسئلہ زیر گفتگو تھا۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ آپ کے لیے تو جب چاہیں سماع و قوالی مباح ہو جائے، اس لیے کہ آپ کے لیے حلال ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں جو چیز حرام ہوتی ہے وہ کسی ایک کے لیے حلال نہیں ہوتی اور جو چیز حلال ہوتی ہے وہ کسی شخص کے کہنے سے حرام نہیں ہو جاتی۔ (فواد الفواد، ص: 423) اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی ہر طرح کے سماع کے جواز کے قائل نہ تھے۔

اگرچہ صوفیا چشت میں عمومی رجحان سماع کی طرف رہا ہے، لیکن چشتی صوفیا میں ایسے بزرگ بھی رہے ہیں جو اس سے اجتناب کرتے تھے۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ (1052 ہجری/ 1642ء) ذکر کرتے ہیں کہ ایک دن نظام الدین اولیاؒ کے کچھ مریدین نے ایک مجلس منعقد کی اور عورتوں سے دف کے ساتھ گانا سننے لگے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (757 ہجری/ 1356ء) بھی اسی مجلس میں موجود تھے۔ آپؒ

نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اٹھ کر مجلس سے باہر جانے لگے، مگر آپ کے ساتھی وہیں بیٹھے رہے۔ آپؒ نے فرمایا: 'یہ خلافِ سنت فعل ہے'۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ آپؒ سماع وقوالی کا انکار کرتے ہیں اور اپنے پیر کے راستے کو چھوڑتے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا: ''کسی کا عمل حجت نہیں، حجت صرف کتاب وسنت ہی ہے۔ (السنۃ الجلیہ، ص: 85) حضرت نظام الدین اولیاؒ جب سماع سنتے تھے تو حضرت چراغ دہلویؒ وہاں سے اٹھ جاتے تھے۔ جب یہ خود خلیفہ بنے تو کوئی سال خانقاہ میں قوالی نہیں کرنے دی۔

اہل چشت کے ہاں سماع کے حلال ہونے کے لیے چار چیزوں میں کچھ معاملات کی رعایت ضروری ہے: (i) مسمع (ii) مستمع (iii) مسموع (iv) آلہ سماع

(i) مسمع: یعنی گانے والے میں شرط ہے کہ وہ مرد ہو، عورت نہ ہو، (ii) مستمع: یعنی سننے والا کے لیے ضروری ہے کہ اس کا دل یادِحق سے خالی نہ ہو، (iii) مسموع: یعنی جو چیز گائی جائے وہ فحش نہ ہو اور (iv) آلہ سماع، اس میں مزامیر وغیرہ موجود نہ ہوں۔

صوفیا کے بعض گروہ خاص طور پر شمالی افریقہ کے ممالک میں حضرہ کی شکل میں اجتماعی ذکر کرتے ہیں۔ یہ ذکر جلی (اونچی آواز) ہوتا ہے۔ اس میں جسم کو خاص حرکت دی جاتی ہے اور بعض اوقات اس میں موسیقی بھی استعمال کی جاتی ہے۔ خاص طور پر یہ اذکار کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں کلمات پڑھے جاتے ہیں جو ان سلسلوں کے اکابر صوفیا نے لکھے ہیں۔ مثال کے طور پر موالید النبی ﷺ، قصیدہ بردہ شریف، حزب البحر، کتاب الاسراء وغیرہ۔

5۔ قرآن میں سماع کی ممانعت

قرآن کریم کی کسی آیت میں صراحت کے ساتھ موسیقی کو حرام قرار نہیں دیا گیا ہے، البتہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اس آیت میں لہوالحدیث سے مراد موسیقی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ‌ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ۔ (سورۃ لقمان، آیت:6)

(اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتیں (لہوالحدیث) مول لیتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ

سے بہکائیں اور اسے ہنسی بنائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے)

6۔ حدیث میں سماع کی ممانعت

محتاط صوفیائے کرامؒ کہتے ہیں کہ جب عوام کے لیے سماع میں فتنے کا امکان موجود ہے اور دیکھا دیکھی وہ ایک فضول کام میں مبتلا ہو سکتے ہیں، تو پھر عوام کے ساتھ اچھائی اور ان کے مفاد کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس کام سے دور رہیں۔ صرف یہ کافی نہیں کہ آدمی گناہ اور نافرمانی کے کاموں کو چھوڑ دے، بلکہ جن باتوں کا کوئی فائدہ اور حاصل نہیں ہے ان سے بھی اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:203)

(کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لغو (فضول) باتوں کو چھوڑ دے)

بعض احادیث ایسی ہیں جن میں موسیقی کے ناپسندیدہ یا حرام ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ ذیل میں عدم جواز کی بعض احادیث پیش کی جاتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَ الْحَرِيرَ وَ الْخَمْرَ وَ الْمَعَازِفَ۔

(سنن ابوداود، رقم الحدیث:4028)

(میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو شرمگاہ، ریشم، شراب اور گانے بجانے والی چیزوں کو حلال بنالیں گے)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنِّي لَمْ أَنْهَ عَنِ الْبُكَاءِ وَلَكِنِّي نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ صَوْتٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَمَزَامِيرُ الشَّيْطَانِ، وَ صَوْتٌ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ لَطْمُ وُجُوهٍ وَ شَقُّ جُيُوبٍ وَ رَنَّةُ شَيْطَانٍ۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث:1005)

(میں نے رونے سے کبھی منع نہیں کیا مگر دو احمق و فاجر آوازوں سے روکا ہے، ایک وہ آواز جو کھیل تماشے اور شیطانی نغموں کے ساتھ ہوتی ہے اور دوسری مصیبت کے وقت بین کرنے کی)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ". (سنن ابوداوٗد، ج:3، رقم الحدیث:1520)

(غنا دل میں نفاق پیدا کرتی ہے)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

سَمِعَ ابْنُ عُمَرَ مِزْمَارًا، قَالَ: فَوَضَعَ إِصْبَعَيْهِ عَلَى أُذُنَيْهِ وَنَأَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَقَالَ لِي: يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا، قَالَ: فَقُلْتُ: لَا، قَالَ: فَرَفَعَ إِصْبَعَيْهِ مِنْ أُذُنَيْهِ، وَقَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ مِثْلَ هَذَا فَصَنَعَ مِثْلَ هَذَا. (سنن ابوداوٗد، ج:3، رقم الحدیث:1519)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار کہیں بانسری کی آواز سنی تو اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں ڈال لیں اور اس راستے سے دور ہو گئے۔ پھر مجھ سے کہا: اے نافع رضی اللہ عنہ! کیا تجھے کچھ سنائی دیتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگلیاں کانوں سے ہٹا لیں اور فرمایا: میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی ہی آواز سنی تو یہی عمل کیا)

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

مَنِ استَمَعَ إِلى قَيْنَةٍ، صُبَّ فِى أُذُنَيْهِ الآنُكُ يومَ القيامةِ۔

(کنز العمال، ج:2، رقم الحدیث:3292)

(جس نے (گانے والی) باندی کی آواز پر کان لگایا تو اس کے کان میں قیامت کے روز سیسہ ڈالا جائے گا)

7۔ صوفیا کے ہاں سماع کی ممانعت

بعض صوفیا اور اہل علم سماع کے حوالے سے تحفظات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ (215 ہجری/ 830ء) نے اپنے ایک مرید کو نصیحت فرمائی کہ اگر تو اپنے دین کو سلامت رکھنا

چاہتا ہے اور اپنی توبہ کی حفاظت کرنا چاہتا ہے تو صوفیوں کے سماع میں کبھی نہ شامل ہونا۔ جب تک تو جوان ہے اپنے آپ کو اس کا اہل نہ سمجھنا اور اس کا منکر رہنا اور جب تو بوڑھا ہو جائے تو کوئی بے ہودہ کام نہ کرنا۔ گویا 'سماع' جوانوں کے لیے فتنہ اور بوڑھوں کے لیے ایک بے ہودہ کام ہے۔

حضرت ابوعلی رود باریؒ (متوفی 322 ہجری/ 934ء) سے ایک شخص نے سماع (گانا اور راگ سننے) کے بارے میں سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا: اے کاش! ہم اس سے مکمل طور پہ خلاصی پاتے۔ البتہ اس پر تمام صوفیا اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص ساز و موسیقی کے بغیر اور گانے کو پیشہ بنائے بغیر اگر کوئی صاف ستھرے الفاظ گا گنگنا لیتا ہے، خصوصاً اگر وہ اشعار ذکر موت و فکر آخرت اور شوق وحب وطن وغیرہ کے بارے میں ہوں یا سفر وغیرہ کی مشقت کم کرنے کے لیے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابن جوزیؒ (متوفی 597 ہجری/ 1201ء) کے بقول جن اشعار کو ترنم سے گنگنانے یا گانے کے جواز کا کہا گیا ہے، ان میں بعض اقسام درج ذیل ہیں:

(1) حجاج کرام کے وہ اشعار جنہیں وہ طویل سفر کے دوران گاتے تھے اور وہ صرف کعبہ شریف، آب زمزم اور مقام ابراہیم جیسے مشاعر مقدسہ کی تعریف میں ہوتے تھے، ان کا گانا اور سننا مباح ہے کیونکہ وہ حد اعتدال سے نہیں نکلتے اور نہ گانے یا سننے والے کو نکالتے ہیں۔

(2) ایسے ہی غازیوں اور مجاہدین کے لیے پڑھے جانے والے قومی و جنگی ترانے، رزمیہ اشعار اور جہادی نظمیں بھی ہیں جن میں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دلائی گئی ہو۔

(3) اسی طرح عین میدان جہاد میں مجاہدین کا اپنے سامنے والے کے مقابلے پر اپنے آپ کو تیار کرنے کے لیے بہادری دکھلانے پر ابھارنے والے شعر کہنا بھی ہے۔

(4) یہی معاملہ ان قافلے والوں کا بھی ہے جو اپنے اونٹوں اور لوگوں کو تحریک دینے کے لیے حدی خوانی کرتے ہیں، البتہ اس حدی خوانی کا بھی حد اعتدال کے اندر ہی جواز ہے۔

(تلبیس ابلیس، ص: 237-241)

شیخ نصیر الدین طوسیؒ (متوفی 672 ہجری/ 1274ء) سے سوال کیا گیا کہ بعض لوگ ایک جگہ بیٹھ

کر پہلے قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔اس کے بعد ایک شخص اٹھ کر اشعار گاتا ہے۔پھر سب مست ہو کر رقص کرتے ہیں اور دف وغیرہ بجاتے ہیں۔کیا ایسے لوگوں کے ساتھ شریک ہونا ناجائز ہے؟ شیخ نے جواب دیا: 'اکابرین صوفیاء کے نزدیک ایسا کرنا غلط اور گمراہی ہے۔اسلام تو صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے'۔(کف الرعاع، ج:1،ص:51)

اہل علم میں سے جو شخصیات سماع کو ناجائز کہتی ہیں، ان میں امام ابن تیمیہؒ (متوفی 728 ہجری/ 1328ء) کا نام زیادہ مشہور ہے، البتہ ان کے نزدیک یہ مطلق حرام یا ناجائز نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں: 'سماع کی تمام قسمیں یکساں نہیں ہیں۔ایک وہ سماع ہے جس سے دین میں نفع ہوتا ہے اور ایک سماع وہ ہے جو رفع حرج کے لیے مباح ہے۔اسی طرح ایک سماع قرب الٰہی چاہنے والوں کا ہوتا ہے اور ایک سماع لہو ولعب پسند کرنے والوں کا ہوتا ہے۔جس سماع کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے اور جس کے لیے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعینؒ وسلف امتؒ قلب کی پاکیزگی اور نفس کی طہارت حاصل کرتے تھے تو وہ قرآن مجید کا سماع ہے۔یہی سماع انبیائے کرام علیہم السلام، مومنین اور اہل علم و معرفت کا سماع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد ان کی صفات اس طرح بیان فرمائی ہیں: جب ان پر رحمان کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں'۔

(رسالہ السماع والرقص، ص:5)

اس کے بعد اہل بدعت کا سماع بیان کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

'اہل بدعت کا سماع، کف و دف اور سارنگی کا سماع ہے۔صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعینؒ اور ائمہ کرامؒ میں سے کسی نے اس طرح کے سماع کو اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچنے کا طریق قرار نہیں دیا۔وہ اسے قرب الی اللہ اور عبادت میں نہیں بلکہ بدعت مذمومہ میں شمار کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے اولیاؒ و عارفینؒ اسے پہچانتے تھے اور ان کو معلوم تھا کہ اس بدعت میں شیطان کا بڑا حصہ ہے۔اس لیے اس میں حصہ لینے والوں میں سے اچھے اچھے لوگ تائب ہو گئے'۔(مجموع الفتاوی، ج:11،ص:164)

البتہ علامہ ابن تیمیہؒ ایسے قصائد کا سماع جائز سمجھتے ہیں جس میں راگ و تالیوں کے بغیر دین، جہاد یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف بیان کی گئی ہو۔ وہ لکھتے ہیں: 'اس بارے میں اصل یہ ہے کہ ہر چیز کی

حقیقت پر غور کرنا چاہیے پھر اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ گانا ایک رسم ہے اور اس کا اطلاق بہت سی چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک گانا حاجیوں کا ہے اس میں وہ کعبہ زم زم اور مقام ابراہیم وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں، ظاہر ہے ایسے گانے سننا جائز ہے۔ ایک گانا مجاہدین کا ہے جس میں وہ جہاد اور شہادت کا ذکر کرتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔ اس طرح اونٹوں کے حدی خوانوں کا گانا ہے یہ بھی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سنا۔ اسی طرح عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں قصیدہ کہا، تو ظاہر ہے کہ ایسے گانے کا سننا مباح ہے'۔ (رسالہ السماع والرقص، ص:27)

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (1034 ہجری/ 1624ء) ذکر کرتے ہیں: آیات، احادیث اور فقہی روایات گانے بجانے کی حرمت میں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ اگر کوئی شخص منسوخ روایت یا شاذ روایت کو گانے کے مباح ہونے کی دلیل میں پیش کرے تو وہ ہرگز قابلِ اعتبار نہیں۔ کسی فقیہ نے کسی زمانے میں سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور نہ ہی رقص کو جائز رکھا ہے۔

(مکتوبات، ج:ا،ص:266)

8۔ اعتدال کی راہ

موسیقی کے جواز یا عدم کے حوالے سے کوئی ایک متفقہ رائے موجود نہیں ہے۔ اہل علم کا اس میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ فریقین کے پاس جواز اور عدم جواز کے دلائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں کوئی مطلق رائے رکھنے کی بجائے بہتر ہے کہ شرائط وضوابط کا لحاظ کیا جائے کہ کسی بھی طرح اگر الفاظ سے یا آلات سے بے حیائی کا رجحان پیدا ہو تو وہ ناجائز ہے، اگر اس میں کچھ شرائط کا لحاظ کر لیا جائے۔ صوفیا کے ہاں سماع کے کئی طریقے اور مختلف انداز مشہور رہے ہیں۔ اور اہل علم کے ہاں اس مسئلے میں بھی اختلافات رہے ہیں۔ اس ضمن میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر کسی نثر یا نظم کو لے میں پڑھا جائے، اس میں الفاظ کا استعمال درست ہو اور موسیقی کے آلات استعمال نہ ہوں تو سب کے نزدیک یہ سماع جائز ہے اور اگر اس میں وجدان کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ بھی غلط نہیں ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 215 ہجری/ 830ء) سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ دوران سماع وجد سے بے قابو ہو جاتے ہیں اور وجد میں گھومتے ہیں، اس کے بارے میں آپؒ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے

فرمایا: ان لوگوں کو اللہ کی محبت میں چھوڑ دو، کیونکہ طریقت نے انکے دل کاٹ دیے ہیں، اگر تم ان کی لذت سے آشنا ہو جاؤ تو چیخنے چلانے اور کپڑے پھاڑنے میں ان کو معذور سمجھو گے۔

(رسائل ابن عابدین شامی، 1/ 172)

حضرت ذوالنون مصریؒ (245 ہجری) کا قول ہے: سماع بندے پر خدا کی طرف سے وارد ہوتا ہے اور یہ دلوں کو حق کی طرف مائل کرتا ہے۔ مگر جو حق کے لیے اس کی طرف جھکتا ہے وہ حق کی راہ پا لیتا ہے اور جو لذت نفس کے لیے اس کی طرف آتا ہے وہ بے دینی کی راہ پر چل پڑتا ہے۔

سماع کے جواز کے حوالے سے بہت سی روایات ہیں جنہیں حضرت ابوعبدالرحمن السلمیؒ (متوفی 412 ہجری/ 1012ء) نے اپنی کتاب 'السماع' میں جمع کیا ہے اور سماع کے قطعی مباح ہونے کا فیصلہ صادر کیا ہے[1]۔ البتہ بعض مشائخ صوفیاءؒ کے نزدیک کسی چیز کے مباح ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے عمل میں بھی لایا جائے اور اس چیز اختیار کر لیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ بندے کو وہ چیز طلب کرنی چاہیے جس میں کوئی مثبت فائدہ ہو۔ محض اباحت پر چیزوں کو اپنا لینا عوام کا کام ہے، خواص کو احتیاط برتنی چاہیے۔ اس ضمن میں بہتر یہ ہے کہ آدمی کی طبیعت، میلان اور سماع کے اس پر اثرات کو معیار بنانا چاہیے۔

حضرت داتا علی ہجویریؒ (متوفی 469 ہجری/ 1077ء) نے کشف المحجوب میں موسیقی اور سماع کی تفصیل کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آپؒ مرو (ترکمانستان) کے علاقے میں تھے۔ وہاں مشہور ایک اہل حدیث امام تھے، انہوں نے حضرت ہجویریؒ سے کہا کہ میں نے سماع کی بحث میں ایک کتاب مرتب کی ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو دین میں ایک بہت بڑی آفت ظاہر ہوئی کہ آپ جیسے ایک امام عالم دین نے اس لہو لعب کو جو تمام گناہوں کی جڑ ہے، جائز کر دیا۔ اس نے کہا کہ اگر آپ اسے حلال نہیں سمجھتے تو سماع کیوں کرتے ہیں؟ حضرت ہجویریؒ نے فرمایا کہ سماع کا حکم دل پر اس کی تاثیر کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر یہ حلال کی تاثیر ہو تو حلال ہوتا ہے، مباح کی تاثیر ہو تو مباح ہوتا ہے، ورنہ حرام ہوتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں محفل سماع ممنوع ہے۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (متوفی 575 ہجری/

---

[1] مولانا جعفر پھلواری نے اپنی کتاب اسلام اور موسیقی میں ہر دو طرح کے دلائل کو جمع کر دیا ہے۔

1179ء) نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ زیادہ محفل سماع میں مت بیٹھو کیونکہ زیادہ سماع سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔ سماع کا انکار نہ کرو، کیونکہ اہل سماع بہت ہیں۔ سماع صرف اس کے لیے جائز ہے جس کا دل زندہ ہو اور نفس مردہ ہو۔ جس شخص کو یہ رتبہ حاصل نہ ہو اس کے لیے نماز روزہ میں مشغول ہونا بہتر ہے۔ (امیر خورد، سیر الاولیاء، ص:492)

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ (973ہجری/ 1565ء) فرماتے ہیں: 'اشعار اور قوالی ہر وقت نفع بخش ہے خاص کر ضعیفوں کے لیے مفید ہے۔ اس لیے کہ سماع سے ہر عضو پر خاص اثر ہوتا ہے، آنکھیں اس کے اثر سے روتی ہیں، زبان پر اثر ہوتو وہ گڑگڑاتی ہے، ہاتھ متاثر ہوتو کپڑے پھاڑے جاتے ہیں اور چہرے پر تھپڑ مارا جاتا ہے اور جب پاؤں پر اثر ہوتو وہ رقص کرنے لگتے ہیں'۔ (انوار القدسیہ، ج:ص: 179) مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری نے اپنی کتاب 'اسلام اور موسیقی' میں متعدد مستند حوالوں سے موسیقی کی وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ موسیقی کی خوبیاں جو فطری رنگ میں ہیں انہیں اسلام قبول کرتا ہے لیکن اگر اس میں مواد شہوانیت یا منفی خیالات کو ابھارنے والا ہوتو اس کے برے اثرات سے مسلمانوں کو ڈراتا ہے۔

شیخ محمد بن مبارک کرمانیؒ فرماتے ہیں: اگر اس میں یہ چند چیزیں پائی جائیں تو سماع حلال ہوگا: سننے والے تمام مرد بالغ ہوں بچے اور عورتیں نہ ہوں۔ سننے والے اللہ تعالی کی یاد سے خالی نہ ہوں۔ کلام فحش و مذاق سے خالی ہو اور آلات سماع یعنی مزامیر، سارنگی اور طبلہ وغیرہ اس میں استعمال نہ ہوں تو ایسا سماع حلال ہوگا'۔ (سیر الاولیاء، ص:501-502)

9۔ آداب سماع

جو صوفیا سماع کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کے کچھ ضوابط ہیں جن میں سب سے اہم اس بات یہ ہے کہ سماع کو ایک روحانی تسکین اور عبادت کی طرح محسوس کیا جائے۔ گویا سماع کے لیے کچھ ظاہری و باطنی آداب ہوتے ہیں جن کا خیال رکھا جانا چاہیے۔

صوفیا نے مختلف مقامات پر جو سماع کے آداب بیان کیے ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں: (i) شیخ مجلس میں موجود ہو، (ii) مرید پوری طرح شیخ کی طرف توجہ رہے، (iii) اس مجلس میں کوئی بے ریش لڑکا نہ ہو (iv) سب شریک مجلس صاحب سلسلہ ہوں، (v) ان سب کی نیت خالص اللہ کی رضا کا

حصول ہو، کسی قسم کا کھانا پینا یا اجرت نہ ہو (vi) کسی دنیاوی منفعت یا مفاد کے لیے جمع نہ ہوں (vii) اگر وجد طاری ہو تو وہ مکمل طور پہ صادق ہو، دکھاوا نہ ہو، (viii) بعض مخصوص اوقات جیسے کھانے یا نماز کے وقت میں نہ کیا جائے، سڑک پر بھی سماع نہ کیا جائے اور جب مجلس میں کوئی اہل دنیا متکبر شخص ہو پھر بھی سماع نہ کیا جائے، (ix) سماع میں شریک فرد پڑھنے والے کی طرف مائل رہے، اس کی طرف کان اور دل متوجہ رکھے، اردگرد توجہ نہ کرے، (x) ویسے کھڑا نہ ہو، نہ رونے کی آواز بلند کرے بلکہ اپنے آپ پر ضبط کی کوشش کرے، (xi) اگر شرکاء میں کوئی بغیر ریاکاری کے حقیقی وجد میں آ کر کھڑا ہو جائے تو اس کی موافقت کی جائے اور (xii) سکون، سکینہ یا قیام کی کیفیات میں شیخ کے اشارات کی موافقت کی جائے اور نظر شیخ سے بے گانہ نہ ہو۔ (احیاء علوم الدین، ج:2، ص:275)

صوفی پشمینه پوش حال مست
از شراب نغمه ی قوال مست
آتش از شعر عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآن محفلش

(صوفی نے پشمینہ پہن رکھا ہے اور اپنے حال میں مست ہے)
(قوال کے نغموں کی شراب سے مست ہے)
(عراقی کے شعر سے اس کے دل میں حرارت ہوئی)
(اس کی محفل کو قرآن سے کوئی دلچسپی نہیں)

از دیر مغاں آیم بے گردش صہبا مست
در منزل لا بودم از بادۂ الّا مست

(میں مے خانے سے آیا ہوں اور بغیر شراب پیئے مست ہوں)
(میں لا کی منزل پر تھا اور الّا کی شراب سے مست ہوں)

30۔ شطحیات

1۔ شطحیات کی تعریف

ہر عہد کے صوفیا اس بات کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ روحانی تجربات کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ ان کو پوری طرح سے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا اور ان کی تعبیر ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ وہ انہیں ذوق ووجدان سے تعلق رکھنے والے ایسے احساسات کہتے رہے جن کی مکمل تعبیر ممکن نہیں ہوتی۔ صوفیانہ تجربات کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خالص علمی نظریات سے زیادہ تجرباتی، روحانی و نفسی ہوتے ہیں اور مستقل مراحل سے گزارتے ہوئے فرد کو عرفانی ارتقا کی جانب لے جاتے ہیں۔

مجموعی طور پر، تصوف ایک روحانی عرفانی راستہ ہے جو اللہ کے قرب تک پہنچنے، آخرت کی تیاری کرنے اور انسانی ذہن و قلب کو اللہ کی محبت سے معمور کرنے کی حالتوں سے آگہی فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک شخص کے روحانی و نفسی تجربات دوسرے شخص سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے بعض اوقات کچھ صوفیا پر ایسی کیفیات طاری ہو جاتی ہیں جو ہوش مندی کی حالت نہیں ہوتی۔ ایسے میں بعض صوفیا کی زبان سے ایسے الفاظ یا جملے ادا ہو جاتے ہیں جو ظاہری لحاظ سے متنازعہ اور ناقابل قبول ہوتے ہیں۔ ان الفاظ و کیفیات کو شطحیات کا نام دیا جاتا ہے۔

شطحیات کی تعریف میں شیخ ابونصر سراج فرماتے ہیں: شطحیات وہ عجیب و غریب عبارات ہیں جو صوفیائے کرام سے وجد و مستی کی انتہائی کیفیت میں صادر ہوتی ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب بہت زیادہ پانی ایک تنگ نہر میں داخل ہوتا ہے تو وہ کناروں سے باہر نکلنے لگتا ہے، تب کہا جاتا ہے 'شطح الماء فی النهر' کہ پانی نہر سے باہر نکل گیا۔ اسی طرح سے جب ایک سالک پر وجد کا غلبہ ہو جائے اور اس کا دل حقائق کے انوار کی تاب نہ لا سکے تو وہ اس کا اظہار عجیب و غریب عبارات سے کرتا ہے جو سننے والے کے لیے پیچیدہ ہوتی ہیں۔ اس سے وہ لوگ محفوظ رہتے ہیں جو اس کے اہل ہوں اور اس علم کے بڑے ماہر ہوں۔ (کتاب اللمع فی التصوف، ص: 374)

اس طرح کی کیفیت کے بارے میں اہل علم نے کہا ہے کہ یہ دراصل مشاہدے کی وسعت ہوتی ہے جس کو الفاظ میں بند نہیں کیا جاسکتا اور ان کی عین تعبیر ممکن نہیں ہوتی۔ خدا شناسوں کے ظرف کے استعداد کے پُر ہوجانے پر اس سے عرفان کے پانی کا چھلک جانا شطح کہلاتا ہے۔ (لطائف اشرفی، ص:644)

شیخ ابن عربیؒ (متوفی 638 ہجری/ 1240ء) شطحیات کے مفہوم کے حوالے سے فرماتے ہیں: ایسی بات کہ جس کے ظاہر میں رعونت یا کوئی بڑا دعوی ہوتا ہے اور محقق اہل علم کے نزدیک اس کا ثبوت شاذ ہوتا ہے۔ (فتوحات مکیہ، ج:2، ص:133)

چونکہ شطحیات کا صدور عام طور پہ وجد کی حالت میں ہوجاتا ہے، اس لیے جو ایسی کفیت میں صادر ہو وہ بہ ظاہر تو غلط یا نامناسب ہوسکتا ہے لیکن خود صوفی کے لیے وہ ایک اضطراری کیفیت ہوتی ہے۔ یہ اصل میں وجد میں جانے والوں کے اسرار کا حصہ ہے، جب ان پر وجد غالب آجائے تو وہ ایسی عبارت کہہ دیتے ہیں جو سننے والے کے لیے حیران کن ہوتی ہے۔ اس بات کا مکمل انکار یا اس کو مکمل ظاہری حیثیت میں تسلیم کرلینا دونوں ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں۔ جس نے اعتدال اختیار کیا وہ نجات پا گیا۔ (رسالۃ فی غلطات الصوفیہ، ج:3، ص:480)

شروع کے اکابر صوفیا پر جو مکاشفات ہوتے یا مخصوص کیفیات طاری ہوتیں، وہ ان حالات و کیفیات کو اور ان سے حاصل ہونے والے تجربات کو عام لوگوں کے سامنے نہیں بیان کرتے تھے۔

2۔ سکر و صحو کی کیفیت

وہ کیفیت جس میں صوفیا سے شطحیات کا صدور ہوجاتا ہے اسے 'سکر' کی حالت کہا جاتا ہے۔ اس میں سالک کے حواس اپنی جگہ پر نہیں رہتے اور وہ حیرت میں کھوجاتا ہے، مدہوش ہوجاتا ہے۔ ایسے میں اس سے ایسے جملوں کا صدور ہوجاتا ہے جن کی کوئی ظاہری دلیل نہیں ہوتی۔ اس کے مقابل 'صحو' کی کیفیت یعنی ہوش کی حالت ہوتی ہے جس میں سالک اپنے حواس میں واپس آجاتا ہے۔

بعض شیوخ کی رائے ہے کہ سکر اولیا کے درجے سے تعلق رکھتا ہے اور صحو انبیائے کرام علیہم السلام کے درجے سے متعلق ہوتا ہے۔ (البینات، شرح مکتوبات، ص: 155) مشہور صوفی ابوالعباس بن عطاؒ (متوفی 309 ہجری/ 921ء) سے کسی نے شطحیات کی زبان پر معترض ہوتے ہوئے سوال کیا کہ اے طبقہ صوفیا،

تمہیں کیا ہو گیا ہے۔تم نے یہ کیسے الفاظ وضع کر لیے ہیں جو عام لوگوں کے لیے غیر مانوس ہیں اور عام رائج الوقت زبان کو ترک کر کے تم نے نامانوس زبان استعمال کرنی شروع کر دی ہے۔ ایسا تم کیوں کرتے ہو؟ کیا حقائق کی پردہ پوشی کے لیے یا اپنے مسلک کے عیوب پر پردہ ڈالنے کے لیے؟ ابوالعباسؒ نے جواب دیا: ہمارے نزدیک یہ علم ایک نایاب علم ہے، اس لیے ہم نے غیرت کھاتے ہوئے ایسا کیا ہے تا کہ ہماری جماعت کے سوا کوئی اور اس کا مزا نہ چکھ سکے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ اشعار کہے:

اَحْسَنُ مَا اَظْهَرَهٗ و نُظْهِرُهٗ
بَادِیْ حَقٍّ لِلْقُلُوبِ نَشْعُرهٗ
یُخْبِرُنِی عَنِّی وَعَنْهُ اُخْبِرُهٗ
اَكْسُوْهُ مِن رَوْنقه مَا یَسْتُرُهٗ
عَنْ جَاهِلٍ لَا یَسْتطِیْعُ ینشره
یُفْسِدُ مَعْنَاهُ اِذَا مَا یَعْبُره
فلا یطیق اللفظ بل لا یعشره
ثم یوافی غیره فیخبره
فَیُظْهِرُ الجَهْلَ وَیَبْدُوْ رَمزُهٗ
وَیَدْرُسُ العِلم وَیَعْفُوْ اَثَرُهٗ

(کیا ہی عمدہ بات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا اور ہم نے بھی ظاہر کیا)
(اللہ کی طرف سے ظاہر ہونے والے امور ہیں جنہیں ہم دلوں پر واضح کر دیتے ہیں)
(اللہ تعالیٰ مجھے میری حقیقت بتا دیتا ہے اور میں اسے حق کے متعلق خبر دیتا ہوں)
(میں اس حق کو ایسی آب و تاب پہنا تا ہوں کہ اس کی وجہ سے وہ پوشیدہ ہو جاتا ہے)
(ایسے جاہل لوگوں سے جن پر اس کا ظہور نہیں ہوسکتا)
(اگر بیان کرنا چاہیں تو اس کا مفہوم بگاڑ دیتے ہیں)
(وہ شخص ایک لفظ بھی کہنے کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں کہہ سکتا)
(پھر اوروں کے پاس جاتا ہے جو اسے بتاتے ہیں)
(اس طرح وہ جہالت کا اظہار کرتا ہے جبکہ رمز کے سوا کچھ ظاہر نہیں ہوتا)
(علم مٹ جاتا ہے اور اس کا نشان تک باقی نہیں رہتا)

مولانا رومؒ (متوفی 672ہجری/ 1273ء) اس حالت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سبق الجد الینا نزل الحب علینا
سکن العشق لدینا فسکنا و ثوینا
زمن الصحو ندامة زمن السکر کرامة
خطر العشق سلامة ففتنا و فنینا

(ہم پرایک دور گزر گیا، ہم پر محبت کا نزول ہوا)
(عشق ہمارے سامنے ٹھہرگیا، ہم ساکن اور مدہوش ہوئے)
(صحو کا دور ندامت ہے، سکر کا دور کرامت ہے)
(خطرۂ عشق سلامتی ہے، ہم آزمائش میں پڑے اور ہم فنا ہوئے)

شطحیات صرف اورصرف حالت سکر میں ہوتی ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ (متوفی 751 متوفی/ 1350ء) حالت سکر اورصحو کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: صحو کی حالت سکر سے بلند ہے، یعنی سکر اس وقت طاری ہوتا ہے جب وہ غیب سے جڑ جائے اور صحو غیبی حقیقت ملنے کا مقام ہے۔ اسی طرح سکر فنا ہے اور صحو بقا ہے۔ سکر غیب دیکھنا ہے اور صحو اس کو حاضر پانا ہے۔ سکر غلبہ ہے اور صحو میں ٹھہراؤ ہے۔ سکر نیند جیسا ہے اور صحو جاگنے کی کیفیت جیسا ہے۔ (مدارج السالکین، ص:315)

3۔ شطحیات کی چند مثالیں

صوفیا کے شطحیات میں سے سب سے زیادہ شیخ حسین بن منصور حلاجؒ کے قول 'اناالحق' (میں حق ہوں) پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ ان کے اس قول کے بارے میں بہت سے صوفیا نے تاویلات بھی پیش کی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس پر خاموشی اختیار کرنا بہتر ہے۔ امام ابوالقاسم قشیریؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر وہ اہل حقیقت میں سے تھے تو خلق کی طعن و تشنیع کی وجہ سے بارگاہ حق سے محروم و مسترد نہیں ہو سکتے، اگر وہ خلاف طریقت تھے تو قبول خلق کی وجہ سے مقبول بارگاہ نہیں ہو سکتے، ہم ان کو ان کے حال پر چھوڑتے ہیں لیکن ہم نے ان کے اندر جو نشان حق پایا، اس کی وجہ سے ان کا احترام کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے مخالفین کی تعداد بہت کم اور موافقین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ (کشف المحجوب، ص:465)

حضرت بایزید بسطامیؒ (متوفی 261ہجری/ 875ء) سے بہت شطحیات منسوب ہیں۔ آپؒ کا قول

ہے: اللہ نے ایک مرتبہ مجھے اپنے پاس اٹھایا اور اپنے سامنے کھڑا کر کے کہا: اے ابو یزید! میری مخلوق چاہتی ہے کہ وہ تجھے دیکھے، تو میں نے کہا: پھر آپ مجھے اپنی وحدانیت سے مزین کر دیجیے کہ تیری مخلوق مجھے دیکھے تو کہے کہ ہم نے تجھے دیکھا اور وہ تو خود ہی ہو اور میں وہاں نہ ہوں۔ (کتاب اللمع، ص: 382) حضرت بایزید بسطامیؒ کا ایک اور قول ہے: میں اپنی ذات سے اس طرح باہر نکل گیا جس طرح سانپ اپنی چمڑی سے نکلتا ہے، پھر میں نے اپنی طرف دیکھا تو میں 'وہ' تھا۔ (شطحیات الصوفیہ، ص: 100) حضرت بایزید بسطامیؒ کا ایک اور قول ہے: میں پاک ہوں اور میری شان بہت بڑی ہے۔ (تذکرۃ الاؤلیا، ص: 104) یہ الفاظ حضرت بایزید بسطامیؒ کی زبان پر حالت سکر میں جاری ہوئے تھے جنہیں سن کر اربابِ حلقہ گھبرا گئے کہ بظاہر یہ الفاظ ایک بندے کا دعویٰ خدائی ہے۔ حالتِ سکر سے باہر آنے کے بعد جب اس بارے میں آپؒ سے استفسار کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا: اگر تم میری زبان سے دوبارہ ایسے الفاظ سنو تو میری گردن اڑا دینا کہ یہ کلمات کفر ہیں جنہیں کہنے والا مرتد ہو جاتا ہے۔ ایک روایت ذکر کی جاتی ہے کہ کسی شخص نے ابو یزید بسطامیؒ کا دروازہ کھٹکھٹایا، تو انہوں نے اندر سے پوچھا: تمہیں کس سے ملنا؟ میں نے جواب دیا: ابو یزیدؒ سے ملنا ہے۔ آپؒ نے جواب دیا: واپس جاؤ، تمہارا ناس ہو، گھر کے اندر اللہ پاک کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ (شطحیات الصوفیہ، ص: 84) حضرت بایزید بسطامیؒ کے شطحیات میں سے ایک قول ہے: اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں اگر وہ جہنم پر تھوک دیں تو وہ بجھ جائے۔ (کتاب اللمع فی التصوف، ص: 430)

ابوحمزہ صوفیؒ (متوفی 269 ہجری/ 882ء) کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ ہوا کی سنسناہٹ، پانی کی روانی اور پرندوں کی چہچہانے کی آواز سنتے تو کہتے تھے: 'لبیک لبیک'۔

(موسوعۃ الفرق المنتسبہ للاسلام، ج: 7، ص: 177)

ابوبکر شبلیؒ (334ھ/ 945ء) کا قول ہے: جنت میں اللہ پاک کے ماسوا کوئی نہیں ہوگا۔

(الفرقان بین اولیاء الرحمان و اولیاء الشیطان، ص: 88)

4۔ شطحیات کے بارے میں موقف

صوفیا کے شطحیات کا مسئلہ ہمیشہ سے کافی متنازع رہا ہے اور اس پر بہت سے اہل علم اسلاف نے اپنی رائے دی ہے۔ خصوصا وہ شحطات جو حلول و اتحاد کے دعووں سے متعلق تھے ان کے بارے میں

کافی سخت آرا بھی سامنے آتی رہی ہیں، جب کہ کچھ علمانے اس کے اسباب کو بیان کیا ہے۔

جن صوفیا سے شطحیات کا صدور ہوتا ہے ان کے بارے میں اہل علم کا موقف یہ ہے کہ جن شخصیات کی پوری زندگی شریعت مطہرہ پر عمل میں گزری ہو اور جن کا علم وفضل امت کے درمیان مشہور ومعروف ہو، اگر ان سے کچھ ایسے کلمات کا صدور ہوتا ہے جو کہ بہ ظاہر خلافِ شریعت معلوم ہوتے ہیں، تو ان کی تاویل کی جائے گی اگر ممکن ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اس کے معنی ومفہوم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے گا اور اس بارے مین ان کو معذور سمجھا جائے گا اور اس غلطی میں نہ ان کی پیروی کی جائے گی اور نہ ہی ان کو گمراہ اور فاسق کہا جائے گا۔

البتہ اسلاف بزرگ یہ ترجیح دیتے تھے کہ شطحیات کا اظہار دوسروں کے سامنے نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 298ہجری/ 911ء) کو خط لکھا۔ اس میں اپنے واردات کا اظہار کھلے الفاظ میں کیا تھا۔ حضرت جنید بغدادیؒ پر یہ خط بہت شاق گزرا۔ یہ خط ان کے پاس بدھ کے روز آیا تھا۔ انہوں نے ایک ہفتہ تک اسے اپنے پاس رکھا پھر اس کا جواب لکھا، فرمایا: اے ابوبکر، مخلوق کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ہماری تو یہ حالت ہوتی تھی کہ ایک کلمہ کو لیتے پھر اسے سونگھتے اور اس کی تعریف کرتے اور تہہ خانوں میں گھس کر اس کلمہ کو بولتے تھے اور تمہارا حال یہ ہے کہ اکابر خلق کے سامنے بے لگام ہو گئے ہو۔ مخلوق کے ہزار درجے ہیں اور جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ تو پہلے درجے کے لیے بھی مشکل بات ہے‘۔ (کتاب اللمع فی التصوف، ص:305)

حضرت ابوبکر شبلیؒ (334ھ/ 945ء) کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ سکر کی کیفیت میں رہتے اور لوگوں کے سامنے شطحیات کو بیان کرتے رہتے تھے۔ ان کے مرتبے سے متعلق حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے: شبلی مدہوش رہتا ہے، اگر سکر کی حالت سے باہر آجائے تو وہ ایسا امام ہے جس سے دنیا نفع حاصل کرے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:2، ص:147)

شیخ ابونصر سراجؒ (378ھ/ 988ء) کی رائے یہ ہے کہ شطحیات کے معاملے میں ہر شخص کو کلام نہیں کرنا چاہیے۔ یہ خاص گروہ سے متعلق چیزیں ہیں اور انہی تک محدود رہنی چاہئیں۔ اس مسئلہ میں حتمی رائے دینا درست نہیں ہے: ’کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اولیاء اللہ کے بارے میں غیب کی زبان کھولے اور پھر اپنے قیاس کے ذریعے ان کے کلام کے مطالب اخذ کرے، کیوں کہ اولیا اپنی حیثیت میں

مختلف احوال کے حامل ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مقابلے میں مختلف درجات رکھتے ہیں۔ اب اگر ان میں سے کوئی اپنے ساتھیوں سے زیادہ صاحب فضیلت ہو اور اعلیٰ معرفت کا حامل ہو تو وہ اس بات کا اہل ہے کہ وہ شطحیات صوفیہ کے متعلق گفتگو کرے یا اس کے درست و نادرست ہونے کے بارے میں کچھ کہے۔ اگر کوئی شخص ایسے صاحب مقام صوفیا کے راستہ پر چلا ہی نہ ہو تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ اس طرح کے کلمات سے انکار کر دے اور انہیں اللہ پر چھوڑ دے۔ اس کے علاوہ اگر اس نے صوفیا کے تعلق کی بنا پر کوئی غلط نظریہ قائم کیا ہو تو اس کے غلط ہونے کا اعتراف کر لے'۔ (کتاب اللمع فی التصوف، ص:377)

امام غزالیؒ (متوفی 505 ہجری/ 1111ء) کا موقف ہے کہ ایسے امور و اقوال کو نظرانداز کرنا چاہیے۔ صوفیا کو چاہیے کہ وہ اس طرح کے مکاشفات یا واردات کو بیان نہ کریں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: وہ سالک بعض اوقات اشیا کے مشاہدے سے اوپر ایسے درجات تک پہنچ جاتا ہے جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ جو بھی شخص اس کی تعبیر کرنا چاہے اس کی تعبیر بہرحال ایسے الفاظ پر مشتمل ہو گی جس میں صریح غلطی کا امکان ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ اس سے حلول و اتحاد کا شبہ ہوتا ہے جو کہ حقیقت میں درست نہیں ہوتا، لہٰذا جس پر ایسی حالت طاری ہو جائے، بہتر یہ ہے کہ وہ یہ کہے کہ جو کچھ بھی تھا وہ ایسا ہے جسے میں بیان نہیں کر سکتا، تم خیر کا گمان رکھو اور خبر سے متعلق مت سوال کرو۔ (المنقذ من الضلال، ص:131)

شطحیات یا اس نوع کا صوفیانہ نوعیت کا دعوی مطلقا ناپسندیدہ نہیں ہوتا: شطح ایک ایسا حقیقی دعوی ہوتا ہے جس کا صدور اس مقام سے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے کو عطا کیا ہوتا ہے۔ وہ اس کا اظہار امر الٰہی کے بغیر کرتا ہے اور اس میں تکبر کا شائبہ ہوتا ہے۔ اگر وہ امر الٰہی سے اظہار کرے اس میں غرور نہیں ہوتا۔ وہ دعویٰ شطح تب بنتا ہے جب اس کے اظہار کا حکم نہ دیا گیا مگر وہ پھر بھی کہہ دے۔

(فتوحات مکیہ، ج:2، ص:387)

اسلاف بزرگان میں سے فلسفی صوفیا کا طبقہ ایسا رہا ہے جو اس طرح کے شطحیات کو غلط نہیں کہتا بلکہ ان کی تاویلات پیش کرتے ہوئے انہیں درست مانتا ہے۔ نصیرالدین طوسیؒ (متوفی 672 ہجری / 1274ء)، ابو یزید بسطامیؒ کے قول 'سبحانی سبحانی ما اعظم شأنی' اور منصور حلاجؒ کے قول 'انا الحق' کے بارے میں کہتے ہیں: ان میں سے کسی نے الوہیت کا دعوی نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی ذات کی نفی کی تاکہ کسی اور ذات کا اثبات کریں اور وہ ذات مطلق ہے۔ (اوصاف الاشراف، ص:98)

حضرت سید اشرف مخدوم سمنانیؒ (متوفی 807ہجری/ 1405ء) فرماتے ہیں: 'صوفیائے کرامؒ کا طریقہ اور قانون مقررہ یہ ہے کہ مشائخ کے کلمات شطحیات کو نہ تو قبول کرنا چاہیے اور نہ ان کو رد کرنا چاہیے کہ یہ مقام وصال کا مشرب ہے، عقل وخرد کی رسائی یہاں نہیں ہے۔ بعض صوفیائے کرام نے مشائخ کے شطحیات کی ایسی شائستہ تاویلیں کی ہیں اور جن معنی میں استعمال کیے گئے ہیں، ان کی نہایت خوبی سے تشریح کی ہے اور اس طرح کے وہ ادراک کے قابل بن گئے ہیں اور جو پاک طبیعت ہے وہ ان کو سمجھ لیتی ہے'۔ (لطائف اشرفی، ج:1،ص:644)

اسلاف بزرگان میں سے کئی ایسے گزرے ہیں جو صوفیا کے شحطات کے لیے عذر بیان کرتے ہیں کہ ان امور پر صوفیا کی گرفت نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہوتے ہیں بلکہ سکر کی حالت میں ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک ابن خلدونؒ (متوفی 808 ہجری/ 1406ء) بھی ہیں۔ ان کے مطابق وہ لوگ غیب اور رمز کی کیفیت میں ہوتے ہیں: غیب میں کھو جانے والا مکلف نہیں ہے اور مجبور معذور کے زمرے میں آتا ہے۔ (تاریخ ابن خلدون، ج:1،ص:888)

ابن خلدونؒ فرماتے ہیں: ایسے الفاظ جنہیں شطحیات کا نام دیا جاتا ہے اور اہل شریعت اس پر مواخذہ کرتے ہیں۔ اس معاملے میں انصاف یہ ہے کہ جن سے یہ صادر ہو وہ شعوری کیفیت میں نہیں ہوتے کہ وہ ایسی بات کہہ دیں جس کا وہ ارادہ نہ رکھتے ہوں۔ جو غیبت کی کیفیت میں ہوں وہ شریعت کے مخاطب نہیں ہوتے بلکہ مجبور ومعذور ہوتے ہیں۔ ان میں جس کا علم وفضل مشہور ہو اس کی بات کی تاویل کر دی جائے گی، جیسا کہ بایزید بسطامیؒ کے معاملے میں ہوا ہے مگر جن کا علم فضل معروف نہ ہو اس کی جواب دہی کی جاسکتی ہے اگر اس کی بات کا دوسرا مطلب نہ ہوسکتا ہو۔ ایسے ہی جو شخص ہوش وحواس میں ہو پھر ایسی کوئی بات کر دے تو اس کا بھی مواخذہ کیا جائے گا۔ اسی لیے فقہا اور اکابر صوفیا نے حلاجؒ کے قتل کا فتوی دیا تھا کیونکہ اس نے جو بات کی وہ ہوش وحواس میں کی تھی۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص:230)

اس ساری بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اعتدال کا موقف یہی ہے کہ شطحیات کو نظر انداز کیا جانا چاہیے۔ اس پر مجالس میں گفتگو کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ علمی مجالس میں ان پر مناظرے کیے جانے چاہئیں۔ یہ محض ذاتی تجربات تھے جو انہیں سے متعلق تھے اور عام طور پر حالت وجد وسکر میں ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پر پکڑ نہیں کی جاسکتی۔

31۔ تصوف کا نظام تربیت

1۔ تربیت کے اصول

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہ کر تربیت پائی اور اپنے نفوس کا تزکیہ کیا۔ آئندہ نسلوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ ہر دور میں اللہ پاک کے ایسے خاص بندے پیدا ہوتے رہیں جو فنا فی الرسول ہو کر روحانی تربیت اور نفس کے تزکیہ کا مقدس فریضہ انجام دے سکیں۔ روحانی تربیت وتزکیہ کا علم کتابوں میں ہے مگر انسان کتابوں کو پڑھ کر خود کی تربیت نہیں کرسکتا ہے۔ روحانی امراض کے علاج اور تربیت کے لیے روحانی درسگاہ (خانقاہ) میں تربیت حاصل کرنا اور شیخ کامل کی نگرانی میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کرنا لازمی ہے۔ ذیل میں تصوف کی روحانی تربیت کا مروجہ طریقہ کار اور اس سے متعلق دیگر امور بیان کیے جاتے ہیں:

صوفیانہ تربیت کے اصولوں میں یہ شامل ہیں: (i) طاعت وعبادت، (ii) ذکر وشغل، (iii) خدمتِ مرشد اور (iv) آدابِ صحبت۔

ان بنیادی تربیتی اصولوں کی روشنی میں تربیت کے لیے صوفیائے کرامؒ مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں۔ سالک کو درجہ بدرجہ تربیت کے مراحل طے کروائے جاتے ہیں۔ تربیت کے مراحل درجہ بدرجہ کچھ یوں ہیں:

(1) مشارطہ

مشارطہ کے لغوی معنی شرط لگانے کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں مشارطہ یہ ہے کہ سالک اپنے آپ سے ہر صبح کچھ شرائط طے کرلے کہ فلاں نیک کام کرنے ہیں اور فلاں غلط کام نہیں کرنے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے منع فرمایا ہے اور اللہ پاک ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

(2) مراقبہ

مراقبہ کے لغوی معانی سوچ و بچار، دھیان لگانے اور تصور کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں یہ خیال کہ اللہ پاک مجھ کو دیکھتا ہے اور میں اس کو دیکھتا ہوں، مراقبہ کہلاتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں مراقبے سے مراد ہے کہ سالک کا اپنے دل کو حق تعالیٰ کے ساتھ حاضر رکھے اور قلب کو حضوری حق میں ایسا رکھے کہ خطرات دوئی اور خودی نہ آنے پائیں اور اگر آئیں تو دفع کرے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:49) اس حدیث مبارکہ میں سالکین حق کے دو حال بیان فرمائے گئے ہیں: حالِ مشاہدہ اور حالِ مراقبہ۔ سالک پر حق تعالیٰ کی تجلیات کا منکشف ہو جانا، حالِ مشاہدہ ہے۔ سالک کا یقین سے اس کیفیت پر پہنچنا کہ ہر حال میں اللہ پاک مجھے دیکھ رہا ہے حالِ مراقبہ ہے۔

مراقبہ میں فکر کو مرتکز کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ اس طرح مراقبہ کرتے تھے کہ ان کے جسم کا ایک بال بھی نہیں ہلتا تھا۔ آپؒ فرماتے تھے کہ میں نے یہ کیفیت اس بلی سے سیکھی ہے جو چوہے کے بل کے قریب خاموش اور ساکن ہو کر بیٹھتی ہے تاکہ چوہے کو اس کا پتہ نہ چلے۔

بعض اوقات سالک مراقبہ میں مخلوق سے اس حد تک غافل ہو جاتا ہے کہ بعض اوقت اپنے پاس موجود لوگوں کو بھی نہیں دیکھ پاتا حالانکہ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ تصوف میں ایسے مراقب کو مراقب صدیق کہتے ہیں۔ وہ ہر حال میں اپنی نظر اللہ پاک کے قرب اور رحمت و مہربانی پر لگائے رکھتا ہے۔ اگر کوئی ناروا عمل کرنے لگتا ہے تو فوراً اللہ پاک کی موجودگی سے خائف ہو کر اسے چھوڑ دیتا ہے، حتیٰ کہ اس کا قربِ الٰہی کا یہ خیال اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ دنیا اور جو کچھ اس میں موجود ہے، اس سے نظر ہٹا لیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت:196)

(اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں نزدیک ہوں، دعا کرنے والے کی دعا

قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے)

ایک صحابی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس کو چپکے چپکے سے پکاریں یا دور ہے کہ ہم اس کو زور سے پکاریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا سوال سن کر خاموش ہو گئے۔ اللہ پاک نے وحی فرمائی کہ جب میرے بندے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرے متعلق سوال کرتے ہیں تو انہیں بتا دیں کہ میں قریب ہوں۔ دعا مانگنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب بھی وہ دعا مانگتا ہے۔(الدرالمنثور، ذیل سورۃ البقرۃ، آیت:196)

شیخ سعدیؒ اسی بارے میں فرماتے ہیں:

دوست نزدیک تر از من به من است
وینت مشکل که من از وی دورم

(میرا دوست مجھ سے بھی بہت زیادہ میرے قریب ہے)
(تعجب تو اس پر ہے کہ میں اس سے دور ہوں)

مراقبہ کے تین درجات ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(i) مراقبہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ سالک کے دل میں اس یقین کے ذریعے سے کہ اللہ پاک بندے کے اندرونی حالات سے باخبر ہے ایسا حال پیدا ہو جائے کہ اس میں وسواس شیطانی کا گزر نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ موجود اور ناظر جان کر خواہشات نفسانی سے باز رہے۔

(ii) مراقبہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ سالک کائنات کی طرف سے توجہ ہٹا کر صرف اللہ پاک کی طرف توجہ مبذول کر لے اور دل میں اس کے سوا کسی کا خیال نہ لائے۔

(iii) مراقبہ کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ سالک مراقبہ میں اللہ پاک سے اس بات کا طلب گار ہو کہ حق تعالیٰ اس کے تمام امور مراقبہ کی نگہبانی فرمائے۔ سالک وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ. (سورۃ الاعراف، آیت: 196)'وہ نیک لوگوں کی رکھوالی کرتا ہے' کا مصداق بن جائے۔

مراقبہ کی دو اقسام ہیں: وہبی اور کسبی، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

(i) وہبی مراقبہ

سالک پر حق تعالیٰ کی طرف سے ایسی کیفیت وارد ہو جائے کہ وہ ہر حال میں دل و دماغ کے اعتبار سے اللہ پاک کے حضور حاضر ہو، جب کہ جسم دنیوی امور سرانجام دیتا رہے۔ یہ کیفیت اللہ پاک کے مخصوص بندوں جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کاملین کو اللہ پاک کی جانب سے حاصل ہوتی ہے۔

(ii) کسبی مراقبہ

مراقبہ کی دوسری قسم کسبی ہے، یعنی سالک خود مجاہدہ و ریاضت کے ذریعہ دل و دماغ کو یکسو کر لے اور خود کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر سمجھے۔ کسبی مراقبہ کی کئی اقسام ہیں جو شیخ حسبِ حال کرواتا ہے۔ اس کی ایک قسم مراقبہ موت کہلاتی ہے جس میں سالک دن بھر کی ہر غلطی کو شمار کرتا رہے۔ جب عشاء کا وقت آئے اور مراقبہ موت و محاسبہ کے لیے بیٹھے تو اول پورے دن کی غلطیوں کو شمار کر کے خود کو ملامت کرے۔ پھر مرنے اور قبر کی سوچ اور حشر کی سوچ اور رب تعالیٰ کے حضور پیشی کی حیرت و دہشت کا تصور کرے۔

(3) محاسبہ

محاسبہ یہ ہوتا ہے کہ جب دن ختم ہو جائے تو سوتے وقت سالک دن کے اعمال کو تفصیلاً یاد کرے۔ نیک کام پر شکر الٰہی بجالائے اور غلط پر اپنے نفس کو ملامت کرے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ. (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:357)

(عقل مند وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کا خود محاسبہ کرے اور مابعد الموت زندگی کے لیے تیاری کرے اور وہ شخص بے وقوف ہوتا ہے جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا رہے اور اللہ پاک پر امیدیں باندھتا پھرے)

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے: بیشک مومن اپنے نفس پر نگران ہوتا ہے اور وہ اللہ پاک کے لیے اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے۔ قیامت کے دن حساب انہی لوگوں پر ہلکا ہوگا جو دنیا میں اپنے نفسوں

کا محاسبہ کریں گے۔ قیامت کے دن حساب انہی لوگوں پر مشکل ہوگا جو اس بات کا محاسبہ نہیں کرتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:5413)

(4) معاقبہ

معاقبہ کے لغوی معنی سزا دینے، سختی اور مار پیٹ کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں معاقبہ یہ ہے کہ سالک اپنے صبح و شام کے اعمال کا حساب کرنے کے بعد کوتاہی پر اپنے نفس کے لیے خود ہی کوئی سزا بھی مقرر کرے تاکہ نفس دوبارہ سے نافرمانی پر دلیر نہ ہو۔ معاقبہ کی بہترین مثال حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل ہے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوقریظہ [1] کا محاصرہ کیا، جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، تو بنو قریظہ نے یہ پیغام بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم ان سے اپنے بارے میں مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پیغام کو منظور فرما لیا اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ جب بنوقریظہ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، تو ان کے مرد و عورت اور بچے بوڑھے سب ہی ان کے آگے رونے اور گڑگڑانے لگے۔ ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا دل پسیج گیا۔ پھر انہوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مان لیں اور خود کو ان کے حوالہ کر دیں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ اس کے جواب میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر ظاہر کیا کہ تم ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات کہی اور ابھی وہاں سے قدم نہیں اٹھایا تھا کہ مجھے خیال آیا اور اس بات پر سخت شرمندہ ہوا۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ شرمندگی کے احساس سے بے تاب ہو گئے اور پریشانی میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچے۔ خود کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا اور یہ اعلان کیا کہ جب تک میں توبہ نہ کر لوں اور پھر جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کر لے مجھ پر کھانا پینا حرام ہے۔ جب نماز کا وقت آتا تو ان کے بیٹے آتے اور ان کو کھول دیتے۔ پھر جب وہ نماز پڑھ لیتے ان کے ہاتھ باندھ دیتے۔ لوگ ان کے پاس آتے تو کھولنے کے لیے کہتے تو انکار کر دیتے اور فرماتے کہ جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود آ کر نہ کھولیں گے میں یہاں

ا۔ مدینہ منورہ کا ایک یہودی قبیلہ جس نے غزوہ خندق میں مسلمانوں سے غداری کی حالانکہ ان کا مسلمانوں سے معاہدہ تھا۔

سے نہیں ہٹوں گا۔ مسلسل سات دن تک اسی طرح اس ستون سے بندھے کھڑے رہے، یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ اس کے بعد لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے۔ اب تو خود کو کھول لو؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پاک ہاتھوں سے مجھے نہیں کھولیں گے، میں خود اپنے آپ کو ہرگز نہیں کھولوں گا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں کھولا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا کہ اپنی توبہ کو کامل کرنے کے لیے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اپنے سارے مال کو خیرات کر دینا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ سارا مال خیرات کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے سارے مال کا تہائی حصہ خیرات کرنا، اس مقصد کے لیے کافی ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:3، رقم الحدیث:611)

(5) معاتبہ

معاتبہ کے لغوی معنی عتاب کرنے، ملامت کرنے اور دھمکی دینے کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں سالک کا اپنے نفس کو ملامت کرنا اور گناہ پر دوزخ کی دھمکی دینا اور ہر نیکی پر جنت کی ترغیب دینا اور اس کے ساتھ ساتھ توبہ بھی کرتے رہنا معاتبہ کہلاتا ہے۔ اس سے رفتہ رفتہ نفس امارہ کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ. (سورۃ القیامہ، آیت:2)

(اور قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی)

اس آیتِ پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے اپنے محبوب بندوں میں نفس لوامہ کی خصلت پنہاں کر دی ہے۔ اگر وہ برا کام کریں تو گناہ پر خود کو ملامت کریں اور اگر نیکی میں کمی کریں تو کوتاہی پر ملامت کریں۔

(6) چلہ کشی

چلہ کا لغوی معنی چالیس دن رات کی مدت کے ہیں۔تصوف کی اصطلاح میں چلہ سے مراد شریعت کی مقرر کردہ پابندیوں کے ساتھ چالیس دن تک خلوت گاہ میں بیٹھ کر ہمہ وقت عبادتِ الٰہی میں مصروف رہنے اور دن بھر روزہ رکھنے کا عمل ہے۔سالک جس کمرہ جس میں چلہ کشی کررہا ہو،قبر کی مانند ہوتا ہے۔گویا چلہ کشی ایک طور سے موت سے پہلے موت کی تمثیل ہوتی ہے۔قرآن پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے چلہ کشی کا ذکر فرمایا ہے:

وَاِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰۤی اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَۃً۔(سورۃ البقرۃ،آیت:51)

(اور جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا)

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمیں زندگی گزارنے کے لیے کوئی رہنما اصول دیئے جائیں،جن کی روشنی میں ہم ایسی زندگی گزاریں جس سے ہمارا اللہ پاک راضی ہو۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو پروردگار عالم نے ہدایات دینے کے لیے کوہ طور پر طلب فرمایا۔یہ حکم دیا کہ کوہِ طور پر آکر چالیس شب و روز،عبادت کی حالت میں رہو تا کہ تم میں وہ روحانی استعداد پیدا ہو جائے جو کتاب الٰہی کے بارِ عظیم کو اٹھانے کے لیے ضروری ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے:من زهد في الدنيا أربعين يوما وأخلص فيها العبادة أجرى الله على لسانه ينابيع الحكمة من قلبه.(کنزالعمال،ج:2،رقم الحدیث:1066)

(جس نے چالیس دن دنیا سے بے رغبتی اختیار کی اور اخلاص سے عبادت کی،تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری کر دے گا)

حضرت عزیز الدین نسفیؒ چلہ کشی کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں: (i)سالک اپنے شیخ کی اجازت سے اور موجودگی میں چلے میں بیٹھے، (ii)اس وقت چلہ میں بیٹھے جب نہ سخت سردی ہو اور نہ سخت گرمی اور ایسی جگہ پر بیٹھے جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو اور جگہ تاریک ہو، (iii)ہمیشہ باوضو رہے اور جب بھی وضو

کرے دو رکعت نماز ادا کرے۔ نماز پنج گانہ، تہجد، چاشت اور اشراق ادا کرے، (iv) چالیس روز روزہ سے رہے، (v) کھانا بہت ہی کم کھائے، (vi) کم بولے، (vii) کم سوئے، (viii) خواطر و ہواجس کو پہچانے اور (ix) ذکر کرتا رہے۔ زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کی تلاوت کرے۔

(7) مجاہدہ

مجاہدہ کے لغوی معنی جدوجہد، جاں فشانی، محنت، مشقت، نفس کشی اور ریاضت کے ہیں۔ تصوف میں مجاہدہ شرط لازمی ہے۔ کوئی سالک مجاہدے کے بغیر سلوک طے نہیں کرسکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَاؕ ۔(سورۃ العنکبوت، آیت:69)

(جولوگ ہمارے لیے کوشش (مجاہدہ) کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے راستے دکھادیتے ہیں)

مجاہدہ کے معنی کسی مخالف طاقت کے مقابلہ میں جدوجہد کرنے کے ہیں۔ مومن کو اس دنیا میں شیطان سے بھی لڑنا ہے۔ اپنے نفس سے بھی لڑنا ہے جو اسے ہر وقت اپنی خواہشات کا غلام بنانے کے لیے زور لگاتا رہتا ہے۔ یہ مجاہدہ ایک دن دو دن کا نہیں عمر بھر کا، اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے ہر لمحہ کا ہے۔ کسی ایک میدان میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں ہر محاذ پر ہے۔

مجاہدہ کی دو اقسام ہیں:

(i) مجاہدہ اجمالی

اس کے اصول چار امر ہیں: (ا)۔ قلت کلام (کم بولنا)، (ب)۔ قلت طعام (کم کھانا)، (ج)۔ قلت منام (کم سونا)، (د)۔ قلت اختلاط مع الانام (لوگوں سے کم ملنا)۔ ان سب امور میں میانہ روی اختیار کرنا ہے۔

(ii) مجاہدہ تفصیلی

یہ اخلاق حمیدہ جیسا کہ توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید، توکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، ورع وغیرہ کو اپنانے اور اخلاق ذمیمہ جیسا کہ شہوت، غضب، حسد، حبِ دنیا، حرص جاہ، ریا، عجب اور غرور

وغیرہ کو چھوڑنے کا نام ہے۔

(8) اذکار

ذکر کے لغوی معانی زبان سے یاد کرنا ہے۔ اصطلاحی معنی میں ذکر سے مراد اللہ پاک کی یاد اور دعا کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں ہر وہ بات جس سے اللہ پاک کی یاد آئے ذکر کہلاتی ہے۔ صوفیائے کرامؒ کے مطابق ذکر یہ ہے کہ سالک اللہ پاک کی یاد میں اس قدر کھو جائے کہ غیر اللہ کو بھول جائے۔ اسی یاد سے دل خدا کا قرب اور معیت حاصل کرے، جیسا کہ حدیث قدسی ہے: جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:2، رقم الحدیث:805) پوری توجہ سے یادِ الٰہی میں اس طرح منہمک ہو جانا کہ اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو جائے، حقیقی ذکر ہے۔ اسے قلب کا جاری ہونا بھی کہا جاتا ہے۔

ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ یہ عبادات دینِ اسلام میں سے ایک عبادت ہے۔ ذکر اللہ پاک کے پاک ناموں کی تکرار، آیات قرآنی یا کتب و حدیث میں مذکور دعاؤں کے باآوازِ بلند یا آہستہ پڑھنے کو کہا جاتا ہے۔

صوفیا کے ہاں ذکر کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ قرآن پاک میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ پاک کا بہت زیادہ ذکر کریں مگر صوفیا نے ذکر میں جسم و فکر کے ارتکاز کو شامل کر دیا جس سے ذکر ایک روحانی عمل بن گیا۔ فرض نماز تو دن میں پانچ وقت اپنے مقررہ اوقات میں ادا کی جاتی ہے مگر ذکر ہر لمحے کے لیے ہے۔ صوفیا کے ہاں ذکر میں زبان اور دل کا ملاپ ضروری ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہؒ نے اپنے ایک مرید سے کہا کہ سارا دن اللہ، اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ پھر آپؒ نے اپنے مرید کو حکم دیا کہ یہ ذکر ساری رات کو بھی کرو۔ اس نے کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد مرید کی زبان سے سوتے میں اللہ، اللہ نکلنا شروع ہو گیا۔ پھر آپؒ نے حکم دیا کہ آپ خاموش ہو جائیں اور دل میں ذکر کریں۔ اس کے بعد مرید کا پورا وجود ہی ذکر میں مست ہو گیا۔

صوفیانہ رسومات میں ورد/ ذکر کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ شیخ اپنے مرید کو ایک خاص ذکر بتاتا ہے اور یہ ذکر ہر سلسلہ یا شیخ کا اپنا ہوتا ہے۔ ذکر سے مرید کو عرفان حاصل ہوتا ہے۔ اس سے استغراق حاصل

ہوتا ہے۔ ذکر سے صوفی دیگر چیزوں سے ذہنی طور پر الگ ہوتا جاتا ہے اور خدا کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ ذکر خفی (خاموشی) بھی ہوتا ہے اور ذکر جہری (اونچا) بھی۔

(9) تلاوت قرآن

اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت صوفیا کا وطیرہ رہا ہے۔ صوفیا کے نزدیک قرآنِ پاک کے الوہی الفاظ روحانیت کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اس سے اللہ پاک سے بات ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قرآن سے اپنا اظہار کرتا ہے۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کی تلاوت ذکر اللہ میں داخل ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ. (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:19)

(تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن پاک خود سیکھے اور دوسروں کو سیکھائے)

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا براہ راست کلام اور بارگاہ الوہیت سے اترے ہوئے الفاظ کا مجموعہ ہے، لہٰذا اس کی تلاوت کے وقت مندرجہ ذیل آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں: (i) سب سے پہلے مسواک کے ساتھ وضو کیجیے، (ii) پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھیے، (iii) پھر قرآن پاک کی تلاوت شروع کیجیے، (iv) دل میں یہ تصور جمائیے کہ میں اللہ پاک کا کلام بغیر کسی واسطہ کے سن رہا ہوں، (v) قرآن مجید کی آیات مبارکہ کو آہستہ آہستہ تدبر، تفکر اور ترتیل کے ساتھ پڑھیے، (vi) جہاں بندوں کے حق میں وعدہ کی آیت آئے تو وہاں ٹھہر کر تسبیح بیان کیجیے، (vii) جہاں وعید و عذاب کے متعلق آیت آئے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیے، (viii) تلاوت کے درمیان زاری اختیار کیجیے، اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی صورت بنا لیجیے، (ix) اس بات کی کوشش نہ کی جائے کہ قرآن پاک جلد ختم ہو، (x) جس مجلس میں لوگ کسی دوسرے کام میں مشغول ہوں یا شور و غوغا ہو، وہاں تلاوت نہ کیجیے، (xi) تلاوت کے دوران دنیوی کلام و گفتگو، کھانے پینے اور دوسرے سب کاموں سے باز رہیے، (xii) ترتیل و تجوید کے ساتھ بے تکلف اور بے ساخت پڑھیے اور (xiii) تلاوت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے۔

(10) توجہ

صوفیائے کرامؒ خاص طور پر سلسلہ نقشبندیہ کے ہاں توجہ تربیت کے معمولات میں سے ہے۔ توجہ کا لغوی معنی کسی کی طرف رخ کرنا، خیال، فکر اور رغبت کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں شیخ کا اپنی قوت ارادی اور قلبی طاقت سے سالک کے دل پر اثر ڈال کر اس کی باطنی حالت میں تبدیلی پیدا کر دینا تصرف و تاثیر کہلاتا ہے۔ اسے توجہ بھی کہا جاتا ہے۔

توجہ کی طرف احایث میں بھی اشارہ ہے:

(i) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: مَا حَجَبَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي، وَلَقَدْ شَكَوْتُ إِلَيْهِ أَنِّي لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ، فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِي صَدْرِي، فَقَالَ: "اللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا".

(سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:159)

(حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بھی مجھے دیکھا، مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ دیکھا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ میں گھوڑے پر جم کر ٹھہر نہیں سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا اور ارشاد فرمایا: اے میرے پروردگار! ان کو ثبات عطا فرما اور ہادی ومہدی بنا)

(ii) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا أَوْ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُونَ كِتَابًا إِلَّا مَخْتُومًا، فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ۔ (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:65)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بادشاہ کے نام دعوتِ اسلام دینے کے لیے ایک خط لکھا یا لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ وہ بغیر مہر کے خط نہیں پڑھتا (بے مہر خط کو مستند نہیں سمجھتا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس میں محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ گویا

میں (آج بھی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ میں اس کی سفیدی دیکھ رہا ہوں)[1]

صوفیائے کرامؒ نے توجہ کی مختلف اقسام بیان کی ہیں، جوحسبِ ذیل ہیں:

(i) توجہ انعکاسی

شیخ اپنے مرید کو توجہ کرتا ہے تو وہ اثر محسوس کرتا ہے مگر یہ اثر مرشد کے موجود رہنے تک رہتا ہے۔ اس کے جانے سے اثر بھی جاتا رہتا ہے۔

(ii) توجہ القائی

اس میں شیخ اپنے مرید کو توجہ دیتا ہے تو توجہ کا اثر شیخ کے دور چلے جانے سے بھی نہیں جاتا مگر گناہ کی نحوست اس تاثیر کو زائل کر دیتی ہے۔

(iii) توجہ اصلاحی

اس میں شیخ اپنی پوری روحانی طاقت اور تصرف سے مرید کی اصلاح کرتا ہے۔ اپنے روحانی کمالات طالب کی روح میں القا کر دیتا ہے۔ یہ پہلی دونوں نسبتوں سے قوی تر ہوتی ہے۔

(iv) توجہ اتحادی

شیخ کامل اپنی روح کو فیض حاصل کرنے والے مرید باصفا کی روح کے ساتھ پوری قوت سے متحد کر دیتا ہے۔ ہر دو روحوں کے اتحاد سے جو کمالات شیخ کی روح میں ہوتے ہیں وہ مرید باصفا کی روح میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ تصرف و تاثیر کی اقسام میں سے سب سے زیادہ قوی ہے مگر یہ نسبت کم یاب ہے۔ صوفی شاعر حضرت امیر خسروؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازین، من دیگرم تو دیگری

---

[1] ۔اس سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے روحانی توجہ سے یہ سب کچھ دیکھایا۔

(میں تو بن گیا اور تو میں بن گیا ہے، میں جسم ہوں اور تو روح)
(اس کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے)

(11) خلوت

خلوت کے لغوی معنی تنہائی کے ہیں۔تصوف کی اصطلاح میں خلوت سے مراد شیخ کا سالک کو کچھ عرصہ کے لیے تمام دنیوی امور سے علیحدہ کر کے تنہائی میں بٹھا دینا تاکہ وہ ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہے خلوت کہلاتا ہے۔حضور نبی پاک ﷺ نے خود اعلان نبوت سے پہلے کچھ عرصہ غارِ حرا میں خلوت اختیار فرمائی تھی:

أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا، قَالَتْ: " كَانَ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ، الرُّؤْيَا الصَّادِقَةَ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ، فَكَانَ يَخْلُوا وَبِغَارِ حِرَاءٍ يَتَحَنَّثُ فِيهِ، وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ أُولَاتِ الْعَدَدِ، قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتَّى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ۔(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:403)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضور نبی پاک ﷺ پر وحی کا آغاز اس طرح سے ہوا کہ آپ ﷺ کے خواب سچے ہونے لگے۔آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوتا۔پھر آپ ﷺ کو تنہائی پسند ہونے لگی۔غارِ حرا میں تنہا تشریف لے جاتے۔کئی کئی رات گھر میں تشریف نہ لاتے اور عبادت کرتے رہتے۔اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان رکھتے۔پھر ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس تشریف لاتے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پھر اسی طرح کھانے پینے کا سامان پکا دیتیں یہاں تک کہ اچانک غارِ حرا میں آپ ﷺ پر وحی اتری)

خلوت کے بے شمار فوائد ہیں جن میں کچھ ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں: (i) خلوت سالک کی آنکھ کو شہوت کی نظر سے بچاتی ہے، (ii) سالک کے ہاتھ کو حرام چیزوں کے لین دین سے بچاتی ہے، (iii) سالک کے پاؤں کو حرام کام کی طرف جانے سے روکتی ہے، (iv) سالک کے کان کو حرام باتوں کے سننے سے محفوظ رکھتی ہے، (v) نفسانی خواہشات کو مقید کرتی ہے، (vi) حواسِ باطنی کے دروازے

کھول دیتی ہے، (vii) سالک کو مخلوق کے آزار سے محفوظ کر دیتی ہے، (viii) سلامتی عطا کرتی ہے، (ix) فرشتوں سے مشابہت پیدا کرتی ہے، (x) جمعیت خاطر یا دل جمعی بخشتی ہے، (xi) دل کے آئینے سے دنیاداری کے نقوش مٹا دیتی ہے۔ جب دل کا آئینہ صاف ہو جاتا ہے تو آخرت کے نقوش اور تجلیاتِ الٰہی اس میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

(12) ضبطِ نفس

تصوف کی ساری کوشش اپنے نفس کو ضبط میں لانے سے متعلق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۔(سورۃ النازعات، آیت: 40)

(اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور دل کو خواہشوں سے روکتا رہا)

اس نفس ہی سے ہر برا خیال اور عمل جنم لیتا ہے اور اس کے خلاف جدوجہد صوفیا کے ہاں سب سے بڑا جہاد ہے۔ یہ ایک حدیث پاک کا مفہوم بھی بتایا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۔(سورۃ یوسف، آیت: 53)

(اور میں اپنے تئیں پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس امّارہ (انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے)

نفس امارہ[1] سے ہی جدوجہد شروع ہوتی ہے۔ پھر نفس لوامہ[2] آتا ہے یہ ضمیر کی آواز ہوتی ہے یا دل کی آواز۔ اس کے بعد انسان نفس مطمئنہ[3] حاصل کرتا ہے۔

سالک پر لازم ہے کہ نفس کی صفائی کرے۔ اس کی منفی صفات کو ختم کرے اور اچھی مثبت صفات زیادہ کرے۔ صوفیا نے نفس کو منہ زور گھوڑے سے تشبیہ دی ہے جس پر ہر لمحہ نظر رکھنا پڑتی ہے۔ اس کو

---

[1]۔ سورۃ یوسف، آیت: 53

[2]۔ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۔(سورۃ القیامہ، آیت: 2)

[3]۔ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۔(سورۃ الفجر، آیت: 27)

کنٹرول میں رکھنا پڑتا ہے تاکہ وہ اس قابل ہو جائے کہ اطاعت گزار ہو سکے کہ سوار کو اس کی منزل تک لے جائے۔ مولانا رومیؒ کے بقول نفس اور عقل کی باہمی کشمکش ایسی ہے کہ جیسا کہ مجنوں اپنی کوشش سے اپنے اونٹ کا رخ لیلیٰ کے گھر کی طرف رکھتا ہے۔ حضرت سنائیؒ اور شیخ عطارؒ نے تو نفس کو خنزیر سے تشبیہ دی ہے کہ جو نفس کو کنٹرول نہیں کرے گا وہ خنزیر جیسی صفات والا ہو جائے گا۔ بعض نے نفس کو فرعون سے تشبیہ دی ہے وخودغرضی، تکبر اور طاقت ور بادشاہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کو سننے پر تیار نہیں ہوتا اور بالآخر سمندر میں غرق ہو جاتا ہے مگر طریقت کے عمل میں نفس کو قتل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی تربیت کی جاتی ہے تاکہ وہ اللہ پاک کی خدمت میں آجائے۔

تربیت کے سارے طریقے نفس کی اصلاح کے لیے ہیں مگر نفس کی تہذیب کے لیے پرانے صوفی ادب میں تین چیزوں پر بہت زور ہے:

(i) قلت منام

کم نیند کو بہت پسند کیا جاتا ہے کہ آنکھ اللہ پاک کی یاد میں روتی رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے: اگر میں دن میں سویا تو مسلمانی کھو بیٹھوں گا اور اگر رات کو سویا تو روح کھو بیٹھوں گا۔ صوفیا رات کو قیام اللیل کرتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کم خوابی کے بعد انہیں اللہ پاک کا دیدار ہو گا۔

(ii) قلت طعام

قلت طعام، قلت منام سے زیادہ اہم ہے۔ صوفیا عام طور پر روزہ رکھتے ہیں۔ بعض صوفیا ایک دن روزہ رکھتے اور دوسرے دن روزہ نہیں رکھتے تھے۔ اسے صوم داؤدی کہا جاتا ہے۔ حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن کم کھانے سے دل کی سیاہی روشنی میں بدل جاتی ہے۔ مولانا رومیؒ نے مثال دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ کیا گلے سے خوبصورت آواز نکل سکتی ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہوا ہو؟ بعض صوفیا نے کہا کہ بھوک سے خدا کا دیدار ہوتا ہے۔ اس کے انعامات ملتے ہیں۔ ملکوتی صفات ملتی ہیں۔ ابن خفیفؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا کھانا باورچی خانہ سے نہیں آتا تھا بلکہ کائنات کے خالق کا

دیدار حضرت جبریل علیہ السلام کا کھانا تھا۔اسی طرح اللہ پاک کے بندوں کا کھانا بھی خوراک سے نہیں آتا بلکہ اللہ پاک سے آتا ہے۔

(iii) قلت کلام

قلت کلام کی وجہ سے انسان بہت سے فتنوں سے بچ جاتا ہے۔قلب و ذہن کی سلامتی حاصل ہوتی ہے۔تفکر پیدا ہوتا ہے اور ضبط نفس بڑھتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۤ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

(سورۃ الجمعہ،آیت:2)

(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسولؐ مبعوث فرمایا جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے)

نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار
چه کنم، حرف دگر یاد نداد استادم

(میرے دل کی تختی پر محبوب کے قامت جیسے الف کے سوا کچھ نہیں ہے)
(میں کیا کروں؟ میرے استاد نے مجھے کوئی دوسرا حرف سکھایا ہی نہیں)

نگارِمن که بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزه مسئله آموز صد مدرس شُد

(میرا محبوب جو نہ کبھی مکتب گیا، نہ لکھنا سیکھا)
(اپنی ایک ادا سے وہ سو استادوں کو مسئلے سکھا گیا)

32۔ پیری و مریدی

1۔ ضرورت شیخ

دینی و دنیوی امور میں شریعت کی پیروی کرنے کے لیے کسی کو رہبر ماننے اور اس کے کہنے پر عمل کرنے کا عہد (بیشتر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر) کرنے اور پھر شیخ کی مرضی کا تابع ہو جانے کو تصوف کی اصطلاح میں بیعت کہتے ہیں۔ آسان الفاظ میں سالک کا خود کو ماہر اور مصلح کے ہاتھ میں اس طرح سونپ دینا جس طرح مریض خود کو کسی طبیب کے حوالے کر دیتا ہے۔ دوا اور پرہیز میں مکمل طور پر اس کی تجاویز و ہدایات پر عمل کرتا ہے۔

بعض صوفیا کے نزدیک شیخ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ شیخ کے بغیر سالک گمراہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس کو شریعت کا علم نہیں ہوتا۔ اس کے قلب میں ذکر اللہ سے ذرا کوئی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو خود کو صاحب کمالات سمجھنے لگتا ہے۔ یہ متکبرانہ خیال اس کے لیے موجب وبال بن جاتا ہے۔ کوئی شیطانی خواب نظر آیا کہ فلاں گناہ کر لو تو اس کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ کشف ہونے لگا اور اس کی حقیقت نہ سمجھا تو اپنے کشف کے اعتماد پر کسی امر شرعی کا انکار کرنے لگتا ہے۔

صوفیائے کرامؒ کے بقول جب کسی نے طریقت میں بیعت کی، تو گویا اس نے اپنا ہاتھ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کے ساتھ ملایا، کیونکہ اس نے اپنے پیر کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا اور اس کے پیر نے اپنے پیر کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تک اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ پس اس مرید نے ایسے ہاتھ کو چھویا ہے جو توارثاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک کے چھونے کی فضیلت حاصل کر چکا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ جس کا شیخ نہیں، شیطان اس کا شیخ ہے۔ حضرت ابوالقاسم قشیریؒ نے اپنے استاد حضرت ابوعلی دقاقؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جس درخت کی مالی حفاظت نہ کرے اس کو

پتے لگتے ہیں مگر اچھے پھل نہیں لگتے۔ اگر پھل لگ بھی جائے تو اچھا نہیں ہوتا۔

بعض طریقوں میں شیخ کی روح زندہ رہتی ہے۔ مرنے کے بعد بھی مرید اپنی توجہ اور مراقبے سے اس سے فیض پا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں نقش بندی سلسلہ زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔

کچھ صوفیا بغیر کسی شیخ کی صحبت کے طریقت کے راستے پر چلتے ہیں اور یہ اویسی کہلاتے کہلاتے ہیں۔ یہ نسبت حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ بعض صوفیا کہتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی بھی طریقت کی تربیت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روحانی طور پر کی تھی۔ اسی طرح شیخ اور مرید کا ایک زمانہ میں ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ حضرت امام جعفر صادقؒ کے خلیفہ ہیں حالانکہ آپؒ کی پیدائش امامؒ کی وفات کے 39 سال بعد ہوئی۔ اسی طرح حضرت فرید الدین عطارؒ کی تربیت حضرت منصور حلاجؒ نے کی حالانکہ ان کے درمیان کئی صدیوں کا فاصلہ ہے۔

بعض صوفیا کہتے ہیں کہ شیخ غیر انسانی بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام جو بعض علما کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی تھے جن کا ذکر قرآن پاک کی سورۃ نمبر 18 میں آیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے آب حیات پیا ہے اور زندہ ہیں۔ طریقت کی راہ پر چلنے والوں کے سرپرست ہیں۔ بعض صوفیا نے ان سے ملاقاتیں کی ہیں۔ آپ علیہ السلام سے لوگوں نے برکت لی ہے۔ سوالات کے جوابات لیے ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو خطرات سے بچایا ہے اور بعض اوقات کچھ لوگوں کو خرقہ بھی دیا ہے۔ شیخ ابن عربیؒ نے حضرت خضر علیہ السلام سے خرقہ لینے کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح شیخ بہاؤ الدین نقش بندؒ نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقاتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

2۔ بیعت کا پس منظر

اللہ پاک نے قرآن مجید میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرنے کا ذکر کچھ یوں فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۔ (سورۃ الفتح، آیت: 10)

(اے نبیؐ! بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں دراصل وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے

ہاتھ پر اللہ پاک کا ہاتھ تھا۔ جو کوئی اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اسی پر ہوگا۔ جو کوئی اللہ رب العزت سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کرے گا، اللہ پاک بہت جلد اسے بڑا اجر عطا فرمائے گا)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مختلف امور پر بیعت لی ہے۔ درج ذیل احادیث مبارکہ اس کی شاہد ہیں:

(i) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: "بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ، وَالْأَثَرَةِ عَلَيْنَا، وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، وَأَنْ نَقُولَ الْحَقَّ حَيْثُمَا كُنَّا، لَا نَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ".

(سنن ابن ماجہ، ج:2، رقم الحدیث:1026)

(حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی سننے اور ماننے پر، تنگی اور آسانی میں خوشی اور پریشانی میں اور اس حالت میں بھی جب دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے اور اس پر کہ ہم حکومت کے اہل اور لائق شخص سے حکومت کے بارے میں جھگڑا نہ کریں گے اور اس پر کہ ہم جہاں بھی ہوں گے حق کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے)

(ii) أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَهُوَ أَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ: "بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ، فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ". فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذٰلِكَ. (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:17)

(حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو جنگ بدر میں شریک تھے اور شب عقبہ میں ایک نقیب تھے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی کہ تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور چوری نہ کرنا

اور زنا نہ کرنا اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا اور نہ ایسا بہتان (کسی پر) باندھنا جس کو تم (دیدہ و دانستہ) بناؤ اور اچھے کاموں میں نافرمانی نہ کرنا۔ پس جو کوئی تم میں سے (اس عہد کو) پورا کرے گا تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو کوئی ان (بری باتوں) میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے گا اور دنیا میں اس کی سزا اسے مل جائے گی تو یہ سزا اس کا کفارہ ہو جائے گا اور جو ان (بری) باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے گا اور اللہ پاک اس کو دنیا میں پوشیدہ رکھے گا تو وہ اللہ کے حوالے ہے۔ اگر چاہے تو اس سے درگذر کر دے اور چاہے تو اسے عذاب دے۔ (حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) سب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شرط پر (بیعت کر لی))

(iii) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: "بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:56)

(حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز پڑھنے، زکوۃ دینے اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنے (کے اقرار) پر بیعت کی)

اس کے علاوہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے مردوں سے اس امر پر بیعت لی کہ اللہ پاک کے احکام میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے اور جہاں تک ہو سکے حق بات ہی بولیں گے۔ انصار کی عورتوں سے بیعت لی کہ وہ نوحہ کرنے سے پرہیز کریں گی۔ ان کے علاوہ بھی بہت امور میں بیعت ثابت ہے جیسا کہ ایمان پر بیعت، اسلام پر بیعت، کتاب وسنت پر عمل، شرک و بدعت سے اجتناب، اعمال حسنہ و ارکانِ اسلام کو صحیح معنی میں ادا کرنے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، صبر و استقامت پر عمل پیرا ہونے، تقویٰ اختیار کرنے اور فسق و فجور سے احتراز کرنے، پچھلے گناہوں سے توبہ کرنے اور آئندہ کے لیے نہ کرنے کا عزم کرنے، امیر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرنے اور اس کے حکم کو سن کر اطاعت کرنے جیسے امور پر بھی بیعت فرمائی ہے۔ جو بیعت صوفیائے کرامؒ کرتے ہیں ان میں بھی انہی امور مامورہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اس لیے بعض صوفیائے کرامؒ کے نزدیک کسی شیخ کامل کی بیعت کرنا سنت ہے، اس لیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا

تقرب حاصل کیا، البتہ بیعت نہ کرنے والا گناہ گار نہیں اور نہ اکابرینِ امت میں سے کسی نے تارک بیعت پر گرفت کی ہے۔

3۔ بیعت کی اقسام

بیعت کی بہت سی اقسام ہیں مثال کے طور پر:

(i) بیعت توبہ

ایک بیعت تو یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرے، یہ ہر مسلمان کے لیے ہے، یعنی جس سے چاہے بیعت کرے اور جو چاہے بیعت لے لے۔

(ii) بیعت تبرک

بیعت کرنے والا اس لیے بیعت کرے کہ صالحین کے سلسلے میں داخل ہو جائے۔ یہ بھی عام ہے۔جس سلسلے میں تربیت کے لیے داخل ہونا چاہے، ہوسکتا ہے۔

(iii) بیعت تحکیم

یہ بیعت ارباب ارادت کے ساتھ خاص ہے۔ بیعتِ تحکیم یہ ہے کہ شیخ کو سلوک طریقہ مجاہدہ میں اپنے اوپر حاکم بنالیا جائے اور خوب کوشش سے اس راستے پر چلے۔ اپنے شیخ کے سامنے ایسے رہے، جیسا کہ مردہ غسل دینے والوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ تمام آداب بجالائے اور شیخ کے سامنے اپنی ہستی کو مٹادے۔

(iv) بیعت بامر خاص

شیخ اپنے مرید سے کسی خاص کام کے کرنے یا کسی خاص کام سے رکنے پر بیعت لیتا ہے، جیسا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے۔ (سنن ابوداؤد، ج:1، رقم الحدیث: 1638)

4۔ بیعت کا طریقہ

خرقہ، عہد یا بیعت کے لیے مرید وضو کرتا ہے۔ دو رکعت نماز نفل ادا کرتا ہے۔ شیخ کے سامنے التحیات پڑھنے والی پوزیشن میں آ کر بیٹھ جاتا ہے۔ شیخ مرید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور خاص وظائف پڑھے جاتے ہیں۔ شیخ اس سے کہتا کہ آپ مجھ سے نہیں بلکہ اللہ پاک اور حضور نبی کریم ﷺ سے عہد لے رہے ہو۔ بعض شیخ کہتے کہ آپ مجھ سے نہیں بلکہ سلسلے کے بانی سے مصافحہ کر رہے ہو۔ بعض شیخ اپنے مرید سے ان پانچ چیزوں کا وعدہ لیتا ہے جنہیں کا حضور نبی پاک ﷺ وعدہ لیتے تھے: (i) اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، (ii) چوری نہ کریں گے، (iii) بدکاری نہ کریں گے، (iv) بہتان نہ باندھیں گے، (v) شریعت کے امور کی خلاف ورزی نہ کریں گے۔

پھر شیخ کچھ خاص آیات اور دعائیں پڑھتا ہے۔ مرید کہتا کہ میں آپ کی ساری شرائط قبول کرتا ہوں اور شیخ فرماتا: میں نے آپ کو اپنے روحانی بیٹے کے طور پر قبول کیا ہے۔ اس کے بعد مرید کو پینے کے لیے میٹھا شربت دیا جاتا۔ شیخ مرید کو خاص ذاتی ذکر عطا کرتا ہے اور آخری دعا فرماتا ہے۔

بعض سلاسل میں شیخ کا ہونا ضروری بھی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اویسی (حضرت اویس قرنیؓ کی نسبت) اور خضری (حضرت خضر علیہ السلام کی نسبت) روایت میں شیخ نہیں ہوتا اور ارادت (مرید) صرف روحانی ہوتی ہے۔ بعض سلاسل میں مرید جب خانقاہ میں آتا تھا تو شیخ پہلے اس کو خدمت میں لگا دیتے ہیں اور بعد میں اگر مناسب سمجھتے تو اس سے بیعت لے لیتے تھے۔ بعض شیوخ اپنے مریدوں سے چلہ کشی (خلوت میں بیٹھنا) کراتے تھے۔ خلوت میں مرید چھوٹے سے کمرہ میں رہتا ہے۔ شیخ کے دیے ہوئے خاص ورد کرتا ہے۔ روزہ رکھتا ہے۔ کمرہ سے باہر صرف اس وقت آتا ہے، جب کہ وضو کرتا ہو، کھانا کھانا ہو یا نماز ادا کرنی ہو یا شیخ کی صحبت میں بیٹھنا ہو۔ اس کے علاوہ بولنے پر پابندی ہوتی ہے۔ کھانا بھی کم کھاتا ہے اور اس دوران آنے والے خواب و مکاشفات اپنے شیخ کو بتاتا رہتا ہے۔ جو مرید یہ تمام مراحل طے کر لیتا ہے تو اس کو اجازت یا خلافت دی جاتی ہے جس کا طریقہ اور مراحل مختلف سلاسل میں مختلف ہیں۔ اس سے مراد ہے کہ مرید اب اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ وہ اپنے سلسلہ کے شیخ کے نمائندے کی حیثیت سے لوگوں کو تلقین اور وعظ کر سکتا ہے۔ ان کی تربیت کر سکتا ہے۔ خلافت میں بعض اوقات خاص

وصیت بھی کی جاتی ہے۔

بعض شیخ ہر آنے والے کو مرید نہیں بناتے بلکہ پہلے دیکھتے ہیں کہ کیا وہ اپنے ارادہ میں پختہ ہے۔ اس لیے اس کو بعض اوقات انتظار کرایا جاتا ہے۔ بعض شیوخ تین سال خدمت کرواتے تھے جس میں ایک سال لوگوں کی خدمت، ایک سال اللہ پاک کی خدمت اور ایک سال اپنے نفس کا محاسبہ۔ تب جا کر اس کو مرید بناتے تھے۔ بعض صوفیا مریدین سے بھیک منگواتے تھے تا کہ عاجزی آ جائے۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ ایک اعلیٰ حکومتی عہدے پر تھے جب تک انہوں نے مجاہدہ سے خود کو سب سے کم تر نہیں سمجھا انہیں شیخ جنید بغدادیؒ نے مرید نہیں بنایا۔ اس لیے مرید بننے کے لیے شیخ سے قلبی لگاؤ ضروری ہے۔ اس لیے بعض صوفیا کئی سال سفر میں رہتے تھے تا کہ انہیں کوئی شیخ مل جائے جس سے نسبت بن سکے کیونکہ نسبت کے بغیر کسی کی بات ماننا مشکل ہے، مجاہدہ تو ممکن ہی نہیں۔

خرقہ کے بغیر مرید کا شیخ کا تعلق تین طرح ہوتا ہے: (i) شیخ مرید کو ایک خاص ذکر بتائے گا، (ii) اس کو اپنی صحبت میں بیٹھنے دے گا تا کہ تعلیم و تربیت ہو اور (iii) خدمت کی ذمہ داری لگائے گا۔

مرید بنانے کے عمل کے تین حصے ہیں: (i) تلقین: شیخ اپنے مرید کو نیکی کی تلقین/ ہدایت کرتا ہے۔ اسے روحانی طریقے سے تعلیم دیتا ہے، (ii) اخذ العہد (عہد لینا): شیخ مرید سے بیعت یا حلف لیتا ہے جس میں مصافحہ کیا جاتا ہے۔ عہد میں اللہ پاک کی اطاعت، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور شیخ کی اطاعت کا عہد لیا جاتا ہے، (iii) لباس خرقہ: مرید کو خرقہ پہنایا جاتا ہے۔ اس کی دلیل صوفیائے کرامؒ اس آیت سے لیتے ہیں: وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ. (سورۃ الاعراف، آیت: 26)

اس کی ایک مثال مغربی یونیورسٹیوں میں سر پر ٹوپی رکھنا ہے۔ خرقہ کو خرقہ تبرک، خرقہ ورد، خرقہ محبت، خرقہ خدمت، خرقہ تعلیم، خرقہ تربیت بھی کہا جاتا ہے۔ اس عمل سے مرید شیخ کی تربیت و صحبت میں آ جاتا ہے، جس کے بغیر صوفیا کا سفر ممکن نہیں۔

اسی طرح مریض و طبیب روحانی کا حال ہے۔ ان میں بیعت کا جو معاہدہ کیا جاتا ہے، تین چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے: (i) ماضی کے گناہوں سے توبہ اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا، (ii) مرید کی جانب سے اتباع مرشد کا عہد، (iii) مرید اور شیخ کی جانب سے تربیت مرید کا عہد۔

5۔ شیخ کی حیثیت

مرید کی حیثیت شیخ کے بیٹے کی سی ہوتی ہے۔مرید شیخ کی شخصیت کا حصہ شمار ہوتا ہے اور وہ مرید کی اس طرح روحانی تربیت کرتا ہے جیسا کہ آپ اپنی اولاد کی دنیاوی تربیت (خوراک، لباس کا انتظام) کرتے ہیں۔شیخ کے بغیر روحانی سفر مشکل ہے۔شیطان اپنے وساوس سے گمراہ کرسکتا ہے۔کہاوت ہے کہ شیخ کے بغیر دو سال کا سفر دو سو سال میں طے ہوتا ہے۔مرید ہزاروں کتابیں پڑھ لے مگر شیخ کے بغیر کچھ حاصل نہیں کرسکتا۔علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

مرید کی حیثیت اپنے شیخ کے ہاں اسی طرح ہوتی ہے جس طرح کی مردہ کی زندہ کے ہاتھ میں (مردہ بدست زندہ)۔شیخ کی مکمل اطاعت کی بہت اہمیت ہے حتیٰ کہ امام غزالیؒ جیسے معتدل مزاج صوفی عالم نے بھی شیخ کی مکمل اطاعت پر زور دیا ہے چاہے شیخ غلط بھی ہو۔حضرت خواجہ شمس الدین شیرازیؒ کا یہ شعر عام طور پر اس مکمل اطاعت کو بہت خوبصورتی سے بیان کرنے کے لیے پیش کیا جاتا ہے:

به مے سجاده رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
که سالک بے خبر نه بود ز راه رسم منزل ہا

(اگر تجھے پیر مغاں کہے تو مصلیٰ شراب سے رنگ لے)
(اس لیے کہ سالک منزلوں کی رسم و راہ سے بے خبر نہیں ہوتا ہے)

اطاعت شیخ پر غیر معمولی زور اور اس کے نقصانات سے تصوف کو بہت زیادہ نقصان پہنچا مگر اصل میں تصور میں درست تھا کہ شیخ مرید کا معالج و استاد ہے جو اس کی روحانی کمزوریوں کا علاج کرتا ہے اور دل کی روحانی تقویت کے لیے نسخہ تجویز کرتا ہے۔فارسی و اردو ادب اس مثال سے بھرا پڑا ہے کہ شیخ معالج ہے۔اسی تصور کو فنافی الشیخ بھی کہتے ہیں۔

شیخ کی تین اقسام ہیں: (i) شیخ الذکر: ایسا پیر جو مرید کو صرف ذکر سکھاتا ہے، (ii) شیخ الخرقہ:

ایک شیخ جو تربیت کے بعد یا برکت کے لیے اپنے مرید کو خرقہ عطا کرتا ہے، (iii) شیخ الصحبت: ایسا شیخ یا پیر جس کی صحبت میں مرید بیٹھتا ہے۔

ایک وقت میں آ کر تصوف میں پیری مریدی کا ادارہ بہت اہم ہو گیا جس سے تصوف میں نظم و ضبط بھی پیدا ہوا اور یہ پھیلاؤ کا بھی ذریعہ بن گیا۔ سالک (مرید) کے لیے شیخ (پیر) کی ذات بہت اہمیت کی حامل ہے جس کی اطاعت بھی لازم سمجھی جاتی ہے۔ پیر اپنے مرید کی روحانی تربیت کرتا ہے۔ سالک جب طریقت کے راستہ پر چلتا ہے تو اس کو کچھ لوگ مرید (ارادہ کرنے والا) بھی کہتے ہیں۔ عام طور پر مرید کو مرشد (استاد) کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کو مختلف مقامات اور احوال سے گزارے اور رہنمائی فرمائے۔ ایسے شیخ (پیر) کو شیخ التربیت کہتے ہیں۔

مرشد کامل کی بہت سی علامات بیان کی جاتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: (i) بقدرِ ضرورت علم دین رکھتا ہو۔ عقائد، اعمال اور اخلاق میں شرع کا پابند ہو، (ii) دنیا کی حرص (لالچ) نہ رکھتا ہو۔ مریدین کے مال کے حصول کا حریص نہ ہو، (iii) کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبہ دنیا ہے۔ کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہا ہو، (iv) عوام کی بہ نسبت دین دار وفہیم لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں، (v) اس سے جو لوگ بیعت ہوں اتباعِ شریعت اور دنیا کی حرص میں کمی کے اعتبار سے ان میں سے اکثر کی حالت اچھی ہو، (vi) تعلیم وتلقین کے اعتبار سے اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بری بات دیکھنے یا سننے پر ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے، (vii) اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی اور دنیا کی محبت میں کمی معلوم ہو اور (viii) خود بھی ذاکر ہو۔

سالک کے سفر میں یہ مقامات طے کرنے ہوتے ہیں:

- **فنا فی شیخ:** فنا پر سب سے پہلے مرید کو چاہیے کہ وہ ہر لمحے اپنے شیخ کو اپنے ذہن میں رکھے اور ایسا رکھے کہ اس میں ہر لمحے غور وفکر کرتا رہے۔ اس میں محو ہو جائے۔ مرید اپنے شیخ کا حصہ بن جاتا ہے اور اس کو شیخ کی تمام روحانی طاقتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

- **فنا فی رسول ﷺ:** فنا الشیخ مرید کو اگلی روحانی منزل میں لے جاتی ہے۔ مرید ہر لمحہ نبی

کریم ﷺ کا خیال کرتا رہتا ہے۔ ہر شے میں مرید کو حضور نبی پاک ﷺ کی روحانی ذات نظر آتی ہے۔ یہ مقام فنافی الرسول ﷺ کہلاتا ہے۔

- **فنافی اللہ:** فنافی الرسول ﷺ سے ہوتا ہوا مرید اپنے شیخ اور رسول ﷺ کی رہنمائی سے اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اسے ہر لحہ اللہ ہی کا خیال رہتا ہے۔ اسے ہر شے میں اللہ ہی نظر آتا ہے۔ حضرت علاؤ الدین عطارؒ فرماتے ہیں:

تو تاکے گور مردان را پرستی
به گرد کار مردان گرد و رستی

(تو کب تک نیک لوگوں کی قبروں کی پرستش کرتا رہے گا)
(نیک لوگوں کے اعمال کو اختیار کرو تا کہ نجات پا جائے)

شیخ اور مرید کے درمیان تعلق کے نظم وضبط کے لیے بہت اصول بنائے گئے ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ مشہور اصول حضرت جنید بغدادیؒ کے آٹھ (8) اصول کہلاتے ہیں، جب کہ اصل میں یہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ (617 ہجری) نے ترتیب دیے ہیں۔ یہ آٹھ (8) اصول یہ ہیں: (i) رسمی پاکیزگی، (ii) روحانی خلوت، (iii) روزہ، (iv) خاموشی، (v) اللہ تعالیٰ کا ذکر، (vi) غلط خیالات کو دفع کرنا، (vii) اپنا دل اپنے شیخ سے جوڑنا اور (viii) اللہ پاک اور شیخ کی اطاعت

اس پس منظر اور ان آداب کی وجہ سے شیخ اور مرید کا تعلق بہت مضبوط و گہرا ہو گیا اور سلسلے بننے لگے جو آج تک قائم ہیں۔

6۔ شیخ کے حقوق

ذیل میں شیخ کامل کے آداب بیان کیے جاتے ہیں:

(i) مرید کو چاہیے کہ پاک وصاف ہو کر شیخ کے پاس جائے،

(ii) شیخ کے ساتھ ادب سے پیش آئے،

(iii) یہ خیال لے کر جائے کہ مجھے مرشد سے روحانی فائدہ ہوگا،

(iv) شیخ جو بتائے اسے خوب توجہ سے سنے،

(v) شیخ سے جو سنے اسے خوب یاد رکھے،

(vi) شیخ کی جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو سمجھنے کی کوشش کرے،

(vii) جان و مال سے مرشد کی خدمت کرے،

(viii) مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ رہے،

(ix) اپنے شیخ سے کرامت کی خواہش نہ کرے،

(x) خواب و مراقبہ میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد سے عرض کرے،

(xi) شیخ کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے۔ بلند آواز سے بات نہ کرے۔ ضرورت عرض کرنی پڑے تو مختصر بات کرے اور جواب کا منتظر رہے، اگر جواب نہ ملے تو تنگ نہ کرے۔

(xii) شیخ کی موجودگی میں بہت زیادہ نہیں ہنسے، نہ بہت باتیں کرے، ادھر ادھر نہ دیکھے، نہ کسی اور کی طرف متوجہ ہو بلکہ بالکل استاد ہی کی طرف متوجہ رہے،

(xiii) شیخ جو کچھ کہے اسے فوراً بجالائے۔ مرشد کی اجازت کے بغیر اس کے کسی فعل کی اقتدا نہ کرے کیونکہ بعض اوقات پیر اپنے حال اور مقام کے مناسب ایک کام کرتا ہے جو مرید کے لیے مفید نہیں ہوتا،

(xiv) مرشد جو ورد، ذکر یا وظیفہ تعلیم کرے، اسی کو پڑھے۔ دوسرے تمام وظائف چھوڑ دے،

(xv) جس جگہ مرشد بیٹھا ہو، اس طرف پیر نہ پھیلائے اور نہ اس طرف تھوکے،

(xvi) جو کچھ مرشد کہے یا کرے، اس پر اعتراض نہ کرے،

(xvii) اگر دل میں کوئی شبہ گزرے تو فوراً عرض کرے،

(xviii) مرشد کے کلام کو دوسروں سے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں،

(xix) مرید اپنا حال جو کچھ بھی ہو خواہ اچھا یا برا اسے مرشد سے عرض کرے،

(xx) شیخ کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول نہ ہو،

(xxi) جو کچھ فیض باطنی پہنچے، اسے مرشد کا طفیل سمجھے،

(xxii) مرید شیخ کا ہر طرح سے اتباع کرے بشرطیکہ گناہ نہ ہو،

(xxiii) مرید اپنے شیخ کو نہایت ادب سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کر سکتا ہے، بہتر ہے کہ تنہائی میں شیخ سے نرمی سے عرض کرے،

(xxiv) پیر کے ساتھ اگر اصلاح قلب کا تعلق ہے تو مرید پیر کے خانگی معاملات میں دخل نہ دے نہ کسی سے اس بارے میں پوچھے،

(xxv) مرید کو واجب ہے کہ اپنے شیخ سے اپنی تمام مشقتیں اٹھالے کیونکہ جو شخص اپنا بوجھ اپنے پیر پر ڈالتا ہے وہ بے ادب ہے۔

(xxvi) مرید مرشد کا قلب مکدر نہ کرے۔ درویشوں کے پاس کوئی لاٹھی نہیں ہوتی جس سے بے ادبی کرنے والوں کو مارا کریں بلکہ ان کا قلب بے ادبی کرنے والوں سے مکدر ہو جاتا ہے جو ان بے ادبوں کے لیے نقصان کا سبب بن جاتا ہے۔

(xxvii) مرید شیخ سے یہ مطالبہ نہ کرے کہ وہ اس کے دل میں رہے بلکہ اپنے دل میں شیخ کو جگہ دے۔

(xxvii) مرید کی ذمہ داری ہے کہ وہ شیخ کے ہاں حاضری دیتا رہے یا کچھ عرصہ وہاں قیام کرے۔

(xxix) ادب ومحبت شیخ ضروری ہے۔ اگر شیخ سے محبت نہ ہو تو بھی سالک فیض سے محروم رہتا ہے۔

(xxx) شیخ کو اپنے حالات کی اطلاع دیتا رہے اور اس کی فرمودہ اصلاح پر کاربند رہے۔

(xxxi) اگر شیخ کی خدمت میں اجازت کے ساتھ رہنا نصیب ہو سکے تو فائدہ ہوگا۔ ان کی صحبت کی

برکت سے نیک اعمال پر عمل آسان ہوگا اور نیت کا خلوص بھی حاصل ہوگا۔

7۔ مرید کے حقوق

(1) شیخ مرید کو آزاد نہ چھوڑے کہ جہاں چاہے جائے بلکہ مرید خانقاہ سے جس کام کے لیے جائے تو اجازت سے جائے۔

(2) شیخ مرید کو ہر لغزش پر جو اس سے صادر ہو مناسب تنبیہ کرے۔ اگر عفو و چشم پوشی کی تو اس نے مقام شیخ میں خیانت کی۔

(3) شیخ مرید سے عہد لے کہ وہ شیخ سے کوئی خطرہ قلبی یا حال باطنی پوشیدہ نہ رکھے گا۔

(4) شیخ پر واجب ہے کہ مرید کے ہر سانس و حرکت پر توجہ رکھے۔

(5) شیخ پر واجب ہے کہ جب وہ یہ سمجھے کہ کسی مرید کے قلب میں اس کی عظمت نہیں رہی تو اس کو صاف کہہ دے کہ کسی دوسرے کے پاس جا کر اپنی اصلاح کرائے۔

(6) شیخ کی تین مجلسیں ہونی چاہییں: ایک عوام کے لیے، دوسری مریدین و اصحاب کے لیے اور تیسری ہر سالک کے لیے جداگانہ مجلس ہو:

(i) مجلس عام میں شیخ کے مرید شریک نہ ہوں کیونکہ مجلس عامہ میں کبھی نرم و سخت بات منہ سے نکل جاتی ہے۔ مجلس عامہ میں حقوق اللہ، حقوق العباد اور کثرت ذکر کی ترغیب وغیرہ کا بیان ہو اور مشکل مضامین (مکاشفہ وغیرہ) کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ یہ چیزیں مجلس خاص میں ذکر کرنے کی ہوتی ہیں۔

(ii) مجلسِ خاص میں اذکار و مجاہدات اور ان کے راستوں کی مناسب توضیح و تشریح کرے۔

(iii) انفرادی مجلس میں چاہیے کہ مرید کو تنبیہ کرتا رہے اور جو حالت مرید پیش کرے۔ شیخ اس کو غرور اور بے ہمتی سے بچائے اور اس کی ہمت بڑھائے۔

(8) جب مرید اپنا کوئی خواب یا کشف بیان کرے تو مرشد اس خواب یا کشف کی حقیقت پوری بیان نہ کرے بلکہ اس کو ایسے اعمال بتلائے جس سے حجاب رفع ہو جائے۔

(9) مرید کے قلب میں مرشد کی جس قدر حرمت ہوگی، فیوض و کمالات سے اسی قدر حصہ ملے گا۔

(10) رات دن میں ایک مرتبہ سے زیادہ اپنے مریدوں کے ساتھ مجالست نہ کرے اور شیخ کو اپنے لیے بھی خلوت کا کوئی وقت رکھنا چاہیے۔

(11) شیخ کو لازم ہے کہ مرید کے لیے ایک گوشہ تنہائی مقرر کرے جو اس کے لیے مخصوص ہو، کوئی اس میں نہ جا سکے۔

(12) مرید اگر شیخ کے خلاف ہو جائے تب بھی شیخ اپنی دعا اور تعلیم کو اس سے بند نہ کرے۔

(13) اگر شیخ ایک فقہی مسلک اور مرید دوسرے کا ماننے والا ہو، مثلاً شیخ حنفی مذہب ہے اور مرید شافعی مذہب سے ہے تو پیر اپنے مذہب پر مرید کو اور مرید اپنے خیال پر پیر کو مجبور نہ کرے۔

(14) شیخ مریدین کو نرمی سے نصیحت فرمائے۔

(15) شیخ مریدین کے اپنے حق میں غلطیوں سے درگزر فرمائے۔

(16) شیخ کو چاہیے کہ مخلوق کی رضامندی کے لیے مریدین کو خود سے جدا نہ کرے۔

(17) بعض مریدوں کو بعض پر ترجیح نہ دے مگر یہ کہ کسی میں طلب رضائے حق زیادہ ہو۔

(18) طریقت کی اشاعت پر حریص ہو۔

(19) شیخ کو چاہیے کہ خود کو باوقار رکھے۔

(20) شیوخ کے لیے لازم ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے اللہ کی مخلوق بے اعتقاد ہو جائے۔

8۔ خلافت

شیخ اپنے مرید کو تربیت روحانی کے بعد خلافت عطا فرماتے ہیں۔ خلافت کئی قسم کی ہوتی ہے:

(i) خلافت رحمانی: شیخ کے دل میں الہام ہوتا ہے کہ اپنے فلاں مرید کو مرتبہ خلافت سے سرفراز

فرمائے تا کہ یہ خلیفہ اس خلافت کے ذریعے آئندہ لوگوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرے۔

(ii) **خلافت ذاتی:** شیخ مرید کی ذات میں نیکوکاری دیکھ کر بغیر کسی اشارہ غیبی کے اسے خلافت عطا فرماتا ہے، اسے خلافت ذاتی کہتے ہیں۔

(iii) **خلافت عرضی:** ایسی خلافت جو صرف سفارش کی بنا پر مرید کو عطا کی جائے۔

(iv) **خلافت اویسی:** ایسی خلافت جو کسی ایسے شیخ کی روحانیت سے حاصل ہو جو دنیا سے ظاہری طور پر پردہ فرما چکا ہو۔

(v) **خلافت ورثہ:** جب شیخ کسی کو خلیفہ نامزد کیے بغیر ہی دنیا سے پردہ فرما جائے اور شیخ کے وارثوں میں سے کوئی وارث خود ہی شیخ کا خلیفہ بن جائے بشرطیکہ وہ اس کی اہلیت (صلاحیت) بھی رکھتا ہو۔

(vi) **خلافت افترائی:** جب شیخ کسی کو خلیفہ بنائے بغیر دنیا سے پردہ فرما جائے اور شیخ کے مریدین یا وارث، کسی مرید یا وارث کو شیخ کا خلیفہ مان لیں۔

9۔ خرقہ

خرقہ کے لغوی معانی پرانا جامہ، پرانا کپڑا، پیوند لگا ہوا لباس، پیوند لگا ہوا کپڑا، درویشانہ لباس، درویشوں کا لباس اور فقیروں کی پوشاک کے ہیں۔ اصطلاح میں انعام و اکرام کے طور پر ملنے والے لباس کو خرقہ کہتے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں خرقہ سے مراد عام کپڑوں کے اوپر سے پہنا جانے والا وہ لباس ہے جو شیخ طریقت اپنے کسی معتقد یا مرید کو بطور تبرک، ارادت، خلافت یا اجازت عطا کرتے وقت پہناتا ہے۔ عرف عام میں اسے خرقہ درویشی یا خرقہ سلوک بھی کہا جاتا ہے۔ اسے تصوف میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ خرقہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس کے پہننے والے نے سچائی کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ خرقہ تبرک ایک سے زیادہ شیوخ سے لیا جا سکتا ہے، جب کہ خرقہ ارادت صرف اور صرف ایک ہی شیخ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ خرقہ ساخت اور رنگ کے اعتبار سے کئی طرح کا ہو سکتا ہے۔ اس کی ساخت اور رنگ شیخ اپنے علم معرفت سے طے کرتا ہے۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ خرقہ پہنانے کا مقصد یہ ہے کہ سالک (مرید) کو معلوم ہو جائے کہ وہ شیخ کا مرید ہے اور اس کی بات مانے گا۔ اس سے اس طرح تربیت پائے گا جس طرح بچہ اپنے باپ سے پاتا ہے۔

ابتدائی دور میں صوفیا اون کے کپڑے (صوف) پہنتے تھے۔ پھر بعد میں مرقعہ/خرقہ پہننے لگے۔ پرانے زمانے میں طریقت کی ابتدا کیسے ہوئی تھی، حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں:

جب کوئی مرید تربیت کے لیے آتا تھا تو پہلے تین سال اس کو سخت روحانی نظم وضبط میں رکھا جاتا۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتا تو پھر اس کو طریقت کے راستے میں قبول کیا جاتا۔ ان تین سالوں کے پہلے سال میں لوگوں کی خدمت کرائی جاتی۔ دوسرے سال میں خدا کی خدمت کرائی جاتی اور تیسرے سال میں اپنے قلب کی حفاظت و نگرانی کرائی جاتی۔ تین سال کی کامیاب تربیت کے بعد اس کو خرقہ پہنایا جاتا۔ خرقہ کی مثال کفن کی سی ہے۔ خرقہ پہننے والے کو دنیا کی جھوٹی خوشیوں کو چھوڑنا ہے۔ دل کو غلط خواہشات سے پاک کرنا ہے۔ اپنی زندگی کو اللہ پاک کی عبادت و خدمت کے لیے وقف کرنا ہے۔ (کشف المحجوب)

خرقہ عطا کرنے کے لیے ایرانی اور ترکی علاقوں میں خصوصی محافل منعقد کی جاتی تھیں۔ بعض علاقوں میں حرم (کمر کا پٹہ) لیشتمال (کلائی کا بینڈ) سروال (شلوار) اور تاج بھی پہنائے جاتے۔ بعض اوقات نمک والا پانی یا میٹھا پانی بھی پلایا جاتا۔ بعض اوقات پگڑی پہنائی جاتی اور عصا بھی دیا جاتا ہے۔ بعض سلسلوں میں خرقہ کے بعد عہد یا بیعت لی جاتی جس کے بعد مرید کو خاص اذکار عطا کیے جاتے اور خاص حزب (دعا کی کتاب) پڑھنے کو کہا جاتا ہے۔

خرقہ کی اصل تو حضور نبی پاک ﷺ کا لباس (کمبل) ہے جسے آپ ﷺ رات کو تہجد اور قرآن پاک کی تلاوت کے وقت اوپر سے اوڑھ لیتے تھے۔ اسی لیے اللہ پاک نے آپ ﷺ کو یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ (سورۃ المزمل، آیت: 1) فرمایا ہے۔ عربی میں مزمل اسے کہتے ہیں جس نے بڑا سا کپڑا اپنے اوپر لپیٹا ہوا ہو۔ آپ ﷺ نے ایک لمبا کمبل رات کے قیام کے لیے مہیا کر رکھا تھا۔ آپ ﷺ جب نماز تہجد اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے اٹھتے تو اس کو اوڑھ لیتے تھے تا کہ ہوا کی سردی سے بچاؤ بھی ہو جائے۔ (تفسیر عزیزی، ذیل سورۃ المزمل، دیباچہ) جیسا کہ خاص رنگ کی وردی اور اسلحہ اٹھانا فوجی کی

علامت ہے، اسی طرح سالک جب خرقہ پہن لیتا ہے تو یہ علامت ہوتی ہے کہ اس نے خود کو اطاعت اور عبادت الٰہی کے لیے وقف کر دیا ہے۔

صوفیائے کرامؒ کا ایک گروہ اس قسم کا لباس پہننے سے گریز کرتا ہے۔ اس گروہ کے خیال میں اگر خرقہ پوشی رضائے الٰہی کے لیے ہو تو بے فائدہ ہے کیونکہ اللہ پاک دلوں کا حال بہتر جانتا ہے۔ اگر انسانوں کو دکھانے کے لیے ہے تو بھی برا ہے۔ سالک کا مقصد حق کی تلاش ہو تو اسے ظاہری خرقے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ظاہری لباس کے بجائے باطنی حرارت صوفی کو بناتی ہے۔

شیخ پہنا ہوا عمامہ، خرقہ یا کوئی دوسرا کپڑا اپنے مرید کو تبرکاً عطا کرتا ہے۔ جب شیخ اپنے جسم مبارک سے لباس اتار کر دوسرے کو پہناتا ہے تو شیخ کا حال خرقہ پہننے والے میں سرایت کر جاتا ہے اور اس سالک کے تکمیل حال کا ذریعہ بنتا ہے۔ مرید کے ساتھ یہ خرقہ وہی کام کرتا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

شیخ مرید کو اس کے حال[1] کے موافق رنگ کا خرقہ پہناتا ہے یا پہننے کو کہتا ہے۔ رنگ کے اعتبار سے خرقہ کی پانچ اقسام ہیں: (i) خرقہ سفید نفسانی خواہشات سے پاک ہونے والے عارفین پہنتے ہیں، (ii) سیاہ خرقہ: جب درویش فنا کے مقام پر پہنچتا ہے، اس مقام پر سالک سیاہ خرقہ پہنتے ہیں، (iii) زرد خرقہ: جو سالک عشق حقیقی سے مغلوب ہوتے ہیں وہ زرد رنگ کا خرقہ پہنتے ہیں، (iv) نیلا خرقہ: ایسے سالکین جو سیر فی اللہ کے مقام پر فائز ہوتے ہیں وہ نیلے رنگ کا خرقہ پہنتے ہیں، (v) سبز خرقہ: ایسے سالکین جو نفس لوامہ سے نجات پا کر نفس مطمئنہ پر فائز ہوتے ہیں وہ سبز رنگ کا خرقہ پہنتے ہیں۔

معنوی اعتبار سے خرقہ کی کئی اقسام ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(i) خرقہ بیعت: ایسا خرقہ جو شیخ کسی کو مرید بناتے وقت عام کپڑے اتروا کے موٹے اور سادہ کپڑے پہناتا ہے۔ یہ اس بات کی نشانی ہوتی ہے کہ مرید نے خواہشات نفسانی کو ترک کر کے ریاضت کو قبول کر لیا ہے۔ یہ صوفیا کی علامت کے طور ہوتا ہے۔

(ii) خرقہ تبرک: ایسا خرقہ جو شیخ اپنے مرید کے علاوہ کسی کو بطورِ تبرک عطا کرتا ہے، خرقہ تبرک کہلاتا

---

[1] تصوف میں حال ایک روحانی کیفیت کا نام ہے۔ جس سے روحانی توازن پیدا ہو کر ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

ہے۔ یہ خرقہ ایک سے زیادہ شیوخ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(iii) **خرقہ ارادت:** ایسا خرقہ جو شیخ اپنے مرید حقیقی کو تصوف کے مراحل کی تکمیل کے بعد عطا فرماتا ہے، خرقہ ارادت کہلاتا ہے۔ خرقہ ارادت صرف ایک ہی شیخ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(iv) **خرقہ تحکیم:** بعض پیران طریقت اپنی رحلت کے وقت اپنے کسی مرید کو اپنی جگہ پر مرشد بناتے ہیں اور اپنا سجادۂ طریقت اس مرید کے حوالے کرتے ہیں۔ اس قسم کے خرقے کو خرقہ تحکیم کہتے ہیں۔

(v) **خرقہ خلافت:** شیخ جب اپنے کسی مرید کامل کو خلافت دیتے وقت خرقہ پہناتا ہے، اسے خرقہ خلافت کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(ا) **خرقہ خلافت کبریٰ:** اگر شیخ اپنے مرید کامل کو بحکم خداوندی خلافت دے۔ اسی خلافت کو خلافتِ کبریٰ کہتے ہیں۔

(ب) **خرقہ خلافت صغریٰ:** شیخ سالک میں قابلیت جانچ کر اجازت دے۔ اسے خرقہ خلافتِ صغریٰ کہتے ہیں۔

(vi) **خرقہ اجازت:** ایسا خرقہ جو شیخ اپنے کسی مرید کو نائب مقرر کرنے اور طریقت کی اجازت دینے میں دیتا ہے تا کہ وہ طالبین سے بیعت لینے کا اپنے آپ کو مجاز سمجھے۔ یہ خرقہ بھی کئی شیوخ سے لینا جائز نہیں ہے۔

پیر رومی مرشد روشن ضمیر
کاروان عشق و مستی را امیر
نور قرآن درمیان سینه اش
جام جم شرمنده از آئینه اش

(رومی بزرگ، ایک ایسا مرشد ہے جس کا باطن روشن ہے)
(وہ عشق و مستی کے قافلے کا سردار ہے)
(قرآن کا نور اس کے سینے کے اندر ہے)
(جمشید کا جام اس کے آئینے (دل) سے شرمندہ ہے)

33۔ تصوف کے سلاسل

1۔ تصوف کے طائفے

جب اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو دنیا میں پھیلایا تو ان کی تربیت کی بھی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس تربیت کے لیے خود انہی میں سے خاص انسانوں کو منتخب فرمایا اور ہدایات آسمانی کتابوں کی صورت میں نازل فرمائیں۔ رشد و ہدایت اور تربیت کے پہلے درجے میں انبیاء علیہم السلام کو ذریعہ بنایا۔ اس درجہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی و رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، علمائے کرامؒ اور اولیائے عظامؒ نے یہ خدمت سرانجام دی اور اسی وجہ سے وقت کے ساتھ ساتھ صوفی سلسلے بنتے چلے گئے۔

تصوف کے مختلف سلسلے ہیں مگر ان سب کی منزل مقصود ایک ہی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے پہاڑ کی چوٹی پر ایک محل بنا ہوا ہو۔ اس محل کی طرف ایک راستہ مشرق کی طرف سے جاتا ہو اور دوسرا مغرب کی طرف سے۔ تیسرا شمال کی جانب سے اور چوتھا جنوب کی سمت سے۔ یہ چاروں راستے تو مختلف ہیں مگر منزل ایک ہی ہے۔ اس طرح راہ سلوک میں کوئی چشتی ہے، کوئی نقشبندی ہے، کوئی قادری ہے تو کوئی سہروردی۔ اگر دل میں اللہ پاک کی یاد ہے تو سب ٹھیک ہیں ورنہ کچھ بھی نہیں۔

تصوف میں کچھ طائفے مشہور ہوئے اور اس کے بعد سلسلے بنے۔ طائفوں سے مراد خاندان، گھرانہ، مشائخ یا درویشوں کا وہ گروہ (روحانی سلسلہ) ہیں جن سے انہیں توسل (روحانی تربیت) حاصل ہے۔ ابتدائی ادوار میں بنیادی طور پر چودہ طائفے بنے جو عام طور پر پہلے صوفی عالم اور تابعی حضرت حسن بصریؒ (متوفی 110 ہجری/ 728ء) سے منسوب ہیں جن کی آگے چل کر اور بہت سی شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ان چودہ طائفوں میں سے پانچ حضرت خواجہ عبد الواحدؒ سے اور نو حضرت حبیب عجمیؒ سے آگے بڑھے اور یہ دونوں حضرات حضرت حسن بصریؒ کے خلفا تھے۔

(1) طائفہ زیدیہ

طائفہ زیدیہ صوفیوں کا ایک سلسلہ ہے جس کے بانی حضرت عبدالواحد بن زیدؒ (متوفی 177 ہجری) تھے۔ آپؒ خواجہ حسن بصریؒ کے خلیفہ تھے۔ آپؒ سے پانچ طائفے یعنی سلسلہ زیدیہ، سلسلہ عیاضیہ، سلسلہ ادھمیہ، سلسلہ ہبیریہ اور سلسلہ چشتیہ جاری ہوئے۔

(2) طائفہ عیاضیہ

طائفہ عیاضیہ کے بانی حضرت فضیل بن عیاضؒ (متوفی 187 ہجری) تھے۔ آپؒ موجودہ ترکمانستان میں پیدا ہوئے۔ آپؒ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ کے تربیت یافتہ اور خلیفہ تھے جو حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد تھے۔

(3) طائفہ ادھمیہ

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ (متوفی 160 ہجری) کے پیروکاروں کا مجموعی نام خانوادہ ادھمیہ ہے۔ آپؒ نے بیعت وخلافت حضرت فضیل بن عیاضؒ سے پائی۔

(4) طائفہ ہبریہ

خانوادہ ہبریہ کے بانی حضرت ابوہبیرہ امین الدین بصریؒ (متوفی 278 ہجری) تھے۔ آپؒ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے خلیفہ تھے۔ اس سے سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ چشتیہ نکلے۔

(5) طائفہ چشتیہ

حضرت علوی ممشاد دینوریؒ (متوفی 298 ہجری) دینور (ایران) میں پیدا ہوئے۔ عراق بغداد علم حاصل کرنے کی غرض سے گئے۔ آپؒ حضرت ابوہبیرہ بصریؒ کے خلیفہ تھے۔ آپؒ نے اپنے خلیفہ حضرت ابواسحاق شامیؒ کو خراسان کے ایک گاؤں چشت شریف بھیجا جہاں سے یہ سلسلہ پوری دنیا میں پھیل گیا[1]۔

---

[1]۔ یہ پانچ طائفے حضرت عبدالواحد بن زیادؒ سے چلے ہیں جو حضرت حسن بصریؒ کے خلیفہ تھے۔

(6) طائفہ عجمیہ

طائفہ عجمیہ شیخ حبیب عجمیؒ (متوفی 156 ہجری) سے منسوب ہے۔ آپؒ فارس میں پیدا ہوئے اور خواجہ حسن بصریؒ سے روحانی تربیت حاصل کی اور آپؒ کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ بعد میں یہ سلسلہ سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ قادریہ کہلایا۔

(7) طائفہ کرخیہ

یہ طائفہ خواجہ معروف کرخیؒ (متوفی 200 ہجری) کی طرف منسوب ہے۔ آپؒ نے حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ کے خلیفہ حضرت داؤد طائیؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ یہ طائفہ سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ قادریہ کہلایا۔

(8) طائفہ سقطیہ

یہ طائفہ خواجہ سری سقطیؒ (متوفی 251 ہجری) سے منسوب ہے۔ آپؒ بغداد شریف میں پیدا ہوئے۔ آپؒ خواجہ معروف کرخی کے خلیفہ اور خواجہ جنید بغدادیؒ کے ماموں اور مرشد تھے۔ یہ طائفہ سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ قادریہ کہلایا۔

(9) طائفہ جنیدیہ

یہ طائفہ حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 297 ہجری) سے منسوب ہے۔ آپؒ خواجہ سری سقطیؒ کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔ یہ طائفہ سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ قادریہ کہلایا۔

(10) طائفہ گازرونیہ

یہ طائفہ حضرت ابو اسحاق بن شہریار گازرونیؒ سے نسبت رکھتا ہے۔ آپؒ حضرت خواجہ عبداللہ خفیفؒ کے مرید تھے جو خواجہ رویمؒ کے خلیفہ تھے، جو خواجہ جنید بغدادیؒ کے خلیفہ تھے۔ یہ طائفہ آگے چل کر سلسلہ سہروردیہ میں ضم ہو گیا۔

(12) طائفہ طوسیہ

یہ طائفہ خواجہ علاؤالدین طوسیؒ (877 ہجری) سے منسوب ہے۔ آپؒ خواجہ وجیہ الدین ابوحفصؒ کے خلیفہ تھے جو خواجہ جنید بغدادیؒ کے خلفا میں سے تھے۔ یہ طائفہ دوسرے سلاسل میں ضم ہو گیا۔

(13) طائفہ سہروردیہ

یہ طائفہ شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ (متوفی 563 ہجری) سے منسوب ہے۔ آپؒ زنجان کے قریب واقع مقام سہرورد (ایران) میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے سہروردی کہلائے۔

(14) طائفہ فردوسیہ

اس طائفہ کے بانی شیخ نجم الدین کبریٰؒ (متوفی 618 ہجری) ہیں۔ کبرویہ سلسلے کی بعد میں بہت سی شاخیں بن گئیں، مثلاً فردوسیہ، ہموانیہ، اشرفیہ وغیرہ۔

یہ طائفے اصل ہیں جن سے تصوف وسلوک کے دوسرے طائفوں اور گروہوں نے جنم لیا جو ان کی فروع (شاخ) یا سلسلہ کہلاتے ہیں اور اپنے اپنے بانی سلسلہ کے نام سے مشہور ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا:

بعض صوفی علمانے تصوف کے کچھ اور طائفوں کا بھی ذکر کیا ہے جو یہ ہیں:

(15) طائفہ محاسبیہ

صوفیا کا یہ گروہ حضرت ابوعبداللہ بن حارث بن اسد محاسبی بغدادیؒ (متوفی 243 ہجری) کی نسبت سے محاسبیہ کہلاتا ہے۔

(16) طائفہ قصاریہ

یہ طائفہ قصاریہ شیخ ابوصالح حمدون بن احمد قصار نیشاپوریؒ (متوفی 271 ہجری) سے منسوب ہے۔ آپؒ ایران کے شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔

(17) طائفہ طیفوریہ

یہ طائفہ حضرت خواجہ ابو یزید بسطامیؒ (متوفی 261 ہجری) سے منسوب ہے۔آپؒ کا اصلی نام طیفور تھا۔آپؒ نے حضرت حبیب عجمیؒ سے تربیت پائی جو حضرت حسن بصریؒ کے خلیفہ تھے۔آپؒ کے خانوادہ طریقت سے سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ مداریہ، سلسلہ شطاریہ اور دیگر سلاسل کا ظہور ہوا۔

(18) طائفہ نوریہ

اس طائفہ کے پیشوا شیخ ابوالحسن احمد نوریؒ (متوفی 295 ہجری) ہیں۔آپؒ حضرت سری سقطیؒ کے خلیفہ تھے۔

(19) طائفہ سہیلیہ

یہ طائفہ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ (متوفی 283 ہجری) سے منسوب ہے۔آپؒ نے روحانی تربیت شیخ حسین بن منصور حلاجؒ اور حضرت ذوالنون مصریؒ سے پائی۔

(20) طائفہ حکیمیہ

یہ طائفہ حضرت محمد بن علی حکیم ترمذیؒ (متوفی 292 ہجری) سے منسوب ہے۔آپؒ کی روحانی تربیت حضرت خضر علیہ السلام نے اویسی نسبت پر فرمائی تھی۔

(21) طائفہ خرازیہ

یہ طائفہ حضرت ابوبکر ابوسعید خرازؒ (متوفی 277 ہجری) سے منسوب ہے۔آپؒ کی روحانی تربیت حضرت ذوالنون مصریؒ، حضرت سری سقطیؒ اور حضرت بشر حافیؒ نے فرمائی۔

(22) طائفہ خفیفیہ

یہ طائفہ حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازیؒ (متوفی 371 ہجری) سے منسوب ہے۔آپؒ کی روحانی تربیت خواجہ رویمؒ نے فرمائی۔خواجہ جنید بغدادیؒ کے خلیفہ تھے۔

(23) طائفہ سیاریہ

یہ طائفہ شیخ ابوالعباس سیاریؒ کی طرف منسوب ہے۔ چھٹی صدی ہجری/ بارہویں صدی عیسوی کے بعد تصوف میں پیری مریدی کے طائفے ختم ہونے لگے اور سلاسل بننے لگے جن کی ابتدا خراسان سے ہوئی۔

2۔ تصوف کے سلسلے

جوں جوں وقت گزرتا گیا تصوف منظم ہوتا گیا۔ طائفوں سے باقاعدہ سلسلے بننے لگے جن میں شیخ زیادہ اہم ہوتے تھے۔

(1) سلسلہ قادریہ

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی 561 ہجری) کے مسلک طریقت کو سلسلہ قادریہ کہا جاتا ہے۔ آپؒ مغربی ایران کے شہر گیلان میں پیدا ہوئے۔ گیلان کو عربی میں جیلان کہا جاتا ہے۔ اسی نسبت سے آپؒ کے نام کے آخر میں گیلانی یا جیلانی لکھا ہے۔

آپؒ نے جامعہ نظامیہ میں داخلہ لیا۔ پھر شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم الدباسؒ (525ہجری/ 1131ء) سے روحانی تربیت پائی۔ آپؒ کو پہلا خرقہ شیخ ابوسعید مبارک مخزومیؒ نے عطا فرمایا۔ آپؒ کے زمانے میں کوئی شیخ بھی آپؒ سے منسوب یا متعلق نہ تھا بلکہ اس عہد کے دیگر صوفیا جیسا کہ حضرت احمد غزالیؒ، ابونجیب سہروردیؒ اور ابو یوسف ہمدانیؒ وغیرہ سے منسوب/ منسلک تھے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بغداد میں حنبلی فقہ کے ایک مدرسے کے اور ایک رباط[1] کے سربراہ تھے۔ آپؒ کبھی مدرسے اور کبھی رباط میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ بغداد کی تباہی کے ساتھ دونوں ادارے بھی ختم ہو گئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:16 الف، ص:11) بعض علما کا خیال ہے کہ آپؒ کی وفات کے ایک سو سال بعد سلسلہ آپؒ سے منسوب کیا گیا اور آپؒ نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔

---

[1]۔ اس زمانے میں رباط اور زاویے میں فرق ہوتا تھا۔ رباط ایک قسم کی خانقاہ یا تکیہ ہوتا تھا اور زاویہ اس جگہ کو کہتے تھے جہاں سالک گوشہ نشین ہوا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں بہت زیادہ رواداری پائی جاتی ہے اور اس کے قواعد میں کسی قسم کی انتہا پسندانہ شدت موجود نہیں ہے۔ سلسلہ قادریہ سب سے قدیم اور سب سے زیادہ مشہور سلسلہ روحانیت مانا جاتا ہے۔ اس سلسلہ سے منسلک افراد پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مراکش میں اس سلسلے کو شیخ کے دو بیٹوں ابراہیمؒ (متوفی 592 ہجری) اور عبدالعزیزؒ کی اولاد نے رائج کیا۔ ایشیائے کوچک اور ترکی میں شیخ اسماعیل رومیؒ (1053ء) نے اس سلسلے کو پھیلایا۔ مکہ معظّمہ میں ایک قادری رباط شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی زندگی میں ہی قائم کر دی گئی تھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج: 16 الف، ص: 14) شام میں حضرت داؤدؒ نے اور ہندوستان میں حضرت محمد غوثؒ (1517ء) نے سلسلہ قادریہ کی اشاعت کی۔ حجاز اور مصر میں اس کی ترویج حضرت تاج الدین البغدادیؒ (1550ء) نے کی۔

سلسلہ قادریہ کی سند تصوف یوں ہے: شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ ابوسعید مخزومیؒ، شیخ ابوالحسن ہنگاریؒ، شیخ ابوالفرج طرسویؒ، شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیزؒ، شیخ ابوبکر شبلیؒ، شیخ جنید بغدادیؒ، شیخ سری سقطیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، امام علی رضاؒ، امام موسیٰ کاظمؒ، امام جعفر صادقؒ، امام باقرؒ، امام زین العابدینؒ، امام حسین رضی اللہ عنہ، امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(2) سلسلہ چشتیہ

چشت افغانستان کے صوبہ ہرات میں واقع ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جہاں اس کی بنیاد شیخ ابو اسحاق شامیؒ (متوفی 329 ہجری) نے رکھی۔ اسی علاقائی نسبت سے سلوک کے اس مسلک کو چشتی کہا جانے لگا۔ آپؒ شام میں کو پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے شامی کہلائے۔ آپؒ نے اپنی تعلیم و تربیت اصفہان میں حضرت ممشاد علوی دینوریؒ (متوفی 299 ہجری) سے پائی۔ مرشد نے فرمایا آج سے لوگ آپ کو ابواسحاق شامی چشتی کہیں گے۔ آپؒ شیخ ممشاد علوی دینوریؒ کے خلیفہ بنے۔ بانی سلسلہ چشتیہ کی نسبت کچھ یوں ہے: خواجہ ابواسحاقؒ شامی چشتیؒ، خواجہ ممشاد علوی دینوریؒ، حضرت امین الدین ابوہبیرہ بصریؒ، خواجہ حذیفہ المرعشیؒ، حضرت ابراہیم بن ادھمؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، خواجہ عبدالواحد بن زید، خواجہ حسن بصریؒ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ (متوفی 627 ہجری) نے ہندوستان کے شہر اجمیر شریف میں اس سلسلہ کا

مرکز قائم کیا۔آپؒ سنجر نامی گاؤں (ایران) میں پیدا ہوئے۔آپؒ نے عراق میں خواجہ عثمان ہارونیؒ سے روحانی تربیت پائی۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ تھے۔ان کے خلیفہ بابا فرید الدین گنج شکر ہوئے۔آگے ان کے دو خلفا بہت ممتاز ہوئے، شیخ علی احمد صابر کلیرؒ (690 ہجری) اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ۔اس طرح سلسلہ چشتیہ کی دو بڑی شاخیں ان سے منسوب ہو کر چشتی صابری اور چشتی نظامی مشہور ہوئی۔اس سلسلے میں شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، سید سلیمان ندویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا خلیل احمدؒ اور مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ مشہور ہوئے۔

چشتی سلسلے کے نظریات کچھ یوں ہیں: (i) چشتی تصورات ونظریات کا بنیادی تصور وحدت الوجود تھا۔ذاتی جائیداد پر قبضہ رکھنے کو توکل کے منافی سمجھتے تھے، (ii) چشتی امن وصلح اور عدم تشدد پر اعتقاد رکھتے تھے، (iii) حکومت سے راہ ورسم رکھنے کی کسی صورت میں بھی اجازت نہ تھی۔صوفی زندگی کی غایت فقط اللہ پاک کے لیے جینا ہے۔صوفی کو نہ تو جنت کی تمنا کرنی چاہیے اور نہ ہی دوزخ سے ڈرنا چاہیے، (iv) چشتی صوفی، صوفیانہ ریاضت کی ابتدا کرنے کے لیے رسمی طور پر اسلام قبول کرنے کا مطالبہ ضروری شرط کے طور پر نہیں کرتے تھے۔اس سلسلے میں (ا) ذکر جہر، (ب) ذکر خفی، (ج) پاس انفاس، (د) مراقبہ اور (ی) چلہ

(3) سلسلہ نقشبندیہ

شیخ محمد بہاؤالدین شاہ نقشبندؒ (متوفی 790 ہجری) سے منسوب سلوک کو سلسلہ نقشبندیہ کہا جاتا ہے۔نقشبند آپؒ کا لقب تھا جس سے مراد اپنے دل میں کمال حقیقی کا نقش رکھنے والا ہے۔آپؒ بخارا کے قریب قصر عارفاں میں پیدا ہوئے۔آپؒ کا خاندان سادات تھا۔آپؒ نے روحانی تربیت حضرت بابا سماسی اور حضرت امیر کلالؒ سے پائی اور روحانی طور پر آپؒ کی تربیت حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ اور حضرت خضر نے الاویسی طریقہ پر فرمائی۔(دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:22، ص:434)

سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت کچھ یوں ہے: خواجہ سید محمد بہاؤالدین نقشبندؒ، خواجہ امیر کلالؒ، خواجہ محمد بابا

سماسیؒ، خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ، خواجہ محمود انجیر فغنویؒ، خواجہ عارف ریوگریؒ، عبدالخالق غجد وانیؒ، خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ، خواجہ ابوعلی فارمدیؒ، خواجہ ابوالقاسم گورگانیؒ، خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ، خواجہ بایزید بسطامیؒ، امام جعفر صادقؒ، امام قاسمؒ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سلسلہ نقشبندیہ کے القاب زمانے کے اختلاف سے مختلف رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت بایزید بسطامیؒ تک اسے طریقہ صدیقیہ کہا جاتا رہا۔ شیخ بایزید بسطامیؒ سے لے کر شیخ عبدالخالق غجد وانیؒ تک اسی سلسلہ کو طیفوریہ کہا جاتا تھا۔ خواجہ عبدالخالق غجد وانیؒ سے لے کر شیخ بہاؤالدین محمد نقشبندؒ تک سلسلہ خواجگان کہا جاتا تھا۔ شیخ بہاؤالدین محمد نقشبندؒ سے یہی سلسلہ نقشبندیہ کے نام سے معروف ہوا۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ اس کی مشہور شاخیں ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد جن گیارہ اصولوں پر ہے ان میں سے آٹھ خواجہ غجد وانیؒ نے بناتے ہیں:

(i) ہوش دردم: سالک کا ہر سانس حضور میں ہوتا کہ کوئی سانس بھی غفلت میں نہ گزرے تاکہ اللہ پاک سے رابطہ ٹوٹنے نہ پائے۔ اگر غفلت ہو تو استغفار کرے۔

(ii) نظر برقدم: اپنی نگاہ اپنے قدموں کی طرف رکھنا۔ سالک اگر برائی میں قدم دیکھے تو پیچھے ہٹائے اور نیکی کے قدم کو مزید آگے بڑھائے۔ سالک ہر دم نگاہ رکھے کہ میری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ سے ہٹ تو نہیں رہی۔

(iii) سفر در وطن: اپنے باطن میں سفر کرنا۔ یہ ایک داخلی سفر ہے جس میں انسان بری صفات چھوڑ کر اچھی صفات اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔

(iv) خلوت درانجمن: ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ ہونا ہے۔ حضرت نقشبندؒ نے فرمایا: دست بہ کار و دل بہ یار (ہاتھ کام میں اور دل دوست کی طرف ہو)

(v) یادکرد: یاد کرنا۔ سالک کو مرشد نے جس طرح بھی ذکر کی تلقین کی ہو، اسی میں مشغول رہے۔

(vi) بازگشت: رجوع کرنا۔ سالک تھوڑے تھوڑے ذکر کے بعد مناجات کی طرف رجوع کرے۔ شیخ

نقشبندؒ یہ دعا مانگتے تھے: الٰہی مقصود من توئی، ورضائے تو، محبت، مغفرت خود بدہ (اے اللہ میرا مقصود تو ہی ہے اور اپنی خوشنودی اپنی محبت اور مغفرت عطا کر)

(vii) نگہداشت: ذاکر اپنے قلب اور نفس کے خطرات پر نگاہ رکھے اور ہوش مندی سے رہے۔ جو وسواس وخیالات دل میں آئیں، ان کا ابتدا ہی سے تدارک کرے۔

(viii) یادداشت: یادداشت کا ملکہ حاصل ہوجانے کے بعد سالک کا دل ذکرِ حق میں اس قدر محو ہوجاتا ہے کہ خیالات کو منتشر کرنیوالی چیزوں کا دل پر گزر بھی نہیں ہوتا۔

خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ نے ان میں تین اصولوں کا اضافہ فرمایا:

(ix) وقوف زمانی: اس سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنے نفس کا ہر وقت جائزہ لیتا رہے۔ اگر گذشتہ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزارا ہو تو شکر کرے اور اگر غفلت ہوئی ہو تو استغفار کرے۔

(x) وقوف قلبی: حق تعالیٰ کی جناب میں دل کی ایسی حاضری کا نام وقوف قلبی ہے جس کی بدولت دل کو حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

(xi) وقوف عددی: تعداد کا لحاظ کرنا۔ ذکر ہی کرتا رہے، کبھی گن کر اور کبھی گنے بغیر۔

سلسلہ نقشبندیہ میں مراقبہ اور توجہ بہت اہم ہے۔ مراقبہ سے مراد کسی خاص چیز یا شخص یا تصور پر اپنی پوری توجہ کرنا ہے۔ توجہ سے مراد شیخ کا اپنے مرید کی طرف روحانی تصرفات کی طاقت سے توجہ کرنا ہے اور سالک کی روحانی تربیت کرنا مراد ہے۔

اس سلسلہ کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ (متوفی 1012 ہجری) جلال الدین محمد اکبر کے دور حکومت میں ہندوستان لائے۔ سلسلہ نقشبندیہ کی شاخ مجددیہ آپؒ کے خلیفہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (متوفی 1034 ہجری) سے منسوب ہے۔ آپؒ کو مجدد الف ثانیؒ (دوسرے ہزار سال کا مجدد) کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ شیخ احمد سرہندیؒ نے نقشبندی اشغال واوراد کو ایک نئی صورت دی۔ آپؒ نے انسانی جسم میں لطائف ستہ کا تعین کیا۔ دین اور سلوک میں رائج ہوجانے والی بدعات کے خلاف تحریک پیدا کی گویا تصوف واسلام کی تجدید واحیا کی۔

سلسلہ نقشبندیہ کی دوسری شاخ مجددیہ خالدیہ شیخ خالد کردیؒ (متوفی 1242 ہجری) کی طرف منسوب ہے۔آپؒ عراق کے شہر سلمانیہ کے قریب پیدا ہوئے۔آپؒ نے مکہ اور ہندوستان میں شاہ غلام علی دہلویؒ سے روحانی تربیت پائی۔شیخ کی اجازت سے واپس وطن روانہ ہو گئے اور دین کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ شیخ خالد کردیؒ کی وساطت سے سلسلہ نقشبندیہ کو ترکی،عراق،کردستان،شام اورحجاز مقدس میں بہت فروغ حاصل ہوا

(4) سلسلہ سہروردیہ

سلسلہ سہروردیہ شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ (متوفی 563 ہجری) سے منسوب ہے۔آپؒ سہرورد (ایران) میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے سہروردی کہلائے۔آپؒ نے جامعہ نظامیہ بغداد سے تعلیم حاصل کی۔امام احمد غزالیؒ (امام محمد غزالیؒ کے بھائی) اور امام قشیریؒ سے روحانی تربیت پائی۔اپنے چچا شیخ وجیہ الدین سہروردیؒ سے خلافت پائی۔ یہ شجرہ طریقت یوں ہے: حضرت ابونجیب سہروردیؒ، حضرت وجیہ الدین سہروردیؒ، حضرت سید ابومحمدؒ، حضرت شیخ احمدؒ، حضرت ممشاد دینوریؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سری سقطیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت حبیب عجمیؒ، حضرت خواجہ حسن بصریؒ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شیخ ابونجیب سہروردیؒ کے سلسلہ طریقت کو آپؒ کے خلیفہ اور بھتیجے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (متوفی 632 ہجری) نے آگے بڑھایا۔آپؒ کو سلسلہ سہروردیہ کے مؤسس ثانی (بنیاد رکھنے والوں میں دوسرا) کی حیثیت حاصل ہے۔کچھ عرصہ کے لیے مدرسہ نظامیہ بغداد کے صدر بھی رہے۔آپؒ کی روحانی تربیت شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ نے اپنی رباط میں فرمائی۔آپؒ نے ایک کتاب عوارف المعارف مرتب کی جو تصوف کی بنیادی کتاب ہے۔آپؒ کے اہم خلفاء/ مریدوں میں حضرت روز بہائی باقلی شیرازیؒ، حضرت اسماعیل القصریؒ اور حضرت عمار البدلیسیؒ ہیں۔ حضرت القصریؒ اور البدلیسیؒ سے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ نے تربیت پائی اور آپؒ سے سلسلہ کبراویہ شروع ہوا۔

خلیفہ وقت ناصر لدین اللہ عباسی نے آپؒ کے لیے فرات پر بہت بڑی رباط (خانقاہ) بنوائی جس میں عوام کے لیے غسل خانے،لنگر اور باغ بھی تھا۔آپؒ غیر صوفی کو بھی خرقہ عنایت فرما دیتے تھے۔ایسا ہی

خرقہ شیخ سعدی شیرازیؒ کو عطا فرمایا گیا تھا۔

آپؒ نے اپنے بے شمار مریدوں کی روحانی تربیت فرما کر انہیں خلافت عطا فرمائی اور طریق سہروردیہ کی اشاعت کے لیے مختلف ممالک کی طرف روانہ فرمایا۔ ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کی ترویج و اشاعت میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا بنیادی کردار ہے۔ آپؒ نے ملتان، اُوچ شریف اور دوسرے مقامات پر سہروردیہ سلسلے کی مشہور خانقاہیں قائم کیں۔ آپؒ کے خلفاء میں شیخ فخر الدین عراقی ملتانیؒ، سید جلال الدین بخاریؒ اور شیخ صدر الدین عارفؒ شامل ہیں۔ بنگال میں سہروردی سلسلہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے ذریعے پہنچا۔

(5) سلسلہ رفاعیہ

سلسلہ رفاعیہ شیخ احمد بن علی رفاعیؒ (متوفی 578 ہجری) کی نسبت سے رفاعیہ کہلاتا ہے۔ آپؒ عراق کے شہر بصرہ کے نواح میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے تصوف کی تعلیم اپنے ماموں شیخ منصورؒ اور شیخ علی ابوالفصل واسطیؒ سے حاصل کی۔ آپؒ کی رباط بطیح (جنوبی عراق) میں تھی اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی رباط (بغداد) سے پہلے آباد تھی۔ آپؒ فقہ شافعی کے پیروکار تھے۔ آپؒ کے سلسلہ سے چار معروف سلسلے بنے۔ بداویہ، داسوقیہ، شاذلیہ اور الوانیہ (ممین)۔ سلسلہ رفاعیہ کے پیروکار عرب، مشرق وسطیٰ، ترکی، بلقان اور جنوبی ایشیا میں پائے جاتے ہیں۔

(6) سلسلہ شاذلیہ

سلسلہ شاذلیہ اپنے بانی شیخ ابوالحسن شاذلیؒ (متوفی 656 ہجری) کی نسبت سے شاذلیہ کہلاتا ہے۔ آپؒ تیونس میں جبل زعفران کے نزدیکی مقام شاذلی میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے شاذلی کہلائے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:11، ص:562) آپؒ تیونس کے شیخ عبدالسلام بن مشیشؒ کے خلیفہ بنے۔ آپؒ کا سلسلہ طریقت یہ ہے: شیخ ابوالحسن شاذلیؒ، شیخ عبدالسلام بن مشیشؒ، شیخ ابوالمدین غوث مغربیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ سلسلہ شاذلیہ کے پیروکار زیادہ تر مصر، تیونس، ترکی، الجزائر، یمن شام، اردن اور دیگر ممالک میں پائے جاتے ہیں اور یورپ کے بہت سے جدید علما نے اس سلسلے کی وجہ سے اسلام قبول کیا اور

پھر اس کی خوب اشاعت کی۔

(7) سلسلہ یسویہ

سلسلہ یسویہ شیخ احمد بن ابراہیم علوی یسویؒ (متوفی 562 ہجری) سے منسوب ہے۔ آپؒ قازقستان میں پیدا ہوئے۔ شیخ یوسف ہمدانیؒ سے روحانی تربیت پائی۔ پھر اسلام کی تبلیغ کے لیے ترکستان چلے گئے۔ آپؒ نے ترک قبائل میں اسلام اور تصوف متعارف کروایا اور اسلامی روایات کو مقامی ترک روایات سے جوڑا جس سے اسلام ترک بدوؤں کے لیے قابل قبول ہو گیا۔ ان خانہ بدوشوں نے کرغستان، ترکمانستان، خراسان، آذربائیجان، اناطولیہ (ترکی) سے لے کر ایشیا تک اسلام اور تصوف کو پھیلایا۔ یہ سلسلہ یوں ہے: شیخ احمد بن ابراہیم علوی یسویؒ، خواجہ یوسف ہمدانیؒ، خواجہ علی فارمدیؒ، خواجہ ابوالقاسم گورگانیؒ، شیخ ابوعثمان مغربیؒ، شیخ ابوکاتبؒ، شیخ ابوعلی رودباریؒ، خواجہ جنید بغدادیؒ اور پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک جاتا ہے۔

(8) سلسلہ خلوتیہ

یہ سلسلہ شیخ محمد بن احمد کریم الدین خلوتیؒ (986 ہجری) سے منسوب ہے۔ اس سلسلے کا نام عربی لفظ خلوہ سے لیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے: صوفیانہ مقاصد کے لیے دنیا سے دستبرداری یا تنہائی کا طریقہ۔ یہ سلسلہ انفرادی ریاضت (زہد) اور خلوت نشینی پر زور دیتا ہے۔ اس سلسلہ کی بنیاد افغانستان کے شہر ہرات میں رکھی البتہ آپؒ کے خلیفہ شیخ عمر خلوتیؒ نے اسے پروان چڑھایا۔ یہ سلسلہ آج کل ترکی اور آذربائیجان وغیرہ میں مشہور ہے۔

(9) سلسلہ تیجانیہ

یہ سلسلہ شیخ ابوالعباس احمد تیجانیؒ (متوفی 1230 ہجری) سے منسوب ہے۔ آپؒ الجزائر کے بربر ہیں۔ آپؒ کی روحانی تربیت خلوتی سلسلہ کے شیخ محمود الکردیؒ نے فرمائی۔ آپؒ نے اپنے شیخ کی تجویز پر نیا سلسلہ طریقت تیجانیہ کے نام سے شروع کیا۔ اس سلسلے کو سب سے زیادہ ترقی فرانسیسی افریقہ میں نصیب ہوئی۔ وہاں اس نے قادریہ سلسلے کی جگہ لے لی ہے۔

(10) سلسلہ مولویہ

مولانا جلال الدین رومیؒ (متوفی 672 ہجری) سے منسوب سلسلہ طریقت سلسلہ مولویہ کہلاتا ہے۔ آپؒ بلخ (افغانستان) میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا شجرہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم والد محترم شیخ محمد بہاو الدینؒ سے حاصل کی جو شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے خلیفہ تھے۔ والد کے انتقال کے بعد شام (حلب) میں مولانا کمال الدینؒ سے تربیت پائی۔ حضرت شمس تبریزؒ سے ملاقات کے بعد آپؒ کی زندگی یکسر بدل گئی۔ آپؒ کا سلسلہ زیادہ تر ترکی اور عثمانی خلافت کے یورپی علاقوں میں پھیلا۔ وہاں سے شام، فلسطین اور مصر وغیرہ میں بسنے والے ترکوں میں مقبول ہوا اور ان علاقوں میں اس سلسلے کے تکیہ بنے۔ اس سلسلہ کا رقص درویشی بہت مشہور ہے۔

(11) سلسلہ کبرویہ

یہ سلسلہ شیخ نجم الدین کبریٰؒ (متوفی 618 ہجری) سے منسوب ہے۔ آپؒ خیوا (ازبکستان) میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے پہلا خرقہ مصر میں جا کر حضرت روز بہان بقلیؒ سے حاصل کیا جو حضرت ابونجیب سہروردیؒ کے خلیفہ تھے۔

روحانی تربیت کے بعد آپؒ نے وطن واپس آ کر خوارزم میں ایک خانقاہ بنالی۔ آپؒ کی خانقاہ کے تربیت یافتگان میں حضرت مجد الدین بغدادیؒ شامل تھے جو حضرت فرید الدین عطارؒ کے شیخ ہیں۔ شیخ نجم الدین رازیؒ، شیخ سیف الدین بھازریؒ، شیخ بہاؤ الدین ولد (مولانا جلال الدین رومیؒ کے والد) اور شیخ سعد الدین حمویؒ، آپؒ کے مرید خلفا تھے۔ آپؒ کے خلفا کی تعداد ستر (70) بتائی جاتی ہے۔ آپؒ کے خلیفہ شیخ سیف الدین بھارزیؒ کے ہاتھوں پر ہی پہلا منگول شہزادہ برکے خان مسلمان ہوا جس سے منگولوں کے اہل اسلام پر حملوں کو روکنے میں خاطر خواہ مدد ملی۔

آپؒ کی طریقت کی سند کچھ یوں ہے: شیخ نجم الدین کبریٰؒ، شیخ روبہان بقلیؒ، حضرت عمار بن یاسر بدلیسیؒ، حضرت ابونجیب سہروردیؒ، حضرت احمد غزالیؒ، حضرت ابوبکر نساجؒ، حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ، خوابہ ابوعثمان مغربیؒ، حضرت ابوعلی کاتبؒ، شیخ ابوعلی رودباریؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سری سقطیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت حبیب عجمیؒ، خواجہ حسن بصریؒ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

34۔ تلبیس

جس طرح دیگر علوم اور شعبوں میں افراط وتفریط کا امکان ہوتا ہے، اسی طرح سے تصوف میں بھی یہ امکان ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اسی لیے تصوف کے احیا اور اس کی روح کو زندہ کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً علمی کوشش بھی سامنے آتی رہی ہیں۔ اسلاف علما وصوفیا نے یہ شعور پیدا کرنے کی کوشش کی کہ تصوف کے اہداف اور اس کی اقدار اسلام میں مطلوب ہیں لیکن اس کے ساتھ بعض لوگوں نے جان بوجھ کر یا سہواً تصوف میں ایسی چیزوں کو داخل کر دیا ہے کہ جو اسلام اور حقیقی تصوف کے خلاف ہیں۔ بعض متصوفین نے خلوص کے ساتھ مگر لاعلمی کی بنیاد پر بھی ایسے کام کیے ہیں جو صحیح نہیں تھے[1]۔ ذیل میں ہم کچھ ان پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے جہاں افراط وتفریط سے کام لیا گیا ہے۔

1۔ عبادت میں تلبیس

بہت سے لوگ عبادات وزہد کے معاملات میں افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بہت سے علما وصوفیا نے متوجہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ عبادات وزہد میں کچھ چیزوں کی رعایت رکھی جائے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا سارا وقت عبادت کرنے میں گزرنا چاہیے۔ اس لیے وہ جتنی دیر تک جاگتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ صرف نوافل عبادات ہی میں مشغول رہیں، حالانکہ شریعت کی روح یہ ہے کہ عبادت میں میانہ روی اختیار کی جائے۔ فرائض ادا کرنے کے بعد اور اپنی دیگر ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد جو وقت بچتا ہے، اس میں سے آسانی کے ساتھ عبادت کر لینی چاہیے۔ اسلام میں حلال روزی کمانے کو عبادت کہا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: عبداللہ! مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور ساری رات قیام کرتے ہو، میں نے عرض کی: ہاں، یارسول اللہ!

---

[1]۔ امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ نے اس پہلو پر پوری کتاب لکھی ہے جس کا نام تلبیس ابلیس ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو، کبھی روزے رکھ لیا کرو اور کبھی چھوڑ دیا کرو، رات کو نوافل پڑھا کرو اور کچھ دیر سو بھی جایا کرو کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے۔ (سنن نسائی، ج:2، رقم الحدیث:302)

اسلام نے اس بات کو بھی پسندیدہ قرار نہیں دیا کہ اچانک جوش آئے اور کثرتِ عبادت میں مشغول ہو جائیں اور پھر کچھ دنوں کے بعد فرائض وواجبات اور سنتوں کے تارک بن جائیں، اسلام عبادت میں کثرت کے مقابلے میں ہمیشگی کو ترجیح دیتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ قَالَ: "أَدْوَمُهَا، وَإِنْ قَلَّ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1412)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو ہمیشہ کیا جائے، خواہ وہ تھوڑا ہی ہو)

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: خَيْرُ أُمُورِكُمْ أَوْسَاطُهَا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:5387)

(حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تمہارے کاموں میں سے بہترین کام درمیانے کام ہیں)

2۔ شب بیداری میں تلبیس

بعض صوفیا پر یہ تلبیس بھی ہوتی ہے کہ وہ رات کی نماز میں بہت سی چیزوں کا اضافہ کر لیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو ساری رات نوافل ہی میں گزار دیتے ہیں اور پھر اس قیام اللیل کی ادائیگی میں مبالغے کے باعث پانچ وقت نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔ شب بیداری کا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے لیے کسب معاش کی بھی ہمت کھو دیتے ہیں۔ حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَصَلِّ وَنَمْ. (سنن ابوداؤد، ج:1، رقم الحدیث:1365)

(خود تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے پس کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو، اسی طرح نماز بھی پڑھو اور سویا بھی کرو)

زیادہ شب بیداری کے دیگر نقصانات بھی کم نہیں ہیں۔ جب انسان زبردستی نیند کو ہٹانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے بدن اور عقل پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بعض لوگ سلف صالحین کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہ بھی شب زندہ دار تھے۔ ان کے لیے جواب یہ ہے کہ ان بزرگوں کے خاص حالات ہوں گے۔ یہ عمل ان کے لیے ممکن ہوسکتا تھا۔ ہمیں اس کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی ایسی بات نہیں ملتی۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے صحیح فرمایا ہے:

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است

(خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاو کہ وہی دین کی اساس ہیں)
(اگر وہاں تک نا پہنچ پائے تو پھر سب کچھ ابولہبی ہے)

3۔ ہمیشہ روزہ سے رہنا

بعض عبادت گزار ہمیشہ روزہ رکھنے کو اچھا عمل خیال کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ جائز ہے مگر ہمیشہ روزہ رکھنے کی عادت شریعت کی روح کے مطابق نہیں ہے۔ بعض اوقات زیادہ روزے رکھنے سے اعضائے بدن کو کمزوری لاحق ہوجاتی ہے جس کے نتیجے میں آدمی اپنے اہل وعیال کے لیے کسب معاش سے بھی عاجز آجاتا ہے۔ اس طرح ایک نفل عبادت کے باعث وہ کتنے ہی فرائض کو ضائع کرنے والا بن جاتا ہے۔ صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا". (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 1974)

(تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے)

4۔ سنتوں کو ترک کرنا

صوفیا پر وارد ہونے والی تلبیس میں سے ایک چیز یہ ذکر کی گئی ہے کہ ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو سنت کا اہتمام نہیں کرتے اور اس کے لیے تاویلات پیش کرتے ہیں، جب کہ دین میں ان کا جواز نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر قدیم صوفیا میں سے بعض نمازوں کے دوران پہلی صف سے پیچھے رہتے کیونکہ ان کے مطابق اہم شے دلوں کی قربت ہے اور آگے آنے سے ریا کا خطرہ ہے۔ اکابر اسلاف نے اس طرح کی چیزوں کی حوصلہ شکنی کی ہے کیونکہ یہ سنت کے برخلاف ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگلی صفوں میں جانا پسند کرتے تھے۔

5۔ حج میں تلبیس

حج میں مختلف طریقوں سے لوگوں پر تلبیس ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر آج کل بہت سے لوگ ہر سال حج کا دکھاوا کرتے ہیں، ریا کاری کرتے ہوئے حج کے بعد جشن منایا جاتا ہے۔ اہل علم یہ بھی کہتے ہیں جب ایک دفعہ آدمی حج کر کے فرض سے سبک دوش ہو جائے تو ہر سال حج کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگر اولاد میں یا والدین و رشتہ داروں میں یا دوسروں میں سے کوئی ضرورت مند ہے تو اس کی مدد کرنی زیادہ بہتر ہے۔ بعض اوقات آدمی ایسے حالات میں رختِ سفر باندھ لیتا ہے جب اس کے ذمہ قرضہ ہوتا ہے، جب کہ حج صرف استطاعت رکھنے والے پر فرض ہے یا خاندان کے جائز مطالبے اور شکوے ہوتے ہیں جن کا پورا کرنا زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو لوگ فقط تفریح طبع کے لیے حج کرنے چلے جاتے ہیں۔ بعض اوقات مشکوک مال سے حج کر لیا جاتا ہے حالانکہ مشکوک مال سے کی جانے والی عبادت قبول نہیں۔ یہ تمام صورتیں جائز نہیں ہیں۔

6۔ علم سے دوری

بعض لوگ اپنے زہد میں مشغول ہو کر علم سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس دوری کی وجہ سے وہ کئی طرح کی آفات میں بھی پڑ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب ایک عام آدمی جو شریعت کا علم نہیں رکھتا وہ دنیا کی مذمت سنتا ہے تو وہ اس کا درست مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے وہ معاشرے سے کٹ جاتا ہے۔ بہت سے

لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جو سماج سے کنارہ کش ہوگئے، جنگلوں میں چلے گئے تو جمعہ، عیدین اور باجماعت نماز جیسے کئی اعمال سے محروم ہوگئے۔

7۔ خلوت نشینی

بعض صوفی کسی مسجد، خانقاہ یا پہاڑ میں الگ تھلگ بیٹھ جاتے ہیں تو وہ اپنی انفرادیت کے احساس میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ بعض اوقات وہ یہ کہتے ہیں کہ میں خلاف شرع امور دیکھنے سے بچنے کے لیے یہاں بیٹھا ہوں۔ بعض اوقات ان کے ذہن میں منفی مقاصد ہوسکتے ہیں۔ مثلاً تکبر کرنا یا لوگوں کو حقارت سے دیکھنا۔ خلوت نشینی سے وہ سیادت کا احساس بھی پاتے ہیں کہ وہ باقیوں سے منفرد اور اعلیٰ ہیں۔ کچھ لوگ اس لیے بھی لوگوں کے درمیان نہیں نکلتے کہ اگر وہ بازار میں خورد ونوش اور سودا سلف لانے کے لیے نکلیں گے تو اس سے ان کی وجاہت میں کمی آئے گی۔ اگر اس طرح کے مقاصد کے تحت کوئی زاہد خلوت نشینی اختیار کرتا ہے تو یہ نقصان دہ ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے صحیح ارشاد فرمایا ہے:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

8۔ سخت عادات کا التزام

بعض زاہد خود پر جبر کرتے ہوئے کئی غیر لازم چیزوں کی پابندی کرنے لگتے ہیں، جیسا کہ لوگوں کے درمیان مسکرانے سے گریز کرنا، ان کے سامنے خوشی کا اظہار نہ کرنا کیونکہ وہ اسے خشیت کے خلاف سمجھتے ہیں یا پھر لوگوں پر رعب قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ان زاہدوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو خود پر خاموشی کو لازم کر لیتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنے گھر والوں سے بھی میل جول نہیں رکھتے اور ان سے گھل مل کر بات چیت نہیں کرتے۔ کچھ لوگ سخت گرمی میں بھی موٹے کپڑے پہننے پر اصرار کرتے ہیں تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ ان کا دنیا سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، جب کہ اپنی ظاہری حالت کو اچھا رکھنا شریعت میں مطلوب ہے۔ کچھ لوگ شادی سے گریز کر لیتے ہیں اور مجرد زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ نکاح کرنا سنت ہے۔ غرض ہمہ قسم کے عام رہن سہن سے خود کو دور کر لینا بھی تلبیس کی شکل ہے۔ دین اسلام

اعتدال کا نام ہے اور یہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ ہے۔

9۔ توکل میں تلبیس

بعض لوگوں میں توکل کے مفہوم کی غلط فہمی پیدا ہوجاتی ہے اور وہ اسباب کو اختیار کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ صدر اسلام میں بھی کچھ لوگ زادراہ لیے بغیر حج کے لیے نکل کھڑے ہوتے تھے اور کہا کرتے تھے: **نحن المتو کلون** (ہم متوکل ہیں)۔ قرآن مجید نے اس طرزِ عمل کو غلط قرار دیتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ **وَتَزَوَّدُوْا**، زادراہ لے لیا کرو۔ (سورۃ البقرۃ، آیت: 197)

اسباب سے کام نہ لینا اور اسے توکل قرار دینا غلط فہمی ہے جیسا کہ متوکلین اس حدیث کو دلیل بناتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث: 230)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے گا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے۔ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں)

توکل کا یہ تصور دوسری اور تیسری صدی کی جماعت متوکلین میں پایا جاتا تھا۔ یہاں توکل سے مراد یہ ہے کہ انسان محنت کرے اور پھر اللہ پاک رزق کا بندوبست کرے گا۔ اسلام ایسے توکل کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے قرآن کریم میں حکم دیا:

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔

(سورۃ الملک، آیت: 15)

(وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کر دیا سو تم اس کے راستوں پر چلو پھرو اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور پھر اسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہوکر جانا ہے)

دوسری جگہ پر ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ۔(سورۃ الانفال، آیت:60)

(اور دشمنوں کے لیے حسبِ استطاعت تیاری کرو)

حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی پاک ﷺ سے عرض کیا: کیا میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا بغیر باندھے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: باندھو اور اللہ پاک پر بھروسا رکھ۔

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:417)

مولانا ظفر علی خانؒ نے صحیح فرمایا ہے:

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

10۔ امر و نہی میں تلبیس

یہ دونوں فرائض اسلام نے مسلمانوں پر عائد کیے ہیں۔ اسی ضمن میں تلبیس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بعض عابد و زاہد امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ اس لیے انجام نہیں دیتے ہیں کیونکہ وہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ کام تو وہ کرے جو خود نیک اور صالح ہو۔ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بجالانا ایک فریضہ ہے جو ہر نیک اور بد پر فرض ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ اگر وہ شخص خود دکو اس برائی سے بچاتے ہوئے روکے گا تو اس کا روکنا فائدہ مند ثابت ہوگا اور اس طرح وہ خود بھی غلط کاموں سے بچ سکتا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے معاملے میں تلبیس کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ جب کوئی انسان یہ عمل انجام دیتا ہے تو اس کے بعد بعض اوقات اپنے حلقے میں اس عمل کو فخر یہ بیان کرتا ہے اور اپنی تعریفیں سنتا ہے۔ یہ ریاکاری کے زمرے میں آجاتا ہے اسی طرح جب کوئی بندہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نتیجے میں توبہ کر لے یا اپنی خطا پر نادم ہو تو اس کے بعد اس کی برائی کا ذکر کرنا کسی طور ٹھیک نہیں۔

بعض لوگ امر ونہی کے کام میں غصہ کرتے ہیں، جب کہ دعوت میں نرمی لازم ہے۔ وہ اس طرح کہ ان میں بعض اوقات اپنی ذات کے لیے غصہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے غصے اور اپنے نفس کی تسکین کے لیے غصے میں فرق نہیں کر پاتے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو فرمایا تھا کہ اگر میں غصہ میں نہ ہوتا تو تجھے یقیناً سزا دیتا۔ اس سے آپؒ کی مراد یہ تھی کہ تو نے مجھے غصہ دلا دیا ہے، اس لیے اب مجھے یہ اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ یہ سزا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے غصہ اور اپنی ذات کے لیے غصہ دونوں میں مشترکہ نہ بن جائے۔

بعض دین دار لوگ ہر وقت غصہ میں رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دینی غیرت ہے۔ دعوت دین نرمی اور خیر خواہی سے دینی چاہیے۔ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انسانیت کے بدترین دشمن شخص (فرعون) کے پاس بھیجا تو فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۔(سورۃ طٰہٰ، آیت:44)

(اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید کے وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے)

11۔ ترک دنیا

بعض زاہد لوگ زہد کا یہ مفہوم لے لیتے ہیں کہ انہیں اگر اللہ تعالیٰ کی ذات سے خلوص کے ساتھ تعلق استوار کرنا ہے تو اس کا ایک تقاضا ہے کہ دنیا کے معاملات سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ زہد و تقوی اس کا نام ہے کہ آبادیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں یا بیابانوں میں نکل جانا چاہیے اور وہیں کہیں تنہائی میں بیٹھ کر عبادت میں مصروف رہنا چاہیے۔ اسلام ترک دنیا کے ایسے تصور کی نفی کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لا خزام ولا زمام ولا سياحة، ولا تبتل ولا ترهب في الإسلام".

(کنز العمال، ج:1، رقم الحدیث:1108)

(اسلام میں جبر نہیں اور نہ آبادیوں سے دور جانے کا حکم اور نہ دنیا سے کنارہ کشی اور رہبانیت کا حکم ہے)

اسلام ترک دنیا کی بجائے دنیا میں رہ کر اس کی مشکلات سے مقابلہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام

کے بہت سارے احکام پر عمل اس وقت ممکن ہے جب انسان معاشرہ میں رہ کر زندگی بسر کرے۔ ہماری رہبانیت تو جہاد میں ہے۔ ہمارے اکابر صوفیؒ دنیا کے سارے کام کرتے تھے۔ حضرت بہاؤالدین نقش بندؒ کا کیا خوبصورت قول ہے: دست بہ کار و دل بہ یار (ہاتھ کام میں مصروف ہو لیکن دل اللہ پاک کی یاد میں مشغول ہو)

12۔ علوم میں تلبیس

اوائل صوفیا علوم شریعت پر خوب اعتماد کرتے تھے اور اپنے تمام اعمال میں اس کی رعایت رکھنے کی طرف خاص دھیان دیتے تھے، لیکن بعد میں بعض صوفیا علوم شریعت سے بھی دور ہونے لگے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: جس شخص کو قرآن کریم یاد نہ ہو اور حدیث کو نہ لکھتا ہو، تصوف میں اس کی اتباع نہیں کی جائے گی کیونکہ ہمارا یہ علم قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کے ساتھ مقید ہے۔

شیخ ذوالنون مصریؒ کا قول ہے: لوگوں میں فساد سات چیزوں کی وجہ سے داخل ہوا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ترک کر دیا۔ ابوالحسن وراق نیشاپوریؒ فرماتے ہیں: آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات تک اللہ تعالی کے بغیر شریعت میں اس کے رسول کی اتباع کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ شیخ العارفین سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصول سات چیزوں میں منحصر ہیں، ان میں سنت رسول ﷺ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

13۔ عمدہ کھانوں سے گریز

صوفیا میں سے ایک طبقہ ایسا گزرا ہے جو گوشت کھانے کو گناہ سمجھتے ہوئے اس سے پرہیز کرتا تھا۔ بعض کا خیال تھا کہ ایک نوالہ گوشت کھانے سے چالیس دن تک دل سخت رہتا ہے۔ قرآن کریم میں گوشت کو حلال اور طیب کھانا قرار دیا گیا ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جو صاف پانی پینے سے گریز کرتے تھے تو کوئی ٹھنڈا پانی نہیں پیتا تھا بلکہ گرم پانی پیتا تھا۔ یہ مجاہدہ کی شکل نہیں ہے۔ مجاہدہ صرف اور صرف وہ ہے جو حضور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور جو آپ ﷺ کا عمل ہے۔ یہ سب غلط اثرات اور دیگر مذاہب کی تعلیمات سے ہمارے اندر آئے ہیں۔ اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

14۔ فاقہ کشی

صوفیا کے ہاں نفس کو ایک سرکش گھوڑے سے تشبیہ دی گئی ہے جسے قابو کرنے اور سدھانے کے چند گر ہیں اور قلت طعام ان میں شامل ہے۔صوفیا میں سے بعض ایسے بھی گزرے ہیں جو اپنے مریدین کو بہت کم غذا کھانے کی تاکید کرتے تھے۔شریعت میں بلا وجہ انسان کو بھوکا رہنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔احادیث مبارکہ میں حکم ہے کہ کھانا کچھ حد تک کم کھانا چاہیے کہ یہی صحبت کے لیے بہتر ہے لیکن ہر وقت خود کو بھوکا رکھنے سے انسان میں طاقت نہیں رہتی۔وہ فرائض کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکے گا اور کسبِ معاش میں مسائل ہوں گے۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ". (سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:79)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک طاقت ور مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ پسندیدہ اور بہتر ہے)

15۔ مسائل طہارت

طہارت کے حصول میں بعض صوفیا پر شدید تلبیس ہوتی ہے۔ان پر اشتباہ غالب رہتا ہے کہ اعضا دھونے کے بعد بھی طہارت حاصل نہیں ہوئی۔یہ ایک قسم کا وسوسہ ہے، وہ پانی کا زیادہ استعمال کرتے رہتے ہیں کہ مبادا ایسا نہ ہو کہ انہیں صحیح طہارت حاصل نہ ہو۔کچھ لوگ ایک ہی عضو کو بار بار دھوتے رہتے ہیں۔یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے۔اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔صوفیائے کرامؒ خاص طور پر وسواس وغیرہ کے خلاف تربیت کرتے ہیں۔

16۔ عمدہ لباس

صاف ستھرا خوب صورت اور مناسب لباس پہننا لازم ہے۔اسلام میں لباس سے مقصود ستر چھپانا، وقار کو ملحوظ رکھنا اور خوبصورتی ہے۔اگر انسان لباس میں خود کو تکلیف میں مبتلا رکھے گا تو وہ سکون کے

ساتھ اور دل جمعی کے ساتھ عبادات میں بھی مشغول نہیں ہو سکے گا۔

اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ بلا شبہ شریعت میں ہر وقت آرائش و زیبائش میں مصروف رہنا ہرگز لائق تحسین نہیں ہے۔ مکان، لباس اور دیگر اسباب زندگی کو اگر ہر وقت ہی عمدہ سے عمدہ بنانے کی لگن دل میں رہے تو یہ دل کی غفلت کی علامت ضرور ہے اور تکبر، تفاخر، خود پسندی اور حب جاہ پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

اسلام میں لازم ہے کہ انسان اپنی سماجی حیثیت اور مالی حالت کے مطابق لباس پہنے تاکہ اس کی حیثیت نظر آئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور عظیم صوفیاؒ بہت خوبصورت کپڑے بھی استعمال کرتے تھے۔

17۔ مجاہدہ میں زیادتی

مجاہدہ اہل سلوک کے ہاں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں کبھی تو ترک لذات سے اجتناب کیا جاتا ہے جسے ترک حیوانات سے تعبیر کرتے ہیں کہ کسی قسم کا گوشت نہیں کھانا اور بعض دفعہ زیب و زینت (نیا لباس چھوڑنا) پڑتا ہے، جسے ترک جمال کہا جاتا ہے۔ اس طرزِ اجتناب میں تشدد اور سختی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے انسانی طبیعت میں بدمزاجی پیدا ہو جاتی ہے، انس و نرمی ختم ہو جاتی ہے، جب کہ مومن کا نرم خو ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا ایسا غیر ضروری پرہیز کرنا غلو فی المجاہدہ کہلائے گا جس کی وجہ سے اخلاق متاثر ہوں یا مزاج میں کوئی فتور اور خرابی پیدا ہو۔ اس لیے اعتدال مطلوب و مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا. (سورۃ النسا، آیت:28)

(اللہ پاک چاہتا ہے کہ تم پر آسانی کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے)

جو مجاہدہ حد سے بڑھا ہوا ہو گا وہ ہلاکت بن سکتا ہے اور جب اس کا سبب لوگوں میں اپنا نام پیدا کرنا ہو تاکہ لوگ سمجھیں اس کی روحانیت بڑی تیز ہے تو یہ خود پسندی ہے جو بجائے خود مذموم ہے۔ ہمارے لیے اعتدال کا حکم ہے اور یہی ہماری تہذیب کا حسن ہے۔

18۔ طلب دنیا

دین کو استعمال کر کے جاہ و حشم طلب کرنا یا اس کی خواہش رکھنا اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا ہے۔ اس سے انسان ذات باری تعالیٰ سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ اہل حق کبھی بھی دین کو ذریعہ روزگار نہیں بناتے بلکہ ہر لمحہ رضائے الٰہی کا حصول ہی ان کے پیش نظر رہتا ہے۔ صوفیا میں بعض ایسے افراد پیدا ہو جاتے ہیں جو دین کے نام پر مال و متاع کماتے ہیں۔ انہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَٰلَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَٰرَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ۔

(سورۃ البقرۃ، آیت:16)

(یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، لہٰذا نہ ان کی تجارت میں نفع ہوا اور نہ انھیں صحیح راستہ نصیب ہوا)

یہ حرص اس کے لیے باعث ذلت و ہلاکت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1383)

(ہلاک ہو گئے دینار کے بندے اور درہم کے بندے)

19۔ کرامت

اللہ پاک کے ولیوں کی کرامتیں ان کے اتباعِ سنت کی وجہ سے ہیں۔ کرامت کمالِ ولایت کی دلیل نہیں ہے بلکہ کرامت کا ہونا حسبِ ضرورت ہوتا ہے۔ کمزور ایمان والا مسلمان اس کرامت کا محتاج ہوتا ہے، جب کہ کامل اوْلیاء اللہ بے نیاز ہوتے ہیں۔

بعض صوفیا اپنی کرامات کا بیان کرتے ہیں جو نامناسب بات ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ کرامت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے فخریہ بیان کیا جائے بلکہ بہت سے نیک لوگ تو ایسے ہیں جو اسے ناپسند کرتے ہیں اور جب کبھی ان سے کرامت کا ظہور ہوتا ہے تو اس کے زوال کی دعا کرتے ہیں۔

یہ طے شدہ امر ہے کہ کرامت کا ظہور اللہ پاک کی حکمت و رحمت پر منحصر ہے، اس میں کسی ولی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس لیے کرامات اور خوارق کے ظہور پر زور دینا یا اسی چیز کو حق کا پیمانہ سمجھنا ایک غلطی ہے۔ بہت عظیم انبیائے کرام علیہم السلام ایسے گزرے ہیں جن سے کوئی معجزہ سرزد نہیں ہوا اور بہت سے عظیم صوفیاؒ گزرے ہیں جن سے کوئی کرامت ظاہر نہیں ہوئی بلکہ صوفیا کے ہاں کرامت آزمائش ہے۔

20۔ خوف ورجا میں بے اعتدالی

صوفیائے کرامؒ میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خود پر صرف خوف کی حالت طاری کر لیتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو محض رجا کی کیفیت طاری کر لیتے ہیں، جب کہ دین میں یہ بتایا گیا ہے کہ صحیح راستہ خوف ورجا کے درمیان ہے۔ بالخصوص قرآن کریم کا اسلوب اس چیز کو بہت تقویت دیتا ہے۔ خوفِ الٰہی ایک مثبت رویہ ہے جس کا مطلب اللہ تعالیٰ کی قوت، قدرت اور گرفت کرنے کی صلاحیت کا اعتراف ہے۔ قرآن کریم نے اس کی اہمیت وفضیلت کا ذکر کیا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ (سورۃ الرحمٰن، آیت:46)

(اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں)

لیکن خوف کی منفی تاثیر انسان کی قوتوں کو مضمحل کر دیتی ہے اور کمزور صفات کا حامل بنا دیتی ہے۔ اس احساس نے انسانیت کو رہبانیت کی طرف دھکیلا ہے۔ خوف کی ایسی کیفیت جس سے انسان کی ساری مثبت صلاحیتیں بے کار ہو جائیں اسلام کی نظر میں ناپسندیدہ ہے اور بالخصوص اگر غیر اللہ کا خوف ہو تو وہ شرک کے مترادف ہے۔

جس طرح خوف محض اور اس کے منفی اثرات کی نفی کی گئی ہے اسی طرح سے قرآن پاک نے یاس وناامیدی کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ۔ (سورۃ الحجر، آیت:56)

(اپنے رب کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں)

اسلام انسان کے اندر امید کی ایسی کرن پیدا کرتا ہے جس سے وہ کبھی مایوسی کی تاریکیوں میں گم نہیں

ہوتا۔قرآن مجید نے اس رویہ کو رجا کا نام دیا ہے اور مومنین کی خصوصی صفات میں شمار کیا ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انسان کو ہمیشہ پُر امید رہنے کی تلقین کی اور اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد کے شعور کو پختہ کیا۔

تلبیس کے موضوع پر کی جانے والی مباحث کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ دراصل افراط وتفریط سے جنم لینے والے خیالات ومعاملات ہیں جو وقت کے ساتھ تعلیمات واعمال میں کجی کا باعث بن جاتے ہیں۔دینِ اسلام نے میانہ روی کی تعلیم دی ہے اور اس کے بہت فائدے بیان فرمائے ہیں اور کسی بھی معاملے میں افراط وتفریط کا شکار ہونے کو قابل مذمت قرار دیا ہے۔اس لیے دینی تعلیمات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ اعمال وافکار میں اعتدال وتوازن کو باقی رکھا جائے تا کہ ابلیس کے وساوس اور ہتھکنڈوں سے محفوظ رہا جا سکے۔

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

بطواف کعبه رفتم بحرم گزر ندادند
که برون در چه کردی که درون خانه آئی
به زمیں چو سجده کردم ز زمیں ندا بر آمد
که مرا خراب کردی تو به سجدۀ ریائی

(جب میں طواف کعبہ کرنے گیا تو مجھے حرم میں داخل نہیں ہونے دیا گیا)
(کہ گھر کے باہر تو نے کیا کیا ہے کہ گھر کے اندر آ رہا ہے؟)
(زمین پہ جب میں نے سجدہ کیا تو زمین سے آواز آئی)
(کہ تو نے مجھ کو اپنے سجدۂ ریائی سے خراب کر دیا)

35۔ صوفیانہ شاعری (عربی)

ہر زمانے میں صوفیائے کرامؒ کا تعلق باللہ اور کائنات کو دیکھنے کے حوالے سے ایک خاص نقطہ نظر رہا ہے جس کا اظہار انہوں نے شاعری کی صورت میں بھی کیا ہے۔ نثر کے برعکس صوفیا کی شاعری عوام میں زیادہ مقبول رہی ہے۔ عربی زبان میں اس نوع کی شاعری کی ابتدا دوسری صدی ہجری کے آخر ہی میں ہو گئی تھی۔ عام طور پر اس میں محبتِ الٰہی، دنیا کی مذمت، نصائح اور مواعظ کا عنصر غالب رہا ہے، لیکن بعد کے شعراء نے اپنے تجربات، شطحات اور فلسفیانہ صوفی نظریات کا اظہار بھی شاعری کے ذریعے کیا اور حسین بن منصور حلاجؒ سے اس کی ابتدا ہوئی۔

صوفیا کے لیے شاعری عام لوگوں تک اپنے خیالات پہنچانے، انہیں اپنے قریب کرنے اور ان کی اصلاح کا ایک بڑا ذریعہ رہی ہے۔ اسی لیے تمام اسلاف صوفیا کے ادب میں شاعری کا حصہ ضرور ملتا ہے۔ عربی زبان میں خلافت عباسیہ کا زمانہ صوفیانہ شاعری کے عروج کا زمانہ ہے۔ ذیل میں ہم کچھ شعراء اور ان کے کلام کا تذکرہ کرتے ہیں۔

1۔ رابعہ عدویہؒ

حضرت رابعہ عدویہؒ (متوفی 180 ہجری/ 801ء) بصرہ کی زاہدہ خاتون صوفی تھیں۔

أحبك حبين حب الهوى
وحباً لأنك أهل لذاك
فأما الذى هو حب الهوى
فشغلى بذكرك عمن سواك
أما الذى أنت أهل له
فكشفك لى الحجب حتى أراك

فلا الحمد فی ذا ولا ذاك لی
ولكن لك الحمد فی ذا وذاك

(میں تجھ سے دو طرح کی محبت کرتی ہوں: ایک عشق والی محبت)
(اور دوسری محبت اس لیے کہ تو اس کا اہل ہے)
(جو عشق والی محبت ہے وہ مجھے تیرے سوا سب سے دور رکھتی ہے)
(جب کہ وہ محبت جس کا تو اہل ہے)
(یہ پردے ہٹا دیتی ہے تا کہ میں تیرا دیدار کرسکوں)
(میری ان محبتوں میں میری کوئی تعریف نہیں ہے)
(تعریف کا حق دار تو صرف تو ہی ہے)

الهم يعبدون من خوف نار
ويرون النجاة حظاً جزيلاً
أو بأن يسكنوا الجنان فيضحوا
فی رياض ويشربوا السلسبيلاً
ليس لی فی الجنان والنار رأی
أنا لا أبتغی بحبی بديلاً

(سب آگ کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں)
(اور نجات ہی کو خوش قسمتی سمجھتے ہیں)
(یا اس وجہ سے کہ جنت کے باغ ملیں)
(وہ ان میں مکین ہوں اور سلسبیل شراب پییں)
(مجھے جنت اور جہنم دونوں میں کوئی دلچسپی نہیں)
(مجھے محبت کا کوئی بدلہ نہیں چاہیے)

راحتی يا أخوتی فی خلوتی
وحبيبی دائماً فی حضرتی
لم أجد لی عن هواه عوضاً
وهواه فی البرايا محنتی

حيثما كنت أشاهد حسنه
فهو محرابي إليه قبلتي
يا طبيب القلب يا كل المنى
جد بوصل منك يشفي مهجتي

(اے میرے ہم نشینو، میری راحت تنہائی میں ہے)
(کہ وہاں میرا محبوب ہمیشہ میرے سامنے ہوتا ہے)
(مجھے اس کے عشق کا کوئی متبادل نہیں ملا)
(اور اس کی محبت میرے لیے دنیا میں آزمائش ہے)
(جہاں میں اس کے حسن کا مشاہدہ کرتی ہوں)
(وہ میرا محراب ہے اور اسی کی طرف میرا دھیان ہے)
(اے دل کے طبیب اور اے ہر آرزو)
(تیرے وصل سے میری روح شفا پاتی ہے)

قد تخللت مسلك الروح مني
ولذا سمي الخليل خليلا
فإذا ما انطقت كنت حديثي
وإذا ما سكت كنت الغليلا

(تم میری رُوح کے اندر اُتر گئے ہو)
(اسی لیے الخلیل (اللہ کا دوست) کو خلیل کو نام دیا گیا)
(میں نے جب بھی بات کی، تمہاری ہی بات کی)
(اور جب بھی خاموشی اختیار کی، تم ہی میری پیاس تھے)

2۔ ذوالنون مصریؒ

حضرت ذوالنون مصریؒ (متوفی 246ہجری/859ء) طبقہ صوفیا میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

أموتُ وما ماتت إليك صَبابَتي
ولا قضيتُ من صدق حبك أوطاري
(میں مر رہا ہوں، لیکن تیری طرف میری تڑپ نہیں مری)
(اور میں نے تیری سچی محبت کی اپنی خواہشیں پوری نہیں کیں)

مناىَ المنى، كُلُّكَ أنتَ لى منّى
وَأَنتَ الغِنَى، كُلُّ الغِنَى عندَ إِفْقَارى
(تو ہی میری سب تمناؤں کی معراج ہے، میری ذات میں جو کچھ ہے،
وہ سب تیرے ہی لیے ہے)
(تو ہی میری فقیری میں اصل دولت ہے، میری محتاجی میں تُو ہی میری بے نیازی ہے)

وَأنت مَدَى سُؤْلِى، وغَايَةُ رَغْبَتى
وموضِعُ آمَالى، ومَكنُونُ أضْمارى
(اور تو ہی میری دعا کی انتہا ہے،تو ہی میری تمام خواہشوں کی معراج ہے)
(تو ہی میری امیدوں کا واحد مرکز ہے اور تو ہی میرے دل کے چھپے رازوں کا جاننے والا ہے)

3۔ ابوالحسن النوریؒ

حضرت ابوالحسن نوریؒ (متوفی 294ہجری/907ء) بغداد میں 'سلسلہ نوریہ' کے بانی ہیں۔

إذا كان كلى واقفاً بوفائه
فلست أبالى ما حييت يد الدهر
(جب میرا سارا وجود ہی اس کی وفا کے سہارے کھڑا ہے)
(تو پھر مجھے پروا نہیں کہ زمانے کے نشیب وفراز نے میرے ساتھ کیا کیا)

أريد دوام الذكر من فرط حبه
فيا عجباً من غيبة الذكر فى الوجد
(میں تو ہمیشہ محبت کی شدت کی وجہ سے اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں)
(تعجب کی بات یہ ہے کہ جب میں وجد میں آتا ہوں، اس وقت وہ یاد نہیں رہتا)

أمولای انی عبد ضعیف
أتیتك أرغب بما لدیك
أتیتك أشكو مصاب الذنوب
وهل یشتكی الضر إلا إلیك

(اے میرے پروردگار، میں کمزور بندہ ہوں)
(اس کی امید لے کر آیا ہوں جو تیرے پاس ہے)
(تیرے پاس گناہوں کی تکلیف کی شکایت لے کر آیا ہوں)
(تکلیف کی شکایت تیرے سوا کسی اور کے سامنے نہیں کی جا سکتی)

أتیتك راجیا یا ذا الجلال
ففرّج ما تری من سوء حالی
عصیتك سیّدی ویلی بجهلی
وعیب الذنب لم یخطر ببالی
الی من یشتكی المملوك إلا
إلی مولاه یا مولی الموالی
وان تعفو فعفوك أرتجیه
ویحسن ان عفوت قبیح حالی

(اے ذوالجلال! میں تیرے پاس امید لے کر آیا ہوں)
(مجھے اس بدحالی سے نجات عطا فرما)
(اے میرے آقا! میں نے تیری نافرمانی کی، برا ہو میری جہالت کا)
(کہ گناہ کا عیب میرے تصور ہی میں نہ آیا)
(ایک غلام کس کے پاس شکایت لا سکتا ہے)
(سوائے اپنے آقا کے، اے آقاؤں کے آقا)
(اگر تو مجھے معاف کر دے تو تیری معافی کا خواست گار ہوں)
(اور اگر تو درگزر کرے تو میرا برا حال ٹھیک ہو جائے)

4۔ سمنون المحبؒ

حضرت سمنون بن حمزہؒ (متوفی 298ہجری/911ء) حضرت سری سقطیؒ کے مرید تھے۔

أنت الحبيب الذى لاشك فى خلد
منه فإن فقدتك النفس لم تعش
يا معطشى بوصال أنت واهبه
هل فيك لى راحة إن صحت واعطشى

(اے میرے محبوب، تو ہی ہے جس کے بارے میں میرے دل میں کوئی کھٹک نہیں)
(اگر میرے دل نے تجھے کھو دیا تو وہ زندہ نہیں رہے گا)
(اے مجھے وصال کے لیے ترسانے والے، تو ہی وصال سے ہم کنار کرنے والا ہے)
(اگر میں پکارتا ہوں کہ میں پیاسا ہوں، تو کیا تم مجھے شربتِ وصال مہیا کرو گے)

وإن أضمرت يوما سواك فلا رعت
رياض المنى من وجنتيك وجنة

(اگر میری آنکھ تیرے سوا کبھی کسی دوسرے کو دیکھے)
(تو وہ کبھی تیرا دیدار نہ کرے اور نہ جنت کا نظارہ کرے)

وكان فؤادى خالياً قبل حبكم
وكان بذكر الخلق يلهو ويمزحُ
فلما دعا قلبى هواك أجابه
فلستُ أراه عن فنائك يبرحُ
رُميت ببين منك إن كنت كاذباً
إذا كنت فى الدنيا بغيرك أفرح
وإن كان شىءٌ فى البلاد بأسرها
إذا غبت عن عينى بعينى يلمحُ
فإن شئت واصلنى وإن شئت لا تصل
فلستُ أرى قلبى لغيرك يصلحُ

(میرا دل تیری محبت سے پہلے خالی تھا)
(اور مخلوق کے ذکر میں کھیل کود میں مست تھا)
(جب میرے دل کو تیری محبت نے آواز دی تو اس نے فوراً لبیک کہا)
(میں اسے اب تیرے بغیر زندہ نہیں دیکھتا)
(اگرمیں جھوٹ بولوں تو تجھ سے دُور کردیا جاؤں)
(جب میں دنیا میں تیرے غیر کے ساتھ خوشی محسوس کرنے لگوں)
(چاہے ساری دنیا میری آنکھوں کے سامنے ہی کیوں نہ ہو)
(اگر تو میری آنکھ سے اوجھل ہو، تو وہ بے چین ہوتی ہے)
(اگر چاہو تو مجھ سے تعلق رکھو، چاہو تو نہ رکھو)
(میں اپنے دل کو تیرے بغیر ٹھیک ہوتا نہیں دیکھتا)

أحن بأطراف النهار صبابة
وفى الليل يدعونى الهوى فأجيب
وأيامنا تفنى وشوقى زائد
كأن زمان الشوق ليس يغيب

(میں شوقِ محبت سے دن کے اجالوں میں غمگین رہتا ہوں)
(اور رات کو جب محبت پکارتی ہے تو میں لبیک کہتا ہوں)
(جوں جوں دن گزرتے ہیں، میرا شوق بڑھتا جاتا ہے)
(جیسے کہ شوق کا زمانہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا)

5۔ حسین بن منصور حلاجؒ

حضرت منصور حلاج بغدادیؒ (متوفی 309ہجری/922ء) صوفی روایت میں نمایاں نام ہے۔

والله ما طلعت شمسٌ و لا غربت
إلا و حبّك مقرون بأنفاسى
ولا خلوتُ إلى قوم أحدّثهم
إلا و أنت حديثى بين جلاسى

ولا هممت بشرب الماء من عطش
إلا رَأَيتُ خيالاً منك فى الكاس
ولو قدرتُ على الإتيان جئتُكم
سعياً على الوجه أو مشياً على الرأس

(اللہ تعالیٰ کی قسم! جب بھی سورج طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے)
(تو تیری محبت میرے سانسوں سے جڑی ہوتی ہے)
(میں جب بھی کسی قوم کے ساتھ باتیں کرنے بیٹھتا ہوں)
(میری بات کا موضوع تیری ذات ہی ہوتی ہے)
(میں نے جب بھی حالتِ پیاس میں پانی پینے کا ارادہ کیا)
(تو پانی کے برتن میں تیرا ہی عکس دیکھا)
(اگر میں تیرے پاس پہنچنے کی قدرت رکھتا)
(تو ضرور منہ یا سر کے بل چل کے آتا)

لبيك لبيك يا سِرّى ونجوائى
لبيك لبيك يا قصدى ومَعنائى
يا من به عَلِقتُ روحى فلقد تَلِفتُ
وجدًا فصِرتُ رهينًا تحت أهوائى
فكيف أصنع فى حبٍّ كَلِفتُ به
مولاىَ قد ملَّ من سُقمى أطبائى

(لبیک! لبیک! اے میرے باطن اور اے میرے ظاہر)
(لبیک! لبیک! اے میری منزل اور اے میری مراد)
(اے وہ ذات کہ جس پر میری روح فدا ہوگئی)
(اور وجد سے کھو گئی اور میں عشق کا غلام ہوگیا)
(اے میرے آقا! میں اس محبت کا کیا کروں جس کا میں شکار ہوگیا)
(میری شفا سے میری طبیب بھی عاجز آگئے)

رأيت ربي بعين قلب
فقلت من أنت قال أنت
(میں نے اپنے رب کو دل کی آنکھ سے دیکھا)
(میں نے پوچھا کہ تو کون ہے، تو اس نے جواب دیا کہ تم ہوں)

كانت لقلبى أهواء مفرقة
فاستجمعت مذ رأتك العين أهوائى
(میرے دل میں منتشر خواہشیں تھیں)
(جب آنکھ نے تجھے دیکھا تو میں نے اپنی خواہشات کو سمیٹا)

انى لارضى الذى ترضاه من تلفى
يا قاتلى ولما تختار اختار

(اگر میرا فنا ہونا تجھے خوش کرتا ہے تو میں بھی اس پر خوش ہوں)
(اے میرے قاتل! تجھے جو پسند وہی مجھے پسند)

يا لائمى فى هواه كم تلوم فلو
عرفت منه الذى عنيت لم تلم
(اے مجھے اس کی محبت میں ملامت کرنے والے، کتنی ملامت کرو گے)
(اگر تمہیں علم ہوجائے کہ میں کسی کی محبت میں مشغول ہوں تو تم ملامت نہ کرو گے)

حويت بكلى كل حبك يا قدسى
اكاشفنى حتى كأنك فى نفسى
(اے پاک ذات! میں نے اپنے سارے وجود میں تیری محبت اتار لی ہے)
(میں اپنے اندر جھانکتا ہوں تو صرف تو ہی نظر آتا ہے)

غبت و ما غبت عن ضمیری
و صرت فرحتی و سروری
تؤنسنی بالنهار حقا
وأنت عند الدجی سمیری
(تو غیب ہوا، مگر میری فکر سے غائب نہیں ہوا)
(اور تو میری محبت اور سکون بن گیا)
(تو دن میں میرا دوست ہے)
(اور رات میں میری باتوں کا ساتھی ہے)

أنا من أهوی ومن أهوی أنا
نحن روحان حللنا بدنا
(میں وہ ہوں جس سے میں محبت کرتا ہوں اور جس سے محبت کرتا ہوں وہ میں ہوں)
(ہم دو رُوحیں ہیں جو ایک بدن میں اُتر گئی ہیں)

جبلت روحك من روحی کما
یُجبل العنبر بالمسك العبقُ
فإذا مسّك شیءٌ مسنی
فإذا أنت أنا لا نفترقُ
(تیری رُوح میری رُوح میں یوں گھل مل گئی ہے)
(جیسے عنبر مشک میں گھل مل جاتا ہے)
(جب تجھے کوئی شے چھوئے تو گویا اس نے مجھے چھولیا)
(تو اور میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے)

6۔ ابوبکر شبلیؒ

حضرت ابوبکر شبلیؒ (متوفی 334ہجری/946ء)، حضرت جنید بغدادیؒ کے شاگرد تھے۔

سألبس للصبر ثوبا جميلا
وأدرج ليلى ليلا طويلا
وأصبر بالرغم لا بالرضا
أعلل نفسى قليلا قليلا

(میں صبر کا حسین لبادہ اوڑھ لوں گا)
(اور اپنی رات کو طویل ترین بناؤں گا)
(میں خوشی سے نہیں، مجبوری میں صبر کر رہا ہوں)
(اور اپنی روح کی تھوڑی تھوڑی پیاس بجھاتا ہوں)

أظلت علينا اليوم منك غمامة
أضاءت لنا برقا وأبطا رشاشها
فلا غيمها يجلو فيأيس طامع
ولا غيثها يأتى فيروى عطاشها

(تیری طرف سے بادل کے ایک ٹکڑے نے آج ہم پر سایہ کیا)
(اس نے بجلی چمکائی اور بارش کو مؤخر کردیا)
(نہ اس کا بادل چھٹتا ہے کہ امید لگانے والا مایوس ہوجائے)
(نہ برسات ہوتی ہے کہ پیاسا اپنی پیاس ہی بجھا لے)

رآنی فأورانی عجائب لطفه
فَهِمتُ وقلبی بالفراق یذوبُ

(اُس نے مجھ پر نگاہ کی اور مجھے اپنے کرم کے عجائب کا نظارہ کرایا)
(میں سمجھ گیا مگر میرا دل جدائی میں پگھلتا ہے)

قالوا جننت على ليلى فقلت لهم
الحب أعظم مما بالمجانين

(انہوں نے طعنہ دیا کہ تم لیلیٰ کی محبت میں پاگل ہوگئے ہو، میں نے کہا)
(محبت اس جنون سے عظیم تر ہے جو پاگلوں کو لاحق ہے)

ليس منى إليك قلب مُعَنّى
كُلُّ عضو منى إليك قلوب
(تیرے لیے میرے اندر ایک دل ہی تکلیف میں مبتلا نہیں ہے)
(میرے جسم کا ہر عضو تیرے لیے دل کی طرح ہے)

7۔ امام غزالیؒ

محمد غزالیؒ (متوفی 505ہجری/ 1111ء) طوس (ایران) کے عظیم عالم اور صوفی تھے۔

قل لإخوان رأونى ميتاً
فبكونى ورثوا لى حزناً
أتظنون بأنى ميتكم
ليس ذاك الميت والله أنا
أنا فى الصور وهذا جسدى
كان بيتى وقميص زمنا
أنا در قد حواه صدف
كنت محوناً فعفت المحنا
أنا عصفور وهذا قفصى
طرت منه وبقى مرتهنا
أحمد الله الذى خلصنى
و بنى لى فى المعالى سكنا
كنت قبل اليوم ميتاً بينكم
فحييت وخلعت الكفنا
(میرے ان عزیزوں سے کہو کہ جنہوں نے مجھے مردہ دیکھا)
(تو مجھ پر گریہ کیا اور غم کا اظہار کیا)
(کیا تم کو یہ گمان ہے کہ میں مرچکا ہوں؟)

(حالانکہ اللہ پاک کی قسم! میں مرا نہیں)
(میں رُوح کی شکل میں ہوں اور یہ میرا جسم ہے)
(جو ایک وقت تک میرا گھر اور میرا لباس تھا)
(میں موتی ہوں جسے صدف (سیپ) نے گھیر رکھا ہے)
(میں اس میں قید تھا اور آزاد ہوگیا)
(میں پرندہ ہوں اور یہ میرا پنجرہ ہے)
(جس سے میں اڑ گیا اور وہ خالی ہوگیا)
(حمدوثنا اس خدا کی جس نے مجھے نجات دی)
(اور میرے لیے جنت میں گھر بنایا)
(آج سے پہلے میں تمہارے درمیان مردہ تھا)
(اب میں زندہ ہوگیا ہوں اور میں نے کفن اتار دیا ہے)

إذا غبت عنى كنتُ عندك حاضرًا
ومن عجبٍ أنْ غيبتى فيك حضرتى
فيا باطنًا ألقاه فى كل ظاهر
ويا أولًا ما زال آخر فكرتى

(جب تو مجھ سے غائب ہوا تو میں تیرے پاس حاضر تھا)
(کتنے تعجب کی بات ہے کہ میرا تجھ میں فنا ہونا ہی میری بقا ہے)
(اے باطن، جسے میں ہر ظاہر میں دیکھ سکتا ہوں)
(اور اے اول، جو ہمیشہ میری سوچ کا آخری کنارہ ہے)

وقفت وأجفانى تفيض دموعها
وقلبى من خوف القطيعة هائم
وكل مسىء أوبقته ذنوبه
ذليل حزين مطرق الطرف نادم

(میں کھڑا ہوں اور میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں)
(میرا دل تجھ سے تعلق ٹوٹنے کے خوف سے پریشان ہے)
(ہر خطا کار جسے اس کے گناہوں نے ہلاکت میں ڈالا ہو)
(وہ حقیر ہے، غمزدہ ہے، آنکھ جھکائے ہوئے ہے، شرمندہ ہے)

8۔ احمد غزالیؒ

حضرت احمد غزالیؒ (متوفی 520ہجری/1123ء) امام غزالیؒ کے چھوٹے بھائی ہیں۔

بكيتُ ودمع العين للنفس راحة
ولكن دمع الشوق ينكى به القلبُ
فلو قيل لى من أنت قلت معذب
بنار مواجيد يضرمها العتب

(میں رویا اور آنکھ کا آنسو روح کے لیے راحت ہے)
(لیکن محبت کے آنسو سے دل اضطراب میں ہے)
(اگر مجھے پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو میں کہوں گا کہ عشق کی آگ میں گرفتار ہوں)
(اور جسے محبوب کی بے پروائی مزید سلگاتی ہے)

قُلوبُ العَارِفين لَهَا عُيونٌ
تَرى مَا لاَ يَراه النَّاظِرونَا
وَألسنَةُ بسرٍ قدْ تُنَاجِي
تَغيبُ عَنْ الكرامِ الكَاتِبينَا
وَأَجنحةٌ تُطيرُ بغيرِ ريشٍ
إلى ملكوتِ رَبِّ العَالمينا

(عارفوں کے دل آنکھیں رکھتے ہیں)
(جن سے وہ سب دیکھتے ہیں جو باقیوں کو نظر نہیں آتا)
(ان کی زبانیں ایسی رازداری سے محبوب کو پکارتی ہیں)

(کہ کراماً کاتبین کو بھی علم نہیں ہوتا)
(وہ بغیر پروں کے اڑان بھرتے ہیں)
(رب العالمین کی بارگاہ تک)

وهان على اللوم فی جنب حبها
وقول الأعادی إنه لخليع أصم
إذا نوديت باسمی، وإننی
إذا قيل لی يا عبدها لسميع
(اس کی محبت میں ملامت مجھ پر آسان ہے)
(اور میرے دشمن تو مجھے بے شرم اور گونگا کہتے ہیں)
(جب میرا نام پکارا جائے)
(جب مجھے اس کا بندہ کہہ کر بلایا جائے تو میں سن لیتا ہوں)
لا تدعنی إلا بيا عبدها
فإنه أشرف أسمائی
(مجھے بس اس کا غلام کہہ کر پکارو)
(کہ یہی میرا سب سے بہترین نام ہے)

غرستَ الحبَّ غرسًا فی فؤادی
فلا أسلو إلى يوم التنادی
جرحتَ القلب منی باتصال
فشوقٌ زائدٌ والحبُّ بادِ
سقانی شربةً أحيا فؤادی
بكأس الحب من بحر الوداد
فلولا الله يحفظ عارفيه
لهَامَ العارفونَ بكل واد

(تونے میرے دل میں محبت کا بیج اس طرح بو دیا ہے)
(کہ میں قیامت کے روز تک صبر نہیں کر سکتا)
(تم نے اپنی قربت کے ذریعے میرے دل کو زخمی کردیا ہے)
(اب ایسا شوق لاحق ہے جو بے کنار ہے اور ایسی محبت ہے جو ظاہر ہونے والی ہے)
(اس نے مجھے ایسا گھونٹ پلایا جس نے میرے دل کو زندہ کردیا)
(عشق کے سمندر سے، محبت کے پیالے کے ذریعے)
(اگر اللہ تعالیٰ اپنے عارفوں کو خود نہ بچاتا)
(تو یہ عارف ہر وادی میں مجنون ہو کر پھرتے رہتے)

أنا إن تبت منانی
و إن أذنبت رجانی
و إن أدبرت نادانی
و إن أقبلت أدنانی
و إن قصرت عافانی
و إن أحسنت جازانی
حبیبی أنت رحمانی
اصرف عنی أحزانی

(اگر میں توبہ کروں تو وہ قبول کرتا ہے)
(اگر گناہ کروں تو مجھے اُمید دلاتا ہے)
(اگر میں پیٹھ پھیروں تو وہ مجھے آواز دیتا ہے)
(اگر اس کی طرف چلوں تو اپنے قریب کرتا ہے)
(اگر کوتاہی کروں تو تحفظ عطا کرتا ہے)
(اگر اچھائی کروں تو انعام دیتا ہے)
(میرے محبوب! تو میرا رحمان ہے)
(مجھ سے میرے غم دور کر دے)

9۔ ابوالحسن شوشتریؒ

حضرت ابوالحسن ششتریؒ (متوفی 610ہجری/1212ء) اندلس کے صوفی شاعر تھے۔

أنا شيء عجيب لمن رآني
أنا المحب والحبيب ليس ثم ثاني
يا قاصد عين الخبر غطاه عينك
إرجع لذاتك واعتبر ما ثم غيرك
فالخير منك والخبر والسر عندك
وأنت مرآة النظر قطب الزمان

(میں اس کے لیے عجیب ہوں جس نے مجھے دیکھا)
(میں محب ہوں اور محبوب ہوں، وہاں کوئی دوسرا نہیں ہے)
(اے خبر کو تلاش کرنے والے قاصد! اپنی ذات کی طرف لوٹ)
(اور یہ گمان کر کہ تمہارے علاوہ وہاں کوئی نہیں ہے)
(بھلائی تجھ ہی سے ہے، خبر اور راز تیرے پاس ہے)
(اور تو نظر کا آئینہ اور قطبِ زمان ہے)

خرجت في حين بعد الفنا
ومن هنا بقيت بلا أنا
ومن أنا يا أنا إلا أنا

(میں فنا کے بعد ایک مرتبہ ظاہر ہوا)
(یہاں میرے علاوہ کون ہے؟)
(میں کون ہوں، اے میری ذات، سوائے میرے خود کے)

رضي المتيم في الهوى بجنونه
خلوه يفني عمره بفنونه
لا تعذلوه فليس ينفع عذلكم
ليس السلو عن الهوى من دينه

(عشق کا ارادہ کرنے والا اپنے جنون کے ساتھ راضی ہے)
(اسے چھوڑ دو کہ اس کی عمر اپنے فنون کے ساتھ فنا ہوجائے)
(اسے ملامت مت کرو کہ اس کو تمہاری ملامت فائدہ نہیں دے گی)
(عشق سے کنارہ کشی، اس کے دین میں نہیں ہے)

والنفس عزت ولكن فيك أبذلها
والقتل مر ولكن فی رضاك حلا
(روح بہت قیمتی ہے لیکن میں اسے تیری راہ میں خرچ کرتا ہوں)
(قتل بہت کڑوا ہے لیکن تیری رضا میں یہ میٹھا ہے)

شَرِبنَا كَأسَ مَن نَهوى جِهَاراً
فَهُمنا عِندَ رُؤيَتِهٖ حَيارى
وَ شَاهَدنَا بِها السَّاقِي تَجلّٰى
فَصِرنَا مِن تَجلِّيهِ سُكَارى
رَأينَا الكَأسَ فى الحَانَاتِ تُجلَى
ظَنَّنَا أنَّ فى الكَأسَاتِ نَارَا
(ہم نے اپنے معشوق کے نام کا پیالہ سرعام پیا)
(جب ہم نے اس کا دیدار کیا تو حیراں و سرگرداں ہوگئے)
(ہم نے ساقی کو اس پیالے کے ساتھ ظاہر ہوتے دیکھا)
(تو ہم اس کے جلوے ہی سے مدہوش ہوگئے)
(ہم نے پیالے کو محبت کے شراب خانے میں پیش ہوتا دیکھا)
(تو ہمیں لگا کہ پیالوں میں آگ بھری ہے)

إن المحبة للرحمن تسكِرُنى
وهل رأيتَ محباً غير سكران؟
(رحمان کی محبت مجھے مدہوش کردیتی ہے)
(کیا تم نے ایسا محبت کرنے والا دیکھا ہے جو مدہوش نہ ہو)

10۔ ابن فارضؒ

حضرت ابن فارضؒ (متوفی 632ہجری/1234ء) عربی صوفیانہ شاعری کے امام ہیں۔

شربنا على ذكرِ الحبيبِ مدامة
سَكِرْنا بها، من قبلِ أن يُخلق الكَرمُ
(ہم نے اپنے محبوب کے نام کی شراب پی ہے)
(اور ہم مدہوش بھی ہوگئے حالانکہ ابھی انگور پیدا ہی نہیں ہوا تھا)

إليك و إلا لا تشد الركائب
و عنك و إلا فالمحدث كاذب
و حبك يا خير النبيين مذهبى
و اللناس فيما يشتهون مذاهب
(تیری جانب ہی رختِ سفر باندھے جاتے ہیں)
(اور تیرے علاوہ کی بات کرنے والا جھوٹا ہے)
(اے سب سے برتر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تیری محبت میرا مذہب ہے)
(اور لوگوں کے، محبت میں الگ الگ مذاہب ہوتے ہیں)

اخفى الهوى و مدامعى تبديه
و اميته و صبابتى تحييه
و معذبى حلو الشمائل اهيف
قد جمعت كل المحاسن فيه
فكانه بالحسن صورة يوسف
و كانتى بالحزن مثل ابيه
(میں عشق کو چھپالیتا ہوں مگر میرے آنسو اسے ظاہر کردیتے ہیں)
(میں اسے مار دیتا ہوں مگر میرا جنون اسے پھر سے زندہ کردیتا ہے)

(مجھے تکلیف میں رکھنے والا کتنی میٹھی عادتوں کا مالک ہے)
(جس کے لیے میں بے چین ہوں اور اس میں سب محاسن جمع ہو گئے ہیں)
(گویا وہ حسن میں یوسف کی طرح ہے)
(اور میں حزن میں اس کے باپ جیسا ہوں)

ولو نضحوا منها ثری قبر میت
لعادت إلیه الروح وإنتعش الجسم

(اگر شراب عشق سے میت کی قبر پر کچھ چھینٹے ڈالے جاتے)
(تو روح اس بدن میں لوٹ آتی اور جسم حرکت میں آجاتا)

زدنی بفرط الحب فیك تحیرا
وارحم حشی بلظی هواك تسعرا
وإذا سالتك أن أراك حقیقة
فاسمح و لا تجعل جوابی لن تری
یا قلب أنت وعدتنی فی حبهم
صبراً فحاذر أن تضیق وتضجرا

(مجھے محبت کا غلبہ عطا کر اور میری حیرت میں اضافہ کر)
(اپنے عشق کی چنگاری کو مہمیز دے اور میری پیاس کو بجھا)
(جب میں تجھ سے تیرے دیدار کا تقاضا کروں تو مجھے اجازت عطا کر)
(اور یہ مت کہہ کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے)
(اے دل! تونے مجھے ان کی محبت میں صبر کا وعدہ کیا ہے)
(خیال کرنا کہ مایوسی اور اکتاہٹ کا شکار مت ہوجانا)

فدهشت بین جماله وجلاله
وغدا لسان الحال عنی مخبرا
فأدر لحاظك فی محاسن وجهه
تلقی جمیع الحسن فیه

(میں اس کے جمال اور جلال کے درمیان حیرت میں گھر گیا)
(اور میری زبانِ حال اس کی خبر دے رہی ہے)
(اپنی نظر کو اس کے چہرے کے محاسن کی طرف پھیرو)
(اسی میں سارا حسن سمٹا ہوا پاؤ گے)

11۔ ابن عربیؒ

حضرت ابن عربیؒ (متوفی 638ہجری/1240ء) 'شیخ اکبر' کہلاتے ہیں۔

لقد صار قلبی قابلاً کل صورة
فمرعیً لغزلانٍ ودیر لرهبانِ
وبیتٌ لأوثانٍ وكعبة طائفٍ
وألواح توراةٍ ومصحف قرآنِ
أدين بدين الحب أنّٰى توجهتْ
ركائبه فالحب ديني وإيماني

(میرا دل ہر شے کو قبول کرنے والا ہوگیا ہے)
(کبھی یہ غزال کی چراگاہ ہے تو کبھی راہبوں کی عبادت گاہ)
(کبھی بتوں کا گھر ہے اور کبھی طواف کرنے والے کا کعبہ)
(کبھی تورات کی تختیاں اور کبھی قرآنی مصحف)
(میں محبت کے دین کو ماننے والا ہوں جہاں کا بھی رخ کریں)
(اس کی سواریاں محبت ہی میرا دین وایمان ہے)

فليتكَ تحلو والحياةُ مريرةٌ
وليتكَ ترضى والأنامُ غضابُ
وليت الذى بينى وبينكَ عامرٌ
وبينى وبينَ العالمينَ خرابُ

(کاش کہ تو راحت عطا کرے، زندگی تو سخت ناگوار ہے)
(کاش کہ تو راضی ہو لوگ تو ناراض ہیں)
(کاش کہ تیرے اور میرے درمیان فاصلہ مٹ جائے)
(بھلے میرے اور دوسرے جہانوں کے درمیان تعلقات بربادر ہیں)

فكان عيني فكنت عينه
وكان كوني فكنت كونه
(وہ میری آنکھ تھا، میں اس کی آنکھ تھا)
(وہ میرا سراپا تھا، میں اس کا سراپا تھا)
ان الفراق مع الغرام لقاتل
صعب الغرام مع اللقاء يهون
(عشق میں جدائی، قتل کرنے والی ہے)
(عشق کی مشقت، ملاقات سے آسان ہو جاتی ہے)

عقد الخلائق فى الإله عقائدا
وأنا اعتقدت جميع ما اعتقدوه
(لوگوں نے پروردگار بارے مختلف عقائد بنا رکھے ہیں)
(میں ان سب عقائد کو مانتا ہوں جو انہوں نے اپنائے ہوئے ہیں)

كُنَّا حُرُوفًا عَالِيَاتٍ لَمْ نُقَلْ
مُتَعَلِّقَاتٍ فِي ذُرَى أَعْلَى الْقُلَلِ
(ہم ازل سے بلند معنی رکھنے والے الفاظ تھے جو کبھی زبان پر نہ آئے)
(مگر حقیقت کی اونچی چوٹیوں سے وابستہ رہے)
أَنَا أَنْتَ فِيهِ وَنَحْنُ أَنْتَ وَأَنْتَ هُوَ
وَالْكُلُّ فِي هُوَ هُوَ فَسَلْ عَمَّنْ وَصَلَ
(میں دراصل تُو ہوں اور ہم سب بھی تُو ہی ہیں اور تُو وہی (ذات حق) ہے)
(سب کچھ اسی کی ذات میں ہے، جا کے اُس سے پوچھ جو اس تک پہنچ چکا ہو)

36۔ صوفیانہ شاعری (فارسی)

تصوف کے مضامین نے سب سے زیادہ بھرپور اور وجودی اظہار شاعری میں کیا ہے۔ اس سلسلے میں فارسی شاعری غالباً سب سے آگے ہے۔ ایران اور برصغیر کے صوفی شعراء نے ایسا کلام تخلیق کیا ہے کہ اسے سنتے اور پڑھتے ہوئے وجد طاری ہو جاتا ہے، اسی لیے ایسا کلام سماع میں بھی گایا جاتا ہے جس سے سامعین کی شعوری صلاحیتیں دبنے لگتی ہیں اور وہ اپنی ذات کے اندر اُتر جاتے ہیں اور ان کیفیات میں حقیقت سے وصال جلدی ہو جاتا ہے۔

صوفیانہ شاعری قاری کے دل و دماغ کو ایسا متاثر کرتی ہے کہ اسے دنیا کا ہوش نہیں رہتا، بلکہ بعض عظیم صوفیا کے تذکروں میں ملتا ہے کہ وہ سماع میں بے ہوش ہو جاتے تھے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے جب حضرت شیخ احمد جامؒ کی یہ غزل سماع میں سنی تو آپ بے ہوش ہو گئے اور پھر اسی بے ہوشی میں وصال فرما گئے۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر اَست
(تسلیم و رضا کے خنجر سے قتل شدہ لوگوں کو)
(ہر زمانے میں غیب سے نئی جان ملی ہے)

1۔ ابوسعید ابوالخیرؒ

حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ (متوفی 440ھ/ 1049ء) ایران کے صوفی بزرگ اور شاعر تھے:

مجنونِ تو کوہ را، ز صحرا نَشَناخت
دیوانۂ عشقِ تو سر از پا نَشَناخت
ہر کس بہ تو رہ یافت ز خود گم گردید
آں کس کہ ترا شناخت خود را نَشَناخت

(تیرے مجنوں کو پہاڑ وصحرا کی پہچان نہیں ہے (دونوں برابر ہیں))
(تیرے عشق کا دیوانہ سر اور پاؤں میں فرق نہیں جانتا)
(جسے تیری راہ ملی اس نے خود کو گم کر دیا)
(جس نے تجھے پہچان لیا وہ اپنی شناخت بھول گیا)

اے دل چو فراقِ یار دیدی خوں شو
وے دیدہ موافقت بکن جیحوں شو
اے جاں تو عزیز تر نہ ای از یارم
بے یار نخواہمت ز تن بیروں شو
(اے دل، جب کہ تو نے یار کی جدائی دیکھ لی، تو اب خون ہو جا)
(اور اے آنکھو، بات مانو اور (رو رو کر) دریا ہو جاؤ)
(اے جان تو مجھے یار سے زیادہ عزیز نہیں ہے)
(یار کے بغیر میں تجھے بھی نہیں چاہتا، سو جسم سے باہر چلی جا)

باز آ، باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگۂ ما درگۂ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی، باز آ
(اے میرے بندے، واپس آ، واپس آ، تو جو کوئی بھی ہے، لوٹ آ)
(چاہے تو کافر ہے، آگ پرست ہے یا بت پرست ہے، لوٹ آ)
(یہ ہماری بارگاہ ناامید اور مایوس ہونے کی جگہ نہیں ہے)
(تو نے اگر سو بار بھی توبہ توڑی ہے پھر بھی لوٹ آ)

جائیکہ تو باشی اثرغم نبود
آنجا کہ نباشی دل خورم نبود

آں راکہ زفرقتِ تو یک دم نبود
شادیش ززمین وآسماں کم نبود
(جس جگہ تو ہوتا ہے وہاں غم کا گزر نہیں ہوتا)
(جس جگہ تو نہ ہو وہاں دل کو خوشی نہیں ملتی)
(جس سے تو لمحہ بھر بھی جدا نہ ہوا)
(اس کی خوشی زمین و آسمان سے کم نہیں ہوتی)

در دوزخم ار زلف تو در چنگ آید
ازحالِ بہشتیاں مرا ننگ آید
گر بے تو بصحرائے بہشتم خوانند
صحرائے بہشت در دلم تنگ آید
(جہنم میں اگر تیری زلف مجھے مل جائے)
(تو میں خود کو جنتیوں سے بہتر سمجھوں گا)
(اگر جنت میں مجھے تیرے بغیر بلایا جائے)
(تو جنت کا میدان مجھے اپنے دل میں تنگ معلوم ہوگا)

مجنون وپریشانِ توام دستم گیر
سرگشتہ وحیرانِ تو ام دستم گیر
ہر بے سروپا چو دستگیر دارد
من بے سروسامانِ تو ام دستم گیر
(میں تیرے لیے مجنون و پریشان ہوں میرا ہاتھ تھام لے)
(بھٹکا ہوا اور سرگرداں ہوں، میرا ہاتھ تھام لے)
(ہر کمزور کا کوئی دستگیر ہوتا ہے)
(میں بے سروسامان ہوں میری دستگیری کر)

تارُوئے ترا بدیدم اے شمع طراز
نه کار کنم نه روزه دارم نه نماز
چوں با تو بوم مجاز من جمله نماز
چوں بے تو بوم نمازِ من جمله مجاز
(اے دلربا، جب سے میں نے تیرا چہرہ دیکھا ہے)
(نہ کوئی کام کرتا ہوں، نہ روزہ رکھتا ہوں، نہ نماز پڑھتا ہوں)
(کیونکہ اگر تیری حضوری میں ہوں تو میری مجاز بھی نماز ہے)
(اور آپ کے بغیر میری نماز بھی مجاز ہے)

2۔ عبداللہ انصاریؒ

خواجہ عبداللہ انصاریؒ (متوفی 481 ہجری/1088ء) ہرات، افغانستان سے تھے اور حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے مرید تھے۔

آن کس که تو را شناخت جان را چه کند
فرزند و عیال و خانمان را چه کند
یارب دل پاک و جان آگاهم ده
آه شب و گریه سحر گاهم ده
(جس نے آپ کو پہنچان لیاوہ جان کا کیا کرے گا)
(اپنے بیٹے خاندان اور بیوی کا کیا کرے گا)
(اے رب! مجھے پاک دل اور باشعور جان عطا فرما)
(مجھے رات کی آہیں اور صبح کا رونا نصیب فرما)
الهی ضعیفان را پناهی، قاصدان را بر سر راهی
مومنان را گواهی، چه عزیز است آنکس که تو خواهی
(اے اللہ! تو کمزوروں کی پناہ ہے، پیغام دینے والوں کے لیے سرِراہ منتظر ہے)
(تو مؤمنین کے لیے گواہی ہے، کتنا پیارا ہے، وہ شخص جسے تو چاہتا ہے)

از پیش خطر و از پس راهم نیست
دستم گیر که جز تو پناهم نیست
(میرے آگے خطرہ ہے، واپس جانے کا راستہ نہیں ہے)
(میرا ہاتھ پکڑ لے، تیرے بغیر میری کوئی پناہ گاہ نہیں ہے)

ای مُبّرا از عوایق، ای مطلع برحقایق
ای مهربان بر خلایق عذر های ما بپذیر
(اے ہر طرح کی بلا و آفت سے مبرا، حقائق سے آگاہ)
(اے مخلوق پر مہربان، ہماری معافی قبول فرما)

الهی ای کریمی که بخشندۂ عطایی
و ای حکیمی که پوشندۂ خطایی
(الٰہی تو کریم ہے اور عطا کرنے والا ہے)
(تو حکیم و دانا ہے اور خطا کو چھپانے والا ہے)

گر بر سر خاک من گیاهی روید
از هر برگی بوی وفای تو زند
(اگر میری قبر سے کوئی بوٹا نکلے گا)
(تو اس کے ہر پتے سے تیری وفا کی خوشبو آئے گی)

3۔ حکیم سنائیؒ

حضرت حکیم سنائیؒ (535ھ/1131ء) غزنی (افغانستان) سے تھے۔ مولانا رومیؒ اور حضرت عطارؒ نے آپؒ کو اپنا پیشوا تسلیم کیا ہے۔

گر خدا جوئی چرا باشی گرفتار ہوا
گر صمد خواہی چرا باشی طلب گار وثن

(جب آپ خدا کو چاہتے ہیں تو پھر آپ خواہشات کے غلام کیوں بنے ہیں)
(جب آپ اللہ بے نیاز کو چاہتے ہیں تو بتوں کے طلب گار کیوں ہیں)

در دستِ مَنَت همیشه دامن بادا
وآنجا که ترا پای، سرِ من بادا
برگم نَبُوَد که کس ترا دارد دوست
ای دوست! همه جهانُت دشمن بادا
(میرے ہاتھ میں ہمیشہ تمہارا دامن ہو)
(جس جگہ تمہارا پاؤں ہو، وہاں میرا سر ہو)
(میں تاب نہیں رکھتا کہ کوئی تمہیں محبوب رکھے)
(اے دوست! تمام جہان تمہارا دشمن ہو)

ملکا، ذکرِ تو گویم که تو پاکی و خدایی
نروم جز به همان ره که توام راهنمائی
همه درگاه تو جویم، همه از فضل تو پویم
همه توحید تو گویم که به توحید سزائی
تو حکیمی، تو عظیمی، تو کریمی، تو رحیمی
تو نماینده فضلی، تو سزاوار ثنائی
(اے مالک! میں تیرا ذکر کرتا ہوں کہ تو پاک ہے اور میرا رب ہے)
(میں بس اسی راستے پر جاؤں کہ جس راستے پر تو میرا رہنما ہو)
(میں ہمیشہ تیرا در چاہتا ہوں اور تیرا فضل چاہتا ہوں)
(میں صرف تیری توحید کی بات کرتا ہوں کہ تو ہی توحید کے لائق ہے)
(تو حکیم ہے، تو عظیم ہے، تو کریم ہے، تو رحیم ہے)
(تو فضل کرنے والا ہے، تو حمد و ثنا کا حق دار ہے)

عاشقان سوی حضرتش سرمست
عقل در آستین و جان بر دست
تا چو سویش براقِ دل رانند
در رکابش همه برافشانند
عقل و جان را به نزد او چه خطر
دل و دین را فدا کنند و کفر
(عشاق اس کے حضور سرمست چلے جا رہے ہیں)
(عقل آستین میں اور جان بکف ہو کر)
(جیسے ہی اُس کی جانب دل کے براق کو دوڑاتے ہیں)
(تو اس کی رکاب میں سب کچھ نچھاور کردیتے ہیں)
(عقل و جان کی اسے کیا تشویش)
(جو دل و دین کو فدا کربیٹھا ہو اور دنیا کا منکر ہو)

خون دل چون جگر کند سوراخ
چه جهنم چه جمرهٔ طبّاخ
دوزخ از بیم او بهشت شود
خاک بی‌کالبد چو خشت شود
خنده گریند عاشقان از تو
گریه خندند عارفان از تو
در جحیم تو جنّت آرامان
بی تو راضی به حورعین عامان
گر به دوزخ فرستی از درِ خویش
میروم نی به پای بر سر خویش
(غم سے جب دل چھلنی ہو جائے)
(پھر کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جہنم ہو یا کوئی تندور)

(دوزخ اس کے خوف سے بہشت ہو جاتی ہے)
(مٹی قالب کے بغیر کیسے اینٹ بن سکتی ہے؟)
(عاشق تیری وجہ سے ہنستے ہوئے رو دیتے ہیں)
(اور عارف تیری وجہ سے روتے ہوئے ہنسنے لگتے ہیں)
(تیری دوزخ میں جنت کی طرح آرام ہے)
(وہ عام لوگ ہیں جو تیرے بغیر صرف حورِعین پر راضی ہو جاتے ہیں)
(اگر تو مجھے اپنے در سے دوزخ کی طرف بھیج دے)
(تو میں پاؤں پہ نہیں بلکہ سر کے بل جاؤں گا)

دلبرِ و جان ربای، عشق آمد
سر بُر و سِر نمای، عشق آمد
عشق با سر بریده گوید راز
زانکه داند که سَر بود غمّاز
عشق چون دست داد پشت شکست
پای عاشق دو دست چرخ ببست
(دل و جان سے جانے والا عشق آ گیا)
(سر کاٹنے اور راز عیاں کرنے والا عشق آ گیا)
(عشق اس سے راز کی بات کرتا ہے جس کا سر کٹا ہوا ہو)
(کیونکہ اسے معلوم ہے کہ سر ہی ہے جو سب راز بتا دیتا ہے)
(عشق نے جب ہاتھ ملایا تو کمر ٹوٹ گئی)
(عشق کے پاؤں نے تو آسمان کو باندھ کر رکھا ہوا ہے)

چون بترسی همی ز مردن خویش
عاشقی باش تا نمیری بیش
(اگر تجھے اپنی موت کا خوف ہے تو عاشقی اپناؤ)
(تاکہ اس کے بعد تجھے موت نہ آئے)

4۔ فریدالدین عطارؒ

شیخ فریدالدین عطارؒ (متوفی 618ہجری/1221ء) نیشاپور (ایران) کے رہنے والے تھے:

زہد زاہد را و دیں دیندار را
ذرهِ دردت دل عطار را
(زہد، زاہد کو اور دین، دین دار کو بخش دے)
(عطار کے دل کو اپنے درد کا ایک ذرہ بخش دے)

ہر که باشد اہل ایمان ای عزیز
پاک دارد چار چیز از چار چیز
از حسد اول تو دل را پاک دار
خویشتن را بعد ازان مومن شمار
پاک دار از کذب و از غیبت زبان
تاکه ایمانت نیفتد در زیان
پاک گر داری عمل را از ریا
شمع ایمان ترا باشد ضیا
چون شکم را پاک داری از حرام
مرد ایمان دار باشی والسلام
(اے پیارے! جو شخص اہل ایمان ہوتا ہے)
(وہ چار چیزوں کو چار چیزوں سے پاک رکھتا ہے)
(سب سے پہلے تو دل کو حسد سے پاک رکھ)
(اس کے بعد خود کو مؤمن شمار کر)
(زبان کو جھوٹ اور غیبت سے پاک رکھ)
(تا کہ تیرا ایمان ضائع نہ ہو)
(اگر تو عمل کو دکھاوے سے پاک رکھے گا)
(تو تیرے ایمان کی شمع روشن ہو گی)

(جب تو اپنے پیٹ کو حرام سے پاک رکھے گا)
(تو تُو ایمان والا مرد بن جائے گا، تم پر سلامتی ہو)

تا که یک جان دارم و تا زنده ام
بند بندت را به صد جان بنده ام
(جب تک میرے اندر روح ہے اور جب تک میں زندہ ہوں)
(میرا ایک ایک جوڑ سینکڑوں جانوں سے تمہارا غلام رہے گا)

ندانم تا ثنایت گفته آید
و گر آید ترا پذرفته آید
(میں نہیں جانتا کہ تیری تعریف کیسے بیان کی جائے)
(اور اگر کر بھی لی جائے، تو نہیں معلوم کہ تیری بارگاہ میں قبول ہو گی یا نہیں)

پادشاها جرم ما را در گذار
ما گنه کاریم و تو آمرزگار
تو نکوکاری و ما بد کرده ایم
جرم بی پایان و بیحد کرده ایم
سالها در فسق و عصیان گشته ایم
آخر از کرده پشیمان گشته ایم
بر درآمد بندۀ بگریخته
آب روی خود بعصیان ریخته
مغفرت دارد امید از لطف تو
زانکه خود فرموده ای لا تقنطوا
چشم دارم کز گنه پاکم کنی
پیش از آن کاندر جهان خاکم کنی

(اے بادشاہ! ہمارے جرم سے در گزر فرما)
(ہم گنہگار ہیں اور تو بخشنے والا ہے)
(تو بھلائی کرنے والا اور ہم نے برائی کی ہے)
(ہم نے بے انتہا اور بے شمار جرم کیے ہیں)
(برسوں گناہوں اور نافرمانیوں کی قید میں رہے)
(آخر اپنے کیے پر شرمندہ ہیں)
(بھاگا ہوا غلام دروازے پر حاضر ہے)
(گناہوں کے باعث اپنی عزت و آبرو گنوائے ہوئے)
(تیری مہر بانی سے مغفرت و بخشش کا امید وار ہے)
(اس لیے کہ تو نے خود فرمایا: مایوس مت ہو)
(مجھے توقع ہے کہ تو مجھے گناہوں سے پاک کر دے گا)
(اس سے پہلے کہ تو مجھے دنیا میں قبر میں مٹی بنا دے)

5۔ جلال الدین رومیؒ

مولانا جلال الدین رومیؒ (متوفی 1273ء) بلخ افغانستان سے قونیا (ترکی) میں آباد ہوئے۔

گفتی که: بیا که باغ خندید و بهار
شمعست و شراب و شاهدان چو نگار
آنجا که تو نیستی از اینهام چه سود؟
و آنجا که تو هستی خود از اینها بچه کار
(تم نے کہا: آ جاؤ کہ باغ کھل گئے ہیں اور بہار مسکرانے لگی ہے)
(یہاں شمع، شراب اور بتوں جیسے خوب رو محبوب موجود ہیں)
(لیکن جس جگہ پر تم موجود نہ ہو، وہاں ان سب کا کیا فائدہ ہے)
(اور جس جگہ پر تم خود موجود ہو، وہاں ان سب چیزوں کی کیا ضرورت؟)

به خدا خبر ندارم چو نماز می گزارم
که تمام شد رکوعی که امام شد فلانی
(خدا کی قسم جب نماز پڑھتا ہوں، مجھے خبر نہیں ہوتی)
(کہ کب رکوع ختم ہوا اور کون امامِ جماعت تھا)

عشقت به دلم درآمد و شاد برفت
بازآمد و رخت خویش بنهاد برفت
گفتم به تکلف دو سه روزی بنشین
بنشست و کنون رفتنش از یاد برفت
(تیرا عشق میرے دل میں آیا اور خوش ہو کر چلا گیا)
(پھر واپس آیا، اپنا سامان رکھا اور پھر چلا گیا)
(میں نے اسے ایک دن تکلف سے کہا کہ دو تین دن ٹھہر جا)
(وہ بیٹھ گیا اور اب اسے پھر واپس جانا بھول گیا ہے)
دل بدست آور که حج اکبر است
از ہزاراں کعبه یک دل بہتر است
کعبه بنگاهِ خلیلِ آزر است
دل گزر گاهے جلیل اکبر است
(دل ہاتھ میں لے آو کہ حج اکبر یہی ہے)
(ہزار کعبوں سے ایک دل بہتر ہے)
(کعبہ تو خلیل اللہ کا گھر ہے
(لیکن دل ربِ جلیل کی گزرگاہ ہے)

در این خاک در این خاک در این مزرعه پاک
به جز مهر به جز عشق دگر تخم نکاریم
(اس زمین میں، اس زمین میں، اس پاک کھیتی میں، آؤ)
(ہم نے سوائے نرم دلی اور سوائے محبت کے کوئی اور کاشت نہیں کیا)

دل و جاں شہیدِ عشقت، به درونِ گورِ قالب
سوئے گورِ ایں شہیداں، بگذر زیارتے کن
(جسم کی قبر میں دل اور جان تیرے عشق میں شہید ہو کر پڑے ہوئے ہیں)
(کبھی ان شہیدوں کی قبر کی طرف گذر اور زیارت ہی کر لے)

حاصلِ عمرَم سه سُخن بیش نیست
خام بُدم، پخته شُدم، سوختم
(میری عمر کا حاصل ان تین باتوں سے زائد کچھ بھی نہیں ہے
(خام تھا، پختہ ہوا اور جل گیا)

بیا جاناں عنایت کُن تو مولانائے رُومی را
غلامِ شمس تبریزم، قلندر وار می گردم
(اے جاناں آ جا اور مجھ رومی پر عنایت کر)
(کہ میں شمس تبریزؒ کا غلام ہوں اور قلندر وار گھوم رہا ہوں)

ما غرقۂ بحر بے کرانیم
از بحر اگرچه بر کناریم
بیروں ز جهات و در جهاتیم
افزوں ز شمار و در شماریم
در ہستئ عشق نیست گشتیم
وز ہستئ خویش یاد ناریم
(ہم نہایت وسیع و عریض سمندر میں غرق ہیں)
(اگرچہ ہم سمندر کے کنارے پر ہیں)
(ہم جہات سے دور ہیں لیکن جہات کے اندر بھی ہیں)
(ہماری گنتی ممکن نہیں ہے اور ہم گنتی میں بھی ہیں)

(ہم عشق کی ہستی میں مکمل نہیں گئے)
(اور اپنے وجود کے بارے میں کچھ یاد ہی نہیں رہا)

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی
(زندگی بندگی کے لیے ہے)
(بندگی کے بغیر زندگی شرمندگی ہے)

6۔ فخرالدین عراقیؒ

شیخ فخرالدین عراقیؒ (متوفی 688ہجری/1289ء) ایرانی تھے اور شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے خلیفہ بنے۔

صنما رہ قلندر سزد ار بمن نمائی
که دراز و دور دیدم رہ و رسم پار سائی
بطواف کعبه رفتم بحرم گزر ندادند
که برون در چه کردی که درون خانه آئی
به زمیں چو سجده کردم ز زمیں ندا بر آمد
که مرا خراب کردی توبه سجدۂ ریائی
(اے صنم، اگر تو راہ قلندری کی طرف تو میری رہبری کر)
(کیونکہ پارسائی کی راہ اور طریقے مجھے بہت دور نظر آتے ہیں)
(جب میں طواف کعبہ کرنے گیا تو مجھے حرم میں داخل نہیں ہونے دیا گیا)
(کہ گھر کے باہر تونے کیا کیا ہے کہ گھر کے اندر آرہا ہے؟)
(زمین پہ جب میں نے سجدہ کیا تو زمین سے آواز آئی)
(کہ تونے مجھ کو اپنے سجدۂ ریائی سے خراب کردیا)

بجز غوغائے عشقِ تو درونِ دل نمی یابم
بجز سودائے وصلِ تو میانِ جاں نمی دانم
(تیرے عشق کے شور و ہنگامہ کے سوا میں اپنے دل کے اندر اور کچھ بھی نہیں پاتا)
(اور تیرے وصل کے جنون کے سوا میں اپنی جان میں اور کچھ بھی نہیں جانتا)

چه خوش باشد که دل دارم تو باشی
ندیم و مونس و یارم تو باشی
(کیا ہی خوب ہو اگر میرا دل دار تو ہو)
(میرا ہم مجلس، میرا غم خوار اور میرا دوست تو ہو)

نخستیں باده کاندر جام کردند
ز چشم مست ساقی وام کردند
(سب سے پہلے انہوں نے شراب جو جام میں ڈالی)
(وہ ساقی کی چشم مست سے کشید کی تھی)

چو خود کردند سر خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند
(جب انہوں نے خود ہی اپنا راز فاش کر دیا)
(تو پھر عراقی کو کیوں بدنام کیا)

به قمار خانه رفتم، ہمه پاکباز دیدم
چو به صومعه رسیدم، ہمه یافتم دغائی
(میں جوئے خانے میں گیا تو سب لوگوں کو پاک باز دیکھا)
(اور جب عبادت گاہ میں پہنچا تو وہاں سب کو دغا باز پایا)

در کوی تو لولیِء گدایی
آمد به امید مرحباي

برخاك درت فتاده مسكين
از دست غمت شكسته پايى
(آپ کے دروازے پر ایک بے شرم فقیر)
(اس امید سے آیا ہے کہ مجھے خوش آمدید کہا جائے گا)
(آپ کے دروازے کی خاک پر ایک مسکین پڑا ہوا ہے)
(غموں کے ہاتھوں جس کے پاؤں ٹوٹ چکے ہیں)

از عكس رخت دل عراقى
گلزار و بهار و باغ و صحراست
(تیرے رُخ کے عکس کی وجہ سے عراقی کا دل)
(گلزار ہے، بہار ہے، باغ ہے، صحرا ہے)
تمنا مى كند مسكين عراقى
كه دريابد بقا بعد از فنايى
(مسکین عراقی یہ تمنا کرتا ہے)
(کہ فنا ہو کر بقا پالے)

7۔ سعدی شیرازیؒ

شیخ سعدی شیرازیؒ (متوفی 691ہجری/1292ء) شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے۔

سوزِ دلِ يعقوبِ ستم ديده ز من پرس
كاندوهِ دلِ سوختگان سوخته داند
(یعقوبِ ستم دیدہ کے دل کا سوز مجھ سے پوچھو)
(کہ دل جلوں کے دل کے غم کو دل جلا ہی جانتا ہے)

گر دِلے دارى به دلبَندى بَده
ضايع آں كشور كه سلطانيش نيست

کامراں آں دل که محبوبیش ہست
نیک بخت آں سر که سامانیش نیست
(تو اگر دل رکھتا ہے تو اسے کسی دل دار کو دے دے)
(وہ سلطنت ضائع ہو جاتی ہے جس کا کوئی سلطان نہ ہو)
(کامیاب ہے وہ دل کہ جس کا کوئی محبوب ہو)
(نیک بخت ہے وہ سر کہ جس میں ساز و سامان کی ہوس نہیں ہے)

برگِ درختانِ سبز پیش خداوند ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار
(صاحبِ عقل لوگوں کے سامنے سبز درختوں کے پتے ایسے ہیں)
(کہ ہر ایک پتا اس پرور دگار کی معرفت کی ایک کتاب ہے)
خوش تر از دوران عشق ایام نیست
بامداد عاشقاں را شام نیست
مطرباں رفتند و صوفی در سماع
عشق را آغاز ہست انجام نیست
ہر کسے را نام معشوقے که ہست
می برد معشوق ما را نام نیست
(عشق کے زمانے سے بہتر کوئی دن نہیں ہیں)
(عاشقوں کی صبح کی شام نہیں ہوتی)
(مطرب چلے گئے اور صوفی اب تک حالتِ سماع میں ہے)
(عشق کا آغاز ہوتا ہے، اس کا کوئی انجام نہیں ہوتا)
(ہر شخص کے معشوق کا ایک نام ہے)
(لیکن میرے معشوق کا کوئی نام نہیں)

کریما به بخشائے پر حال ما
که ہستم اسیر کمند ہوا

نداریم غیر اَز تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش وبس
نگہ دار ما را ز راہِ خطا
خطا درگذار و صوابم نما
(اے کریم! رحم کر ہمارے حال پر)
(کیونکہ میں ہوس کے جال کا قیدی ہوں)
(ہم تیرے سوا کوئی فریاد کو پہنچنے نہیں رکھتے)
(صرف تو ہی گنہگاروں کے گناہوں کو بخشنے والا ہے اور بس)
(غلط راستے سے ہماری حفاظت فرما)
(غلطی کو در گزر فرما اور مجھے درست راستہ دکھا)
بنی آدم اعضائے یک دیگرند
که در آفرینش ز یک گوهرند
چو عضوئے به درد آورد روزگار
دگر عضو ها را نماند قرار
تو کز محنت دیگران بیغمی
نشاید که نامت نهند آدمی
(بنی آدم ایک جسم کے اعضا کی طرح ہیں)
(ابتدا ہی سے ایک ہی جوہر کے عنصر ہیں)
(جب کسی عضو کو زمانہ کوئی تکلیف پہنچاتا ہے)
(تو اس جسم کے دیگر اعضا بھی بے قرار ہو جاتے ہیں)
(تو جو کہ دوسروں کے غم کی تکلیف سے بے فکر ہے)
(تجھے آدمی کہنا بھی مناسب نہیں ہے)

8- امیر خسروؒ

حضرت امیر خسروؒ (متوفی 725ہجری/1325ء) حضرت نظام الدین دہلویؒ کے مرید تھے۔

دلم در عاشقی آواره شُد، آواره تر بادا
تَنم از بیدِلی بیچاره شد، بیچاره تر بادا
(عشق میں میرے دل کی پریشانی بڑھ گئی ہے اور بڑھ جائے)
(معشوق کو دل دینے سے جسم بے چارہ ہو گیا ہے، یہ بے چارگی اور بڑھے)

چو با تر دامنی خو کرد خسرو با دوچشمِ تر
به آبِ چشمِ مژگاں دامنش ہموارہ تر بادا
(جب خسرو نے بھیگی آنکھوں کے ذریعے تر دامنی کو عبادت بنا لیا ہے)
(تو اس کا دامن آنکھوں کے پانی سے اور زیادہ تر ہو جائے)
ناخدا در کشتیء ما گر نباشد گو مباش
ما خدا داریم، ما را ناخدا درکار نیست
(اگر ہماری کشتی میں ناخدا (ملاح) نہیں ہے تو کہہ دو نہ ہوا کرے)
(ہم خدا رکھتے ہیں ہمیں ناخدا درکار نہیں)

عشق تو ہر لحظه فزوں می شود
دل ز غمت قطرہء خوں می شود
(تیرا عشق ہر لحظہ مزید بڑھتا جاتا ہے)
(اور دل تیرے درد میں خون کا قطرہ ہوا جاتا ہے)

ہر قوم را ست راہے دینے و قبله گاہے
من قبله را ست کردیم بر سمت کج کلاہے
رویم به سوئے رویت، خاکم به خاک کویت
روئے تو قبله گاہے، کوئے تو سجده گاہے
گر کوئے تو نشستم به حالت تباہے
این حسرتے که شاید بر من کنی نگاہے
(ہر قوم کا کوئی راستہ، دین اور قبلہ ہے)
(میں نے ایک ترچھی ٹوپی والے (خواجہ نظام الدینؒ) کی سمت (اپنے) قبلے کا تعین کر لیا ہے)

(میرا رخ آپ کے چہرۂ مبارک کی طرف ہے، میرے جسم کی مٹی آپ کے کوچے سے اٹھی ہے)
(آپ کا چہرۂ مبارک میرے لیے قبلہ گاہ کی حیثیت رکھتا ہے اور آپ کا کوچہ سجدہ گاہ کی مانند ہے)
(میں اپنے تباہ حال کے ساتھ آپ کے کوچے میں آبیٹھا ہوں)
(اس امید پہ کہ شاید آپ اک نگاہ مجھ پر بھی کریں)

من تو شُدم تو من شُدی، من تن شُدم تو جاں شُدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری
(میں 'تو' ہوگیا، آپ 'میں' ہوگیا، میں بدن بن گیا، آپ اس میں جان بن گئے)
(تاکہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہے کہ میں اور ہوں اور آپ اور ہیں)

9 محمود شبستریؒ

محمود شبستری ایرانیؒ (متوفی 72 ہجری/1339ء) کی وجہ شہرت 'مثنوی گلشن راز' ہے۔

من ندانم من منم یا من ویم
درعجائب حالتم من من نیم
عاشقم معشوقم و عشقم چرام
مست جام حیرت ام من من نیم
(میں نہیں جانتا کہ میں 'میں' ہوں یا 'وہ' ہوں)
(عجب حالت میں ہوں کہ 'میں' میں ہی نہیں ہوں)
(عاشق ہوں، معشوق ہوں، عشق ہوں، کیا ہوں)
(میں جامِ حیرت سے مست ہوں، میں میں نہیں ہوں)

آنجا کہ توئی تو من نیاید
کس محرم ایں سخن نیاید
اے برتر از آں کہ برتر آمد
ہم توز با تو دو خور آمد

بیروں زہمه فراز وپستی
ہستی نه بگفت ما که ہستی
(جہاں تو ہے وہاں میرے جیسا نہیں پہنچ سکتا)
(کوئی اس راز کا محرم نہیں)
(اے ان سب سے برتر جو برتر ہیں)
(تو خود ہی اپنی شان کے لائق ہے)
(تو ہر نشیب وفراز سے بالا ہے)
(تو ہمارے بیان کی حد میں نہیں آسکتا)

در عشق مجوے ما و من را
صد بار گفتم ایں سخن را
اے ابجد عشق او نخوانده
در وصل و فراق خویش مانده
(عشق میں، میں اور ہم کا فرق تلاش نہ کر)
(تجھے یہ بات سو بار بتا چکا ہوں)
(اے انسان! تو نے اس عشق کی الف ب نہیں پڑھی)
(اور اپنے ہی وصل و فراق میں رہا ہے)

اگر در خویشتن گردی گرفتار
حجاب تو شود عالم بے کبار
(اگر تو اپنے آپ میں گرفتار ہوگیا)
(تو سارا عالم یکایک تیرے لیے حجاب ہو جائے گا)

جہاں را دید امر اعتباری
چوں واحد گشته در اعداد ساری
(جہان کو ایک اعتباری امر دیکھا)
(جیسا کہ واحد تمام اعداد میں سرایت کیے ہوئے ہوتا ہے)

جہان خلق و امر این جا یکے شد
یکے بسیار و بسیار اندکے شد
(عالمِ خلق اور عالمِ امر یہاں ایک ہو جاتے ہیں)
(ایک بہت اور بہت، کم ہوجاتا ہے)

10 حافظ شیرازیؒ

حافظ شیرازیؒ (متوفی 792ہجری/1389ء) 'لسان الغیب' (غیب کی آواز) کہلاتے ہیں۔

به تن مقصرم از دولت ملازمتت
ولے خلاصهء جاں خاکِ آستانه توست
(میں جسمانی طور پر آپ کی ہم نشینی کی دولت سے بہرہ ور تو نہیں)
(مگر میری جان کا خلاصہ (جوہر) آپ کے آستانے کی خاک ہے)

آنچه جان عاشقاں از دست ہجرت می کشد
کس ندیده در جہاں جز کشتگان کربلا
(تیرے فراق کے ہاتھوں عاشقوں کی جان نے جو برداشت کیا ہے)
(ویسا ستم دنیا میں کربلا کے شہیدوں کے سوا کسی نے نہیں دیکھا)

خرقه‌پوشیِ من از غایتِ دین‌داری نیست
پرده‌ای بر سرِ صد عیبِ نهان می‌پوشم
(میری خرقہ پوشی کمال دینداری کی وجہ سے نہیں ہے)
(میں تو اپنے سو چھپے ہوئے عیبوں پر پردہ ڈال کر رکھتا ہوں)

به چشمِ خَلق عزیزِ جهان شود حافظ
که بر درِ تو نهد رویِ مسکنت بر خاک
(مخلوق کی نگاہ میں حافظ اس وقت با عزّت ہو گا)
(جب تیرے در پر عاجزی سے اپنا چہرہ رکھ دے گا)

سرشک من زطوفان نوح دست ببرد
زلوح سینه نیارست نقش مہر توشُست
بکن معامله و ایں دل شکسته بخر
که باشکتگی ارزد بصد ہزار درست
(میرے آنسو جو طوفان نوح سے بھی بازی لے گئے)
(تیری محبت کا نقش سینے کی تختی سے دھو نہ سکے)
(معاملہ کرلے اور یہ ٹوٹا ہوا دل خرید لے)
(یہ ٹوٹا ہوا ہونے کے باوجود لاکھ اشرفیوں کی قیمت رکھتا ہے)

صبر است مرا چاره زہجرانِ تو لیکن
چوں صبر تواں کرد که مقدور نمانده است
در ہجرِ تو گر چشمِ مرا آب نمانده است
گو خونِ جگر ریز که معذور نمانده است
(تیرے ہجر کا علاج میرے لیے صبر ہے لیکن)
(صبر کیوں کر کیا جائے کہ وہ ممکن نہیں رہا)
(تیرے ہجر میں اگر میری آنکھ میں پانی نہیں رہا)
(کہہ دو کہ جگر خون بہائے کیوں کہ وہ معذور نہیں ہے)

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں بر خیز
(عاشق ومعشوق کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے)
(حافظ تو خود اپنا پردہ ہے درمیان سے اٹھ جا)

آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعه بنام من دیوانه زند

(آسمان کے لیے امانت کا بوجھ نہ اٹھانا ممکن نہیں تھا)
(مجھ دیوانہ کے نام قرعہ ڈال دیا)

صحرا دِلَم عشق تُو شور ستان کرد
تا مہر کسے دیگر نہ روید ہرگز
(تیرے عشق نے میرے دل کے صحرا کو ایسا بنجر بنا دیا)
(کہ اس میں اب کسی اور کی محبت کا پودا کبھی نہیں اُگ سکتا)

گدای کوی تو از هشت خلد مستغنیست
اسیر عشق تو از هر دو عالم آزادست
(آپ کی گلی کا گدا آٹھوں جنتوں سے بے نیاز ہے)
(آپ کے عشق کا غلام دونوں جہانوں سے آزاد ہے)

نگارِ من که بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزه مسئله آموزِ صد مدرِس شُد
(میرا محبوب مکتب میں نہیں گیا اور نہ لکھنا سیکھا)
(مگر اس نے اپنی نگاہ ناز سے سینکڑوں اساتذہ کو مشکل مسائل سمجھا دیے)

در بحر فتاده ام چو ماهی
تا یار مرا به شست گیرد
خرم دل آن که همچو حافظ
جامی ز می الست گیرد
(میں مچھلی کی طرح سمندر میں غوطہ لگاتا ہوں)
(تاکہ میرا محبوب کنڈی سے پکڑ لے)
(وہ دل خوش ہے جو حافظ کی طرح)
(الست کا جام تھامتا ہے)

11۔ عبدالرحمٰن جامیؒ

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ (متوفی 898ہجری/1492ء) عبیداللہ احرارؒ کے خلیفہ تھے۔

تنم فرسودہ جاں پارہ زِ ہجراں یا رسول اللّٰہ
دلم پُر درد آوارہ زِ عصیاں یا رسول اللّٰہ
شب و روز از شکیبائی ز حد گشتم تمنائی!
بخلوت سوئے من آئی خراماں یا رسول اللّٰہ
چوں سوئے من گزر آری منِ مسکیں زِ ناداری
فدائے نقشِ نعلینت کنم جاں یا رسول اللّٰہ
زِ کردہ خویش حیرانم سیاہ شد رُو ز عصیانم
پشیمانم پشیمانم پشیماں یا رسول اللّٰہ

(یا رسول اللہﷺ! آپ کی جدائی میں میرا جسم بے کار اور جاں پارہ پارہ ہو گئی ہے)
(گناہوں کی وجہ سے دل غم زدہ اور آوارہ ہو گیا ہے)
(دن رات صبر کر کے میں حد سے زیادہ (آپ کی زیارت کا) متمنی ہو چکا ہوں)
(میری تنہائی میں تشریف لائیے، یا رسول اللہ!)
(جب آپ میری جانب قدم رنجہ فرمائیں گے تو میں غریب و ناداری کی وجہ سے)
(میں آپؐ کی جوتیوں کے نشان پر جان قربان کر دوں اے اللہ کے رسول!)
(اپنے کیے ہوئے پر میں حیران ہوں، گناہوں کی وجہ سے میرا چہرہ سیاہ ہو چکا ہے)
(یا رسول اللہ! میں پشیماں ہوں، پشیماں ہوں، پشیماں ہوں)

زمہجوری بر آمد جان عالم
ترحم یا نبی اللّٰہ ترحم
تو آخر رحمۃ للعالمینی
زمحروماں چرا فارغ نشینی

زحجرہ پائے در صحن حرم نہہ
بہ فرق خاکِ رہ بوساں قدم نہہ
(آپؐ کے ہجر میں دنیا کی جان لبوں پر آگئی)
(رحم فرمایئے، یا نبی اللہؐ! رحم فرمایئے)
(آپؐ ہی تو سارے عالم کے لیے رحمت ہیں)
(پھر محروموں سے یہ دوری کیوں ہے؟)
(حجرے سے نکل کر حرم نبوی کے صحن میں تشریف لایئے)
(خاکِ راہ چومنے والوں کے سر پر قدم رنجا فرمایئے)

آن را کہ بر سر افسرِ اقبالِ سرمد است
سر در رہِ محمدؐ و آلِ محمدؐ است
(جس شخص کے سر پر ابدی خوش بختی کا تاج ہوتا ہے)
(اس کا سر محمدؐ و آلِ محمدؐ کی راہ میں ہوتا ہے)

12- بیدلؒ

مرزا بیدل دہلویؒ (متوفی 1289ہجری/1720ء) سے غالب اور علامہ محمد اقبالؒ بھی متأثر تھے۔

افسانہ خیال بہ پایاں نمی رسد
عالم تمام یک سخنِ ناتمام اوست
(خیال کا یہ افسانہ کہیں انجام کو نہیں پہنچ پا رہا)
(تمام عالم اس کی ایک ناتمام بات ہے)

اہلِ دنیا عاشقِ جاہند از بے دانشی
آتشِ سوزاں بچشمِ کودکِ ناداں زر است
(اہلِ دنیا، اپنی جہالت کی وجہ سے جاہ و مرتبے کے عاشق ہیں)
(نادان بچے کو جلانے والی چمکتی آگ سونا نظر آتی ہے)

مشتِ خاک ما سراپا فرشِ تسلیم است و بس
سجدهِ ما را جبینی و سری درکار نیست
(ہماری مشت خاک سراپا تسلیم ہے اور بس)
(ہمارے سجدے کو کوئی جبین اور کوئی سر درکار نہیں ہے)

ستم است گر ہَوَست کَشَد که به سیرِ سَرو و سَمَن در آ
تُو ز غنچه کم نه دمیده ئی درِ دل کُشا به چمن در آ
(ستم ہے اگر ہوس تجھے کھینچ کر لے جائے کہ تو باغ کی سیر کو آ)
(تُو کلی سے کم نہیں ہے درِ دل کو کھول، چمن میں آ)

چشمِ تو به حالِ من، گر نیم نظر خندد
خارم به چمن نازد، عیبم به ہنر خندد
(تُو اگر میرے حال پر ایک اُچٹتی ہوئی نظر بھی ڈال دے)
(تو میرے کانٹے چمن پر ناز کریں اور میرے عیب ہنر پر مسکرائیں)

از شرم روسیاهی اعمال زشت خو
بر رخ‌کشیده‌ایم ز دست دعا نقاب
(اپنے اعمالِ بد سے شرمندہ ہوکر)
(دستِ دعا سے اپنے چہرے کو چھپاتا ہوں)

شب بدل گفتم چه باشد آبروئے زندگی
گفت چوں پروانه در آغوشِ دلبر سوختن
(میں نے ایک رات دل سے کہا کہ زندگی کی آبرو کیا ہے)
(اس نے کہا کہ پروانہ کی طرح محبوب کی آغوش میں جلنا)

ای مرده دل آرایش مرقد چه تمناست
نام تو همان به که لب گور نگیرد

(اے مُردہ دل! تجھے قبر کی آرائش کی کیا آرزو ہے؟)
(یہی بہتر ہے کہ تیرا نام قبر میں دفن نہ ہو)

با کي بايد گفت بيدل ماجراي آرزو
آنچه دل‌خواہِ من است از عالمِ ادراک نیست
(بیدل! ماجرائے آرزو (دل کی بات) کس سے کہی جا سکتی ہے؟)
(جو میرے دل کو مطلوب ہے، وہ عالم ادراک میں سے نہیں ہے)

ز چشمِ تر مآلِ انتظارِ شوق پُرسیدم
جگر خوں گشت و گُفت، احوالِ مُشتاقاں چُنین باشد
(چشمِ تر سے جب انتظارِ شوق کا انجام پوچھا)
(کلیجہ خون ہوگیا اور پکارا کہ محبت کرنے والوں کا یہی حال ہوتا ہے)

13۔ اقبالؒ

علامہ محمد اقبالؒ (متوفی 1357ہجری/1938ء) اپنے دور کی عہد ساز شخصیت تھے۔

وادی عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادہء صد سالہ بآہے گاہے
در طلب کوش و مدہ دامنِ امید ز دست
دولتے ہست کہ یابی سرِ راہے گاہے
(عشق کی وادی یا منزل بڑی دور و دراز ہے)
(لیکن کبھی سو سال کا راستہ ایک آہ میں طے ہو جاتا ہے)
(طلب میں لگا رہ اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ)
(یہ ایک ایسی دولت ہے کہ کبھی سرِ راہ ہاتھ آجاتی ہے)

نہ بہ جادہ قرارش، نہ بہ منزل مقامش
دل من مسافر من کہ خداش یار بادا

(نہ سفر میں قرار، نہ منزل میں سکون)
(میرا دل، میرا مسافر، خدا اس کا دوست ہو)

خواجۂ من نگاہ دار آبروی گدای خویش
آنکه ز جوی دیگران پر نکند پیاله را
(میرے آقا! اپنے گدا کی آبرو کا خیال رکھ)
(وہ کہ جو دوسروں کی ندیوں سے اپنا پیالہ نہیں بھرا)

چوں بنامِ مصطفیؐ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود
(جب میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود پڑھتا ہوں)
(تو شرمندگی سے میرا وجود پانی پانی ہو جاتا ہے)

بمصطفیؐ برساں خویش را که دیں ہمه اُوست
اگر به اُو نرسیدی، تمام بولہبی است
(خود کو مصطفیٰؐ کی ذاتِ اقدس تک پہنچا کہ ان کی ذات ہی دین ہے)
(اگر تو اُن تک نہیں پہنچتا تو پھر تیرے سارے اعمال بولہبی ہیں)

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفیؐ پنہاں بگیر

(تو دونوں جہانوں سے بے پروا ہے اور میں ایک عاجز بندہ ہوں)
(قیامت کے روز میرے گناہوں کا عذر قبول فرمانا)
(اگر تو سمجھے کہ میرا حساب لینا ناگزیر ہے)
(تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہ سے چھپائے رکھنا)

خاکِ یثرب از دو عالم بہتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبراست
(یثرب کی مٹی دونوں جہانوں سے بہتر ہے)
(وہ شہر کس قدر خوب ہے جہاں میرا محبوب ہے)

ہر کجا بینی جہان رنگ وبو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفےؐ او را بہا است
یا ہنوز اندر تلاش مصطفےؐ است
(جہاں کہیں بھی تجھے رنگ وبو کی دنیا نظر آئے)
(جس کی خاک سے آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں)
(اسے یا تو نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قدر و قیمت ملی ہے)
(یا پھر وہ ابھی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں ہے)

در دل مسلم مقام مصطفی است
آبروئے ما زنام مصطفی است
(مسلمان کے دل میں جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ہے)
(ہماری عزت جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے ہے)

دل بے قید من با نور ایمان کافری کردہ
حرم را سجدہ آوردہ بتان را چاکری کردہ
متاع طاقت خود را ترازوے بر افرازد
ببازار قیامت با خدا سوداگری کردہ
(میرے بے قید دل نے ایمان کے نور کے ساتھ کافری کی ہے)
(کہ سجدہ تو حرم کو کرتا ہے لیکن چاکری اور غلامی بتوں کی کرتا ہے)
(اپنے اطاعت کے مال و متاع کو ترازو میں تولتا ہے)
(گویا کہ قیامت کے بازار میں خدا کے ساتھ سوداگری کرتا ہے)

حصہ چہارم

متفرقات

تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی

37۔ کتب تصوف

تصوف کی روایت نے مسلم تاریخ میں شاندار ادب تخلیق کیا ہے، جس میں قرآن مجید کی تفسیر سے لے کر علمی کتب، مواعظ، تذکرے اور شاعری وغیرہ شامل ہیں۔ اس باب میں اس صوفی ادب سے کچھ کتب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ امہات کتب

تصوف کی روایت میں پانچ کتب ایسی ہیں جنہیں سب سے بلند مرتبہ حاصل ہے اور انہیں تصوف کا حقیقی مصدر قرار دیا جاتا ہے۔ انہیں امہات کتب کہتے ہیں۔ ذیل میں سب سے پہلے ان کا مختصر تعارف پیش ہے۔

(۱) کتاب اللمع

اس کتاب کا پورا نام 'کتاب اللمع فی التصوف' ہے۔ اس کے مصنف صوفی عالم ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسیؒ (متوفی 378 ہجری/ 983ء) ہیں۔ یہ تصوف کی قدیم ترین کتاب ہے جس میں تصوف کی حقیقت، مقام، صوفیا کی اہمیت، سالک کے مقامات، عارفوں کے اقوال اور احوال صوفیا کی تشریح، ان کی کرامات و خوارق عادات اور شطحات کی توجیہ جیسے امور شامل ہیں۔ اس کتاب میں توحید الٰہی، اتباع سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی پر خاص زور دیا گیا ہے۔

(2) قوت القلوب

اس کتاب کا پورا نام 'قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب ووصف طریق المرید الی مقام التوحید' ہے۔ یہ صوفی بزرگ شیخ ابوطالب مکیؒ (متوفی 387 ہجری/ 996ء) کی تصنیف ہے۔ تصوف کے بارے

میں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ اسلام میں زبردستی داخل کیا گیا ہے۔ کتاب قوت القلوب میں دراصل اسی طرح کے اعتراضات کا مدلل جواب ہے۔ اس کتاب میں ہر عنوان پر قرآن کریم، حدیث شریف، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعینؒ کے اقوال شامل ہیں۔ امام غزالیؒ اس کتاب سے بہت متأثر تھے۔

(3) کشف المحجوب

یہ حضرت علی بن عثمان ہجویری لاہوریؒ (متوفی 464ہجری/1072ء) کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب دراصل حضرت ابوسعید ہجویریؒ جو کہ آپؒ کے رفیق خاص تھے، کے تصوف اور رموز تصوف کے حوالے سے استفسارات کے ضمن میں لکھی گئی۔ تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں یہ پہلی تصنیف تھی اور علما میں اس کتاب کو ایک خاص مقام حاصل رہا۔ کشف المحجوب میں جن رموز طریقت اور حقائق معرفت کو منکشف کیا گیا ہے، ان کی بنیاد مکاشفات پر نہیں بلکہ ان کا ماخذ قرآن وسنت کو قرار دیا گیا ہے۔

(4) رسالہ قشیریہ

اس کتاب کا پورا نام 'الرسالۃ القشیریہ فی علم التصوف' ہے۔ یہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری نیشاپوریؒ (متوفی 465 ہجری/1072ء) کی تصنیف ہے۔ آپؒ ایک عظیم مفسر، محدث اور صوفی تھے۔ رسالہ قشیریہ کی تالیف کا مقصد صوفی طریقے کی وضاحت اور اللہ پاک کے بندوں کو گمراہی وضلالت سے بچانا تھا۔ یہ کتاب لکھ کر آپؒ نے بہت سے صوفیوں کو بھجوائی، اسی لیے اسے 'رسالہ' کہتے ہیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایک زمانے تک یہ مشہور تھا کہ جس گھر میں یہ کتاب ہوگی، وہ گھر آفات سے محفوظ رہے گا۔

(5) عوارف المعارف

یہ کتاب ابوحفص عمر بن محمد عبداللہ قرشی سہروردی بغدادیؒ (متوفی 632 ہجری/1234ء) کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب تریسٹھ ابواب پر مشتمل ہے جس میں راہ سلوک کی منازل واحوال کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

2۔ دیگر اہم کتب

ان امہات کتب کے علاوہ بھی کچھ کتابیں بہت اہم ہیں۔

(1) کتاب الرعایہ

یہ کتاب شیخ ابوعبداللہ حارث محاسبیؒ (متوفی 243ہجری/ 857ء) کی ہے۔ آپؒ جنید بغدادیؒ اور سری سقطیؒ کے استاد اور صوفی نظریات کے بانیوں میں سے تھے۔ آپؒ نے بعد میں آنے والے بہت سے علما اور صوفیا کو متاثر کیا۔ اس کتاب کے باسٹھ ابواب ہیں۔ اس میں محاسبہ نفس، توبہ کی اہمیت، آخرت کی تیاری اور اخلاص کی افادیت سمیت بہت سے اہم موضوعات پر کلام کیا گیا ہے۔

(2) المواقف

اس کتاب کا پورا نام 'المواقف والمخاطبات' ہے۔ اس کے مصنف شیخ عبدالجبار نفریؒ (متوفی 354 ہجری/ 965ء) ہیں۔ شیخ نفریؒ نے خود اپنے قلم سے کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں کی۔ وہ کاغذ کے پرزوں پر کبھی کبھی کچھ لکھ دیا کرتے تھے جسے آپؒ کے فرزند نے جمع کر کے کتابی شکل دے دی۔

(3) التعرف

اس کتاب کا پورا نام 'التعرف لمذھب اھل التصوف' ہے۔ یہ کتاب شیخ ابوبکر کلاباذی بخاریؒ (متوفی 380 ہجری/ 990ء) کی ہے۔ آپؒ کی کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مشائخ صوفیہ نے اس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ 'لولا التعرف لما عرف التصوف' یعنی اگر کتاب التعرف نہ ہوتی تو تصوف کو پہچانا نہیں جاسکتا تھا۔

(4) کشف الاسرار

اس کتاب کا پورا نام 'کشف الاسرار وھتک الاسرار' ہے۔ اس کے مصنف قاضی ابوبکر محمد طیب باقلانیؒ (متوفی 403ہجری/ 1013ء) ہیں۔ آپؒ اپنے زمانے کے بڑے عالم تھے۔ آپؒ کے دور میں چونکہ باطنی فلسفہ وعقائد کو تیزی سے رواج مل رہا تھا جو تصوف کے نام پر پھیل رہے تھے۔ اس لیے

ضرورت محسوس کی گئی کہ باطنیہ کو تصوف سے الگ رکھا جائے۔ کشف الاسرار اسی ضرورت کے تحت تصنیف کی گئی۔

(5) منازل السائرین

اس کتاب کے مصنف خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ (متوفی 481 ہجری/1088ء) ہیں۔ آپؒ علوم شرعیہ کے بڑے عالم تھے۔ اس کتاب کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جن میں توبہ، محاسبہ، ریاضت، حزن، خشوع، مراقبہ، صبر اور شکر جیسے موضوعات پر کلام کیا گیا ہے۔

(6) احیاء علوم الدین

اس کتاب کے مصنف ابو حامد محمد غزالی طوسیؒ (متوفی 505 ہجری/ 1111ء) ہیں۔ آپؒ نے تدریس سے کنارہ کشی کر کے کئی سال خلوت، ریاضت، تفکر اور تدبر میں گزارے۔ آپؒ کی تصنیف احیاء علوم الدین اسی کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ قسم العبادات، قسم العادات، قسم المھلکات اور قسم المنجیات۔ ان اقسام کو آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور اخبار الصالحین سے مزین کیا ہے۔ اس کتاب کا ایک خلاصہ خود امام غزالیؒ نے فارسی زبان میں تحریر کیا تھا، جسے کیمیائے سعادت کہتے ہیں۔

(7) المنقذ من الضلال

کتاب کا پورا نام 'المنقذ من الضلال والموصل الی ذی العزۃ والجلال' ہے۔ یہ امام غزالیؒ کی تصنیف ہے۔ یہ بنیادی طور پر تو امام غزالیؒ کے صوفیانہ سفر کی سرگزشت ہے، لیکن اسے اس انداز میں تحریر کیا گیا ہے کہ اس میں تصوف پر آرا اور ان کا اصولی موقف زیادہ مؤثر انداز میں واضح ہوتا ہے۔

(8) مدارج السالکین

یہ کتاب علامہ ابن قیمؒ (متوفی 751 ہجری/1350ء) کی تصنیف ہے۔ یہ اصل میں خواجہ عبداللہ انصاریؒ کی کتاب 'منازل السائرین' کی شرح ہے۔ بعد میں کئی اہل علم نے مدارج السالکین کی تلخیص کا کام بھی انجام دیا۔

(9) الجواھر والدرر

یہ کتاب شیخ عبدالوھاب بن احمد شعرانیؒ (متوفی 973 ہجری/ 1565 ء) کی ہے۔لوگوں نے آپؒ سے فرمائش کی کہ آپؒ نے اپنے شیخ کی مجلس میں چوبیس برس تک سماعت کی ہے، اس سے ہمیں فیض یاب کیا جائے۔اس لیے آپؒ نے یہ کتاب لکھوائی۔

3۔ فلسفیانہ تصوف کی کتب

تصوف میں بہت سی ایسی کتب بھی ہیں جن میں فلسفیانہ نقطہ نظر کی آمیزش ہے۔فلسفیانہ تصوف اپنی مباحث کے اعتبار سے روایتی تصوف سے مختلف ہے۔اس ضمن میں کئی نام آتے ہیں، جن میں حکیم ترمذیؒ، سہروردی مقتولؒ، شیخ ابن عربیؒ اور ابن سبعینؒ کے نام سرفہرست ہیں۔ذیل میں چند اہم کتب کا تذکرہ پیش خدمت ہے[1]:

(1) ختم الاولیا

یہ کتاب سید ناصر حکیم ترمذیؒ (متوفی 320 ہجری/ 905 ء) کی ہے۔مسئلہ وحدت الوجود، مسئلہ حقیقت محمدی یا روح محمد ﷺ اور ولایت کے حوالے سے آپؒ نے تصوف میں نئی جہات متعارف کرائیں جن میں فلسفیانہ رنگ غالب ہے۔زیر نظر کتاب مقدمہ کے علاوہ انتیس فصول پر مشتمل ہے۔حکیم ترمذیؒ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تصوف میں ولایت کے مسئلے کو ایک نظریے کے طور پر پیش کیا۔اس کتاب کے حوالے شیخ ابن عربیؒ نے اپنی کتب میں بھی دیے ہیں۔

(2) حکمة الاشراق

یہ کتاب حضرت شہاب الدین سہروردیؒ (متوفی 632 ہجری/ 1234ء) کی ہے۔یہ کتاب پانچ مقالات پر مشتمل ہے، جن میں معاد، نبوت، برزخ، علم باری تعالیٰ، نفس ناطقہ سمیت کئی مسائل پر گفتگو کی

---

[1]۔اس سے متعلق مزید تفصیل باب 'فلسفیانہ اسلام' میں دیکھیں

ہے۔شیخ سہروردیؒ کو اپنی بعض فلسفی صوفیانہ آرا کی وجہ سے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ یا ان کے بیٹے کے حکم پر قتل کر دیا گیا تھا۔آپؒ سہروردیہ سلسلے کے بانی شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ کے بھتیجے تھے۔

(3) فتوحاتِ مکیہ

اس کتاب کے مصنف محی الدین ابوبکر محمد بن علی اندلسیؒ (متوفی 638ہجری/1242ء) ہیں جو شیخ ابن عربیؒ کہلاتے ہیں۔ یہ آپؒ کی سب سے بڑی اور آخری تصنیف ہے۔آپؒ کتاب کے اڑتالیسویں باب میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب الہام کے تحت لکھی گئی۔

(4) فصوص الحکم

یہ کتاب شیخ ابن عربیؒ کی تصنیف ہے، جس میں ستائیس فصوص ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کی صفات سے متعلق ہیں۔کتاب کے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: ’امابعد! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو محرم الحرام 627ہجری کے آخری عشرہ میں خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ مجھے آواز دے کر فرمایا: یہ کتاب فصوص الحکم ہے، اسے لے لو اور نفع عام کے لیے پھیلاؤ۔ میں نے سمعاً و طاعتاً کہہ کر قبول کر لیا‘۔

یہ بہت مشہور کتاب ہے جس کے ردو قبول میں علما نے اختلاف کیا ہے۔شیخ صدر الدین قونویؒ اور شیخ داؤد قیصریؒ نے اس کی بہت اعلیٰ شروح لکھی ہیں۔

4۔ صوفی تفاسیر

مسلم علمی تاریخ میں بہت سے علمانے قرآن کریم کی صوفیانہ علوم کی روشنی میں تفسیر لکھی ہے۔اسے تفسیر اشاری کا نام بھی دیا جاتا ہے۔تفسیر اشاری کو کچھ شرائط وضوابط کے ساتھ اکابر علمانے قبول کیا ہے۔ ذیل میں کچھ اہم صوفی تفاسیر کا ذکر کیا جاتا ہے:

(1) تفسیر امام جعفر صادق

یہ تفسیر حضرت امام جعفر صادقؒ (متوفی 148 ہجری/ 765ء) کی ہے جو پہلی صوفی تفسیر ہے۔ آپؒ کے بقول اللہ پاک کی ہر بات/ آیت کے چار معنی ہوتے ہیں: (i) عباراتی / ظاہری مفہوم، جو عوام الناس کے لیے ہے، (ii) اشاراتی مفہوم، جو خواص کے لیے ہوتا ہے، (iii) لطیفاتی مفہوم، جو اللہ پاک کے دوستوں کے لیے ہے اور (iv) حقیقی مفہوم، جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہوتا ہے۔

(2) تفسیر النصوص

اس کا پورا نام 'تفسیر النصوص والمعانی القرآنیہ' ہے۔ یہ تفسیر حضرت حارث محاسبی بصریؒ (متوفی 243 ہجری/ 857ء) کی ہے۔ یہ تفسیر صوفیانہ معارف کو بیان کرتی ہے۔ آپؒ پہلے شخص تھے جنہوں نے تصوف کے موضوع پر لکھا۔

(3) تفسیر تستری

یہ تفسیر حضرت سہل تستریؒ (متوفی 283 ہجری/ 896ء) کی تالیف ہے، جو مسلک صوفیا کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔

(4) حقائق التفسیر

یہ تفسیر محمد بن حسین ازدی سلمیؒ (متوفی 412 ہجری/ 1021ء) کی ہے۔ آپؒ خراسان میں صوفیا کے شیخ مانے جاتے تھے۔ تصوف اور علم حدیث میں مہارت رکھتے تھے۔

(5) کشف الاسرار

اس کا پورا نام 'کشف الاسرار وعدۃ الابرار' ہے۔ یہ تفسیر احمد بن ابی سعد میبدیؒ (متوفی 580 ہجری / 1184ء) کی تصنیف ہے۔ یہ تفسیر چھ بڑی جلدوں پر مشتمل ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ اصل میں یہ تفسیر خواجہ عبداللہ انصاریؒ کی ہے۔

(6) عرائس البیان

اس کا پورا نام 'عرائس البیان فی حقائق القرآن' ہے۔ یہ تفسیر حضرت روز بہان بقلی شیرازیؒ (متوفی 606ہجری/1209ء) نے لکھی ہے۔ بعض علمانے اس تفسیر پر سخت تنقید کی ہے۔

(7) التاویلات النجمیہ

یہ تفسیر نجم الدین ابوبکر بن عبداللہ اسیریؒ (متوفی 618ہجری/1145ء) کی ہے، جو شیخ نجم الدین کبریٰ کے لقب سے مشہور تھے۔ اس تفسیر کی تکمیل بعد میں شیخ محمد بن احمد سمنانیؒ (متوفی 736 ہجری /1336ء) نے کی۔ یہ تفسیر پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

(8) تفسیر ابن عربی

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تفسیر ابن عربیؒ (متوفی 638ہجری/1242ء) کی ہے۔ کچھ کے خیال میں یہ تفسیر شیخ عبدالرزاق کاشانیؒ کی ہے۔

(9) غرائب القرآن

اس کا پورا نام 'غرائب القرآن ورغائب الفرقان' ہے۔ یہ تفسیر نظام الدین ابن احسن نیشاپوریؒ (متوفی 850ہجری/1328ء) نے لکھی۔ اس میں آپؒ اپنے روحانی فیوض کا بکثرت ذکر کرتے اور دل گداز نصائح ومواعظ تحریر کرتے ہیں۔

(10) روح البیان

صوفی تفسیری ادب میں سب سے زیادہ مواد فراہم کرنے والی تفسیر روح البیان ہے۔ یہ شیخ اسماعیل حقیؒ (متوفی 1127 ہجری) کی ہے۔ اس میں عقیدہ حلول، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، کشف و الہام، ذکر، مقامات، احوال، خلوت، نظریہ فنا، اتحاد، اولیا کی عصمت، قطب اور ابدال سے متعلقہ

موضوعات پر بڑے موثر انداز میں بحث کی گئی ہے۔

(11) روح المعانی

اس کا پورا نام 'روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی' ہے۔ یہ تفسیر سید محمود آلوسی عراقیؒ (متوفی 1270 ہجری/ 1854ء) کی ہے۔ آپؒ آیات قرآنیہ کا ظاہری معنی بیان کرنے کے بعد ان کے باطنی معانی بیان کرتے ہیں۔

5۔ آداب المریدین

صوفیا نے اپنے مریدین اور شاگردوں کے لیے کچھ ایسی کتب تصنیف کی ہیں جن میں تعلیم و تربیت کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔ اس قسم کی کتب کو 'آداب المریدین' کا نام دیا جاتا ہے۔ ذیل میں ایسی کچھ کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(1) مطالب الطالبین

یہ کتاب شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ (متوفی 563 ہجری/ 1168ء) کی ہے جو سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ یہ کتاب 'آداب المریدین' بھی کہلاتی ہے۔ سہروردی حلقوں میں یہ کتاب بطورِ نصاب پڑھی جاتی ہے۔

(2) الانوار القدسیہ

اس کا پورا نام 'الانوار القدسیہ فی معرفۃ قواعد الصوفیہ' ہے۔ یہ کتاب شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ (متوفی 973 ہجری/ 1565ء) کی ہے۔ اس میں تصوف کے قواعد کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک مقدمے اور تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں مریدین کے لیے آداب، دوسرے باب میں مرید کے شیخ کے ساتھ تعلق، جب کہ تیسرے باب میں اپنے سلسلے کے احباب کے آداب واضح کیے گئے ہیں۔

6۔ مکتوبات

عربی زبان میں انہیں 'رسائل صوفیا' کہا جاتا ہے۔صوفیائے کرامؒ کے مکتوبات میں طریقت و معرفت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ذیل میں چند اہم مکتوبات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(1) رسائل جنید

یہ رسائل حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ (متوفی 297 ہجری/ 910ء) کے مکتوبات ہیں۔آپؒ نے اپنی زندگی میں کئی مکتوبات مختلف صوفیا کو ارسال کیے تھے۔ان میں کچھ آپؒ نے حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ، عثمان مالکیؒ اور یوسف بن الحسین الرازیؒ کو لکھے تھے۔ یہ رسائل تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان میں صدق، اخلاص، توحید باری تعالیٰ، الوہیت، فنا اور افراط و تفریط سے اجتناب جیسے موضوعات شامل ہیں۔

(2) رسائل ابن عربی

شیخ ابن عربیؒ (متوفی 638 ہجری/ 1240ء) کے رسائل میں روح القدس اور الدرۃ الفاخرۃ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ روح القدس اصل میں ایک طویل مکتوب ہے جو آپؒ نے اپنے دوست ابومحمد عبدالعزیز المداویؒ کو تحریر کیا۔اس رسالے میں تین اہم موضوعات پر بات کی گئی ہے: (i) تصوف میں جو غیر اسلامی عناصر اور کمزوریاں پیدا ہونا شروع ہو گئی تھیں، ان پر اظہار خیال کیا گیا ہے، (ii) تقریباً پچپن ایسے شیوخ کا ذکر ہے جو ابن عربیؒ کی تربیت میں کسی نہ کسی حوالے سے شریک رہے، (iii) طریقت کے راستے میں پیش آنے والی مشکلات کے احوال ہے۔اس میں ابن عربیؒ نے کچھ اپنے ذاتی تجربات کا حوالہ بھی دیا ہے۔

(3) مکتوبات منیریؒ

آپ کا نام احمدؒ اور لقب شرف الدین (متوفی 786 ہجری/ 1381ء) ہے۔آپؒ کے مکتوبات 'مکتوباتِ صدی' اور 'مکتوباتِ دوصدی' کے نام سے مشہور ہیں۔آپؒ کے مکتوبات میں حدیث، فقہ اور

فلسفہ کے گہرے مباحث ہیں۔

(4) مکتوبات امام ربانی

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (متوفی 1034 ہجری/ 1624ء) کے مکاتیب 'مکتوبات امام ربانی' کے نام سے معروف ہیں۔ یہ مکتوبات علوم و معارف اور حقیقت و معرفت کا خزانہ ہیں۔ نقشبندی سلسلے میں ان کی تعلیم کی جاتی ہے۔ یہ مکتوبات آپؒ کی زندگی ہی میں مرتب ہو گئے تھے جو تین دفاتر پر مشتمل ہیں:

(i) پہلا دفتر 'دارالمعرفۃ' ہے۔ اس میں 313 مکتوبات ہیں۔ اس دفتر کو خواجہ یار محمد بدخشی طالقانیؒ نے 1025 ہجری میں جمع کیا تھا۔ اس جلد کے مکاتیب کی تعداد امامؒ کے حکم پر اصحاب غزوہ بدر کی تعداد کے مطابق 313 رکھی گئی۔

(ii) دوسرا دفتر 'نورالخلائق' ہے۔ اس دفتر کو خواجہ عبدالحئی چاکر حصاریؒ نے خواجہ محمد معصومؒ کے حکم پر 1028 ہجری میں جمع کیا تھا۔ اس میں مکتوبات کی تعداد اسماء اللہ الحسنیٰ کے مطابق 99 رکھی گئی ہے۔

(iii) تیسرا دفتر 'ثالث' ہے جس میں مکتوبات کی تعداد قرآن کریم کی سورتوں کی تعداد کے مطابق 114 رکھی گئی تھی لیکن تکمیل کے بعد چند اور مکاتیب ملے۔ اب عام طور پر اس جلد میں 124 مکتوبات ہیں۔

(5) رسائل شیخ احمد التیجانی

حضرت احمد بن محمد تیجانیؒ (متوفی 1230 ہجری/ 1815ء) الجزائر کے صوفی بزرگ تھے۔ جنہوں نے تیجانیہ سلسلہ کی بنیاد رکھی۔ آپؒ نے دس مکتوبات لکھے، جن کے ذریعے آپؒ نے اپنے شاگردوں میں للّٰہیت اور خلوص پیدا کرنے پر زور دیا۔ اس کے علاوہ ان مکتوبات میں شاذلی سلسلے کے اوصاف و خصائص پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

(6) صوفیا کے ان مکتوبات کے علاوہ کچھ دیگر مشہور مکتوبات میں یہ بھی شامل ہیں:

(i) مکتوبات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ (متوفی 826 ہجری/ 1422ء)

(ii) مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (متوفی 944 ہجری/ 1537ء)

(iii) مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (متوفی 1052ہجری/1642ء)

(iv) مکتوبات حضرت بلھے شاہؒ (متوفی 1091ہجری/1680ء)

(v) مکتوبات حضرت سلطان باھوؒ (متوفی 1102ہجری/1691ء)

(vi) مکتوبات شاہ ولی اللہؒ (متوفی 1176ہجری/1762ء)

7۔ ملفوظات

صوفیا نے جو تعلیم لوگوں کو دی، کوئی سننے والا اگر اسے ضبطِ تحریر میں لے آیا تو وہ 'ملفوظ' ہے۔ وہ ایسے فرمودات ہیں جو حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے اپنی یادداشت پر اعتبار کرتے ہوئے اپنے الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ ایسے ملفوظات میں سے کچھ یہ ہیں:

(1) انیس الارواح

'انیس الارواح' حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ (متوفی 617 ہجری/ 1220ء) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ کتاب کے شروع میں خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں: 'حضرت خواجہؒ (عثمانی ہارونی) بغداد میں معتکف ہوئے تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے باہر نہ نکلیں گے۔ میں چاشت کے وقت آجایا کروں، وہ کچھ ایسی باتیں کہیں گے، جو مریدوں اور فرزندوں کے لیے یادگار کے طور پر رہ جائیں گی۔ یہ حکم سن کر میں روزانہ حضرت خواجہ کے یہاں مقامِ عزلت میں پہنچ جاتا اور جو کچھ ان کی زبان سے سنتا، قلم بند کر لیتا'۔

(2) راحت القلوب

'راحت القلوب' حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ (متوفی 666 ہجری/ 1265ء) کے ملفوظات ہیں، جنہیں آپؒ کے خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے 656 ہجری میں مرتب فرمایا تھا۔ یہ ملفوظات بائیس فصول پر مشتمل ہیں۔

(3) ملفوظاتِ رومی

ملفوظاتِ رومی کا اصل نام 'فیہ مافیہ' ہے جسے مولانا رومیؒ (متوفی 672ہجری/ 1273ء) کے بڑے بیٹے سلطان مولانا کے وعظ کے دوران تحریر کرتے رہتے۔اس میں 72 مقالات ہیں۔ یہ 'مقالاتِ مولانا' بھی کہلاتے ہیں۔

(4) فوائدالفوائد

خواجہ نظام الدین اولیاؒ (متوفی 725 ہجری/ 1324ء) کے ملفوظات کو خواجہ امیر حسن سنجریؒ نے جمع کیا ہے۔ ان میں شریعت، طریقت، عبادات، احسان، عدل، تاریخی واقعات اور معاشرے کو درپیش مسائل پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ اس میں بہت سے صوفیا کے تذکرے بھی شامل ہیں۔

8۔ تذکرے

صوفیا کی کتب میں ایک صنف 'تذکرہ' کی بھی ہے جس میں صوفیا کے حالاتِ زندگی اور ان کی تعلیمات کو بیان کیا جاتا ہے۔ذیل میں کچھ ایسی کتب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

(1) طبقاتِ صوفیہ

اس کے مصنف ابوعبدالرحمن سلمیؒ (متوفی 412 ہجری/ 1012ء) ہیں۔ یہ کتاب 'طبقاتِ سلمی' کے نام سے بھی معروف ہے۔ اولیائے کرامؒ کے احوال، ارشادات و فرمودات اور ان کے تذکروں پر مشتمل یہ پہلی جامع کتاب ہے۔

(2) حِلْیَۃُ الاوْلیا

یہ کتاب ابونعیم اصفہانیؒ (متوفی 430ہجری/ 1038ء) کی تصنیف ہے جس میں تقریباً800 سے زائد بزرگان کے حالاتِ زندگی کو ترتیب وار لکھا گیا ہے۔ پہلے عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، پھر اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صحابیات رضی اللہ عنہن کی سیرت بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد تابعینؒ اور تبع

تابعینؒ کے حالات ہیں۔آخر میں صوفی بزرگوں کی زندگی کا بیان ہے۔

(3) صفوۃ الصفوہ

یہ امام ابن جوزیؒ (متوفی 597ہجری/1201ء) کی کتاب ہے جو اصل میں 'حلیۃ الاولیا' کا کچھ اضافوں کے ساتھ خلاصہ ہے۔اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے امام ابن جوزیؒ کے عہد تک کے بزرگوں اور صوفیا کے حالات کو جمع کیا گیا ہے۔ساتھ ہی ان کی تعلیمات واقوال بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

(4) تذکرۃ الاولیا

تذکرۃ الاولیا سب سے مشہور تذکرہ ہے۔شیخ فریدالدین عطارؒ (متوفی 618ہجری/1221ء) اس کتاب کے مصنف ہیں۔یہ تذکرہ امام جعفر صادقؒ کے حالات سے شروع ہوتا ہے۔اسی ضمن میں صوفیا کے اخلاق، اقوال، اوصاف، عبادات اور عادات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

(5) سیر الاولیا

اس کے مصنف خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے نسبت رکھنے والے سید مبارک علویؒ (متوفی 754 ہجری/1353ء) المعروف حضرت امیر خورد کرمانیؒ ہیں۔

(6) نفحات الانس

یہ کتاب مولانا عبدالرحمان جامیؒ (متوفی 898ہجری/1492ء) کی ہے۔اس میں 605 صوفیا کا تذکرہ ہے۔کتاب کے شروع میں تصوف کی تاریخ اور احکام پر بھی کچھ حصہ شامل ہے۔

(7) اخبار الاخیار

اس کتاب کا پورا نام 'اخبار الاخیار فی سر الاسرار' ہے۔اس کا دوسرا نام 'ذکر الاولیا' بھی ہے۔یہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (متوفی 1052ہجری/1642ء) کی تصنیف ہے۔اس کتاب میں پاک و ہند کے تقریباً تین سو صوفیا اور مشاہیر علما کے حالات جمع کیے گئے ہیں۔

9۔ مواعظ وارشادات

اس صنف میں وہ کتب شامل ہوتی ہیں جو لوگوں کی روحانی واخلاقی تربیت کے لیے صوفیا کے وعظ ونصائح پر مشتمل ہوتی ہیں۔ مواعظ وارشادات کی کچھ نمایاں کتب یہ ہیں:

(1) مواعظ حسن بصریؒ

خواجہ حسن بصریؒ (متوفی 110 ہجری/ 728ء) کے مواعظ میں توحید، محبتِ رسول ﷺ، شر سے اجتناب، نیکی اور روحانیت کی طرف رغبت کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔

(2) کتاب التوھم

اس کتاب کا پورا نام 'کتاب التوھم فی وصف احوال الآخرۃ' ہے۔ یہ کتاب خواجہ حارث محاسبیؒ (متوفی 243 ہجری/ 853ء) کی ہے۔ یہ ایک مختصر کتاب ہے۔ اس میں زیادہ تر آخرت کے احوال ذکر کرتے ہوئے لوگوں کو نیک اعمال کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

(3) فتوح الغیب

یہ کتاب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی 561 ہجری/ 1166ء) کے 78 مواعظ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں فنا، بقا، نفس اور دل کے امراض اور ان کا علاج تجویز کیا گیا ہے۔

(4) فتح الربانی

یہ کتاب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی 561 ہجری/ 1166ء) کے مواعظ وارشادات پر مشتمل ہے۔ اس میں 62 وعظ ہیں۔ کتاب کے آخر میں شیخ کے کچھ ملفوظات بھی ہیں۔

10۔ دعا اور مناجات

بزرگان میں سے کئی شخصیات نے مناجات کی کتب تصنیف کی ہیں۔ یہ ذوق کے اعتبار سے

ترتیب دی گئی ہیں۔ بعض صوفیا نے نظم کی صورت میں بھی مناجات مرتب کی ہیں[1]۔

11۔ صوفی شعروادب

تصوف میں جس طرح تزکیہ نفس اور روحانیت کے موضوع پر نثر میں ایک بیش بہا ذخیرہ ملتا ہے، اسی طرح سے شاعری میں بھی شروع سے ایک فیض چلتا آیا ہے۔ اس ضمن میں حضرت منصور حلاجؒ (متوفی 309ہجری/922ء)، احمد غزالیؒ (متوفی 520ہجری/1123ء)، حکیم سنائیؒ (متوفی 535ہجری/1131ء)، خواجہ فریدالدین عطارؒ (متوفی 618ہجری/1221ء)، ابن الفارضؒ (متوفی 632ہجری/1234ء)، مولانا جلال الدین رومیؒ (متوفی 673 ہجری/1273ء)، امام بوصیریؒ (متوفی 696 ہجری/1295ء)، محمود شبستریؒ (متوفی 720ہجری/1339ء) اور مولانا عبدالرحمان جامیؒ (متوفی 897 ہجری/1492ء) وغیرہ کے کلام بہت مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سا شعری ادب مقامی زبانوں میں بھی ہے، خاص کر ترکی، اردو، پنجابی، سندھی اور سرائیکی میں شان دار تخلیقات ہیں[2]۔

نیست بر لوحِ دلم جز الفِ قامتِ یار
چه کنم، حرفِ دگر یاد نداد استادم
(میرے دل کی تختی پر محبوب کے قامت (قد) کی طرح الف کے سوا کچھ نہیں ہے)
(میں کیا کروں، میرے استاد نے کوئی اور حرف یاد ہی نہیں کروایا)

[1]۔ ان کی تفصیل باب 'دعا و مناجات' میں ہے۔
[2]۔ ان کی تفصیل ابواب: صوفیانہ شاعری میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

38۔ تصوف ایک تجزیہ

1۔ تصوف کی روح

مجموعی طور پر، تصوف ایک روحانی عرفانی راستہ ہے جو اللہ کے قرب تک پہنچنے، آخرت کی تیاری کرنے اور انسانی ذہن وقلب کو اللہ کی محبت سے معمور کرنے کی حالتوں سے آگہی فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے روحانی اثرات صرف انفرادی نہیں ہیں اور نہ وہ فرد کو کسی ایک مخصوص نظام زندگی کا مقید بنا دیتے ہیں بلکہ اس کے اثرات انسان کی زندگی کے تمام شعبوں پر مثبت حیثیت میں پڑتے ہیں۔

تصوف میں بلاشبہ بنیادی طور پر جو چیز اولین حیثیت میں مطلوب ہے وہ تزکیہ اور اپنی داخلی روحانی صفات کو مہمیز دینا ہے اور یہ اوصاف وہ ہیں جو انسان کی دنیوی زندگی کو بھی بہتر بناتے ہیں۔ اسلاف صوفیا کے نزدیک کشف وکرامات اور ماورائی چیزوں کا ظہور یا ان کے مشاہدہ سے زیادہ اہم ترک خواہشات، قلب کا خشوع اور معرفت الٰہی کا حصول ہے۔

معرفت کے بہت سے مقامات ہیں اور ان میں سب سے ادنی پانی اور ہوا پر چلنا ہے اور زمین کے خزانوں کا ظاہر ہونا ہے اور یہ سب دنیا کی ظاہری زینت ہے۔ اسی معنی میں حضرت جنید بغدادیؒ سے ایک حکایت منقول ہے کہ چار ابدال عید کی رات جامع منصور میں جمع ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میرا ارادہ عید کی نماز بیت المقدس میں پڑھنے کا ہے، دوسرے نے کہا: میرا ارادہ طرطوس میں عید پڑھنے کا ہے، تیسرے نے کہا: میرا ارادہ مکہ میں عید پڑھنے کا ہے۔ چوتھا خاموش رہا، جو ان میں زیادہ معرفت والا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: میں نے آج تمام خواہشات چھوڑنے کا ارادہ کیا ہے، میں اسی مسجد میں نماز پڑھوں گا جس میں، میں نے رات گزاری ہے، وہ کہنے لگے تم ہم میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہو۔ (قوت القلوب، ج:1، ص:472)

تصوف میں افراط وتفریط بھی ایک حقیت ہے۔ اس حوالے سے اہل علم ہمیشہ اس طرف متوجہ

کرتے آئے ہیں۔ ’حقیقت یہ ہے کہ صوفیا اللہ تعالی کی اطاعت کی طلب میں کوشش کرنے والے ہیں جیسا کہ دیگر طبقات اللہ کی اطاعت تلاش کرنے والے ہیں۔ان میں کچھ اللہ کے زیادہ مقرب ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جو اچھائی طلب کرنے میں درمیانہ درجہ رکھتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں میں سے بعض اجتہاد کرنے والے اور خطا کرنے بھی ہیں اور کچھ گناہ میں مبتلا ہونے والے ہیں جو کبھی توبہ کر لیتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے۔ان میں کچھ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے اور اپنے رب کی نافرمانی کرنے والے ہیں‘۔

(مجموعہ الفتاوی ابن تیمیہ، ج:11،ص:18)

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جس طرح ہر چیز ابتدا میں تو فطرت کی سطح پر شروع ہوتی ہے مگر بعد میں اس کے اندر غلو آجاتا ہے۔ یہی کام تصوف میں بھی ہوا۔ دور اول کے صوفیا فطرت کے دائرہ میں تھے مگر بعد کے صوفیا نے کچھ غلو کیا۔ انہوں نے تصوف پر اسلام کا رنگ غالی رکھنے کے بجائے خود اسلام پر تصوف کا رنگ غالب کر دیا۔ اس طرح تصوف میں فائدے کے ساتھ کچھ نقصانات شامل ہو گئے۔

بعد کے ادوار میں تصوف وسلوک جو ایک روحانی نظام تربیت کا نام تھا عصر حاضر میں وہ محض چند رسومات کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں بھی بہت ساری خرابیاں جنم لے چکی ہیں۔ اصلاح وتزکیہ کی مسند پر جلوہ افروز حضرات شریعت کی روح سے دور محسوس ہوتے ہیں۔

2۔ تصوف کے مثبت پہلو

(1) نصف دین کی نمائندگی

اسلام کا اصل مقصد بندے کو اس کے رب سے جوڑنا ہے۔اس کا پچاس فی صد تعلق خارجی اعمال سے ہے جو شریعت کا موضوع ہیں اور بقیہ پچاس فی صد کا تعلق آدمی کی خود اپنی باطنی طلب سے ہے۔ شریعت یہ ابتدائی کام کرتی ہے کہ وہ بنیادی فریم ورک وضع کر کے ہمیں دے دیتی ہے تا کہ حق کا مسافر بھٹکنے سے بچتے ہوئے اپنا سفر طے کر سکے، مگر معرفت خداوندی یا تعلق باللہ کے اگلے تمام مراحل کا انحصار آدمی کی خود اپنی فطری استعداد یا روحانی طلب پر ہوتا ہے، جتنی فطری طلب، اتنی ہی زیادہ ترقی۔

تصوف یا طریقت اپنی صحیح صورت میں دین کے نصف ثانی کا نمائندہ ہے، اور فقہ اس معاملہ میں

دین کے نصف اول کا نمائندہ۔ الگ الگ دونوں نامکمل ہیں مگر دونوں باہم مل کر ایک کل بن جاتے ہیں جس کا دوسرا نام اسلام ہے۔

(2) بلاتفریق محبت

قرآن کریم نے خوف اور محبت دنوں کو روحانی خیالات کا سرچشمہ بتایا ہے، تاہم صوفیا نے زیادہ زور محبت پر دیا ہے۔ خدا کی محبت پر زور دینے ہی کا نتیجہ تھا کہ صوفیا کے درمیان انسانوں سے محبت کا نظریہ ایک مطلق اصول کے طور پہ پیدا ہوا۔ وہ نفرت کے بجائے شفقت، جنگ کے بجائے امن اور ٹکراؤ کے بجائے مصالحت پر آخری حد تک زور دینے لگے۔ ان کا یہ نظریہ انسانی معاشرہ کے لیے غیر معمولی رحمت ثابت ہوا۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ جس معاشرہ میں صوفیا کا زور زیادہ ہوا وہاں انسانی لڑائیاں بھی اپنے آپ ختم ہو گئیں۔

ایک چشتی بزرگ کا قول ہے: ہمارے سلسلہ تصوف کا یہ اصول ہے کہ مسلمان اور ہندو سے صلح رکھی جائے۔ ایک تمثیلی قصہ ہے جو صوفی کے کردار کو بہت خوبی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ ایک صوفی بزرگ کا قافلہ چل رہا تھا اس نے درمیان میں ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں بہت سے درخت تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہاں فاختہ غول کی صورت میں آ گئے اور درخت کے اوپر منڈلانے لگے۔ اسی کے ساتھ وہ کچھ بولیاں بھی نکال رہے تھے جیسے وہ کسی بات پر احتجاج کر رہے ہوں۔ بزرگ نے ان سے پوچھا تو فاختہ کے لیڈر نے جواب دیا کہ ہمارا ایک جوڑا یہاں درخت پر پتوں کے سایہ میں آرام کر رہا تھا کہ آپ کے ایک مرید نے پتھر مار کر اسے گرا دیا اور اسے ذبح کر لیا۔ بزرگ نے اس آدمی کو بلا کر اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ حضرت میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ یہ جانور تو ہماری خوراک ہیں۔ ان کو مارنا ہمارے لیے حلال ہے اور اگر میں نے ایک فاختہ کو مار کر ذبح کر دیا تو اس میں کیا برائی کی۔ بزرگ نے مرید کا یہ جواب فاختہ کے لیڈر تک پہنچایا۔ اس نے کہا کہ ہماری شکایت یہ نہیں ہے بلکہ شکایت یہ ہے کہ آپ نے شکاری والا کام کیا ہے۔ ہم نے تو آپ کو صوفی سمجھا تھا اس لیے مطمئن ہو گئے۔ اگر ہم شکاری سمجھتے تو پھر اپنے بچاؤ کا انتظام بھی کر لیتے۔

صوفیا کی یہی خصوصیت رہی ہے کہ وہ محبت کرنے والے بن کر آئے۔ صوفیا نے تو خود کو بے ضرر انداز میں پیش کیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ بہت سے لوگ مسلمان ہونے لگے۔ صوفیا نے ان کو اسلام کی

خصوصیات سے روشناس کرایا اور وہ اسلام کے قریب آنے لگے۔

صوفیا کے نقطہ نظر کو مشہور صوفی شاعر حافظ شیرازیؒ نے بہت خوبی کے ساتھ اس شعر میں بیان کیا ہے:

ما قصه سکندر و دارا نه خوانده ایم
ازما بجز حکایت مہر و وفا مپرس
(ہم نے سکندر اور دارا جیسے بادشاہوں کے قصے نہیں پڑھے ہیں)
(ہم سے محبت اور وفا کے قصے کے سوا کچھ نہ پوچھو)

صوفیا کے اسی مسلک نے انہیں ہر خاص و عام میں مقبول بنا دیا۔ مخالف بھی اگر ان کے پاس آتا تو ان کے حسن خلاق سے ان کے آگے جھک جاتا۔ صوفیا کے اسی مسلک سے ایک طرف معاشرہ میں امن و محبت کی قدروں کو فروغ ملا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مہر و محبت کے اس عمومی پھیلاؤ نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان قومی رقابت کو مٹا دیا۔ لوگ معتدل فضا میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے لگے۔ اس اختلاط کے نتیجے میں فطری طور اسلام کی خوبیاں جاننے لگے اور جوق درجوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ (فکر اسلامی، ص:132)

(3) قلب کی صفائی

قلب وہ مرکز ہے جس کے گرد سارا تصوف گھومتا ہے اور جس پر روحانیت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ صوفیا کو جو معرفت حاصل ہوتی ہے وہ قلب کے راستے سے ہوتی ہے۔ معرفت کا ایک راستہ حواس سے بھی آتا ہے، لیکن اس کے ساتھ جب قلب کی معرفت شامل ہوتی ہے تو بندہ عرفان کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ حواس کی معرفت اور قلبی معرفت کے درمیان فرق کو امام غزالیؒ نے بہترین الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ انسان کو تالاب کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور حواس کی معرفت کو اس پانی سے تعبیر کرتے ہیں جو ادھر ادھر سے بہتے ہوئے حوض میں جمع ہوتا ہے اور یہ پانی صاف بھی ہوتا ہے اور گدلا بھی ہوتا ہے، جب کہ قلبی معرفت کو ایسے چشمے سے تشبیہ دیتے ہیں جو عین حوض کے وسط میں پھوٹ رہا ہوتا ہے جو نہ صرف اس تالاب کو کفایت کر رہا ہوتا ہے بلکہ وہ شفاف بھی ہوتا ہے۔ گویا عارف صوفی ایک ایسے تالاب کی مانند ہوتا

ہے جس کا پانی اس کے اندر کی گہرائیوں سے پھوٹ رہا ہوتا ہے۔ (احیاء علوم الدین، ج:3، ص:17-20)

(4) اعتقادات میں تقویت

حقیقی تصوف کی تاریخ رہی ہے کہ وہ انسان کے اندر اس کے اعتقادات کو مزید تقویت دیتا ہے۔ جب صوفی اپنے ریاضت سے بھرپور سفر میں چلتا رہتا ہے تو بالآخر وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ نور الیقین کو اپنے اندر محسوس کر سکے۔ وہ دنیا کو اور چیزوں کو اللہ کے نور سے دیکھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ یہ علم وشعور کا وہ خاص نور ہوتا ہے جسے اللہ تعالی اپنے فیض سے جس پر چاہے نازل فرماتا ہے۔ اس نور کے ساتھ بندہ کے لیے حق اور برائی کی پہچان آسان ہوجاتی ہے اور وہ تذبذب کی کیفیت سے نکل جاتا ہے۔

(5) شمولیت وحرکت

تصوف کی یہ خوبی رہی ہے کہ یہ ہر دور کے بحرانوں میں امید کی طرح ابھر کر سامنے آیا ہے۔ خصوصا ایسے حالات میں کہ جب کبھی معاشرہ مایوسی، ناامیدی اور نفسیاتی طور پہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا ہے تو تصوف کی ضرورت اور افادیت بھی زیادہ کھل کر سامنے آئی۔ تصوف کا فرد وسماج کی عملی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور یہ شمولیت اور حرکت کے اصولوں کو نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ انسان میں یہ داعیہ پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی مدنی تہذیبی ذمہ داریوں کو کما حقہ انجام دے۔ تصوف کے اخلاقیات فرد کی ذات تک محدود نہیں ہوتے اور ان کے اثرات بھی ذاتی نوعیت کے نہیں ہوتے۔ حضرت سری سقطیؒ سے تصوف کی تعریف سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا: تصوف عمدہ اخلاق کا ایسا مجموعہ ہے جسے ایک کریم شخص ایک کریم قوم کی طرف منتقل کرتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ج:1، ص:22)

صوفی فرد کا اخلاقی سلوک ذاتی نہیں ہوتا بلکہ اس میں اجتماعی شمولیت کا عنصر بھی ہونا چاہیے۔ یہ ضروری ہے کہ فرد کی اخلاقیات اس سے آگے بڑھ کر معاشرے تک پہنچیں۔ جس طرح مال کی زکاۃ ہوتی ہے، اسی طرح سے نفس کی زکات اخلاقِ حسنہ ہوتے ہیں جو صوفی اپنی روحانی ثروت سے سماج میں تقسیم کرتا ہے۔

(6) حسن معاشرت

تصوف لوگوں کے ساتھ ربط استوار کرنے اور ان کے ساتھ مشارکت پر ابھارتا ہے۔ اس میں قنوطیت یا منفیت کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ سالک جب تک خلق کے ساتھ محبت اور ان کے ساتھ مساوی تعلق قائم نہ کرے اور وہ ان کے لیے نافع نہ بنے تب تک روحانی عروج حاصل نہیں کرسکتا۔ اگر تم مخلوق میں سے اپنے ساتھیوں کی خدمت نہیں کرسکتے تو یہ کیسے ممکن ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرو۔ (حلیۃ الاؤلیاء وطبقات الاصفیاء، ج:1، ص:71)

حضرت ابویزید بسطامیؒ سے پوچھا گیا کہ عارف کون ہے؟ آپؒ نے فرمایا: تم اسے دیکھو کہ وہ تمہارے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، تمہارے ساتھ کھاتا پیتا ہے اور تم سے مزاح کرتا ہے، اس حال میں کہ اس کا قلب قدسی جہانوں میں ہوتا ہے۔ یہ عارف کی سب سے بڑی علامات ہیں۔ (روضۃ الحبور، ص:69)

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا مشہور قصہ علامتی طور پر مفید ہے۔ ان کے ایک مرید کہیں سفر سے آئے تو وہاں کی سوغات کے طور پر قینچی لائے۔ آپؒ نے فرمایا کہ تم میرے لیے کاٹنے کی چیز لائے ہو۔ اگر تحفہ لانا ہی تھا تو سوئی دھاگہ لاتے کہ وہ جوڑنے کے کام آتا۔ صوفیاء کرامؒ کی یہی خصوصیت تھی جو دین کی اشاعت کا سبب بنی۔ اس محبت کے درس کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں رقابت کم ہوگئی۔ اس میل جول سے لوگ اسلام سے متاثر ہوئے اور اسلام میں داخل ہوئے۔ (فکر اسلامی، ص:131)

(7) مساوات

صوفیائے کرامؒ کے سماج اور معاشرے کی خدمت کے کئی اور پہلو ایسے نظر آتے ہیں جو دنیوی لحاظ سے خصوصاً زیادہ اہم ہیں اور جن کی وجہ سے یہ تحریک روحانی ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی بھی نظر آتی ہے۔ شروع کے صوفیائے کرام نظامِ مساوات اور کرامت انسانی کے علم بردار رہے ہیں۔ چنانچہ ان کے ہاں ذات پات اور مذہب وعقیدہ کی تفریق کے بغیر سب کے لیے دروازے کھلے رہے۔ انہوں نے انسانی اقدار کا ہمیشہ لحاظ رکھا۔ اعلی اقدار کی پاس داری کے انمٹ نقوش تاریخ میں چھوڑے۔ حضرت ابوالحسن علی خرقانیؒ نے اپنی خانقاہ کے دروازے پر لکھا رکھا تھا:

ہر کس کہ دریں جا می آید، نانش بدہیدو از ایمانش مپرسید
(جو بھی یہاں آئے اسے کھانا کھلاؤ اور اس کے مذہب کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرو)

(8) رذائل سے پاکی

تصوف کی وجہ سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا ہے کہ صوفی تمام رذائل اخلاق سے پاک ہوجاتا ہے کیونکہ تصوف (عشق) تمام انسانی عیوب کا ازالہ کر دیتا ہے۔ بقول مولانا رومیؒ:

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
وے طبیب جملہ علت ہائے ما

(اے ہمارے اچھے جنون والے عشق، شاد رہ آباد رہ)
(تو ہی ہماری تمام علّتوں اور بیماریوں کا طبیب ہے)

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد
او، ز حرص و آز، کلی پاک شد

(ہر وہ کہ جس کا جامہ عشق میں چاک ہوا)
(وہ حرص اور عیبوں سے بالکل پاک ہوا)

(9) مخلوق سے محبت

صوفیائے کرامؒ نے اللہ پاک کے لیے پر جوش محبت کرنے کی تاکید کی اور اس محبت کے ساتھ اس کی مخلوقات سے بھی محبت کرنے پر زور دیا۔ تصوف کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان، کافر اور مومن، ہندو اور مسلمان، کالے اور گورے غرض کہ ہر شخص سے محبت کرنے لگتا ہے۔

بندۂ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

(عشق کا بندہ اللہ تعالیٰ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے)
(کافر اور مومن دونوں پر شفیق ہوتا ہے)

تصوف کا پہلا سبق یہ ہے کہ سب انسان، اللہ پاک کے پیدا کیے ہوئے ہیں، اس لیے مجازاً اللہ کا کنبہ ہیں، چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہی ہے: **مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔**

صوفی کے دل و دماغ سے تنگ نظری، حقارت، امتیاز رنگ ونسل، اختلاف عقائد و مذہب کے جذبات بالکل مٹ جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ کسی کو آزار نہیں پہنچا سکتا۔ انسان تو انسان ہے وہ تو حیوانات پر بھی رحم کرتا ہے:

مباش درپئے آزار و ہر چه خواہی کن
که در طریقت ما بیش ازیں گناہے نیست

(کسی کو بھی تکلیف دینے کے درپے نہ ہو، باقی جو کچھ کرنا چاہو کرو)
(کہ ہماری شریعت میں اس (تکلیف دہی) سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے)

(10) توبہ واستغفار

توبہ واستغفار تعلیمات تصوف کا ایک اہم عنصر رہا ہے۔ جب کسی چیز سے توبہ کرو تو نیت بھی خالص رکھو، گناہ سے ایک بار توبہ کی جاتی ہے مگر اطاعت سے ہزار بار، جس اطاعت میں ریا کی آمیزش ہو وہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔

(11) صبر ورضا

صبر ورضا اہل طریق کی مخصوص پہچان رہے ہیں اور راہ سلوک کی اہم منزل بھی۔ اخلاص ویقین سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بہت عزیز رکھتا ہے، حضرت ذوالنون مصریؒ کا ارشاد ہے: رضا قسمت کے فیصلے پر قلب کے خوش ہونے کا نام ہے، اس لیے راضی برضا رہنے والا اپنی

بساط سے زیادہ کسی اور چیز کی تمنا نہیں کرتا۔ حضرات صوفیا کو مقام رضا میں اس قدر لذت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اکثر رنج ومصیبت کی آرزو کرتے ہیں، جس قدر مصائب جھیلتے ہیں اسی قدر قوت برداشت بڑھتی ہے اور اس میں ان کو مزا ملتا ہے۔

3۔ تصوف کے منفی پہلو

تصوف کے حلقے میں بعد کے ادوار میں کچھ خامیاں پیدا ہوگئیں، جس کے اثرات انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر نظر آئے ہیں۔ ذیل میں کچھ منفی پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1) ترک دنیا

آج کا تصوف کائنات اور بنی نوع انسان سے ربط وضبط کی بجائے ترک دنیا اور خلوت نشینی کی وکالت کرتا ہے جبکہ حقیقی صوفی رویے اور طرز عمل میں تعیش اور انتہا پسندی ترک کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ تصوف کے اس غلط تصور نے امت مسلمہ کو کمزور کر کے رکھ دیا ہے۔ حضرت اقبالؒ کے مطابق مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سقوط بغداد کے بعد دوسرے نمبر پر تصوف کا غلط تصور ہے: تقویٰ کے نام پر ہم نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ جائز نعمتیں بھی اپنے اوپر حرام کرلیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک بار ایک معمولی وجہ سے ارادہ فرمایا کہ آپ ﷺ آئندہ شہد نہیں کھائیں گے۔ اس ارادہ پر اللہ پاک نے ناراضی کا اظہار فرمایا، جب کہ ہم نے اب بہت سی نعمتیں آپ ﷺ کی غلامی کے نام پر اپنے لیے ترک کر لی ہیں۔ حقیقی تصوف میں کبھی بھی ترک دنیا کی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ جس چیز کو صوفیا نے ترک کیا وہ دنیا نہ تھی بلکہ دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال تھا۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نه قماش و نقده، میزان و زن

(دنیا کیا ہے؟ اللہ سے غافل ہونا دنیا ہے)
(کپڑا اور مال اور ترازو اور عورت نہیں)

(2) سائنسی علوم سے دوری

جب مسلمان خود کو روحانیت کے نام پر گوشوں میں مقید کیے ہوئے تھے تو مغرب میں فطری علوم ترقی کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ ہمارا تصوف خوابوں اور متصوفانہ مشاہدات پر زور دیتا رہا میں یہ نہیں کہتا کہ صوفیوں نے لوگوں کو سائنسی علوم پڑھنے سے روک دیا تھا لیکن غلط تصورات کی وجہ سے، وہ مزاج جو ہم نے وضع کیا اگر سائنس دشمن نہیں تو غیر سائنسی ضرور تھا۔ سائنس ہماری توجہ خارجی مادی دنیا کی طرف مبذول کرتی ہے، جب کہ ہم نے اپنی قوتوں کو باطن (داخلی وسعتوں) پر مرکوز کر دیا تھا۔

جس زمانے میں ہمارے ہاں بڑے صوفی پیدا ہوئے۔ یورپ میں اعلیٰ پائے کے سائنس دان پیدا ہوئے۔ ہمارے یہ صوفیا کرام عظیم لوگ تھے۔ انہوں نے انسان کی اخلاقی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا، لیکن اچھا ہوتا کہ ان کے ساتھ ساتھ عظیم پائے کہ سائنس دان بھی پیدا ہوتے جو انسانی علم کو آگے بڑھاتے۔ انسان کی روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ مادی فلاح کا بھی مداوا کرتے۔

(3) قوت محرکہ کا اختتام

مسلمانوں نے دو بڑے نقصان اٹھائے جو تصوف کی ان مخصوص تعلیمات، رہبانیت اور تیاگ اور نامعقولیت کی صورت میں ظاہر ہوئے: ایک تو اسلام متحرک و عملی دین کی بجائے چلہ کشی و مردم بیزاری کی طرف چلا گیا۔ دین کی سماجی، سیاسی و معاشی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ خدا کی ذات کے بجائے شیخ کی طرف بلایا جانے لگا۔ دین کی عطا کردہ اجتماعیت کی بجائے ذاتی عرفان، کشف اور مراقبہ جیسے انفرادی اعمال کیے جانے لگے۔ دین نے تو عبادت و دعا کو بھی اجتماعی عمل بنایا تھا۔ ہم نے اس کو حجرہ تک بلکہ جنگلوں تک محدود کر دیا۔ اس سے سماج ٹوٹنے لگا۔ اجتماعیت کمزور پڑ گئی۔ روحانیت ذاتی فعل بن گیا۔ اس کی اجتماعیت ختم ہوگئی۔ اجتماعیت کی قوت نہ ہونے کی وجہ سے روحانی و نفسی مسائل بڑھنے لگے۔

حضرت اقبالؒ نے بجا کہا ہے کہ عبادت اسی وقت بہتر نتائج دے سکتی ہے جب وہ اجتماعی طور پر کی جائے۔ ان کے الفاظ میں: 'تاہم نماز کا حقیقی مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب اقدامِ نماز، اجتماعی اقدام بن جائے۔ صحیح نماز کی روح معاشرتی ہے۔ اسلام میں نماز با جماعت کی ادائیگی معاشرتی راہ ورسم

بڑھانے اور روحانی رخشندگی پھیلانے کا خصوصی ذریعہ ہے۔ اس میں بہت سے فائدے مضمر ہیں۔ جب مسلمان روزانہ کی اجتماعی نماز سے بڑھ کر آگے چلتے ہوئے سالانہ تقریب کے لیے مکہ کی مرکزی مسجد میں پہنچیں تو آپ بہ آسانی دیکھ سکتے ہیں کہ اسلامی عبادت کا دستور العمل بتدریج بڑھتے بڑھتے انسانی دائرہ رفاقت کو وسیع تر کر دیتا ہے'[1]۔

(4) عجیب وغریب دعوے

صوفیوں نے 'حالت سکر' میں عجیب وغریب دعوے بھی کر دیے۔ یہ حقائق زندگی سے کٹ کر اور غلط روحانی کیفیات میں ڈوب گئے۔ ہندوستان کے عظیم صوفی حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ سے منسوب قول قابل توجہ ہے کہ

محمد عربیؐ برفلک الافلاک رفت و باز آمد
واللہ گر من رفتمے، ہرگز باز نیامدے

(حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج میں آسمانوں پر گئے اور واپس آ گئے)
(اللہ پاک کی قسم! اگر میں وہاں جاتا تو ہرگز واپس نہ آتا)

حضرت اقبالؒ اپنے سات خطبات میں سے پانچویں میں جس میں نبوت اور ولایت کا فرق بتایا گیا ہے، کہتے ہیں: یہ الفاظ عظیم صوفی بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے ہیں۔ غالباً پورے صوفیانہ ادب میں پیغمبرانہ ادراک اور صوفیانہ شعور میں موجود واضح نفسیاتی فرق کو ایک جملے میں ادا کرنے کی کوئی اور نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔ صوفی نہیں چاہتا کہ وہ اس واردات اتحاد کی لذت اور سکون سے واپس لوٹے اور جب وہ کبھی لوٹتا ہے اور اسے واپس لوٹنا پڑتا ہے۔ اس کی واپسی نوع انسانی کے لیے کوئی بڑا مفہوم نہیں رکھتی۔ نبی کی واپسی تخلیقی ہوتی ہے۔ وہ اس سے لوٹتا ہے تا کہ زماں کی قلمرو میں داخل ہو اور تاریخ کی قوتوں کو قابو میں رکھتے ہوئے مقاصد کی تازہ دنیا تخلیق کرے۔ صوفی کے لیے اتحاد لذت اس کی آخری منزل ہے مگر نبی کے لیے یہ تجربہ اپنے آپ میں دنیا کو ہلا دینے والی نفسیاتی قوتوں کو بیدار کرنے کا عمل ہے۔ جس سے عالم انسانیت کو مکمل طور پر تبدیل کیا جا سکے۔ یہ خواہش کہ اس کا مذہبی تجربہ ایک زندہ

[1]. The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.84

عالمگیر قوت میں تبدیل ہو جائے، نبی میں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے[1]۔

ہمارے صوفیائے کرامؒ بالعموم اپنے صوفیانہ تجربات میں گُم ہو گئے تھے تاہم ان میں کچھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سنجیدہ اور متین حالت میں واپس آ گئے اور انہوں نے دنیا کے لیے مثبت خدمات انجام دیں۔ جو کچھ انہوں نے اپنے عارفانہ تجربے سے حاصل کیا اس سے انہوں نے دنیا میں تبدیلی کی۔ مگر اکثریت کی دعاؤں نے بنی نوع انسان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ چنانچہ وہ انسانی صلاحیتوں کے لیے تاریک غار بن گئے۔

(5) عقلیت سے دوری

عقل علم کا واحد ذریعہ نہ تھا لیکن وحی کے ساتھ ساتھ عقل لازم ہے۔ وحی بھی عقل کو خطاب کرتی ہے۔ ہم نے بعد کے ادوار میں عقلیت کے خلاف روحانی تجربے کو لا کھڑا کیا۔ کشف، الہام اور وجدان کو علم کا اصل ذریعہ سمجھ لیا۔ عقل اور علم کے خلاف باتیں کرنے لگے۔ صوفیا نے جو بات ایک خاص انداز میں ایک خاص وجہ سے کہی وہ ہم نے عمومی اصول بنا لیا۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

صد ورق و صد کتاب را در نار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

(سینکڑوں صفحے اور سینکڑوں کتابیں آگ میں ڈال دیں)
(اور اپنے دل کا رخ اپنے محبوب کی طرف کر لیں)

اس طرح کی عارفانہ گفتگو سے ہم نے غلط نتیجہ نکالا۔ ہم نے ایک غیر عقلی رویہ اپنا لیا۔ علم سے دور رہنے لگے جس کے نتیجے میں تصوف نے ایک غیر علمی اور غیر عقلی شکل اختیار کر لی۔

(6) نفی ذات

اس صوفیانہ سوچ سے ایک بہت بڑا نقصان ذات کی نفی کی صورت میں سامنے آیا جس سے شخصی آزادی اور ارتقا رک گیا۔ صوفی نے اپنی ذات کو شیخ میں فنا (فنا فی الشیخ) کرنا تھا۔ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

[1]. The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam

ذات میں فنا (فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور پھر خدا کی ذات میں فنا (فنافی اللہ) کرنا تھا۔ مگر بعض صوفیاؒ نے فنا کی اس سوچ کے مضمرات کو سمجھا۔ اس فنا کے بعد بقا کو اپنایا۔ خدا تعالیٰ کی ذات میں اپنی ذات کو گم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے رحم و کرم پر ہوتے ہوئے اپنی ذات کا تشخص قائم رکھا۔ ذات کا یہ قیام انسانی ترقی کا بنیادی لازمہ ہے۔ جب تک انسان اپنی ذات کو آگے نہیں لائے گا، وہ کوئی بھی تخلیقی عمل نہیں کر سکتا۔ یہی ہمارے ساتھ ہوا۔ بڑے ذہن تصوف کی اس غلط تعبیر کی نذر ہو گئے۔ حیوانی صفات کو ضبط کرنے کی بجائے ان کو فنا کرنے پر تل گئے۔ غیر ضروری عاجزی نے اعتماد ذات ہی ختم کر دیا۔ خودی میں ڈوب کر باہر نہ نکل سکے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے صحیح ارشاد فرمایا ہے کہ

یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

(7) اجتہاد کی غلطی

صوفیا نے بعد کے ادوار میں روحانی سلوک کے لیے جو طریقہ اجتہاد اختیار کیا، وہ بلا شبہ اختلافی ہے کیونکہ ان اجتہادات کا تعلق عبادات کے امور سے ہے۔ اہل علم کے نزدیک یہ متفقہ اصول ہے کہ اجتہاد کا تعلق صرف معاملات سے ہے، عبادات سے نہیں۔ صوفیا نے اس حد کو ملحوظ نہیں رکھا۔ انہوں نے مسنون طرق عبادات کے ساتھ 'معاون تدابیر' کے نام سے بہت سے مزید الگ طریقے ایجاد کر لیے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم نے صرف عبادات ہی پر توجہ مرکوز کر لی تھی اور سارے اجتہادات بھی اسی تناظر میں کر رہے تھے۔

(8) تعلیم یافتہ طبقے سے دوری

اسلام کو اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے میں عام کرنے کے لیے اسلام کو جدید اعلیٰ معیارات پر قائم کرنے کی ضرورت تھی جو صوفیا نہ کر سکے۔ اس لیے ان کے زمانہ میں اسلام کی جو اشاعت ہوئی وہ عوامی طبقہ تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اس طرح اسلام نچلے طبقات میں تو خوب پھیلا مگر قوم کا اعلیٰ اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس سے دور رہ گیا۔ یوں مسلمانوں کے اندر تعداد کا تو بہت اضافہ ہوا مگر کیفیت کے اعتبار سے زیادہ بلند معیار

حاصل نہ کیا جا سکا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم تعداد میں تو بہت رہے ہیں مگر تاثیر کے اعتبار سے دنیا کی کمزور ترین قوم ہیں کیونکہ زور اور تاثیر اعلیٰ دماغوں سے آتی ہے۔ (فکر اسلامی، ص:137-138)

(9) شخصیت پرستی

ہم اپنی ذات میں اعتماد کی بجائے فنا فی الشیخ کے چکر میں پڑ گئے۔ قرآن مجید نے آسمان و زمین کی طرف بلایا تھا ہم نے کہا کہ شیخ کی اطاعت کرو۔ حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کو علامتی کی بجائے حقیقی سمجھ لیا گیا:

به مئے سجاده رنگین کن گرَت پیر مغان گوید
که سالک بے خبر نبود ز راه و رسم منزلها

(اگر پیر صاحب کہیں تو مصلے کو شراب سے تر کر لے)
(اس لیے کہ شیخ کو منزل کے راستوں کا عرفان حاصل ہوتا ہے)

اس نظام فکر سے غیر صحت مندانہ شخصی تقدس اور شخصیت پرستی نے جنم لیا جو بذات خود تعلیم و تحقیق کے منافی ہے۔

(10) بے اعتدالی

میرے ایک پیارے دوست نے ایک بار مجھے پورے اعتماد میں لے کر بتایا کہ ان کے پیر صاحب بہت عبادت گزار تھے۔ انہوں نے ایک ٹہنی پکڑ کر کئی سال ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر عبادت کی۔ مجھ سے برداشت نہ ہوا اور میں نے عرض کیا کہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اعتدال کا حکم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری رات عبادت اور سارا سال روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:38)

اس قسم کی انتہا پسندانہ عبادت سے مجھے یاد آیا کہ سینٹ میکیرلیس چھ ماہ تک ایک دلدل میں رہتا رہا اور عام طور پر ایک من لوہے کا وزن اپنے گلے میں رکھتا تھا۔ سینٹ یوسیبس تین سال تک ایک خشک

کنویں میں مقیم رہا۔مشہور راہب یوحنا مسلسل تین سال تک کھڑے ہو کر عبادت کرتا رہا۔سینٹ انتھونی نے کبھی پیر دھونے کا گناہ نہیں کیا تھا۔سینٹ ابراہم نے پچاس سال میں کبھی اپنا منہ نہیں دھویا۔ یہ روایت اسلام میں ممکن نہیں ہے مگر ہمارے بھی ملنگ یہی کرتے ہیں۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر،ص:212)

(11) رسمی بیعت

بیعت وارادت کے مقاصد اور اس تناظر میں اگر آپ عصر حاضر کے پیری مریدی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آج بیعت کی حیثیت ایک رسم محض بن کر رہ گئی ہے جن عظیم مقاصد کے تحت ہمارے اسلاف نے بیعت وارادت کا سلسلہ قائم کیا تھا، آج انہیں یکسر فراموش کر دیا گیا ہے۔صورت حال یہ ہے کہ اب مشائخ طریقت کو اپنے مریدین ومتوسلین کی اصلاح کی فکر ہے نہ ان کی خانقاہوں میں ایسا کوئی نظام اور بندوبست ہے۔ بیعت کے بعد نہ شیخ کو خبر رہتی ہے کہ ان کا مرید کس حال میں ہے اور نہ مرید کو خبر ہوتی ہے کہ شیخ کا کیا حال ہے۔

(12) خلافت میں بے احتیاطی

عہد قدیم میں مشائخ طریقت خلافت کے معاملے میں حد درجہ محتاط تھے۔مریدین کی طرح خلفا کی بھی مکمل تربیت فرماتے۔جس میں اس منصب کی اہلیت دیکھتے،صرف اسی کو خلافت سے نوازتے۔ آج کل ایک شیخ کے بعد اس کا بیٹا گدی نشین ہوتا ہے، چاہے اس کا عرفان سے تعلق ہی نہ ہو۔ڈاکٹر کا بیٹا ڈاکٹر نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اس کی تعلیم حاصل نہ کرے تو شیخ کا بیٹا تربیت کے بغیر شیخ کیسے بن سکتا ہے۔علامہ اقبالؒ نے صحیح فرمایا ہے:

میراث میں آئی ہے انھیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

(13) تربیت کا خاتمہ

قدیم خانقاہوں میں ارادت مندوں کے تزکیہ نفس کے لیے مجالس ذکر و مراقبے کا خاص اہتمام ہوتا تھا، مریدین ذوق وشوق سے ان مجالس میں شریک ہوتے تھے اور روحانیت حاصل کرتے تھے۔ شب وروز کے معمولات میں اسے شامل کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ عصر حاضر کی خانقاہوں میں اس طرح کی مجالس ذکر و مراقبہ اور چلہ کشی کا سلسلہ اب تقریباً بند ہو چکا ہے۔

(14) جمود و تعطل

بعض صوفیا نے توکل کا جو تصور پیش کیا ہے وہ سراسر بے عملی ہے۔ اس سے انسان میں جمود اور کاہلی پیدا ہوتی ہے۔ ملت کا ایک طبقہ ایسا ہے جو کسب معاش کو ترک کر کے خانقاہوں میں بیٹھ کر نذرانوں پر گزر اوقات کرتا ہے حالانکہ یہ دست سوال پھیلانے کا ایک طریقہ ہے۔ شیخ ابوتراب اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے کہ تم میں جس نے خرقہ پہن لیا اور خانقاہ یا مسجد میں بیٹھ گیا اس نے دست سوال دراز کیا۔

اہل حال کے نظریہ توکل نے مسلمانوں کے کردار پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ قرون اولیٰ کے مسلمان بھی قضا و قدر پر یقین کامل رکھتے تھے، مگر ان کی جدوجہد نے انسانی تاریخ کا رخ پلٹ دیا۔ انہوں نے خود کو اور اپنے گردوپیش کو بدلنے کا تہیہ کیا۔ اس کے لیے جدوجہد کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی۔

(15) دیگر بدعات

عہد حاضر میں بگڑے ہوئے تصوف کی یہ خصوصیات ہیں:

(i) سلسلہ کے شیخ اپنے اندر برکت اور ولایت رکھتا ہے جس کی مکمل طور پر اطاعت کی جاتی ہے۔ اس کی تعظیم پرستش تک پہنچ جاتی ہے۔ مرید فنا فی الشیخ سے آگے نہیں بڑھتے۔

(ii) ایک باقاعدہ تنظیمی نظام ہے جس میں کئی درجے ہیں مگر اس میں ایک یکسانیت پائی جاتی ہے مگر روحانیت کمزور ہے۔

(iii) پیر/شیخ سے منسلک دو طرح کے طبقات ہیں: (ا) وہ لوگ جو روحانی درجات کی بلندی کے حصول

کے لیے تربیت پانے کے لیے منسلک ہوتے ہیں، (ب) عام مرید جو صرف برکت و دعا کے لیے بیعت کرتے ہیں یا جن کے دنیاوی کام ہوتے ہیں۔

(iv) باقاعدہ بیعت کا نظام ہے جس میں شیخ لوگوں کو سلسلہ میں بیعت کرتا ہے اور اطاعت کا وعدہ لیتا ہے۔ عام طور پر وہ لباس اور شکل و شباہت بنائی جاتی ہے جو شیخ / پیر کی ہوتی ہے مگر روحانی تربیت نہ ہونے کے برابر ہے۔

(v) اجتماعی ذکر ہوتا ہے جس میں موسیقی کے آلات سماع اور سانس کو کنٹرول کرنے اور دیگر ورزشوں سے وجد طاری کیا جاتا ہے جو کلاسیکل تصوف میں موجود نہ تھا۔

(vi) نیک لوگوں/ ولیوں کے مزارات پر زیارات کی جاتی ہیں۔ زندہ اور مردہ ولیوں میں برکت اور کرامت ہوتی ہے جس کے حصول کے لیے کوشش کی جاتی ہے۔

(vii) ایک باقاعدہ معاشی نظام ہے جس میں مرید یا عوام الناس دعا اور برکت لینے کے لیے نذرانے پیش کرتی ہے جس کی وجہ سے عام طور پر پیر اور شیخ بہت امیر ہوتے ہیں۔ مرید کی آخرت درست ہوتی ہے اور پیر کی دنیا میں ترقی آتی ہے۔

(viii) خانقاہوں کا پورے کا پورا نظام خاندانی وراثت پر چلتا ہے۔ والد کے بعد عام طور پر اس کا سب سے بڑا بیٹا گدی نشین بنتا ہے، چاہے اس میں روحانی صلاحیت سرے سے موجود ہی نہ ہو بلکہ وہ روحانیت وراثت میں لیتا ہے۔ بہت کم (غالباً شاذ و نادر) ایسی خانقاہیں ہیں جہاں شیخ کی وفات کے بعد اس کے خلفا کسی کو اس کا جانشین چنتے ہیں۔

(ix) شریعت کے بجائے طریقت و باطنیت پر زور دیا جاتا ہے اور لوگ صرف برکت کے لیے منسلک ہوتے ہیں۔ تصوف کی روایتی تربیت جو خانقاہوں میں ہوتی تھی وہ بالکل غائب ہے۔ تربیت نہیں ہوتی۔

(x) اللہ پاک کی جگہ شیخ کا ذکر ہوتا ہے۔ قرآن و احادیث کی جگہ صوفیا کے خطوط، تذکرے یا سماع نے لے لی ہے۔

4۔ اصلاحات کی ضرورت

تصوف کو غیر اسلامی اور غیر انسانی نظریات سے پاک کرنے کی ضرورت ہے۔ روحانیت اللہ پاک کی ذات عالی کی حضوری اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا نام ہے۔ ہمیں نبوی مزاج اپنانا ہوگا۔ انسانوں میں رہتے ہوئے اعلیٰ اخلاق اور روحانی واردات رکھتے ہوئے عمومی فلاح کے لیے کام کرنا ہوگا۔ انسانیت سے محبت کرنا ہوگی۔ اجتماعیت میں انفرادیت ڈھونڈنا ہوگی۔ روحانی تجربے اور نفسیاتی بیماریوں میں فرق کرنا ہوگا۔ نفسیاتی خوابوں سے نجات پانا ہوگی۔

یہ حکمت ملکوتی، یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اگر تصوف حقیقی ہو تو وہ ہمیں اس جدید دنیا میں بہت کام دے سکتا ہے جس میں لوگ مال و دولت اور عیش و آرام کے لیے ہلکان ہوئے جا رہے ہیں اور مادی آسائشوں کو زندگی کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

اسلام کی روحانی وسعتیں اس امر کی متقاضی ہیں کہ انہیں مناسب انداز میں سامنے لایا جائے کیونکہ بنی نوع انسان روحانیت کی تلاش میں مضطرب ہونے کے باوجود اس تک رسائی پانے سے قاصر ہے۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں پر ان کے ایمان کے اندرونی حسن کو بھی آشکارا کیا جائے۔

اسلام کا اصل نصب العین انسان اور اس کے خالق کے درمیان ایک رابطہ پیدا کرنا ہے۔ تصوف انسان کی روحانی تمنا اور ارتقا کو آگے بڑھاتا ہے۔ صوفیا اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنے کے بجائے اس سے محبت کا درس دیتے ہیں۔ محبت اس کائنات میں امن اور رواداری کا سرچشمہ ہے۔ ہمیں محبت پھیلانا ہے تاکہ محبت کا مزہ چکھنے کے بعد احساس ہو۔

I wonder, by my troth, what thou
And I did, till we loved.

(مجھے زمین کی قسم! میں حیران ہوں کہ آپ اور میں نے آپس میں محبت کرنے سے پہلے کیا کیا)

لذت آشنائی

سالک اپنے سفر میں عجیب نفسی و روحانی کیفیات میں رہتا ہے۔ تلاش حق میں ہجر و وصال کے مزے چکھتا ہے، محبوب کی رضا کی جستجو میں مگن رہتا ہے، ہر پل مست رہتا ہے، اس پر رحمت کی امید غالب رہتی ہے، وہ محبوب کی مخلوق سے محبت کرتا ہے اور دونوں جہانوں کے اندیشوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

1۔ تلاش حق

اہل تصوف کا کہنا ہے کہ انسان اللہ سے آیا ہے اور اس کی طرف لوٹنا چاہتا ہے۔ یہ ہجر و فراق کا سفر ہے، اس سفر کا نام سلوک ہے۔ اس کو حضرت جلال لدین بلخی رومیؒ نے اپنی مثنوی کے پہلے چند اشعار میں بہت خوبصورت استعارے میں بیان فرمایا ہے کہ بانسری کو بانس سے کاٹا گیا ہے اس لیے وہ بین کرتی ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند
(بانسری سے سن! کیا بیان کرتی ہے)
(اور جدائیوں کی کیا شکایت کرتی ہے)

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
(کہ جب سے مجھے کھیت سے کاٹا ہے)
(میرے نالہ سے مرد و عورت سب روتے ہیں)

سالک کبھی مسجد میں اعتکاف کرتا ہے اور کبھی خانقاہ میں قیام کرتا ہے۔ وہ کوچہ کوچہ، قریہ قریہ محبوب کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ نہ وہ باغ چاہتا ہے، نہ بوستان چاہتا ہے، نہ سرو چاہتا ہے، نہ گُل چاہتا ہے، نہ

یاسمین چاہتا ہے بلکہ فقط ایک گوشۂ تنہائی چاہتا ہے کہ جس میں وہ خود ہو اور محبوب حقیقی ہو۔ سالک خیالِ یار کے دامن کو ہر روز اپنے ہاتھ سے پکڑنا چاہتا ہے اور ہر شب اس کے پاؤں محبوب کی جستجو میں محوِ سفر رہتے ہیں۔

دستِ من و دامنِ خیالت ہر روز
پای من و جستنِ وصالت ہر شب

وہ پکارتا ہے کہ زہد، زاہد کے لیے اور دین دیندار کے لیے ہے۔ اے محبوب تیرے فراق کا درد میرے دل کے لیے ہے۔ محبت کے حجاب صوفی کو پسند نہیں ہیں کیونکہ وہ موسیٰؑ نہیں ہے، حجاب ہو تو سالک چاہتا ہے کہ محبوب چہرے سے نقاب الٹ دے۔ وہ یہ سننا نہیں چاہتا کہ تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ جب سالک کہتا ہے کہ اے محبوب میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو وہ زار و قطار رونے لگتا ہے۔ اسے خوف ہوتا ہے کہ جواب میں یہ نہ کہا جائے کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔

گویم ارنی و زار گریم
ترسم ز جواب لن ترانی

جب عشق کی شدت میں صوفی یا سالک بیمار ہو جاتا ہے تو طبیب سے کہتا ہے: "اے نادان طبیب! تیرے علاج سے مجھے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، میرا علاج صرف اور صرف اپنے محبوب کا دیدار ہے"۔

کچھ صوفی تو دیدار یار کے لیے پوری زندگی کھپا دیتے ہیں مگر ہجران کا مقدر رہتا ہے۔ ان کا غیاب ختم نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ دم آخر پکار اٹھتا ہے: تمام شب (عمر) اس امید میں گزرنی ہے کہ شاید صبح کی لطیف ہوا مجھے (دوست کو) دوست کے پیغام سے نواز دے۔

همه شب دریں امیدم که نسیمِ صبح گاہی
به پیامِ آشنائی بنوازد آشنا را

اگر صوفی کو اس دنیا میں محبوب حقیقی کا دیدار نصیب ہو جائے تو وہ اپنے آپ میں مست رہتا ہے اور اگر کبھی اپنی کسی کوتاہی، غفلت یا گناہ کی وجہ سے دیدار کے جمال میں کمی آجائے تو صوفی چلا اٹھتا ہے کہ اپنے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک چہرے کو مشک سنبل جیسے خوشبودار بالوں سے چھپالے۔ یعنی کہ اپنا چہرہ چھپاؤ اور ساری دنیا کو (حسرت سے) برباد کر دو۔

گُلبرگ را ز سُنبُلِ مُشکین، نِقاب کُن
یعنی که رُخ بپوش و جهانی، خراب کُن

صوفی زندگی کے سمندر میں صرف اور صرف اس لیے تیر تا رہتا ہے کہ کبھی تو اس کا محبوب اس کا شکار کرے گا۔ زندگی کے ہنگامے میں وہ اعلان کرتا ہے کہ وہ سمندر میں مچھلی کی طرح گر پڑا ہے تا کہ محبوب (خدا) مجھے اپنے ہاتھ سے تھام لے۔

محبت کی مستی کے کسی لمحے میں سالک پکارتا ہے: میں دلگداز شمع ہوں، تو دِلکش صبح ہے۔ میں جلتا ہوں اگر تجھے نہ دیکھوں مگر تیرا چہرا دیکھتے ہی مرجاتا ہوں۔ اس طرح تیرے قریب بھی ہوں اور اس قدر تجھ سے دور کہ نا قابل بیان۔ نہ وصل کی تاب ہے اور نہ جُدائی برداشت کرسکتا ہوں۔

سالک محبوب کے جلوہ کے انتظار میں مرنے کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ مناجات کرتا ہے کہ تمہارے دیدار کا عزم لیے، جاں لبوں پر آئی ہوئی ہے، اب لوٹ جاؤں یا پاس آوں، کیا حکم ہے؟ سالک کی اپنے محبوب حقیقی کے وصال کی خواہش کبھی بھی کم نہیں ہوتی حتیٰ کہ جس روز اس کی ہڈیاں ذرہ ذرہ ہو جائیں گی پھر بھی اس کے چھوٹے سے دل میں محبوب کی تمنا ہوگی۔

صوفی سالک محبوب کو پکارتا ہے: آیئے آیئے! میری آنکھ کی پتلی کا سائبان آپ کا آشیانہ ہے۔ کرم فرمائیں اور تشریف لائیں کہ یہ گھر آپ کا گھر ہے:

رَواقِ منظرِ چشمِ من آشیانۂ توست
کَرَم نما و فرود آ که خانه، خانۂ توست

سالک جب بے قرار ہوجاتا ہے، جہاں کے غم بھی اس کو ستاتے ہیں، وہ غموں سے نڈھال ہو جاتا ہے، بے قراری نا قابل برداشت ہو جاتی ہے تو ہاتھ اٹھاتا ہے کہ اے خدا! میں جہاں کا ستایا ہوا ہوں، غمگین اور بے قرار ہوں۔ تو ایک نگاہ کے لطف سے میری شام کو سحر کر دے کہ میں تمہارے عشق کے دیار میں پڑا ہوا ہوں، کسی سے کوئی لطف و کرم نہیں دیکھا، میری غریب الوطنی پر ایک نظر ڈال کہ فقط تُو ہی بادشاہ ولایت ہے۔

بدیار عشق تو مانده ام ز کسے ندیده عنایتی
بغریبیم نظری فکن که تو پادشاہ ولایتی

اس کی مناجاتیں تیز تر ہو جاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے: "اے دوست، میرا دل تیرے ہی غم میں جکڑا ہوا ہے اور میری خستہ جان میں بس تیرا ہی درد ہے۔ تُو نے کہا کہ میں ٹُوٹے ہوئے دل والوں کے نزدیک ہوں۔ تو اے دوست میں بھی تو دلِ شکستہ رکھتا ہوں۔

وصال یار کی اس دہکتی آگ میں صوفی اپنے محبوب حقیقی کے طلب و کرم کا منتظر رہتا ہے۔ اس کی نگاہ کرم چاہتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کی ایک نگاہ ناز بھی اس کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہوگی۔ اس سے وہ دنیا کا خوش قسمت ترین انسان بن جائے گا۔ وہ پکارتا ہے کہ اے خداوند مہربان اگر میرے حال پر ایک اُچٹتی ہوئی نظر بھی ڈال دے تو میرے کانٹے چمن پر ناز کریں اور میرے عیب ہنر پر مسکرائیں۔

سالک کو معلوم ہے کہ محبوب حقیقی نے جنت میں دیدار کا وعدہ فرمایا ہے۔ دیدار کی آرزو میں زندگی اس کے لیے وبال جان بن جاتی ہے۔ وہ مرنا چاہتا ہے کہ محبوب کا دیدار کرے۔

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے

عشق میں اگر جان دینی پڑ جائے تو سالک خوشی خوشی دار پر چلا جاتا ہے اور جوش مسرت میں نعرہ لگاتا ہے: "اے عشق عالم سوز! میرے خاکسار دل کو روشن کر دے۔ تیری محبت کے داغ سے وہ دل خوش ہوتا ہے جو اس داغ کو قبول کرنے والا ہو۔ محبوب کے فراق کے ہاتھوں سالکین کی جان جو برداشت کرتی ہے، ویسا ستم دنیا میں کربلا کے شہیدوں کے سوا کسی نے نہیں دیکھا ہے۔ وہ سب کچھ صبر سے برداشت کرتے ہیں، چیختے چلاتے نہیں۔

سالک سارے جہاں کو بتاتا ہے کہ میں طبیب کے پاس گیا اور اس کو اپنے دردِ نہاں کے متعلق بتایا۔ اس نے کہا کہ دوست کے علاوہ ہر کسی کے سامنے اپنے زبان بند رکھ۔ میں نے پوچھا، غذا کون سی استعمال کروں؟ اس نے کہا یہی خون جگر۔ میں نے پوچھا کہ پرہیز کیا کروں؟ اس نے کہا

میرے علاوہ ہر دو جہاں سے۔

ہر سالک حسین بن منصور حلاج کی روایت آگے بڑھانا چاہتا ہے کہ ابن منصور کی آواز پرانی ہوئے ایک مدت ہوگئی ہے اس لیے وہ نئے سرے سے دار و رسن پر جلوہ افروز ہونا چاہتا ہے۔

عمر یست که آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

سلوک کے اس سفر میں وصال یار کے لیے لاکھوں سالکین نے اپنی پوری کی پوری زندگیاں کھپا دی ہیں۔ ہزاروں نے سر کٹوائے مگر یہ جنوں ہے کہ تھمتا ہی نہیں۔ شوق نے سو حلاج مار دیے اور عشق نے سو یوسف بیچ ڈالے۔ کیا تعجب ہے کہ اب بھی اس دیار میں بڑے عجیب و غریب ہنگامے گرم ہوں۔

شوق صد منصور کُشت و عشق صد یوسف فروخت
بوالعجب هنگامه‌ها گرم است در بازارِ ما نظیری

محبوب حقیقی کے ہجر کے عشق کی آگ سے صوفی کے سینے میں وہ الاؤ جل اٹھتا ہے کہ اس کی سانس کی گرمی سے دوزخ بھی کباب بن جاتی ہے۔ سالک کے دل میں عشق حقیقی کی چھپی ہوئی آگ اس قدر تیز ہوتی ہے کہ اس کا ایک شعلہ جب آسمان کی طرف اٹھتا ہے تو سورج بن جاتا ہے۔

زیں آتشِ نہفتہ کہ در سینۂ من است
خورشید شعلہ ایست کہ بر آسمان گرفت

سالک سمجھتا ہے کہ زندگی کی اصل خوبی محبوب کی آغوش میں پروانے کی طرح جل کر فنا ہو جانا ہے۔ اس کے علاوہ مردان باہمت کے لیے کوئی عزت و خوبی نہیں اور اس جلنے پر بھی وہ اس طرح خاموش رہتا ہے جیسا کہ پروانہ شمع کے عشق میں جل جاتا ہے مگر آواز نہیں نکالتا۔

صوفی محبوب کے لطف و کرم پر بہت یقین رکھتا ہے۔ ہر لمحہ اس کا طلب گار رہتا ہے۔ پکارتا ہے: اے بادشاہ (الٰہی) کرم کی نظر سے اس فقیر کو دیکھ۔ مجھ عاجز اور دکھی دل والے کی حالت پر نظر ڈال۔ بلاشبہ میں تیری بخشش کے لائق تو نہیں ہوں لیکن تو مجھ کو نہ دیکھ بلکہ اپنے کرم کو دیکھ۔

سالک پکارتا ہے: "اے خداوند کریم! میں دو خالی ہاتھ لے کر آیا ہوں۔ اچھے دنوں کی امید

میں سلگ رہا ہوں۔کیا ہی اچھا ہوا گر تو اپنے فضل وکرم سے میرے اس خستہ دل پر مرہم رکھ دے۔تو کریم مطلق ہے اور میں منگتا ترا، تو مجھے نہ بلائے تو میں کیا کروں؟ یا مجھے کوئی اور در بتا کہ اگر تو مجھے رد کر دے تو میں وہاں جا کر فریاد کروں۔اے محبوب آ اور دیکھ میری شکستہ دلی۔تیری آشنائی میں میری اک عمر بیت گئی ہے۔مہربانی فرما کر میری حالت زار پر لطف کی نظر کر، تو حسن وکرم کا بادشاہ ہے اور میں تیرا گدا ہوں'۔

صوفی پکارتا ہے کہ اے کریم! اے رحیم! میں آپ کی درگاہ میں پناہ طلب کرتا ہوں۔میں عاجز ہوں، میں گناہوں کے پہاڑ لایا ہوں۔آپ کے علاوہ میرا کوئی سہارا اور دوست نہیں ہے۔میں تباہ حال ہوں۔آپ مجھ پر صرف اور صرف رحمت کی نظر کریں۔آپ نے خود فرمایا ہے کہ مجھ سے مایوس نہ ہو۔میں دنیا میں آپ کے علاوہ کسی کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔میں گناہ سے بہت شرمندہ ہوں۔گناہ وشرمندگی سے میرا منہ کالا ہے۔میں آپ کے پاس وہ چار چیزیں لایا ہوں جو آپ ک خزانے میں بھی نہیں ہیں: میں بے کسی لایا ہوں، ناکسی لایا ہوں، عاجزی لایا ہوں اور گناہ لایا ہوں۔میری اس آرزو پر اپنا کمال رحم کریں۔

صوفی سمجھتا ہے کہ محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھنے کی خواہش فطری ہے جیسا کہ ہر پیاسا صحرا میں پانی کا سراب دیکھتا ہے اور اگر کسی پیاسے کو سراب نظر نہیں آتا تو اس کی پیاس کی شدت میں کمی ہے اور یہ عقل کا کمال نہیں ہے:

ز نقصِ تشنہ لبی داں، بعقلِ خویش مناز
دلت فریب گر از جلوہِ سراب نخورد

سالک اپنے محبوب کے عشق میں ہر قربانی دینے کے لیے نہ صرف تیار ہوتا ہے بلکہ اپنی جان کی قربانی دے کر بھی وہ خوش ہوتا ہے۔سالک مرنے پر کہتا ہے کہ میرا دل کوئے وفا کی خاک ہو گیا، کیا خوب ہوا۔میرا دل تیری تلوار پر فدا ہو گیا، کیا خوب ہوا۔میرا سر یار کے قدموں پر قربان ہو گیا، کیا ہی اچھا ہوا۔یہ بہت وزنی قرض تھا جو ادا ہو گیا، کیا ہی اچھا ہوا۔

سر در قدم یار فدا شد چہ بجا شد
ایں بارگراں بود ادا شد چہ بجا شد

یہی وجہ ہے کہ صوفیوں کے ایک سرخیل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب ابن ملجم نے خنجر مارا اور آپ انتقال

فرمانے لگےتو آپ کے منہ سے یہ نعرہ نکلا: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا)

2۔ دیدارِ جمال

صوفی جب اپنے محبوب حقیقی کی محبت کے راستے پر چلتا ہے تو اسے اس دنیا کے ہر نقش ونگار میں محبوب ہی محبوب نظر آتا ہے۔اس کے سوا اسے کوئی اور چیز نظر ہی نہیں آتی۔محبوب کے جمال سے پوری دنیا حسین نظر آتی ہے۔دنیا کا ہر حسن اس کے محبوب کے جمال کا عکس ہے: گلستان، باغ،گلزار،حتیٰ کہ فردوس بھی۔محبوب چہرے کے عکس سے صوفی سالک کا دل گلزار ہوتا ہے، بہار بنتا ہے، باغ کھلتا ہے،صحرا وسعت پاتا ہے۔جب اس دنیا کے نقش ونگار میں وہ اپنے محبوب کی کرشمہ سازیاں دیکھتا ہے تو مست ہو جاتا ہے اوراس مستی پر اعتراض کرنے والوں سے یوں مخاطب ہوتا ہے: ہم نے پیالے میں اپنے محبوب کے رخ کا عکس دیکھا ہے۔اے نادان! تو ہمارے ہمیشہ رہنے والے نشے کی لذت سے بے خبر ہے۔

ما در پیاله عکس رخ یار دیده ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

سالک کو مست رہنے کے لیے محبوب کا خیال ہی کافی ہے۔اس کے خیال کا گلستان، محبوب کے وجود کی لطافت سے رنگین ومزین ہوتا ہے۔اس کے دل کا باطن محبوب کی چنبیلی جیسی خوشبودار زلف سے معطر ہوتا ہے۔اس کا دل محبوب کی زلفوں کی خوشبو میں ہمیشہ مشک بار رہتا ہے۔

صوفی کو جب کہا جائے کہ آجاؤ کہ باغ اور بہار مسکرانے لگے ہیں۔ یہاں شمع،شراب اور بتوں جیسے محبوب موجود ہیں تو وہ کہتا ہے کہ جس جگہ پر محبوب موجود نہ ہو ان سب کا کیا فائدہ اور جس جگہ پر محبوب خود موجود ہو وہاں ان چیزوں کا کیا کام؟

3۔ رضا کی جستجو

صوفی کے ہر فکر وعمل کا اول وآخر اس کے محبوب کی رضا کا حصول ہے۔وہ صبح وشام پکارتا رہتا ہے:

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۃ الانعام،آیت:162)

(بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے)

صوفی پکارتا ہے کہ اے اللہ! تو میرا مقصود ہے اور تیری رضا میری مطلوب ہے۔ مجھے اپنی ذات کی محبت اور اپنی صفات کی معرفت عطا فرما۔

اِلٰهی أَنتَ مَقصُودی وَرِضَاكَ مَطلُوبی
أَعطِنِی مَحَبَّةَ ذَاتِكَ وَمَعرِفَةَ صِفَاتِكَ

رضا کی تلاش میں سالک کی اپنی کوئی پسند باقی نہیں رہتی۔ کسی کو درد کسی کو درمان پسند ہے۔ کسی کو وصل اور کسی کو ہجران پسند ہے۔ سالک کو درمان، درد، وصل و ہجران میں، وہ پسند ہے جو اس کے محبوب کو پسند ہے۔

صوفی کو یقین ہوتا ہے کہ اگر محبوب اسے کچھ عنایت کر رہا ہے یا تکلیف دے رہا ہے تو دونوں میں حکمت ہے۔ وہ خوشی و غمی کو خوش آمدید کہتا اور پکارتا ہے کہ ”اے محبوب تو چاہے حیات بخش دے اور تیرا دل چاہے تو مجھے ہلاک کر دے۔ تیری حکمت پہ میرا سر تسلیم خم ہے کہ تو بادشاہ ہے۔

اگرم حیات بخشی و گرم ہلاک خواہی
سر بندگی بہ حکمت بنہم کہ پادشاہی

اگر محبوب صوفی کی نادانیوں، گستاخیوں، کمزوریوں سے ناراض ہو جائے اور سزا کے لیے کچھ کرے تب بھی صوفی اسے خوش آمدید کہتا ہے۔ اگر وہ محبوب ظلم کی راہ سے، سالک کے قتل کی نیت سے، قدم رکھے، اپنی تلوار کو سیدھا کر لے (قتل کے لیے)، تو وہ اس کی رضا پر راضی ہوتا ہے۔

جیسے ہی محبوب سالک کو سزا دینے کے لیے قدم اٹھاتا ہے تو صوفی خوشی خوشی نیاز مندی میں اپنا سر جھکا دیتا ہے۔ جب وہ اس کے قتل کے لیے تلوار کھینچتا ہے، تو وہ سجدے میں سر رکھ دیتا ہے۔ محبوب ناز میں عجیب ہے، سالک نیاز میں عجیب ہے۔

بہر قتلم چوں کشد تیغ نہم سر بہ سجود
او بہ نازے عجبے من بہ نیازے عجبے

صوفی کبھی محبوب سے اٹھکیلیاں کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ تجھے کیا فائدہ ہے اگر تو مجھے ہجر کی آگ میں جلائے لیکن اگر تو میرے اس نقصان پر خوش ہے تو میں اس راضی ہوں:

ترا چہ سود کہ مارا بہ ہجر می سوزی
فان فرحت بہذا رضیت بالضرر

4۔ مستی ہی مستی

محبوب کی محبت کا نشہ شراب کے نشوں سے بہت بلند ہے۔ سالک اس وقت بھی محبوب کے مستقل ذکر کے نشے میں مست تھا جبکہ ابھی شراب بنانے والا انگور پیدا نہیں ہوا تھا:

شربنا على ذكرِ الحبيبِ مدامة
سَكِرْنا بها، من قبلِ أن يُخلق الكَرمُ

سالک شراب پیے بغیر بھی ہمیشہ مست رہتا ہے اور وہ پیے بغیر بھی ہمیشہ خوش رہتا ہے۔

مائیم ہمیشه مست بے مے
مائیم ہمیشه شاد بے ما

خوش قسمت ہے وہ دل جو ازل کی شراب (مئے الست) کا جام پیتا ہے۔ سالک پر 'الست بربکم' کا نشہ طاری رہتا ہے کہ جب اس نے عالم ارواح میں کہا تھا کہ ہاں اے خدا! آپ میرے رب ہیں۔ جو کوئی بھی ازل میں محبوب کے جام سے ایک گھونٹ پی چکا ہو، وہ قیامت کی صبح تک مستی سے سر نہ اٹھا سکے گا۔

سالک محبوب کی تلاش میں یا پھر وصال میں اس قدر مست ہوتا ہے کہ وہ بے خود ہو جاتا ہے اور اس بے خودی میں یہ بھی نہیں جان سکتا کہ اس کی خیال کی دنیا میں کون آیا اور کون چلا گیا۔

مَستَم کُن آنچُنان که ندانم ز بی خودی
در عَرصۂ خَیال که آمد، کُدام رَفت

سالک کو مستی میں کوئی ہوش نہیں ہوتا کہ سالک اپنے محبوب کے جمال کی مستی میں ہوتا ہے۔ وہ زمان و مکاں سے بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ وصال یار کی طلب میں غرق ہوتا ہے۔ اسے ہوش نہیں ہوتا کہ وہ تلاش میں کہاں کہاں مارا مارا پھر رہا ہے۔

سارا شہر اہل حسن سے بھرا پڑا ہے لیکن سالک تو اپنے ہی محبوب کے خیال میں مست ہوتا ہے۔ وہ کیا کرے کہ اس کی آنکھ اپنے محبوب کے سوا کسی اور کی طرف اٹھتی ہی نہیں۔ جو لوگ عشق سے بے خبر ہیں، ان کے دلوں میں صرف دنیا کے غم بستے ہیں اور صوفی، جو محبوب کے عشق میں ڈوبے ہوئے

ہیں، انہیں دنیا کی کوئی خبر ہی نہیں۔ وہ مست ہوتے ہیں۔ یہ مستی عجیب کیفیات پیدا کرتی ہے۔ وجود، خیال اور مقام سب کچھ محبوب کی نذر ہو جاتے ہیں۔ سالک محبوب کے لیے بیتاب ہوتا ہے۔ اس کے خیال میں محو رہتا ہے۔ محبوب جب کہتا ہے کہ تو کون ہے، کس خیال میں ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟ صوفی عرض کرتا ہے کہ تیرے لئے بیتاب ہوں، تیرے خیال میں محو ہوں، میرا گھر برباد ہے۔

گفتی چه کسی در چه خیالی به کجایی
بیتابِ تو ام محوِ تو ام خانه خرابم

سالک کی رضا اس مقام تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کی مشت خاک، سراپا فرش تسلیم بن جاتی ہے۔ اس کے سجدے کو کوئی جبین اور سروکار نہیں ہوتے۔ سالک کو اپنے عشق میں عبادت کے لیے کسی خاص جگہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر کف خاک پر کہ جہاں اس نے اپنا سر رکھ دیا، وہی جگہ مصلیٰ ہے:

منزلِ خاصے نمی خواہد عبادت گاہِ شوق
ہر کفِ خاکے که آنجا سر نہی سجاده است

جب سالک اپنے محبوب کا قرب پا لیتا ہے تو پھر اسے حقیقی بادشاہی مل جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس میکدہ سے پینے والا یا رب یہ کون ہے کہ وہ قبلہ حاجات بن گیا ہے اور اس کی دعائیں قبول ہو رہی ہیں:

کیست دُردی کش ایں میکده یا رب، که دَرَش
قبلۂ حاجت و محرابِ دعا می بینَم

5۔ آزادی

محبوب کی محبت کی سرشاری، اسے دنیا کے ہر غم سے آزاد کر دیتی ہے اور وہ محبت کے اس غم کا طلب گار رہتا ہے۔ وہ بادشاہ اور گدا دونوں سے بے نیاز ہے۔ محبوب کے در کی خاک ہی اس کے لیے کیمیا (قیمتی چیز) ہے۔ سالک کو خدا کے راستے کا سفر ایک طرح کی سرمستی میں رکھتا ہے۔ اس لذت آشنائی میں وہ دو عالم سے بیگانہ رہتا ہے۔

عشق حقیقی میں سالک زمان و مکان سے آزاد ہو جاتا ہے۔ عقل کی حدود کو پار کر لیتا ہے۔ عشق

کہتا ہے کہ اس عالم میں مکانی طور پر چھ سمتیں ہیں اور اس کے علاوہ کوئی راہ نہیں ہے۔ سالک کا عشق اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ جواباً کہتا ہے کہ اسے عقل تو غلط کہتی ہے کہ ان چھ کے علاوہ بھی کئی راہیں ہیں اور میں بارہا ان راستوں سے آیا ہوں اور گیا ہوں:

عقل گوید شش جہت حدست و بیرون راہ نیست
عشق گوید راہ هست و رفته ام من بار ہا

جہاں عشق میں کئی مکان ہیں، اس میں کئی زمان بھی ہیں۔ سالک زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے اور یہ اصل آزادی ہے۔

عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

صوفی گنگناتا ہے کہ اے محبوب! تیری گلی کا گدا آٹھ جنتوں سے بھی بے نیاز ہے۔ تیرے عشق کا قیدی دونوں جہانوں سے آزاد ہے۔

گدای کوی تو از هشت خلد مستغنیست
اسیر عشق تو از هر دو عالم آزادست

عشق کا کمال یہ ہے کہ صوفی سالک کبھی نہیں مرتا کیونکہ عشق کے خنجر سے جن کا قتل کیا گیا، ان کو غیب سے ہر لمحہ ایک نئی زندگی ملتی ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگرست

صوفی کو معلوم ہوتا ہے کہ جن کا دل عشق سے زندہ ہو جاتا ہے وہ کبھی نہیں مرتے۔ جریدہ عالم پر ان کا نام ہمیشہ کے لیے لکھا جاتا ہے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبتست بر جرید عالم دوام ما

6- امید ہی امید

صوفی میں خوف کے ساتھ ساتھ رجاء (امید) ہوتی ہے بلکہ اس پر امید کا غلبہ ہوتا ہے جبکہ ظاہری اسلام کی طرف مائل مسلمانوں پر خوف کا غلبہ ہوتا ہے۔صوفی پر رحمت کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ کبھی بھی اپنے محبوب کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔ اس راہ کے مسافر سے کوتاہی بھی ہو جاتی ہے مگر وہ پھر بھی اپنے محبوب کی رحمت کے سبب یقین رکھتے ہیں کہ اس کی رحمت مستحق ہیں۔اگر نافرمانی کے باعث گناہوں سے آلودہ ہو بھی جائیں تو پھر بھی اس کی رحمت پر دل کو مطمئن رکھتے ہیں جیسے کسی امید پر انسان یقین کر لیتا ہے۔

صوفی اپنی بداعمالیوں کو اپنے خدا کی شان کریمی میں چھپاتے ہیں۔ان کا اندرونی خوف ایک حسین دلیل ڈھونڈتا ہے:

وَفَدْتُ عَلَى الْكَرِيمِ بِغَيْرِ زَادٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ وَالْقَلْبِ السَّلِيمِ
وَحَمْلُ الزَّادِ أَقْبَحُ كُلِّ شَيْءٍ إِذَا كَانَ الْوُفُودُ عَلَى الْكَرِيمِ

(میں کریم کے حضور بغیر نیکیوں اور سلامت دل کے آیا ہوں)
(اور زادِ راہ لے جانا سب سے غیر مناسب ہے، جب حاضر ہونا ایک کریم کے حضور ہو)

بعض صوفی تو گناہ کر کے بھی محبوب کی رحمت کی طلب میں اٹھکیلیاں کرتے ہیں: میں گنہگار بندہ ہوں، تیری بخشش کہاں ہے؟ میرا دل تاریک ہے، تیرا شفاف نور کہاں ہے؟ جنت اگر ہمیں نیکیوں سے ملنی ہے تو، یہ تو مزدوری ہوئی، تیری رحمتیں اور عنایتیں کہاں ہیں بلکہ سالک کہتا ہے کہ ہر گناہ پر ماتم (سوگ) کیوں ہے؟ غم کھانے میں فائدہ (زیادہ یا کم) کیا ہے؟ جس نے گناہ نہیں کیا، اس کے لیے تو بخشش (غفران) ہے ہی نہیں اور جب بخشش گناہ کے لیے ہے، تو پھر غم کیسا؟

من بندہ عاصیم ، رضای تو کجاست
تاریک دلم ، نور صفای تو کجاست
ما را تو بهشت اگر به طاعت بخشی
این مزد بود، لطف و عطای تو کجاست

صوفی اللہ کی آواز سنتا ہے کہ اے انسان! واپس آ جا، واپس آ جا، تو جو بھی ہے واپس آ جا،

اگر چہ تم کافر ہو، آگ کے پجاری ہو یا بت پرست ہو، واپس آ جاؤ۔ یہ میرا در نا امیدی کا دروازہ نہیں ہے۔اگر آپ نے سو بار بھی توبہ توڑی ہے تو واپس آ جا۔ میں تمہیں اپنی رحمت میں لے لوں گا۔

باز آ باز آ، ہر آنچه ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگه ما درگه نو میدی نیست
صد بار اگر توبه شکستی، باز آ

7۔ انسان دوستی

مخلوق سے تعلق سالک کو انسان دوستی سکھا تا ہے۔وہ اللہ کی تمام مخلوق سے محبت کرتا ہے کہ وہ اس کے محبوب کی تخلیق ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔حضرت آدمؑ کی اولاد ایک دوسرے کے اعضا ہیں، کیونکہ وہ سب ایک ہی جوہر سے پیدا ہوئے ہیں۔جب زمانہ کسی ایک عضو کو درد میں مبتلا کرتا ہے،تو دوسرے اعضا کو بھی چین نہیں رہتا۔صوفی کہتے ہیں کہ جو انسان دوسروں کی تکلیف سے بے پرواہے، وہ اس قابل نہیں کہ اسے انسان کہا جائے۔

تلاش محبوب کا یہ طویل عمل سالک کو انسان دوستی سیکھا تا ہے کیونکہ سب انسان اس کے محبوب کے پیدا کردہ ہیں بلکہ اس کا کنبہ ہیں۔اس ساتھ ساتھ صوفی ہر مخلوق سے اعلیٰ تعلق رکھنا چاہتا ہے۔اسے معلوم ہے کہ عالم امکاں (کائنات) کے تانے بانے آپس میں پیوست ہیں۔لہٰذا جس نے کسی ایک دل کو خوش کیا اس نے پوری دنیا کو خوش کیا۔

تار و پودِ عالمِ امکان به هم پیوسته است
عالمی را شاد کرد آن کس که یک دل شاد کرد

سالک کے خیال میں مسجد و خانقاہ کی نسبت انسانی دل زیادہ قابل احترام ہے۔مسجد گرائی جا سکتی ہے۔خانقاہ گرائی جا سکتی ہے مگر انسانی دل کو نہیں توڑنا چاہیے کیونکہ اس میں خداوند کریم! رہتا ہے۔
سالک کو یقین ہوتا ہے کہ کسی کے دل کو خوش کرنا حج اکبر کے برابر ہے۔ہزار کعبوں سے ایک دل بہتر ہے۔کعبہ تو آزر کے بیٹے خلیل اللہ نے بنایا ہے لیکن دل رب جلیل کی گزرگاہ ہے۔

دِل بَدست آور که حجِ اکبر است
از ہزاراں کعبه یک دل بہتر است
کعبه بنیادِ خلیلِ آزر است
دل گزرگاہِ جلیلِ حق پرست

یہ نتائج سالک کو کسی غار میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر مجاہدہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ شریعت محمدیؐ پر عمل کرتے ہوئے جہاد زندگانی میں مصروف رہنے سے ملتے ہیں۔صوفی فلک الافلاک میں ٹھہرنے کے بجائے واپس آ کر اس زمین پر پیغمبرانہ دعوت دیتا ہے۔اس کی معراج فنا نہیں بلکہ بقا ہے جو کائنات کی مسلسل تعمیر کے عمل سے حاصل ہوتی ہے۔تلاشِ حق کا یہ سفر، اس کی ذات کے لیے نہیں بلکہ عالم انسانیت کے لیے ہوتا ہے۔اس کا دیدارِ جمال، انسانی حیات میں حسن بکھیرتا ہے، اس کی جستجوءِ رضا دنیا میں بے نفسی و بے غرضی سکھاتی ہے، اس کی جمالیاتی مستی، اسے کارگاہِ حیات میں تھمنے نہیں دیتی۔اس کی روح، شرف آدم کے لیے جہاں تعمیر کرتے ہوئے پکارتی ہیں:

گر بر فلکم دست بدی چون یزدان
بر داشتمی من این فلک را ز میان
(اگر مجھے قدرت ہوتی جیسی کہ خدا کو حاصل ہے)
(میں اس آسمان (حالات دنیا) کو درمیان سے ہٹا دیتا)

اَز نو فَلَکی دِگَر چنان ساختَمی
کآزاده به کامِ دل رسیدی آسان
(اور آسمان کو نئے سرے سے ترتیب دے کر ایسا بنا دیتا)
(کہ میرے دل کی تمنا پوری ہو جاتی)

کتابیات

(1) الابشہیؒ، شہاب الدین محمد بن احمد۔(2020)۔المستطرف: فی کل فن مستظرف۔ترجمہ: فیض احمد۔لاہور:ادارہ اسلامیات۔

(2) ابن ابی الدنیاؒ،عبداللہ بن محمد۔(2015ء)۔کتاب الصمت۔ترجمہ: نجم عبدالرحمٰن خلف۔ بیروت: دارالکتب العلمیہ۔

(3) ابن ابی شیبہؒ، امام ابوبکر الکوفی۔(2007ء)۔مصنف ابن ابی شیبہ۔ترجمہ: محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ۔

(4) ابن اثیرؒ،عز الدین۔(2021ء)۔اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ترجمہ: عبدالشکور فاروقی۔ بیروت: دارالکتب العلمیہ۔

(5) ابن الجوزیؒ،عبدالرحمٰن بن علی۔(2007)۔المنتظم فی تاریخ الملوک والامم۔بیروت: دار الکتب العلمیہ۔

(6) ابن تیمیہؒ، احمد بن عبدالحلیم۔(1998ء)۔ابطال دعوی الاجماع فی تحریم السماع۔ترجمہ: محمد اسحاق بھٹی۔لاہور: مکتبہ سلفیہ۔

(7) ابن تیمیہؒ، احمد بن عبدالحلیم۔(2002)۔فتاویٰ ابن تیمیہ۔ترجمہ: ڈاکٹر عبدالکبیر محسن۔لاہور: ادارہ العلوم الاسلامیہ۔

(8) ابن تیمیہؒ، احمد بن عبدالحلیم۔(2008)۔مجموع الفتاوی۔ترجمہ: عبدالکبیر محسن۔کراچی: دارالعلوم۔

(9) ابن تیمیہؒ، احمد بن عبدالحلیم۔(2010)۔رسائل ابن تیمیہ۔لاہور: ادارہ تحقیقات اسلامی۔

(10) ابن تیمیہؒ، احمد بن عبدالحلیم۔(2021)۔الرد علی المنطقیین۔بیروت: دارالکتب العلمیہ۔

(11) ابن تیمیہؒ، احمد بن عبدالحلیم۔(بدون تاریخ)۔الفرقان بین الاولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان۔ ترجمہ:غلام ربانی۔لاہور:المکتبہ السّلفیہ۔

(12) ابن جوزیؒ،عبدالرحمٰن بن علی۔(2007)۔المنتظم فی تاریخ الملوک والامم۔بیروت:دار الکتب العلمیہ۔

(13) ابن جوزیؒ،عبدالرحمن بن علی۔(2010ء)۔تلبیس ابلیس۔ترجمہ:عبدالحق اعظم گڑھی۔ کراچی:نور محمد کتب خانہ۔

(14) ابن حبانؒ، ابوحاتم محمد بن حبان تمیمی۔(2014)۔صحیح ابن حبان۔ترجمہ:محمد محی الدین جہانگیر۔لاہور:شبیر برادرز۔

(15) ابن حجر الہیتمیؒ، ابوالعباس احمد بن محمد۔(2006)۔کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع۔ بیروت:دارالکتب العلمیہ۔

(16) ابن خطیبؒ،لسان الدین۔(1970)۔روضۃ التعریف بالحب الشریف۔بیروت:دارالثقافۃ۔

(17) ابن خلدونؒ،عبدالرحمن۔(1911)۔تاریخ ابن خلدون۔ترجمہ:احمد حسین آلہ آبادی۔الہ آباد:مطبع انواراحمدی۔

(18) ابن رشد،ابوالولید محمد۔(1987)۔کتاب الکلیات۔نئی دہلی:سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن۔

(19) ابن سعدؒ،محمد بن سعد البصری۔(1944)۔طبقات الکبریٰ۔ترجمہ:عبداللہ العمادی۔ حیدرآباد دکن:دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ۔

(20) ابن عابدین شامیؒ،امام۔(1907)۔رسائل ابن عابدین شامی۔استنبول:درسعادت۔

(21) ابن عابدین شامیؒ،امام۔(2021)۔ردالمحتار علی الدرالمختار۔بیروت:دارالکتب العلمیہ۔

(22) ابن عابدین شامیؒ،امام۔(بدون تاریخ)۔اجابۃ الغوث ببیان حال النقباء والنجباء والابدال والاوتادوالغوث۔ترجمہ:غلام محمود ہزاروی۔جہلم:مکتبہ مجددیہ سلطانیہ۔

(23) ابن عجیبہؒ، احمد بن محمد۔(2009)۔البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید۔رباط: دار الفکر۔
(24) ابن عربیؒ، محی الدین۔(1986)۔فتوحات مکیہ۔ترجمہ: سائم چشتی۔فیصل آباد: علی برادران تاجران کتب۔
(25) ابن عربیؒ، محی الدین۔(2020)۔عنقاء مغرب فی معرفۃ ختم الاولیاء وشمس المغرب۔ترجمہ: ابرار احمد شاہی۔راولپنڈی: ابن العربی فاؤنڈیشن۔
(26) ابن قتیبہؒ، عبداللہ بن مسلم۔(1925-1930)۔عیون الاخبار۔قاہرہ: دار الکتب المصریہ۔
(27) ابن قیم الجوزیہؒ، محمد بن ابی بکر۔(1962)۔زاد المعاد۔ترجمہ: رئیس احمد جعفری۔کراچی: نفیس اکیڈمی۔
(28) ابن قیم الجوزیہؒ، محمد بن ابی بکر۔(2006)۔کتاب الروح۔ترجمہ: عبدالمجید۔لاہور: مکتبہ اشرف۔
(29) ابن قیم الجوزیہؒ، محمد بن ابی بکر۔(2009)۔بدائع الفوائد۔بیروت: دار الکتب العلمیہ۔
(30) ابن قیم الجوزیہؒ، محمد بن ابی بکر۔(2006)۔مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین۔بیروت: دار الکتب العلمیہ۔
(31) ابن کثیرؒ، اسماعیل بن عمر۔(2015)۔البدایہ والنہایہ۔ترجمہ: کوکب شادانی۔کراچی: نفیس اکیڈمی۔
(32) ابن ماجہؒ، محمد بن یزید۔(2005)۔سنن ابن ماجہ۔ترجمہ: محمد قاسم امین۔لاہور: مکتبہ العلم۔
(33) ابن مفلح، محمد الحنبلی۔(بدون تاریخ)۔الآداب الشرعیۃ والمنح المرعیۃ۔بیروت: دار الکتب العلمیہ۔
(34) ابن منظورؒ، جمال الدین محمد بن مکرم۔(1883)۔لسان العرب۔بیروت: دار الکتب العلمیہ۔
(35) ابن ہشامؒ، عبدالملک۔(2007)۔سیرت ابن ہشام۔ترجمہ: محمد جوناگڑھی۔لاہور: مطبعۃ الفکر۔
(36) ابو داؤدؒ، سلیمان بن اشعث۔(2004)۔سنن ابوداؤد۔ترجمہ: محمد عاقل۔کراچی:

دارالکتب العلمیہ۔

(37) ابونعیمؒ، احمد بن عبداللہ اصفہانی۔(2006)۔حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء۔ترجمہ: محمد اصغر مغل۔کراچی: دارالاشاعت۔

(38) ابویعلیٰؒ، احمد بن علی بن المثنیٰ۔(2016)۔مسند ابویعلیٰ موصلی۔ترجمہ: غلام دستگیر چشتی سیالکوٹی۔لاہور: پروگریسو بکس۔

(39) احمد بن حنبلؒ، امام۔(2005)۔کتاب الزہد والرقائق۔لاہور: مکتبہ اشرف۔

(40) احمد بن حنبلؒ، امام۔(2010)۔مسند امام احمد بن حنبل۔ترجمہ: محمد ظفر اقبال۔لاہور: مکتبہ رحمانیہ۔

(41) اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔(1992)۔محمد شفیع (مدیر)۔لاہور: جامعہ پنجاب۔

(42) اصفہانیؒ، امام راغب۔(2008)۔مفردات القرآن۔ترجمہ: عبدالرحمن۔کراچی: مکتبہ فکر۔

(43) اقبالؒ، علامہ محمد۔(1936)۔ضرب کلیم۔لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔

(44) اقبالؒ، علامہ محمد۔(1955ء)۔اسرار و رموز۔لاہور: مکتبہ تصوف۔

(45) اقبالؒ، علامہ محمد۔(1957)۔خطبات اقبال۔لاہور: بزم اقبال۔

(46) اقبالؒ، علامہ محمد۔(1976)۔رموز بے خودی۔لاہور: اقبال اکادمی پاکستان۔

(47) آلوسیؒ، محمود۔(2008)۔روح المعانی۔بیروت: دارالکتب العلمیہ۔

(48) امیر خورد کرمانی، خواجہ محمد بن مبارک۔(1985)۔سیر الاولیاء۔ترجمہ: اعجاز الحق قدوسی۔دہلی: خواجہ سید اسلام الدین نظامی۔

(49) انصاریؒ، خواجہ عبداللہ۔(1998)۔صد میدان۔ترجمہ: محمد افضل فقیر۔لاہور: تصوف فاؤنڈیشن۔

(50) ایجیؒ، عضد الدین عبدالرحمن۔(بدون تاریخ)۔المواقف۔ترجمہ: عبدالحمید صدیقی۔کراچی: ادارہ اسلامیات۔

(51) بخاریؒ، امام محمد بن اسماعیل۔ (2000)۔ صحیح بخاری۔ ترجمہ: محمد داؤد راز۔ کراچی: دارالکتب العلمیہ۔

(52) بدایونیؒ، وحید احمد مسعود۔ (2010)۔ سوانح حیات حضرت بابا فریدالدین گنج شکر۔ ترجمہ: حافظ طاہر لاہور: ادارہ تحقیق تصوف۔

(53) بزارؒ، امام ابوبکر احمد بن عمرو۔ (2003)۔ مسند البزار۔ ترجمہ: محمد زاہد بن محمد یوسف۔ لاہور: دارالکتب العلمیہ۔

(54) بسطامیؒ شمس الدین محمد بن احمد۔ (1913)۔ تکمیل الحبو رشرح الصدور۔ ترجمہ: محمد اسماعیل۔ لکھنؤ: منشی نول کشور۔

(55) بیہقیؒ، احمد بن حسین بن علی۔ (2003)۔ سنن کبریٰ للبیہقی۔ ترجمہ: محمد زاہد بن محمد یوسف۔ لاہور: دارالکتب العلمیہ۔

(56) ترمذیؒ، امام محمد بن عیسیٰ۔ (2009)۔ شمائل ترمذی۔ ترجمہ: محمد زکریا مہاجر مدنی۔ کراچی: مکتبہ البشریٰ۔

(57) ترمذیؒ، امام محمد بن عیسیٰ۔ (2014)۔ جامع ترمذی۔ ترجمہ: نواب بدیع الزمان حیدر آبادی۔ بیروت: دارالکتب العلمیہ۔

(58) تفتازانیؒ، ابوالوفا الغنیمی۔ (2009)۔ مدخل الیٰ التصوف الاسلامی۔ ترجمہ: احمد رضا۔ کراچی: ادارہ تحقیق۔

(59) جیلانیؒ، شیخ عبدالقادر۔ (1986)۔ الفتح الربانی۔ ترجمہ: محمد ابراہیم قادری بدایونی۔ لاہور: فرید بک اسٹال۔

(60) الجیلیؒ، عبدالکریم۔ (2015)۔ انسان کامل۔ بیروت: دارالمعارف الاسلامیہ۔

(61) چانکیہ، آچاریہ۔ (2010ء)۔ ارتھ شاستر۔ ترجمہ: شان حق حقی۔ نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔

(62) چشتیؒ، عبدالرحمٰن۔(2007)۔مرآۃ الاسرار۔ترجمہ:عبدالرزاق۔لاہور: مکتبہ اشراق۔

(63) چشتیؒ، یوسف سلیم۔(1976ء)۔اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش۔لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن۔

(64) چشتیؒ، یوسف سلیم۔(2021)۔تاریخ تصوف۔لاہور: دارالکتاب۔

(65) حافظؒ، شیرازی۔(1983)۔دیوان حافظ شیرازی۔ترجمہ: سید عبدالغفار۔لاہور: مرکز تحقیقات فارسی۔

(66) خان، وحیدالدین۔(2008)۔فکر اسلامی۔دہلی: گڈورڈ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ۔

(67) خطیب تبریزیؒ، امام محمد بن عبداللہ۔(1995)۔مشکوٰۃ المصابیح۔ترجمہ: شبیر احمد عثمانی۔لاہور: دارالعلوم دیوبند۔

(68) دار، بشیر احمد۔(1962ء)۔تاریخ تصوف قبل از اسلام۔لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔

(69) ذہبیؒ، شمس الدین۔(2008)۔سیر اعلام النبلاء۔ترجمہ: عبدالغفار۔کراچی: مکتبہ اردو۔

(70) ذہبیؒ، شمس الدین۔(1998)۔تذکرۃ الحفاظ۔بیروت: دارالکتب العلمیہ۔

(71) ذوقیؒ، سید محمد۔(1978)۔تربیت العشاق۔کراچی: محفل ذوقیہ۔

(72) رازیؒ، امام فخرالدین۔(1999)۔تفسیر کبیر۔دہلی: مصلح المطابع۔

(73) رضی، سید شریف۔(2006)۔نہج البلاغہ۔لاہور: بزم اردو۔

(74) زبور۔(2009)۔مزمار داؤد۔لاہور: بائبل سوسائٹی۔

(75) زمخشریؒ، محمود۔(1987)۔تفسیر کشاف۔حاشیہ: ابن حجر عسقلانیؒ۔بیروت: دار الریان للتراث۔

(76) سبکیؒ، امام تاج الدین۔(بدون تاریخ)۔طبقات شافعیہ کبریٰ۔ترجمہ: محفوظ الحق چشتی۔لاہور: مکتبہ دارالکتب العلمیہ۔

(77) سنجریؒ، امیر حسن۔(2003)۔فوائد الفوائد۔ترجمہ: خواجہ حسن نظامی۔لاہور: زاویہ پبلی کیشنز۔

(78) سخاویؒ، شمس الدین محمد۔(2011)۔المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ۔ترجمہ: سید نعیم۔لاہور: مکتبہ فکر۔

(79) سرہندیؒ، احمد۔(1972)۔مکتوبات امام ربانی۔ترجمہ: سعید احمد نقشبندی۔کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی۔

(80) السفارینیؒ، شمس الدین محمد بن احمد بن سالم۔(2012ء)۔لوامع الانوار البھیۃ۔لاہور: مکتبہ فکر۔

(81) موسوعۃ الفرق المنتسبہ للاسلام۔(2009)۔کراچی: دار العلوم۔

(82) السلمیؒ، محمد بن حسین۔(2011)۔طبقات صوفیہ۔ترجمہ: شاہ محمد چشتی۔لاہور: پیغام القرآن۔

(83) سمنانیؒ، اشرف جہانگیر۔(1997)۔لطائف اشرفی۔ترجمہ: محمود عبدالستار۔فیض آباد، انڈیا: دانش بک ڈپو۔

(84) سہروردیؒ، شہاب الدین۔(1926ء)۔عوارف المعارف۔ترجمہ: ابوالحسن۔لکھنؤ: منشی نول کشور۔

(85) سیوطیؒ، امام جلال الدین۔(2008)۔الدر المنثور۔ترجمہ: محمد اقبال شاہ۔کراچی: مکتبہ الشیخ۔

(86) شعرانیؒ، عبدالوہاب۔(1965)۔انوار القدسیہ۔لاہور: محمد حسن پبلشرز۔

(87) صنعانیؒ، محمد بن اسماعیل۔(2011)۔الدین الخالص۔پشاور: مکتبہ محمدیہ۔

(88) طوسیؒ، ابونصر سراج۔(2000)۔اللمع فی التصوف۔ترجمہ: اسرار بخاری۔لاہور: تصوف فاؤنڈیشن۔

(89) طوسیؒ، نصیر الدین۔(1958)۔اوصاف الاشراف۔لاہور: مکتبہ معارف اسلامیہ۔

(90) عبدالباقیؒ، محمد فواد۔(1945)۔المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم۔قاہرہ: دار الکتب المصریہ۔

(91) عثمانیؒ، مفتی محمد شفیع۔(2008)۔معارف القرآن۔کراچی: مکتبہ معارف القرآن۔

(92) عطارؒ، فرید الدین۔(1997)۔تذکرۃ الاولیاء۔لاہور: الفاروق بک فاؤنڈیشن۔

(93) عیاضؒ، قاضی۔(1998)۔ترتیب المدارک وتقریب المسالک۔بیروت: دار الکتب العلمیہ۔

(94) غزالیؒ، امام ابو حامد محمد۔(1869)۔احیاء علوم الدین۔ترجمہ: محمد حسن نانوتوی۔لاہور:

ناشران قرآن لمیٹڈ۔

(95) غزالیؒ، امام ابو حامد محمد۔ (1890)۔ المنقذ من الضلال۔ ترجمہ: ممتاز علی۔ لاہور: اسلامیہ اسٹیم پریس۔

(96) غزالیؒ، امام ابو حامد محمد۔ (1976)۔ مکاشفۃ القلوب۔ ترجمہ: تقدس علی خان۔ دہلی: فاروقیہ بک ڈپو۔

(97) غزالیؒ، امام ابو حامد محمد۔ (2001)۔ کیمیائے سعادت۔ ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی۔ دہلی: ادبی دنیا، اردو بازار۔

(98) فوادؒ، عبد المنعم۔ (2009)۔ سیرۃ الامام احمد بن حنبلؒ۔ کراچی: دار العلوم۔

(99) قرطبیؒ، محمد بن احمد۔ (بدون تاریخ)۔ الجامع لاحکام القرآن۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ۔

(100) کسنزانؒ، سید، محمد بن عبد الکریم الحسینی۔ (2005)۔ موسوعۃ الکسنزان فیما اصطلح علیہ اہل التصوف والعرفان۔ دمشق: دار المحبۃ۔

(101) کلاباذیؒ، ابوبکر محمد بن ابراہیم۔ (2013)۔ التعرف لمذہب التصوف۔ ترجمہ: محمد حسن۔ لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن۔

(102) مالکؒ بن انس، امام۔ (2006)۔ موطا امام مالک۔ ترجمہ: وحید الزماں۔ لاہور: نعمانی کتب خانہ۔

(103) متقی ہندیؒ، علی۔ (2009)۔ کنز العمال۔ ترجمہ: زبیر الحسن کاندھلوی۔ کراچی: دار الاشاعت۔

(104) محمد بن حسن الشیبانیؒ، امام۔ (2005)۔ مؤطا امام محمد۔ ترجمہ: محمد علی۔ لاہور: فرید بک سٹال۔

(105) مرادیؒ، ابو المودۃ سید محمد بن محمد۔ (1883)۔ سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ۔

(106) مسلم بن حجاجؒ، امام۔ (بدون تاریخ)۔ صحیح مسلم۔ ترجمہ: وحید الزمان۔ لاہور: مکتبہ اسلامیہ۔

(107) مظہر الدینؒ، قاضی ثناء اللہ۔ (1962ء)۔ تفسیر مظہری۔ ترجمہ: سید عبد الدائم جلالی۔ دہلی: ندوۃ المصنفین۔

(108) مکیؒ،ابوطالب۔(2005)۔قوت القلوب۔ترجمہ:عبدالرؤف سکھروی۔لاہور:ادارہ اسلامیات۔
(109) ملا علی قاریؒ۔(بدون تاریخ)۔اشعۃ اللمعات۔بیروت:دار الکتب العلمیہ۔
(110) مودودیؒ،سید ابوالاعلیٰ۔(1972ء)۔تفہیم القرآن۔لاہور:ادارہ ترجمان القرآن۔
(111) موسوعہ الفرق المنتسبہ للاسلام۔(2024)۔ریاض:الدرر السنیۃ۔
(112) میرٹھیؒ،قاضی زین العابدین سجاد۔(2007)۔بیان اللسان مع لغات القرآن۔لاہور:ربانی بکس۔
(113) ندویؒ،ابوالحسن علی۔(1973)۔تصوف کیا ہے؟ مجموعہ مقالات۔لکھنؤ:کتب خانہ الفرقان۔
(114) ندویؒ، ابوالحسن علی۔(1973ء)۔انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔لکھنؤ: مکتبہ اسلامیہ۔
(115) نسائیؒ، امام احمد بن شعیب۔(بدون تاریخ)۔سنن نسائی۔ترجمہ: وحید الزمان۔لاہور: دار الاشاعت۔
(116) نعمانیؒ،شبلی۔(1908)۔شعر العجم۔دہلی:انجمن ترقی اردو۔
(117) النفریؒ،محمد بن عبد الجبار۔(2022)۔کتاب المواقف۔تہران:انتشارات کلیما۔
(118) نقشبندیؒ،ذوالفقار احمد۔(1991)۔خطبات فقیر۔لاہور: مکتبہ فقیر۔
(119) نوویؒ،یحییٰ بن شرف۔(2006ء)۔تہذیب الاسماء والثقات۔بیروت:دار الکتب العلمیہ۔
(120) نیشاپوری، امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ۔(2013)۔مستدرک علی الصحیحین۔ترجمہ:شفیق الرحمٰن القادری۔لاہور:شبیر برادرز۔
(121) ہجویریؒ،علی بن عثمان۔(2012)۔کشف المحجوب۔ترجمہ:محمد احمد قادری۔لاہور: مکتبہ شمس وقمر۔
(122) ہمدانیؒ،ملا عبدالصمد۔(1373ھ)۔بحر المعارف۔تہران:انتشارات حکمت۔
(123) ولی اللہؒ،شاہ۔(2005)۔حجۃ اللہ البالغہ۔ترجمہ:سعید احمد پالنپوری۔کراچی:زمزم پبلشرز۔
(124) ولی اللہؒ،شاہ۔(2025ء)۔ہمعات۔ترجمہ:مولانا عبداللہ شاہ۔طوبیٰ ریسرچ لائبریری۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(سورۃالانعام،آیت:162)

(فرما دیجیے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے)

نیست بر لوحِ دلم جز الفِ قامتِ دوست

چه کُنَم حرفِ دِگَر یاد نداد استادم

(میرے دل کی تختی پر یار کے قامت کی الف کے سوا کچھ بھی نہیں ہے)

(میں کیا کروں، میرے استاد نے مجھے کوئی اور حرف سکھایا ہی نہیں)

مصنف کی کتب

کلاسیکی تصوف کا نیا نصاب

01 کتاب الزہد

02 کتاب الاخلاق

03 اللّٰھم : کتاب الدعا

04 مقامات

05 ذوقِ بندگی

06 احوال (جلد اول)

07 احوال (جلد دوئم)

08 نفسِ جبریل

09 حدیثِ دل

10 اجتہاد: اسلامی فکر کی عصری تشکیل

11 ہمارا تعلیمی نظام

12 Homo Dignita (شرفِ آدم)

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

(سو کتابیں اور سو صفحات آگ میں ڈال دے)
(اور دل کا رخ محبوب (حقیقی دوست/خدا) کی طرف کر لے)

نگارِمن که بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزه مسئله آموزِصد مدرِس شُد

(میرا محبوب، جو مکتب نہیں گیا اور (کبھی) کچھ نہ لکھا)
(ایک ادا سے سو مدرسوں کے استادوں کو مسئلے سکھانے والا بن گیا)



ظفراللہ خان نے ابتدائی دینی و دنیاوی تعلیم صوفیائے کرام کے شہر ملتان میں حاصل کی۔ وفاق المدارس الدینیہ سے الشہادۃ العالمیہ فی العلوم الاسلامیہ کیا۔ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم ایس سی (بین الاقوامی تعلقات) کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ کچھ عرصہ تک انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں تدریس کے شعبے سے منسلک رہنے کے بعد، سول سروس آف پاکستان کے ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ (1987ء) میں شمولیت اختیار کر لی۔ سٹی یونیورسٹی لندن (1997ء) سے ایل ایل بی کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ یونیورسٹی آف ویسٹ آف انگلینڈ، برسٹل (برطانیہ) سے قانون میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ حاصل کیا اور لنکنز ان (1998ء) سے بار ایٹ لاء کرنے کے بعد ملازمت سے استعفیٰ دے کر (2002ء) قانون کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔ ہیگ (ہالینڈ)، تورین (اٹلی)، جنیوا (سوئزرلینڈ) اور آکسفورڈ (برطانیہ) سے قانون اور بین الاقوامی تعلقات پر کئی خصوصی کورسز کیے۔ وفاقی سیکریٹری برائے قانون و انصاف اور وزیراعظم پاکستان کے خصوصی معاون / وفاقی وزیر برائے قانون و انصاف، وزیر برائے حقوق انسانی، وزیر برائے اقتصادی امور، وزیر برائے کابینہ اور وزیر برائے پارلیمانی امور بھی رہے۔ آپ اسلام، قانون اور حقوق انسانی پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

مشتاق بک کارنر

الکریم مارکیٹ۔ اُردو بازار، لاہور فون: 042-37230350